ماہنامہ آنچل کی جانب سے ایک اور آنچل
ماہنامہ
حجاب
کراچی
عید سعید
aanchalpk.com aanchalnovel.com

اس شمارے میں

ابتدائیہ

امہات المومنین

ذکر اس پری وش کا

آغوش مادر

عید سروے

سلسلہ وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر، جمیل حسن ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہائی اسٹیڈیم کراچی، دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

مستقل سلسلے

خط وکتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 یکے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز۔ ای میل Infohijab@aanchal.com.pk

editorhijab@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جولائی ۲۰۱۶ء کا حجاب حاضرِ مطالعہ ہے۔

سب سے پہلے تمام اہلِ وطن اور عزیز قاری بہنوں کو عید سعید مبارک ہو۔ رمضان کا بابرکت ماہِ مبارک ہم سے رخصت ہوا اپنی تمام تر برکتوں رحمتوں سے بھرپور ہمیں نواز گیا۔ اللہ کا جتنا شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے ہم اللہ کی کس کس نعمت کو جھٹلائیں گے اور کس کس نعمت پر اس کا شکر ادا کریں گے۔ یہ عید سعید رمضان کی برکتوں رحمتوں کی شکر گزاری کا ہی ذریعہ ہے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی اس عید کی مبارک خوشیوں میں اپنے غریب ونادار رشتہ داروں اور ہمسایوں کا بھرپور انداز میں خیال رکھیں ان شاء اللہ اس کا دُہرا اجر وثواب ملے گا۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آپ کا حجاب آپ کے آنچل کی مانند بتدریج آپ کی پسندیدگی کے معیار پر پورا اتر رہا ہے اس کی اشاعت میں مسلسل آپ کی توجہ ومحبت سے اضافہ ہورہا ہے اس کے لیے تمام قاری بہنوں کا میں اور ادارے کے تمام ارکان تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ اپنی پسند اور ناپسند اور اپنی آراء سے ہمیشہ کی مانند نوازتی رہیں گی اور ہماری رہنمائی کرتی رہیں گی۔ آپ کی رہنمائی کی روشنی بہت بڑی مددگار ہے ہم آپ کی پسند ناپسند سے آگاہ رہتے ہیں اور آپ کے حجاب کو سجانے سنوارنے میں ہمیں بہت آسانی میسر آتی ہے۔ آئیں چلیں آپ کے حجاب کے عید نمبر کی جانب۔

اس ماہ کے ستارے

☆ کچھ اور ہے اپنے ساجن میں — عید کی پُرمسرت ساعتوں میں اضافہ کرتی ام مریم ایک طویل عرصے بعد شریکِ محفل ہیں۔
☆ دل مضطرب — گم گشتہ محبت کی کہانی' اقبال بانو کے خوب صورت اندازِ بیاں میں ملاحظہ کیجیے۔
☆ دکھوں کی فصل — دوسروں کی راہ میں مغیلاں بچھانے والے خود بھی کبھی سکھ کی فصل نہیں کاٹتے' اریشہ غزل کا بہترین ناول۔
☆ میٹھی عید اور نمکین سویاں — عید الفطر کے حوالے سے سباس گل کی کھٹی میٹھی شگفتہ ودلچسپ تحریر۔
☆ پیامِ عید کی روشن سحر — غلط فہمیوں کے بادل چھٹنے پر عید کی سحر کیسے ہوئی روشن نبیلہ نازش کے انداز میں۔
☆ مجاحرہ — خوب صورت پیغام کی حامل حرا قریشی کی اصلاحی تحریر ایک نئے پیرائے میں جو آپ کی سوچ بدل ڈالے گی۔
☆ میرے مہرباں میرے ہمسفر — رشتوں میں اعتماد کو بحال کرتی نزہت جبین کی منفرد تحریر۔
☆ چاند میرے آنچل کا — عید کے حوالے سے فرح دیبا اپنے مکمل ناول کے سنگ جلوہ گر ہیں۔
☆ تیرے سنگ چاند رات — چاند رات کے حسن فسوں خیز میں اضافہ کرتی سحرش فاطمہ کی شگفتہ تحریر۔
☆ ہزاروں خواہشیں — ادھوری خواہشات کے حوالے سے عرشیہ ہاشمی کی سبق آموز تحریر ایک نئے انداز میں
☆ چلو ہم بھی تیرے ساتھ چلے — شکوے شکایات کو مٹاتی حنا اشرف کی عید کے حوالے سے خصوصی تحریر۔
☆ یہ عید تیرے سنگ سجن — قرۃ العین سکندر عید نمبر کے حوالے سے خصوصی تحریر لیے جلوہ گر ہیں۔
☆ عید اور اجرت — لیلۃ الجائزہ کا اصل مفہوم پیش کرتی حریم الیاس کی موثر واصلاحی تحریر۔
☆ عمر قید کی مجرم — قیدِ حیات کی داستان سمیہ عثمان کے منفرد انداز میں۔
☆ پھر چاند نے چپکے سے کہا — عید کی خوشیوں کو دوبالا کرتی عائشہ پرویز اپنے خصوصی افسانے کے سنگ حاضر ہیں۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو
قیصر آرا

ذرّہ ہوں آفتاب کی توصیف کیا لکھوں

کرنیں ملیں کرم کی تو حمد و ثنا لکھوں

تیری صفات وذات میں تفریق ہے عبث

جلوہ لکھوں تجھے کہ میں جلوہ نما لکھوں

واحد کہوں، وحید کہوں، حامد و حمید

تجھ کو حکیم و حاکمِ روز جزا لکھوں

قیوم بھی، قدیم بھی ہے تو عظیم بھی

مطلق لکھوں، صمد لکھوں رب العلیٰ لکھوں

ذروں کو آفتاب کے جلوے عطا کیے

اس سے سوا میں اور کیا تیری عطا لکھوں

عالم نیا ہو روز مرے وجد و حال کا

مضمون تیری حمد کا ہر دم نیا لکھوں

وجد چغتائی

سب سے بڑا دربار مدینے والے کا

نورانی دربار مدینے والے کا

لے کے چلو اب مجھ کو مدینے لے کے چلو

میں تو ہوں بیمار مدینے والے کا

مجھ کو ہوگا ناز کہ جب یہ لوگ کہیں

منگتا ہے سرکار مدینے والے کا

میرے دل کی یہ ہی ایک تمنا ہے

ہو جائے دیدار مدینے والے کا

جو ہیں نبی کے عاشق وہ یہ کہتے ہیں

ہوجائے دیدار مدینے والے کا

جو ہیں نبی کے دشمن وہ یہ کہتے ہیں

اعلیٰ ہے کردار مدینے والے کا

محسن اک دن ہم بھی طیبہ جائیں گے

دیکھیں گے دربار مدینے والے کا

محسن علی

ندا رضوان

عبیداللہ بن جحش اور رملہ بنت ابوسفیان دنیا جہان کی خوشیاں دامن میں سمیٹے زندگی کے دن گزار رہے تھے مگر مکہ کی سیاسی و مذہبی فضا میں روز افزوں تبدیلی آرہی تھی، بنوامیہ اور بنوہاشم حصول اقتدار کے لیے کوشاں تھے اور اس سلسلہ میں ہر ممکن تدبیر اختیار کررہے تھے، اس باہمی اختلاف نے یہود و نصاریٰ کو زبان دے دی تھی وہ کھلم کھلا بت پرستی کی مذمت کرنے لگے تھے نوبت یہاں تک پہنچی کہ اہل مکہ اور قریش کی ایک کثیر تعداد یہود و نصاریٰ کی ہم خیال ہوگئی اور وہ بتوں سے شدید نفرت کرنے لگی۔

جب دونوں میاں بیوی نور اسلام سے منور ہوکر حضورﷺ کے کاشانہ اقدس سے باہر نکلے تو ان کی دنیا یکسر بدل چکی تھی دونوں بہت شاداں و فرحاں تھے دونوں کو نعمین کی دولت جو مل گئی تھی۔

اب ان دونوں میاں بیوی کے شب و روز کا رنگ بدل گیا تھا۔ کفر کے اندھیرے غائب ہوگئے تھے اور اسلام کی روشنی دلوں اور گھر کے اندر پھیل گئی تھی، ابوسفیان جس کو اپنی بیٹی کی شائستہ عادات و خصائل پر بڑا ناز تھا اس کی اسی بیٹی نے قدیم جاہلی روایات سے بغاوت کرکے حق و صداقت کے نور سے اپنے سینے کو منور کرلیا تھا ابوسفیان بے خبر تھا کہ اس کے اپنے گھر کے اندر کتنا بڑا انقلاب آ گیا ہے۔

بیٹی کا خیال تھا کہ اس کا باپ جو صائب الرائے تعلیم یافتہ اور قریش کا سردار ہے اس پر بھی حق بہت جلد روشن ہوجائے گا اور محبوب کبریاﷺ کی دعوت حق قبول کرلے گا لیکن اسے کیا خبر تھی کہ وہ اسلام، اللہ کے رسولﷺ اور ان کے پیروکاروں کا سب سے بڑا دشمن ہوگا اور ان کی ایذا رسانیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے گا۔

نور مجسمﷺ کی خفیہ تبلیغ تین سالوں پر محیط تھی۔ دامن اسلام سے وابستہ ہونے والوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا جارہا تھا لیکن ان میں اضافہ کی تعداد بہت کم تھی اور تبدیلی مذہب کا اعلان کرکے اہل مکہ کو دشمن بنانے والی بات تھی اس لیے اکثریت اس کا اظہار نہ کرتی تھی۔

جب مسلمانوں پر معاندین اسلام کی چیرہ دستیوں کی انتہا ہوگئی تو رحمت مجسمﷺ نے مسلمانوں کو بطرف ملک حبشہ ہجرت کی اجازت عطا فرمادی، پہلی ہجرت نبوت کے پانچویں سال وقوع پزیر ہوئی اس قافلہ میں گیارہ مرد اور چار خواتین تھیں اس قافلہ کی روانگی کے بعد لوگ مسلسل ہجرت کرتے رہے یہاں تک کہ حبشہ میں مسلمانوں کی کافی تعداد ہوگئی، ان لوگوں کے جانے پر قریش نے مزاحمت نہیں کی اور یہ قافلہ بغیر کسی رکاوٹ کے منزل مقصود پر پہنچ گیا لیکن ان پندرہ مسلمانوں کی ہجرت نے کفار مکہ کی آتش غضب کو مزید بھڑکا دیا اور مسلمانوں پر ان کے شدائد کئی گناہ ہوگئے۔ اندریں حالات نبوت کے چھٹے سال رسول اللہﷺ نے دوسری ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی، مگر اس مرتبہ پہلی ہجرت کی طرح آسانی سے قافلہ جانا دشوار تھا کفار نے سخت مزاحمت کی طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالنا شروع کیں یہ قافلہ 68 مردوں اور 19 خواتین پر مشتمل تھا ان میں عبیداللہ بن جحش اور ان کی اہلیہ محترمہ رملہ بنت ابوسفیان صخر بن حرب بھی شامل تھیں۔ اس وقت ان کی عمر 23 برس تھی اور حاملہ تھیں، قافلے والوں نے رضائے الٰہی کی خاطر خویش و اقربا اور گھربار کو چھوڑا تھا مکہ والوں نے اس قافلہ کا تعاقب کیا لیکن وہ ان سے چھپتا چھپاتا سوئے منزل قدم بڑھاتا رہا۔

حبشہ جسے ایتھوپیا اور ابی سینیا بھی کہتے ہیں براعظم افریقہ کا ایک ملک ہے جو شمالی علاقہ ملک یمن کے بالمقابل بحیرہ قلزم کے اس پار واقع ہے جس کا سیاسی نظام بادشاہت ہے۔ ان دنوں وہاں اصحمہ نامی بادشاہ کی حکومت تھی جو مذہب عیسائی تھا چونکہ شاہان حبشہ کا لقب نجاشی تھا اس لیے وہ اسی نام سے معروف تھا اور اس کا اصل نام لقب کے نیچے دب کررہ گیا تھا۔

کئی دنوں کی مسافت طے کرنے کے بعد ستاسی مردوں اور عورتوں کا قافلہ بحیرہ قلزم کے کنارے پہنچا حد نظر تک نیلگوں سمندر کا پانی پھیلا ہوا تھا جس میں چھوٹی بڑی لہریں اٹھ رہی تھیں جن کے باہم ٹکرانے سے فضا میں نغمے بکھر رہے تھے ساحل سمندر پر زیادہ عرصہ انتظار نہیں کرنا پڑا جلد ہی کشتیوں کا انتظام ہوگیا۔ سب لوگ ان میں سوار ہوگئے اور کشتیاں سینۂ آب پر رقص کناں حبشہ کی طرف بڑھنے لگیں۔ عبیداللہ اور رملہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں رنگینی قدرت کا مشاہدہ کررہے تھے کافی دیر تک دونوں خاموش رہے اور پھر عبیداللہ بن جحش کے لبوں پر یہ الفاظ تیر گئے۔

"قدرت کس قدر حسین و خوب صورت ہے۔"

رات دبے گام گزر رہی تھی ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آرام فرما رہی تھیں کہ عالم رویاء میں پہنچ گئیں، کیا دیکھتی ہیں کہ عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل نہایت کریہہ و مکروہ ہوگئی ہے فوراً آنکھ کھل گئی دل و دماغ میں خیالات کا ہجوم ہونے لگا سوچنے لگیں۔

"عبیداللہ کی حالت کیوں بدل گئی۔"

اب نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی، صبح ہوئی تو عبیداللہ نے

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مخاطب کر کے کہا۔

"اے حبیبہ کی ماں میں نے دین کے بارے میں بہت سوچا اور آخر کار اس نتیجے پر پہنچا کہ تمام مذاہب میں سے نصرانیت بہترین دین ہے۔ چنانچہ میں اس کی طرف مائل ہو گیا تھا لیکن اس کے باوجود میں نے اسلام کو اختیار کر لیا تھا کیوں؟ اس کی وجہ میں خود بھی نہیں جانتا لیکن اب میں نے نصرانیت کی طرف رجوع کر لیا ہے۔"

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سنا تو بولیں۔

"اس میں تمہاری کوئی بھلائی نہیں ہے بلکہ سراسر نقصان ہے۔"

"میں نے ہر پہلو سے غور کیا ہے اور یہی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ نصرانیت اچھی ہے اور میں شاہی مذہب سے متاثر ہو کر عیسائی ہو گیا ہوں۔"

عبیداللہ نے جواب دیا تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا۔

"عبیداللہ ابھی وقت ہے کہ اس خیال کو چھوڑ دو رات میں نے خواب میں تمہیں نہایت بھیانک اور مکروہ شکل میں دیکھا ہے۔"

سمجھانے کے باوجود عبیداللہ اپنے خیال سے باز نہ آیا وہ مرتد ہو گیا لہٰذا میاں بیوی میں علیحدگی ہو گئی، طرفہ تماشا دیکھیں کہ عبیداللہ نے نجاشی کے مذہب سے متاثر ہو کر اسلام ترک کر دیا تھا لیکن اس کے برعکس جب ۶ ہجری میں آنحضرت ﷺ نے نجاشی کو اسلام قبول کرنے کا دعوت نامہ بھیجا تو وہ فوراً آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لے آیا اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی اور اسی سن ہجری میں عبیداللہ مذہب عیسائیت پر اس جہان سے کوچ کر گیا۔

محبوب کبریا، رحمت مجسم ﷺ کو جب حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں علم ہوا کہ وہ کن حالات میں زندگی بسر کر رہی ہیں تو حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن امیہ ضمری کو طلب کر کے فرمایا۔

"تم ابھی حبشہ روانہ ہو جاؤ اور اس کے بادشاہ کو میرا خط پہنچاؤ۔"

حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن امیہ ضمری نے خط مبارک کو بصد ادب ہاتھوں میں لیا اور پھر سوئے حبشہ چل پڑے۔

شاہ حبشہ دربار میں بیٹھا تھا کہ اطلاع ملی کہ حضور اکرم ﷺ کے قاصد حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن امیہ ضمری تشریف لائے ہیں سنا تو تخت سے اٹھ بیٹھا۔

حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن امیہ کا بڑی محبت سے استقبال کیا اور قریب لا کر بٹھایا قاصد نے خط پیش کیا تو اسے سر آنکھوں پر رکھا اور پھر کھول کر پڑھا لکھا تھا۔

"میری طرف سے ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیام شادی دو۔"

شام کو تقریب نکاح کا انتظام کیا گیا نجاشی نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور وہاں جو مسلمان تھے سب کو بلا بھیجا جب سب جمع ہو گئے تو شاہ حبشہ نجاشی نے حاضرین سے خطاب کر کے کہا۔

"مجھے حضور اکرم ﷺ نے پیغام بھجوایا تھا کہ میں ان کا نکاح حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پڑھا دوں، اسی سلسلہ میں آپ کو یہاں بلایا ہے۔"

پھر اصحمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (شاہ حبشہ) نے جن کا لقب نجاشی تھا خطبہ نکاح پڑھا انہوں نے چار سو دینار حضرت خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ کو دے دیے پھر جب لوگوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو نجاشی بولا۔

"ابھی آپ لوگ تشریف رکھیں کیونکہ انبیا کی یہ ایک قدیمی سنت ہے کہ نکاح کے موقع پر لوگوں کی دعوت کی جائے۔"

چنانچہ اس نے کھانا منگوا کر سب کے سامنے چنوا دیا اور جب لوگ کھانا کھا کر فارغ ہوئے تو گھروں کو تشریف لے گئے۔

حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ بن امیہ ضمری جہاں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے شاہ حبشہ کے نام سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے نکاح کا پیغام لے کر آئے تھے اس سے ہم آہنگ ہونے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ شاہ حبشہ سے کہیں کہ وہ اپنے ملک میں موجود مہاجرین کو مدینہ منورہ بھیجنے کا مناسب انتظام کر دے چنانچہ بادشاہ نے دو کشتیوں کا بندوبست کر دیا جن مسلمانوں نے ان کشتیوں میں سوار ہو کر ایک عرصہ دراز کے بعد اپنے آقا و مولا ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہونا تھا ان کی تعداد حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ 16 تھی۔ خوشی کی ایک لہر جوان کے خون کے اندر دوڑ رہی تھی ایک مدت کے بعد وہ اپنے لوگوں سے ملیں گے اور سب سے بڑی بات یہ کہ حضور اکرم ﷺ کی معیت وقرب میں رہیں گے جس سے بڑھ کر کوئی اور سعادت ہو نہیں سکتی تھی۔

مقررہ روز مسلمانوں کا یہ قافلہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قیادت میں روانہ ہوا ویسے تو تمام مسلمان حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت کے لیے موجود تھے لیکن اس کے باوجود نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے شرجیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بطور خاص ان کی دیکھ بھال اور خدمت پر مامور فرما دیا اور حضور ﷺ سے محبت کا تقاضا بھی یہی تھا۔

ہجرت حبشہ سے لے کر آپ ﷺ کے نکاح میں آ کر مدینہ منورہ واپس آنے تک تیرہ سال حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حبشہ میں رہیں جب وہ مدینہ منورہ پہنچیں تو ان دنوں محبوب رب العالمین ﷺ خیبر کی مہم پر تشریف لے کر گئے ہوئے تھے، حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور کچھ دوسرے لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لیے سوئے خیبر روانہ ہو گئے ام المومنین سیدہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ میں رک گئیں اور اپنے شوہر نامدار ﷺ کا انتظار فرمانے لگیں۔

جب نور مجسم، ختم الرسل ﷺ خیبر سے واپس تشریف لائے تو

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شدت سے چشم براہ تھیں، حضور اکرم ﷺ نے ان کے لیے خیبر کی کھجوروں میں سے 80 وسق کھجوریں اور 20 وسق جو مقرر فرمادیے بیٹی، حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے ساتھ تھیں جس نے آغوش نبوت میں تربیت پائی اور جب بڑی ہوئی تو قبیلہ ثقیف کے رئیس اعظم داؤد بن عروہ بن مسعود کو منسوب ہوئیں۔

قریش کے بارے میں سید الانبیاء ﷺ کے جو خیالات تھے ان سے ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بے خبر نہ تھیں، البتہ مکہ کے بارے میں جو آپ ﷺ کے ارادے تھے ان سے واقف نہ تھیں۔

ایک روز ابوسفیان نے بیٹی کے حجرے اقدس کے دروازے پر دستک دی۔

"کون؟"

"ابوسفیان۔"

"اندر آجائیں۔" حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا تو ابوسفیان حجرہ مبارک کے اندر چلے گئے۔

چودہ سال کے عرصہ دراز کے بعد باپ بیٹی کی ملاقات ہوئی تھی انہوں نے بستر پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے فوراً لپیٹ دیا۔

"کیا تم نے اپنے باپ کو اس لائق بھی نہیں سمجھا کہ وہ بستر پر ہی بیٹھ سکے؟" ابوسفیان نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر مبارک ہے اور آپ ابھی شرک کی نجاست سے آلودہ ہیں میں نہیں چاہتی کہ آپ کے بیٹھنے سے اس بستر کے تقدس میں فرق آئے۔"

ابوسفیان نے سنا تو غصے سے چہرہ تمتما اٹھا اور وہ بڑبڑاتا ہوا بیٹی کے گھر سے باہر نکل گیا۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی راسخ العقیدہ، پاکباز، سمجھدار، عالی ہمت، سلیقہ شعار، جواد، اوصاف حمیدہ کی مالک تھیں اور رضائے الٰہی و رسولہ کے سامنے کسی کو ترجیح نہ دینے والی خاتون تھیں، عمل بالحدیث کی بہت پابند تھیں اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتی تھیں، ان کے بھانجے ابوسفیان بن سعید بن المغیرہ آئے اور انہوں نے ستو کھا کر کلی کی تو بولیں۔

"تم کو وضو کرنا چاہیے کیونکہ جس چیز کو آگ پکائے اس کے استعمال سے وضو لازم آتا ہے یہ آنحضرت ﷺ کا حکم ہے۔"

اس قسم کی حدیث حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حالات میں بھی ہے لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا تھا یعنی پہلے ایسا ہی تھا پھر حضور اکرم ﷺ نے اس کو باقی نہیں رکھا، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آگ پر پکی ہوئی چیزیں کھاتے تھے اور اگر پہلے سے وضو ہوتا تو دوبارہ وضو نہیں کرتے بلکہ پہلے ہی وضو سے نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔

رحمت للعالمین ﷺ سے ایک مرتبہ سنا گیا کہ جو شخص بارہ رکعت نفل روزانہ پڑھے گا اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

"میں ان کو ہمیشہ پڑھتی ہوں۔"

اس کا اثر یہ ہوا کہ ان کے شاگرد اور بھائی عتبہ اور عتبہ کے شاگرد عمرو بن اویس اور عمرو کے شاگرد نعمان بن سالم سب اپنے اپنے زمانہ میں برابر یہ نمازیں پڑھتے تھے۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تقریباً چار سال محبوب کبریا ﷺ کے ساتھ ازدواجی زندگی بسر کی کہ آپ ﷺ اپنے رفیق اعلیٰ کے پاس تشریف لے گئے جب انہیں مفارقت کا داغ لگا تو اس وقت ان کی عمر مبارک چالیس سال تھی دنیا اندھیر ہوگئی، جب کبھی ملاقات کو دل چاہتا تو حجرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں تشریف لے جاتیں وہاں بیٹھتیں اور پھر واپس تشریف لے آتیں۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد حضرت ابو سفیان صخر بن حرب کا انتقال حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مسعود میں 33 ہجری میں ہوا، اس وقت ان کی عمر 96 سال تھی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے نماز جنازہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔

جب تین دن گزر گئے تو ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خوشبو لگا کر اپنے دونوں ہاتھوں اور رخساروں پر ملی اور فرمایا۔

"مجھے خوشبو کی ضرورت نہیں اگر میں رسول اللہ ﷺ سے یہ بات نہ سنتی کہ عورت کے لیے جس کا اللہ اور آخرت پر ایمان ہے حلال نہیں کہ تین دن سے زیادہ کسی مرنے والے پر اظہار غم کرے، بجز شوہر کے، کیونکہ اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے ورنہ میں خوشبو نہ لگاتی۔"

جب ام المومنین حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کی تو اس وقت آپ کی عمر مبارک 74 سال تھی سن 44 ہجری اور عہد خلافت ان کے باپ شریک بھائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تھا۔

آپ کے مدفن کے بارے میں مختلف روایات ہیں استیعاب کے مطابق ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر مبارک امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان میں تھی۔

ذکر اس پری وش کا

زینب اسد

اقراء روشی

السلام علیکم! تمام آنچل اسٹاف' رائٹرز اینڈ ریڈرز کو پرخلوص سلام' کیسے ہیں آپ سب؟ میں الحمدللہ فٹ اینڈ فائن ہوں۔ جی تو پیارے دوستو! میرا نام اقراء روشی ہے گھر والوں نے تو بس اقراء ہی رکھا تھا روشی کا اضافہ خود ہی کرلیا۔ ڈیئرز 29 دسمبر کو اس دنیا کو میڈم جی نے رونق بخش ہی دی۔ تعلیمی قابلیت ایف اے ہے' چار بہنیں اور دو بھائی ہیں سب سے چھوٹا بھائی حسن بہت ہی لاڈلا ہے' اسے اپنے محلے کی ہر خبر معلوم ہوتی ہے اگر کسی بات کا نہ پتا ہو تو سب کہتے ہیں حسن آجائے سب پتا چل جائے گا۔ 2008ء سے آنچل پڑھ رہی ہوں آنچل میرا بہت ہی پسندیدہ ڈائجسٹ ہے' میں نے آنچل سے بہت کچھ سیکھا ہے لیکن مزے کی بات ہے میں نے آج تک آنچل خود نہیں خریدا' ہمیشہ مانگ کر ہی پڑھتی ہوں باقی ناولز کی تفصیل لمبی ہے موسٹ فیورٹ "عشق آتش' درد دل' لاحاصل ہیں" رائٹرز میں نازیہ کنول' اقراء صغیر اور سمیرا شریف پسند ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے' آمین۔ جی تو میری اچھائیاں (کوئی ایک ہو تو بتاؤں' ہاہاہا) ہر کسی کو بہت جلد معاف کردیتی ہوں اور برائیاں ماشاء اللہ سے کوئی ہے ہی نہیں (سچ میں نہیں ہے) اور میری سب سے انوکھی خواہش کاش میرے پاس ایک جن ہوتا (پھر میں بتاتی سب کو) جس سے اپنی ہر خواہش پوری کروالیتی اور جس سے بدلہ لینا ہوتا لے لیتی۔ میرا سب سے پہلا شوق دنیا گھومنا خصوصاً پیرس، ناران کاغان' سوات اور حج کرنا۔ گھر میں جب بھی فارغ ہوتی ہوں ڈرائنگ اور شعر و شاعری کرتی ہوں وصی شاہ اور علامہ اقبال فیورٹ شاعر ہیں۔ بارش بہت اچھی لگتی ہے اور اس میں بھیگنا اور بھی اچھا لگتا ہے ساتھ میں آئس کریم بھی ہوجائے تو کیا ہی بات ہے (لیکن مجال ہے کوئی لا کردے)۔ گیلی مٹی کی خوشبو پسند ہے' ساحل کی گیلی ریت پسند ہے۔ لباس میں فراک چوڑی دار پاجامہ' لانگ شرٹ اور بڑا سا دوپٹہ پسند ہے۔ کلرز میں جو کلر مجھے سوٹ کرجائے وہی پسندیدہ بن جاتا ہے لیکن گولڈن اور پستہ رنگ کچھ زیادہ ہی پسند ہیں' سادگی پسند ہوں۔ سادہ چوڑیاں ہر کلر میں بہت اچھی لگتی ہیں خاص طور پر ان کی چھن چھن۔ ہر فنکشن میں صرف کاجل اور لپ شائنر لگانا پسند ہے' اپنی ذات میں آنکھیں اٹریکٹ کرتی ہیں آ...ئی پسند ہوں' سنجیدہ مزاج لوگ پسند ہیں۔ ساری سبزیاں شوق سے کھالیتی ہوں' دالوں اور گوشت سے پکی پکی دشمنی ہے' دوستی کرنا بہت اچھا لگتا ہے اور ہمیشہ پہل کرتی ہوں۔ فیورٹ کزن زنیرہ اور حدیبیہ ہیں۔ سفیرہ مریم خالہ کی اور لاریب فریحہ کالج فیلو حد سے زیادہ پسند ہیں لیکن کبھی آج تک ان پر یہ راز افشاں نہیں کیا۔ دعا ہے کہ اللہ ان تینوں کی قسمت اچھی کرے' آمین۔ دوستوں کی فہرست بہت شارٹ ہے' اقراء عارف' المیر اُردا' عیشہ ہیں۔ اگر دنیا میں مجھے ایک موقع ملے کہ ایک اختیار میرے پاس ہے تو میں پاکستان کے سب دشمنوں کو ختم کردوں' اس کے ساتھ ہی اجازت چاہتی ہوں دعا ہے کہ اللہ ہمارے پیارے پاکستان کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور ہر قسم کے نقصان سے دور رکھے' والسلام۔

عائشہ گل

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ! آنچل اسٹاف اور تمام پڑھنے والیوں اور لکھنے والیوں کو دل کی گہرائیوں سے سلام۔ مابدولت کو عائشہ دین محمد کہتے ہیں اور مزے کی بات یہ کہ مابدولت کو اپنی تاریخ پیدائش کا پتا نہیں لیکن ہم ہر کسی کو بڑے مزے سے اور جھوٹ بول کر 28 اکتوبر کا بتاتے ہیں

(کیونکہ اکتوبر کا مہینہ اور مہینے کے آخر میں 28 تاریخ پسند ہیں) آپ یہ مت سمجھئے کہ ہم کو گفٹ کا لالچ ہے بلکہ کوئی ہمیں گفٹ دیتا ہی نہیں (ایک مرتبہ حمیرا ذوالفقار کا گفٹ ٹھکرایا تھا شاید اس کی سزا ہے)۔ مجھے گفٹ لینا اور دینا دونوں پسند ہیں) اچھا تو اب مزے دار سا تعارف ہوجائے۔ ہم ماشاء اللہ سے دس بہن بھائی ہیں' پانچ بہنیں اور پانچ بھائی۔ ارے آپ تو نظر لگانے کا ارادہ رکھتے ہیں' منہ بند کیجیے اور ماشاء اللہ کہیے کیونکہ ہمیں اپنے بہن بھائیوں سے بے حد پیار ہے' ہم بہنوں میں سب سے چھوٹی (مگر لگتی ان سب سے بڑی ہوں) اور تین نٹ کھٹ سے شرارتی بھائیوں سے بڑی ہوں۔ میں نے اس سال فرسٹ ائر کے پیپر دیئے ہیں اور اب فارغ ہوں۔ اہم ترین کام (گھر والوں کو تنگ کرنا' اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کے ساتھ شرارتیں اور مزے کرنا) اور فارغ وقت میں آنچل اور بس میں۔ اس میں حکایتیں' نصیحتیں اور کہانیاں ہر کوئی ایک سے بڑھ کر ایک ہے) پتا ہے میں نے فرسٹ ٹائم انٹری ماری ہے اس لیے دل میں گھنٹیاں سی بج رہی ہیں' کوئی بات نہیں ہم بھی ڈرنے والوں میں سے نہیں یا رڈی کی ٹوکری میں یا پھر اس پیارے شمارے میں' آنچل کے ساتھ وابستگی ہیں کچھ ہی ماہ میں ہوئی ہے اور ساتھ حجاب سے بھی دوستی ہوگئی اور ایسی وابستگی ہوئی کہ بس پوچھئے مت (میں اور امی کی ڈانٹ) سارا شمارہ ایک ہی دن میں پڑھ لیتی ہوں اور ڈانٹ بھی کھاتی ہوں' لمبی کہانی اور دکھ ہے۔ رائٹرز میں مجھے تمام لکھاریوں سے حد زیادہ پیار ہے اگر بات پسند کی ہے تو مجھے نازیہ کنول نازی آپی' سمیرا آپی' مریم آپی' فاخرہ گل' نبیلہ ابرراجا' سباس گل سارے ہی اچھے لگتے ہیں مگر جو قلبی لگاؤ اور دل ہے ناں وہ پیاری سی نازی آپی کی طرف لپکتا ہے۔ مجھے ان کا الفاظ کے چناؤ اور خیالات و احساسات بہت اچھے لگتے ہیں۔ اب متوجہ ہوتے ہیں تھوڑے سے مگر پیارے سے تعارف کی طرف' ہماری خوبیاں بقول اپنے حساس ہوں' کسی کو مصیبت میں دیکھ کر یہ نادان دل بہت تڑپتا ہے اور اگر ہوسکے تو مدد بھی کرتی ہوں۔ بچوں سے بے حد اور بے انتہا پیار ہے میرے دو ننھے سے کیوٹ بھانجے ہیں جنہیں حد سے زیادہ چاہتی ہوں' محمد آذان زید اور محمد شعیب اختر دونوں ہی ماشاء اللہ سے بہت پیارے ہیں۔ آذان دو سال کا اور شعیب ایک سال کا ہے' اللہ تعالیٰ انہیں لمبی زندگی' صحت و تندرستی اور صالح و مجاہد بنائے' آمین اور اب بات خامیوں کی ہوجائے' ضدی ہوں بقول فرینڈ کے بے پروا ہوں اپنے آپ سے اور بہت سے اسکول دوستوں کا دل توڑ چکی ہوں جنہوں نے دوستی کی آفر کی تھی (ان سب سے معذرت خواہ ہوں) سکے جمع کرنے کا شوق ہے' ابو آتے ہی سکے میرے حوالے کردیتے ہیں' کپڑوں میں لانگ شرٹس اور ٹراؤزر کا شوق ہے۔ کھانے میں گوبھی اور ساگ' باقی جو مل جائے کھالیتی ہوں نخرہ بالکل نہیں کرتی۔ پھلوں میں انگور اور جامن پسند ہیں رنگوں میں پنک' وائٹ' بلیک پسند ہیں اور جیولری میں (چھوٹی سی بالیاں' چوڑیاں اور بینڈ واچ پسند ہیں)۔ کرکٹرز میں محمد حفیظ اور عمر اکمل فیورٹ ہیں (اور جب پاکستان کا میچ ہو سب بھول جاتی ہوں) گانوں کا شوق نہیں (ہاں اگر لگا ہو تو سن لیتی ہوں)۔ شاعری اور غزل جو اچھی لگے ڈائری کی زینت بناتی ہوں' سفر کرنے کا بہت شوق ہے' فیورٹ شخصیت پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہیں اینڈ میں اپنے امی ابو اور بہن بھائیوں سے بے حد پیار ہے' جس کا اظہار کبھی نہیں کرسکتی' دوستوں میں میرا اپنا گروپ ہے (شہزادی' حمیرا' فاطمہ' اقصیٰ' ماریہ' نمرہ' عطیہ' رابی' سمیرا زمان' فاخرہ' سمیرا نواب) مگر بیسٹ فرینڈ نمرہ' عطیہ' رابی ہیں' اچھا اب آپ کا بہت وقت لے لیا ہے' نیک تمناؤں کے ساتھ اللہ حافظ۔

ساحل نور

آداب پیش کرتی ہوں تمام قارئین کو' والدین نے میرا نام مہ جبین رکھا۔ اب ایک شاعرہ کی حیثیت سے اپنے قلمی نام ساحل نور سے پہچانی جاتی ہوں۔ آبائی شہر میرا ملتان ہے جہاں میں نے جنم لیا 3 ستمبر 1996ء کو لیکن اب کچھ

مسائل کے تحت فیصل آباد میں قیام پذیر ہوں۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اللہ نے 70 مرتبہ نگاہِ رحمت فرمائی جس کا اثر یہ ہوا کہ میں قرآن حافظہ بن گئی۔ اب میں سیکنڈ ائر کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ چند دن پہلے بک شاپ پر ناول خریدنے کی نیت سے جانے کا اتفاق ہوا جہاں میری طواف بکس کرتی نگاہ اچانک آنچل پر جاکر ٹھہر گئی اور دل نے کہا یہ پڑھنا چاہیے۔ 2015ء کا پہلا شمارہ خریدنے پر اکتفا کیا اور پھر دل نے خیال کیا کہ اس میں شامل ہونا چاہیے۔ غم زندگی کا حصہ ہیں اس کے بغیر زندگی نامکمل۔ شاعری میرا شوق نہیں بلکہ مجبوری کہنا بہتر ہوگا۔ 12 دسمبر 2009ء کی صبح میرے لیے المناک ثابت ہوئی جن دنوں میں کلاس 8th کی اسٹوڈنٹ تھی اور پہلا پیپر تھا۔ جب بابا جانی کی طبیعت ناساز دیکھ کر دل کو تکلیف ہورہی تھی اور دل نہ چاہتے ہوئے بھی پیپر دینے چلی گئی جب جانے لگی تو میرا ہاتھ بابا جانی کے ہاتھ میں تھا اور منہ سے معافی کے الفاظ ادا کرنا چاہتی تھی کہ زبان کو جیسے تالا لگ گیا تھا یا پھر شاید قسمت میں میری ساری عمر پچھتاوا تھا۔ جب وقت سے پہلے بھائی کے لینے آنے کی خبر ملی تو دل کی دھڑکن جیسے رک سی گئی اور زبان گنگ ہوگئی مگر دل ایسا کچھ ماننے پر تیار نہ تھا جب گھر کے گیٹ پر بھائی نے اتار کر سر پر ہاتھ رکھ کر کہا ''جبیں! ابو اب اس دنیا میں نہیں رہے'' یہ الفاظ میری زندگی ختم کردینے کے لیے کافی تھے۔ وہ میرے صرف والد ہی نہیں بلکہ دوست بھی تھے جن کی موجودگی نے مجھے ماں کے پیار سے بھی ناسمجھ ہی رکھا کبھی دل کی باتیں کیا کرتی تھی ان سے اور اچانک ان کا یوں دنیا چھوڑ جانا کسی قیامت سے کم نہ تھا۔ وہ سب ہوا جس کا کبھی تصور نہیں کیا تھا' زندگی جیسے رک سی گئی تھی۔ جدائی کسے کہتے ہیں اسی روز پتا چلا اکیلے جینا اس ساتھی کے بغیر جسے زندگی سمجھا ہو کسے کہتے ہیں آج دنیا نے بتادیا۔ سچ ہے وقت بہت بڑا مرہم ہے تب ایسی تھی جیسے اب جی نہیں پاؤں گی مگر اب زندہ ہوں۔ سچ ہے جانے والوں کے ساتھ جان نہیں دی جاسکتی مگر حقیقت ہے کہ زندگی بھی ویسی نہیں رہتی جینے کے انداز بدل جاتے ہیں۔ یہ جدائی کی وہ دیوار مجبوری تھی جو 12 دسمبر 2009ء کو ہمارے درمیان حائل ہوئی یہ ہی وجہ بنی میری شاعری کی۔ پہلے اپنا حال دل اپنے بابا جانی سے کہا کرتی تھی مگر ان کے بعد سب کا (گھر والوں) کا پیار ملنے کے بعد بھی کوئی ایسا نہ ملا جس کو حال دل سناتی تو ایک روز 2009ء کی شب دل کی بھڑاس قلم میں موجود سیاہی کے ذریعے کورے کاغذ پر لفظوں کو چند سطروں میں سمیٹ کر بکھیرنے لگی۔ یوں اپنے دل کا کچھ بوجھ کم ہوا زندگی میں جتنے لوگوں سے میرا واسطہ ہے' سبھی میری نیچر سے واقف ہیں ایسے کہ میں ہر ایک کی سمجھ سے باہر ہوں' کم لوگوں سے ملتی ہوں مگر خلوص کے ساتھ۔ تنہائی پسند ہوں' رش سے جی گھبراتا ہے۔ انا پرست ہوں مگر احسان فراموش نہیں' احسان بہت کم لیتی ہوں وہ بھی صرف گھر میں' بہن' بھائیوں سے۔ دل کی صاف مگر غصے کی کچھ تیز ہوں۔ دوست بہت کم بناتی ہوں مگر یاد ہر اس شخص کو رکھتی ہوں جس کو سلام کیا ہو۔ کچھ اچھے لفظوں میں یاد رہ جاتے ہیں مگر برے بہت کم ہی ملے مگر سبق لازمی سیکھ لیا ان سے۔ سچ ہے غلطی کرنا انسانیت ہے مگر بقول ''جبیں'' کے اسی غلطی کو دہرانا انسانیت نہیں' اسی لیے غلطی تو کرتی ہوں مگر ٹھوکر کھا کر سنبھل جاتی ہوں اور ایسے سنبھلنا زیادہ اچھا سنبھلنا ہے۔ کھانے میں کچھ خاص پسند نہیں اب مگر جینے کے لیے کھانا پڑتا ہے۔ کلرز میں سیاہ اور سفید کلر پسند ہیں' اپنا قومی لباس شلوار قمیص پسند ہے۔ آئینہ دیکھتی ہوں تو شکر ادا کرتی ہوں اتنے گناہوں کے باوجود سب آفتوں سے محفوظ ہوں اور ایک مکمل انسان ہوں۔ خوش نصیب ہے وہ اولاد جن کے والدین حیات ہیں' اپنے والدین بھی کو پیارے ہوتے ہیں مگر خوش نصیب ہوں میں جن کو ایسا دوست باپ کی صورت میں ملا جو بیٹی کو ساری زندگی کا پیار دے گیا۔ بہت کم عرصہ مجھے ان کے ساتھ رہنے کو ملا لیکن وہ اس کم عرصے میں مجھے اپنے بغیر جینا سکھا گیا۔ میں دعا کرتی ہوں اللہ مجھے حافظ باعمل بنائے اور اپنے والدین کے لیے بخشش کا ذریعہ بنائے اور میری ہر وہ دعا اپنے والد

کے حق میں جائز ہے قبول فرمائے اور ہر مسلمان کی طرح مجھے بھی خانہ کعبہ کی زیارت نصیب فرمائے۔ میر تعارف آپ قارئین کے چہروں پر مسکراہٹ تو نہیں سجا سکا مگر ہو سکے تو اپنی آنکھیں نم بھی مت ہونے دیجیے گا' تمام اہل اسلام کو سلام۔

فوزیہ غوث

کیسی ہیں بھئی سویٹ اور اپنی اپنی سی تمام آنچل و حجاب فرینڈز کو میرا اسلام۔ ماہ بدولت کو پہچان لیں یہ کیا بات ہوئی نہیں پہچانا...... بھئی نہیں پہچانا تو ہم بتا دیتے ہیں جی تو مجھے فوزیہ غوث کہتے ہیں نک نیم گڑیا پیاری سی بھابی الماس فوزی کہتی ہیں اور میں ان کو میشو کہتی ہوں۔ یکم اگست کو اس دنیا میں تشریف آوری ہوئی' ہماری چار بہنیں دو بھائی ہیں' تین بہنوں کی شادی ہو چکی ہے اور بڑے بھیا کی ماہ بدولت اور شانی صاحب ابھی انجوائے کر رہے ہیں۔ کاسٹ ہماری گجر ہے جو کہ مجھے پسند نہیں (بھئی کیوں رہنے دیں اس بات کو) او اپنے پیارے سے گاؤں کا تو بتایا نہیں جی تو ہم دنیا پور کے رہنے والے ہیں' اپنا گاؤں بہت اچھا لگتا ہے۔ میٹرک کے بعد حفظ کیا اور پچھلے سال عمرہ کیا ہے' بہت لکی سمجھتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس قابل سمجھا اور اپنے گھر کی زیارت کروائی۔ اب عالمہ کا کورس کر رہی ہوں دوسرا سال چل رہا ہے مجھے اپنی امی اور بھیا سے بہت پیار ہے اور میشو یعنی بھابی الماس سے خوب بنتی ہے لگتا ہی نہیں کہ ہم نند اور بھابی جیسا رشتہ رکھتے ہیں۔ پیارے سے بھتیجے منیب غوث عرف عبد الہادی سے بہت پیار ہے۔ پیارے سے بھیا آصف ہے بھی کلرز میں بے بی پنک اور وائٹ پسند ہے۔ کھانے میں بریانی' روسٹ' فرائیڈ رائس' برگر اور آئس کریم بہت پسند ہے۔ خوشبو میں Do it اور بلولیڈی پسند ہے۔ کام کرنا بالکل پسند نہیں' ہاہاہا (کہیں الماس نہ سن لے)۔ فرینڈز بہت ساری ہیں کچھ دور کچھ پاس جن میں عالیہ' اقراء' مجاہد'

شازیہ' سمیرا' کنزیٰ' نغمانہ' اقراء' الفت' نفیسہ' عمارہ اور الماس ہیں۔ موسٹ فیورٹ ڈائجسٹ آنچل خواتین' شعاع ہے لیکن آنچل وحجاب میرا فیورٹ ڈائجسٹ ہے' تمام رائٹرز اور کہانیاں اچھی لگتی ہیں۔ ویسے عمیرہ احمد' نمرہ احمد' نازیہ کنول نازی' فرحت اشتیاق' ثمرہ بخاری۔ اجی اب کچھ پسند ناپسند کے بارے میں ہو جائے ڈریسز میں شارٹ شرٹ پٹیالہ شلوار پسند ہے لانگ شرٹ بھی پہنتی ہوں' ساڑھی بھی اچھی لگتی ہے (دیکھو جی کب پہنتے ہیں ہاہاہا)۔ شعراء میں احمد فراز' وصی شاہ' محسن نقوی' اعتبار ساجد ہیں' شاعری کرنا پسندیدہ مشغلہ ہے اچھی اور بری عادت (یار سوچنا پڑے گا)۔ جامعہ فرینڈز سمیرا کہتی ہے فوزی تم بہت اچھی ہو' نمرہ کہتی ہے بہت خوب صورت ہو دل میں کوئی بات نہیں رکھتی اب اتنے بھی خوب صورت نہیں ہیں نمرہ جی۔ ضدی بہت ہوں' جلدی سب پر بھروسہ کر لیتی ہوں' رونا بہت جلدی آتا ہے' کسی کو دکھ میں نہیں دیکھ سکتی۔ میری خواہش ہے کہ میں اپنی دادی' نانی کا دور دیکھوں (جو کہ ناممکن ہے)۔ کہانیاں پڑھنے کا مجھے بہت کریز ہے اتنا کہ اگر کبھی اخبار کا ٹکڑا ہاتھ میں آ جائے تو وہ بھی نہیں چھوڑتی۔ پسندیدہ رائٹر راحت وفا ہیں۔ کہانیوں میں "پیر کامل' قراقرام کا تاج محل' جو چلے تو جاں سے گزر گئے' میرے ہمدم میرے دوست ہیں" تمام ناول بہت پسند ہیں۔ پروین افضل شاہین' انا احب' درخشاں' بی طیبہ' نذیر تانی' ام ثمامہ کو بہت شوق سے پڑھتی ہوں' میں آپ لوگوں سے دوستی کرنا چاہتی ہوں اور ہاں اپنی بیسٹ فرینڈ نمرہ کے لیے تم بہت اچھی لگتی ہو جہاں بھی رہو خوش رہو۔ آخر میں ایک پیغام دعا ایک دستک ہے بار بار دو گے تو دروازہ کھل ہی جائے گا' کبھی بھی ناامید مت ہوں' ہمیشہ خوش رہیں' خوشیاں بانٹیں میرے ابو اس دنیا میں نہیں' اللہ ان کی مغفرت فرمائے دعاؤں میں یاد رکھیے گا' تعارف کیسا لگا ضرور بتایئے گا' والسلام جی۔

کنزہ مریم

سوچ رہی ہوں ماں کا ذکر کرتے ہوئے بھی باوضو ہونا چاہیے نا' اس دنیا میں انسانوں کے ہجوم میں بہت زیادہ رشتوں کے ہوتے ہوئے عزیز ترین دوستوں کی موجودگی کے باوجود کوئی انسان ایسا نہیں ہے کسی انسان کا ظرف بھی ایسا نہیں سوائے ماں کے جو ہم سے اپنی اولاد سے بے ریا اور مخلص ہو کر محبت کرتی ہے۔ صحیح معنوں میں ہماری پریشانی کو اپنی پریشانی سمجھتی ہے' ہماری خوشیوں پر خوش اور ہمارے دکھوں پر دکھی ہوتی ہے۔ راتوں کو اٹھ اٹھ کر جب بھی اپنے رب کے حضور گڑگڑاتی ہے' دعا کے لیے دامن پھیلاتی ہے تو اپنے لیے کچھ نہیں مانگتی' اپنی اولاد کے لیے ہی مانگتی ہے۔ ہمیشہ کے سکھ اس کی خواہشات کی تکمیل کی دعائیں میری ماں ایسی ہی ہے بالکل ایسی۔

بدقسمتی سے بروکن فیملی ہے' امی نانی اماں کے پاس ہوتی ہیں اور میں ابو اور بھائیوں کے پاس۔ امی کے بغیر رہتے ہوئے چار سال ہوگئے ہیں' بہت دل چاہتا ہے بارہا دل میں خیال آتا ہے یاد بھی بہت آتی ہے کہ کاش وہ میرے پاس ہوتیں' بڑی بہنوں کی شادیاں ہوچکی ہیں۔ ان پر بہت رشک آتا ہے کہ انہوں نے اپنا بہت وقت امی کے ساتھ بتایا' دکھ شیئر کیے' خانہ داری ان سے سیکھی' آج جب میں خود ان ہی امور میں اناڑی ہوں تو امی کی یاد اور بھی زیادہ آتی ہے۔ فون پر بات ہوتی ہے تو مجھے سمجھاتی بھی ہیں لیکن میں ہی کم عقل ہوں' مجھے سمجھ میں نہیں آتا اور پھر دکھی ہو کر سوچتی ہوں کہ کاش امی میرے پاس ہوتیں تو اتنی مشکل نہ ہوتی۔ مائیں جس جگہ نہ ہوں وہاں عجیب بے برکتی اور بے رونقی سی رہتی ہے اور ہر پل محسوس بھی ہوتی ہے پتا نہیں اللہ جی نے اتنا سکون کیوں رکھا ہے ماں کی ذات میں۔

ماؤں کی ضرورت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے (عہد الست تنزیلہ ریاض) لگتا ہے کہ رائٹر نے مجھے دیکھ کر یہ جملہ لکھا تھا واقعی میں جب ہماری فیملی مکمل تھی ہر وقت امی ساتھ تھیں تو کبھی محسوس نہیں ہوتا تھا اور اب جب وہ ساتھ نہیں ہیں تو بہت محسوس ہوتا ہے کہ کیسے وہ مجھے ٹوکتی تھیں' سمجھاتی تھیں' خانہ داری میں لگانے کی کوشش کرتی تھیں تو میں بڑی بے پروائی سے کہا کرتی تھی "امی جی ساری عمر یہی کام کرنے ہیں ابھی تو آرام کرنے دیں' جب وقت آئے گا تو کام بھی خود بخود ہی آجائیں گے۔ انسان کے سر پر پڑتی ہے تو انسان کر ہی لیتا ہے' کیا ہے پیڑا بنا کر روٹی ہی بیلنی ہے۔ سالن پکانا کیا مشکل ہے' صفائی کون سا مشکل کام ہے' جھاڑو پونچھا ہی تو لگانا ہے" اور جب سچ میں یہ افتاد سر پر پڑی تو پتا چلا کہ کتنے بیس کا سو ہوتا ہے۔ مجھے بس کام کرنے میں انہیں مینج کرنے میں بہت مشکل ہوئی تھی اور یقین مانیں رات سونے سے پہلے ایک دفعہ رونا ضرور تھی تب امی کی یاد بہت آئی تھی۔

مائیں جو بھی سمجھاتی ہیں ہمارے بھلے کے لیے ہی سمجھاتی ہیں بہت دفعہ کہا امی نے ''کنزہ کپڑے سلائی کرنا سیکھ لو'' میں آگے سے کہا کرتی تھی ''امی کیا ہے آپ کو بھی آتے ہیں اور میری دونوں بہنوں کو بھی تو مجھے کیا ضرورت ہے ان سے سلوالیا کروں گی اور آج جب ایک سوٹ کو سلائی کرتے ہوئے دس دفعہ ادھیڑتی ہوں تو ضرور یہ بات یاد آتی ہے۔ وقت تیور بدلتا ہے' ایک سا نہیں رہتا۔ انسان کو کم از کم اتنا ضرور آنا چاہیے کہ وقت پڑنے پر کسی کا محتاج نہ ہو۔ اکثر باتیں فون پر ان سے کہہ کر ریلیکس ہوجاتی ہوں بلکہ بعد میں بات بھول بھی جاتی ہوں اور امی کا تین ہفتے بعد بھی فون آئے تو وہ پوچھتی ہیں' مسئلہ حل ہوا پریشانی دور ہوئی اور مجھ سے اتنی دور بیٹھ کر مجھے ممکنہ حل بتاتی ہیں لکھنے کے لیے ہمت دیتی ہیں' مشورے دیتی ہیں۔

مائیں اتنی سویٹ سی کیوں ہوتی ہیں' جب امی کے ساتھ تھی تو بے پروا تھی کسی بات کی فکر اور پریشانی نہیں ہوتی تھی اب تو بے پروائی افورڈ ہی نہیں ہوتی بس یہ ساری عیاشیاں ماؤں کے دم سے ہی ہوتی ہیں بلکہ اکثر تو امی بھی حیرانگی سے پوچھتی ہیں' کنزہ کہاں تمہیں کام کہا کرتے تھے اور تمہیں غصہ آجاتا تھا تو اب کیسے کرلیتی ہو غصہ نہیں آتا پہلے پتا ہوتا تھا نا امی ہیں کرلیں گی اب پتا ہے کہ خود ہی کرنا ہے چاہے دل سے کرو چاہے بے دلی سے کرنا تو ہے نا۔

لیکن کوشش بھی بہت ہورہی ہے سگھڑ اور آرگنائزڈ بننے کی لیکن کامیابی نہیں ہورہی تو بس پھر اب چلتے تو کٹ ہی جائے گا سفر آہستہ آہستہ۔

اب پتا چلتا ہے کہ مائیں کیا ہوتی ہیں میری ہر ضرورت وہ وسائل نہ ہونے کے باوجود اب بھی پوری کرتی ہیں اور مجھے اچھے سے اندازہ ہے کہ وہ یہ سب کتنی مشکلوں سے مجھے بھجواتی ہیں اللہ تعالیٰ میری امی جی کو ہمیشہ خوش اور صحت مند رکھیں پاس تھیں تو قدر نہیں تھی اور اب تمہارے نہ ہونے سے کچھ بھی نہیں بدلا۔

یہ سورج بھی وہاں سے ہی نکلتا ہے
آسمان پر تارے بھی مچلتے ہیں
اور چاند کی چاندنی بھی ہوتی ہے
ہوا چلتی ہے اور دریا بھی بہتے ہیں
پھول کھلتے ہیں' خوشبو بھی دیتے ہیں
مگر پھر بھی......
بس تمہارے نہ ہونے سے
ہر شے ادھوری لگتی ہے
ہر صبح شام سی لگتی ہے
ہر مکان اداس لگتی ہے
ہر محفل انجان سی لگتی ہے
ہر دھڑکن بے جان لگتی ہے
سچ تو یہ ہے کہ......
ساری دنیا ویران سی لگتی ہے

❀

ندا رضوان

ہلال عید نظر آتے ہی جہاں عید کی خوشیاں جلوہ گر ہوتی ہیں وہیں ماہ صیام کی پرنور ساعتیں اپنے آخری لمحات میں ہمیں الوداع کہتی نظر آتی ہیں۔ ایک طرف جہاں دل خوشیوں سے لبریز ہوتا ہے وہیں دوسری طرف ماہ رمضان کے رخصت ہونے پر اداسی رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہے، نجانے اس بابرکت مہینے کا ہم حق ادا بھی کر پائے کہ نہیں اس کی فضیلتوں اور رحمتوں سے اپنا دامن مراد بھر پائے کہ نہیں؟ پھر ایک یہ خیال آنکھوں کو اشک سے لبریز کر دیتا ہے کہ نجانے آئندہ سال اس ماہ مقدس کے فیوض و برکات اپنے مقدر میں رقم کر پائیں گے یا تشنہ رہ جائیں گے، گردش ماہ و سال میں یہ تغیر ازل سے ابد تک کے لیے ہے، ماہ رمضان کے اس آخری عشرے میں ایک خیال آپ کے گوش گزار ہے کہ قیام اللیل اور صائم النہار ہونے کے ساتھ حقوق العباد کا بھی بے حد خیال رکھیے گا کہیں کوئی آپ کی عدم توجہی کا شکار ہو کر عید کی خوشیوں سے محروم نہ رہ جائے، ماہنامہ حجاب نے اپنی اس پہلی عید کے موقع پر آپ قارئین کی خوشیوں میں اضافے کے لیے خصوصی سروے کا اہتمام کیا ہے آئیے دیکھتے ہیں ہمارے قارئین نے اپنی شرکت سے کیسے اس سلسلے کو چار چاند لگائے ہیں۔

شفق افتخار...... سکھر

السلام علیکم سب سے پہلے حجاب پڑھنے والی قارئین کو میری طرف سے رمضان اور عید کی بہت مبارک باد ہو۔

۱۔ ہاں جی رمضان میں روٹین کافی بدل جاتی ہے...... مگر میری روٹین میں کوئی خاص فرق نہیں آتا۔ ہاں رات کو دیر تک آپ بیٹھ کر لکھنے کا کام نہیں کر سکتے۔ آپ زیادہ اپنی عبادات میں مصروف ہوتے ہیں تو لازمی ہے اور کچھ کرنے کو دل بھی نہیں چاہتا کیونکہ باقی سارے کام تو پورا سال چلتے ہی رہتے ہیں۔

۲۔ ہاں ہاں مزے کا سوال ہے، ہاں وہ میں ہی تھی جو سب سے لیٹ اٹھتی تھی سحری میں اور بار بار امی کو مجھے جگانا پڑتا تھا مگر یہ تب تک تھا جب تک امی سحری بناتی تھیں...... اب میں چونکہ رات بھر جاگ رہی ہوتی ہوں تو یہ ذمہ داری میری ہے...... میں ہی سب کو جگاتی ہوں اور سحری بھی میں ہی بناتی ہوں...... اور میں رات کو سحری کے بعد سوتی ہوں۔

۳۔ میں عید پہ کہیں نہیں جاتی کیوں کہ سب ہی آجاتے ہیں تو ملاقات ہو جاتی ہے۔

۴۔ بچپن کی تو ساری عیدیں ہی یادگار ہوتی ہیں بلکہ سارے دن ہی ایسی کوئی خاص عید یاد نہیں ہے۔

۵۔ مجھے اتنا یاد ہے کہ میں کلاس فورتھ میں تھی جب میں نے پہلا روزہ رکھا تھا روزہ کشائی ہوئی تھی یا نہیں یاد نہیں ہے۔

۶۔ سارا سارا دن چلتی ہیں یہ رمضان کی نشریات سچ کہوں تو مجھے پسند نہیں ہے بے شک معلومات بھی ملتی ہوگی مگر وقت کا زیاں ہے...... میں کبھی نہیں دیکھتی۔

۷۔ چاند دیکھ کر یہی دعا لبوں پہ آتی ہے کہ یااللہ یہ ہم سب کے لیے مبارک ثابت ہو اور رحمتوں اور برکتوں والے اس مہینے میں خیریت رہے تاکہ ہم اس سے فیض یاب ہوسکیں، آمین۔

۸۔ میری تیاری بہت نارمل سی ہوتی ہے اور سادہ بھی ایسی کوئی خاص چیز نہیں ہے ہاں امی کے ہاتھ کا بنا شیر خرمہ نہ ہو تو عید ادھوری سی لگتی ہے۔

اب اجازت دیجیے امید ہے، مجھ سے مل کر آپ کو اچھا لگا ہوگا۔

ندا حسنین...... کراچی

۱۔ رمضان میں شب و روز عام دنوں سے یکسر مختلف ہو جاتے ہیں فجر کی نماز کے بعد سونے کی تیاری نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کرتی ہوں اور پھر گھر کی ذمہ داریاں اپنی جانب متوجہ کر لیتی ہوں افطاری پر اہتمام ہوتا ہے تو اس کی تیاریاں کی جاتی ہیں افطاری اور نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد میں کچھ دیر آرام کرتی ہوں اور پھر اپنی رائٹنگ کا کام۔

۲۔ میرے بھائی اگر جاگ رہے ہوں تو ٹھیک ورنہ سو رہے ہوں تو مشکل سے جاگتے ہیں، خاص طور پر مبشر۔

۳۔ عید کے پہلے دن ہم دادی اور پھر نانی کے گھر جاتے ہیں، دوسرے دن پھر ہمارے یہاں مہمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہتا ہے دعوتیں ہوتی ہیں اور سب رشتے داروں سے ملنا جلنا ہوتا ہے۔

۴۔ بچپن کی ساری عیدیں اپنی جزئیات سمیت یاد ہیں چاند رات کو کزنز مل کر مہندی لگاتیں، پھر بھی آئس کریم کھانے جاتے تھے میں اپنی مہندی ہمیشہ ۴ ۵ بجے کے قریب

لگاتی ہوں اور پھر سو جاتی ہوں صبح نماز کے وقت امی اٹھاتیں اور پھر میں اٹھ کر سب سے پہلے برآمدے میں کھڑی ہو کر تمام نمازیوں کو نماز کے بعد گلے ملتے دیکھتی مجھے عید کے دن کے سب سے خوبصورت پل یہ لگتے ہیں مسجد ہمارے گھر کے سامنے ہی تھی اور پھر تیار ہو کر دادی کے گھر جاتے، وہاں کافی رشتے دار موجود ہوتے، خوب عیدی ملتی، پھر نانی کے گھر کا رخ کرتے وہاں سب کزنز اکٹھے ہوتے، کافی مزے کرتے وقت کے ساتھ بہت کچھ بدل جاتا ہے بس بچپن کی یہی عیدیں یاد رہتی ہیں۔

۵۔ پہلا روزہ کوئی پانچ سال کی عمر میں رکھا تھا مجھے تو یاد نہیں پر امی بتاتی ہیں کہ گرمیوں کا موسم تھا اور میں نے بڑی مشکل سے صبر کیا تھا ہر تھوڑی دیر بعد جا کر پوچھتی دادی پانی پی لوں روزہ کی خوشی عام انداز میں ہوئی تھی، گھر میں افطاری کا اہتمام کیا گیا تھا سب نے مبارکباد دی تھی۔ روزے کی خوشی کسی بھی مسلمان کی اس فرض کی جانب اٹھا پہلا قدم ہوتا ہے بلاشبہ یہ خوشی کی بات ہوتی ہے گھر والے جس انداز میں منائیں اچھی بات ہے۔

۶۔ ٹی وی میں بہت کم دیکھتی ہوں اس لیے سحری اور افطاری میں کون سی نشریات چلتی ہیں مجھے کچھ خاص علم نہیں۔

۷۔ چاند دیکھ کر یہی دعا لبوں پر آتی ہے کہ سب کے لیے خوشیوں کا پیغام لے کر آئے۔

۸۔ عید کے لئے میری تیاری، مہندی کے بغیر نامکمل ہے۔

عیدالفطر کے اس پرمسرت موقع پر میں دعا کرتی ہوں کہ حجاب کے ادارے، اس کے پڑھنے والوں اور اسے اپنی خوب صورت تحریروں سے سجانے والوں کے لئے یہ عید بے انتہا خوشیوں کا پیغام لے کر آئے اور ان کی زندگی کی رونقوں میں مزید اضافہ فرمائے آمین۔

سحرش فاطمہ ...... کراچی

سب سے پہلے تو سب پڑھنے والوں کو میری جانب سے رمضان مبارک۔ اللہ نے ہر قوم کو روزے کا حکم دیا اور وہ قومیں روزے رکھتی بھی تھیں اور آج بھی ہے یہ عمل لیکن رمضان کی بات ہی الگ ہے یہ وہ مقدس مہینہ ہے جس میں قرآن پاک نازل ہوا۔ چلیں اس موقع پر حجاب کی جانب سے جو سروے ہو رہا ہے اُس کے جوابات دیتی ہوں۔

۱۔ میرے خیال سے زیادہ فرق نہیں آتا۔ وہی سونا جاگنا پڑھنا لکھنا بس۔

۲۔ تاخیر سے کوئی نہیں جاگتا نہ اٹھانا کسی کو مشکل کام ہے

الحمدللہ۔

۳۔ ہمارے ہاں چونکہ ہم کراچی میں رہتے ہیں اور سارا خاندان دوسرے شہر میں یہاں صرف دو پھوپو، ایک بہن، ایک خالہ کا گھر اور ایک کزن کا گھر ہے۔ آنا جانا کم ہی ہوتا ہے گھر بھی دور دور ہیں تو بس کبھی ویک اینڈ پہ ایک ایک کر کے کوئی ہمارے ہاں آجاتا ہے۔

۴۔ مجھے تو ہر عید یاد ہے۔ عید پہ ہم بڑے تایا کے ہاں جمع ہو جاتے تھے میرا مطلب دوسرے شہر میں اور عید کا پہلا دن وہیں گزرتا تھا سب ددھیال وہیں ہوتا تھا پھر شام کے بعد ننھیال کی جانب چلے جاتے تھے۔ پہلا دن ددھیال میں کزنز کے ساتھ گزرتا تھا کھیلنے میں۔

اب تو پہلا دن یہیں اپنے گھر کراچی شہر میں اپنے گھر والوں کے ساتھ گزرتا ہے اور اگلے دن دوسرے شہر۔

۵۔ میری یادداشت کے مطابق میں ۸ یا ۹ سال کی تھی۔ گھر میں ہی اہتمام ہوا تھا اور سادگی سے۔ بس میرے گھر والے ہی تھے۔

۶۔ میں نہیں دیکھتی۔ یہ نشریات اگر صرف علماء کرام کے ہوں تو کبھی چلتے پھرتے دیکھ لیتی ہوں باقی نہیں۔

۷۔ یہی کہ اللہ ہماری ہر جائز مراد پوری کرے۔

۸۔ چیزوں کا تو پتا نہیں لیکن ایک شخص کے بغیر ہر عید ادھوری ہے۔ یعنی امی کے بغیر۔

نادیہ احمد ...... دبئی

۱۔ رمضان المبارک میں روٹین بالکل بدل جاتی ہے۔ معمولات مختلف ہوتے ہیں۔ رات اور دن کی تفریق بھی نہیں رہتی۔ اکثر میرا افطار اور سحری تک کا وقت جاگتے ہوئے کچن اور دیگر کاموں کے علاوہ رائٹنگ میں گزرتا ہے۔ دن میں بچوں کے ساتھ مصروفیت کے باعث فراغت کم ہی ملتی ہے۔

۲۔ سحری تک تو ہم سب جاگ ہی رہے ہوتے ہیں۔ اکثر ڈنر کی بجائے ڈائریکٹ سحری کی جاتی ہے۔ اس لیے مجھے بھی یہ مسئلہ پیش نہیں آیا۔

۳۔ عید کے دن تو ہمیشہ اپنے گھر ہی دعوت کا اہتمام کرتی ہوں۔ اگر کہیں جانا ہو تو عید سے اگلے دن ملنے ملانے نکلتے ہیں۔ دبئی میں چند رشتے دار اور دوست ہیں۔ ماشاء اللہ خوب رونق رہتی ہے۔

۴۔ بچپن کی ہر عید یادگار ہے۔ بہن بھائیوں اور والدین کے ساتھ گزرا ہوا ہر لمحہ ہی شاندار ہے۔ میں اور میری چھوٹی بہن ایک

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

دوسرے سے بہت قریب ہیں۔ ہم دونوں نے بہت اچھا وقت گزارا ہے۔ چاند رات پہ خوب ہلا گلا کرتے مل کر مہندی لگاتے اور رات دیر تک جاگ کر باتیں کرتے عید کی پلاننگ کرتے پھر صبح سویرے ایکسائٹمنٹ میں اٹھ جانا۔ آج بھی وہ سب سوچوں تو ہونٹوں پہ مسکراہٹ آجاتی ہے۔

۵۔ روزہ بہت چھوٹی عمر میں رکھا تھا۔ روزہ کشائی بھی ہوئی تھی۔ چند قریبی عزیز تھے مجھے بہت اچھا لگا تھا اور میں بہت خوش تھی کہ مجھے بھی روزہ رکھنے کی اجازت مل گئی۔

۶۔ سحر وافطار کی نشریات میرے مطابق وقت کا ضیاع ہیں۔ پہلے میں سحر وافطار کی نشریات شوق سے دیکھا کرتی تھی۔ اس وقت ان کا دورانیہ مختصر ہوتا تھا لیکن اب کچھ سالوں سے ہر طرف ایک جیسا مینا بازار سجا ہے۔ کمرشل پروگرام چل رہے ہیں جن کا رمضان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لیے اب تو ٹی وی دیکھ ہی نہیں رہی۔

۷۔ امن اور عافیت کی دعا مانگتی ہوں میں ہمیشہ چاند دیکھ کر۔ اللہ ہم سب کو اپنی رحمتوں کے سائے میں رکھے آمین

۸۔ نیا سوٹ، جوتی، چوڑیاں اور مہندی غالباً ہر لڑکی کی تیاری ہی ان لوازمات کے بغیر ادھوری ہوتی ہے۔ مجھے مہندی بہت پسند ہے۔ پہلے تو اکثر ہاتھوں پہ مہندی لگاتی تھی لیکن اب مصروفیات کی وجہ سے یہ شوق عید تک محدود ہو گیا ہے۔ مہندی کے بغیر مجھے عید ادھوری لگتی ہے۔

میری طرف سے ادارہ آنچل وحجاب کو دلی عید مبارک۔ اللہ آپ کو بے شمار کامیابیاں عطا فرمائے۔ حجاب کے قارئین کو میری طرف سے خوشیوں بھری میٹھی عید مبارک۔

سبلس گل...... رحیم یار خان

سب سے پہلے تو حجاب کے ایڈیٹر رائیٹرز اور ریڈرز کو ہماری جانب سے بہت بہت عید مبارک قبول ہو اور حجاب کو بھی اپنی پہلی عید بہت بہت مبارک ہو اللہ پاک حجاب کو آپ سب کو بہت سی خوش گوار عیدیں دیکھنا نصیب فرمائے آمین اب آتے ہیں عید سروے کے جوابات کی طرف تو جناب

۱۔ رمضان میں بھی ہماری روٹین وہی ہوتی ہے جو عام دنوں میں ہوتی ہے کیوں کہ ہم راتوں کو جاگنے والے جاندار ہیں ہاہاہا بھئی سمجھا کریں نا ہم رائیٹر جو ہیں تو لکھنا زیادہ تر رات میں ہی ہوتا ہے تو سحری کے لیے الگ سے جاگنا نہیں پڑتا ہاں شام میں افطاری کی تیاری کرنا پڑتی ہے تھوڑی سی چینج ہوتی ہے روٹین۔

۲۔ اب کوئی تاخیر سے نہیں اٹھتا بس بھائی کو ایک سے زیادہ بار جا کے اٹھانا پڑتا ہے۔

۳۔ بھئی مہمان ہمارے ہاں آجاتے ہیں تو ہم ذرا کم ہی جاتے ہیں کسی دوست سے ملنے عید کے ایک ہفتے بعد جاتے ہیں البتہ عید کے دوسرے یا تیسرے دن آؤٹنگ پر پکنک پر لونگ ڈرائیو پر سب کے ساتھ جاتے ہیں۔

۴۔ بچپن کی تو ہر عید ہی یادگار ہوتی ہے ایک عید ہمیں یاد ہے جب ہمیں سب پڑوسی انکل حضرات نے آنٹیوں نے عیدی دی تھی اور شام میں وہ عیدی امی حضور نے ہم سے یہ کہہ کر لی کے لاؤ میرے پاس رکھوا دو تم یا تو گم کردو گی یا ایک دن میں خرچ کردو گی اور ہم نے بہت دکھی دل سے اپنی عیدی امی کے حوالے کی تھی۔

۵۔ ہم نے پہلا روزہ ۹ سال کی عمر میں رکھا تھا اور ہمیں یاد ہے کے ان دنوں شدید گرمی کا موسم تھا اور پہلا روزہ رکھنے کی خوشی میں بابا جان لڈو بوندی نمک پارے لے کر آئے تھے اور ستم یہ ہوا تھا کے گرمی اور دھوپ میں دوپہر میں ہم بھائی کے ساتھ پورے محلے میں وہ مٹھائی بانٹنے گئے تھے اور روزہ خوب لگا تھا خوشی بھی بہت تھی کہ یہ سب بابا نے ہمارے لئے کیا ہے بابا ہمیشہ افطار پر خاص انتظام کرواتے تھے آج بھی ہمارے ہاں خاص تیاری کی جاتی ہے۔

۶۔ سحر وافطار کی نشریات یوں تو اچھی ہوتی ہیں کچھ سب نہیں شو آف ہوتا ہے رمضان کے پروگراموں میں بھی اور ایسے اوقات میں ہم یا تی وی دیکھ لیں یا کچھ عبادت کرلیں اور سحر وافطار کا انتظام کرلیں ویسے بھی رمضان کے بابرکت مہینے کے نام پر عجیب طرح کے شو دکھائے جاتے ہیں صرف پیسہ کمانے کے لئے کچھ بھی کرتے ہیں توبہ۔

۷۔ چاند دیکھ کر ہم یہی دعا مانگتے ہیں کے یا اللہ یہ چاند یہ مہینہ ہمارے ملک کے لئے پاکستانی عوام کے لئے ہماری فیملی کے لئے خیر وبرکت والا مہینہ ثابت ہو ہمیں مبارک کرنا یہ چاند یہ مہینہ۔

۸۔ عید کی تیاری شیر خرمہ حنا اور چوڑیوں کے بنا ادھوری ہوتی ہے شیر خورمہ کی خوشبو حنا کی مہک چوڑیوں کی کھنک یہی تو عید کی نوید ہیں۔

آپ سب کو ٹھنڈی میٹھی عید مبارک۔

(جاری ہے)

ام مریم

گاؤں کی نیم پختہ سڑک پر لینڈ کروزر دھول اڑاتی تیزی سے فراٹے بھر رہی تھی' اس گاڑی کے پیچھے پالتو کتے مسلسل بھاگنے کے باعث اب ہانپنے لگے تھے' پیاس کی شدت سے ان کی زبانیں باہر لٹک گئی تھیں۔ سفر کی طوالت کے باعث تھکن اس گاڑی میں موجود تمام نفوس کے چہروں سے ہویدا تھی۔ ماسوائے فرنٹ سیٹ پر اطمینان سے بیٹھے' زوار شاہ کے اس کے لبوں میں دبا سگریٹ سلگ سلگ کر آدھا ہو چکا تھا۔ ہونٹوں کے نیم وا گوشوں سے دھواں ایک تسلسل سے نکل کر گاڑی کی فضا میں تحلیل ہو رہا تھا' ہاتھ میں پکڑی رائفل کی نال کو کھلی کھڑکی سے باہر نکالے وہ گاہے بہ گاہے فائر داغتا تو گرد و غبار سے اٹی فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے عجیب بے ہنگم سے انداز میں گونج کر رہ جاتی۔ یہ چھوٹا سا قافلہ دور پار کے جنگلات سے شکار کر کے لوٹا تھا۔ معاً زوار شاہ کے اشارے پر گاڑی ایک زوردار جھٹکے سے رک گئی۔ دروازہ کھلتے ہی وہ مونچھوں کو مروڑتا ہوا اچھل کر زمین پہ کودا۔
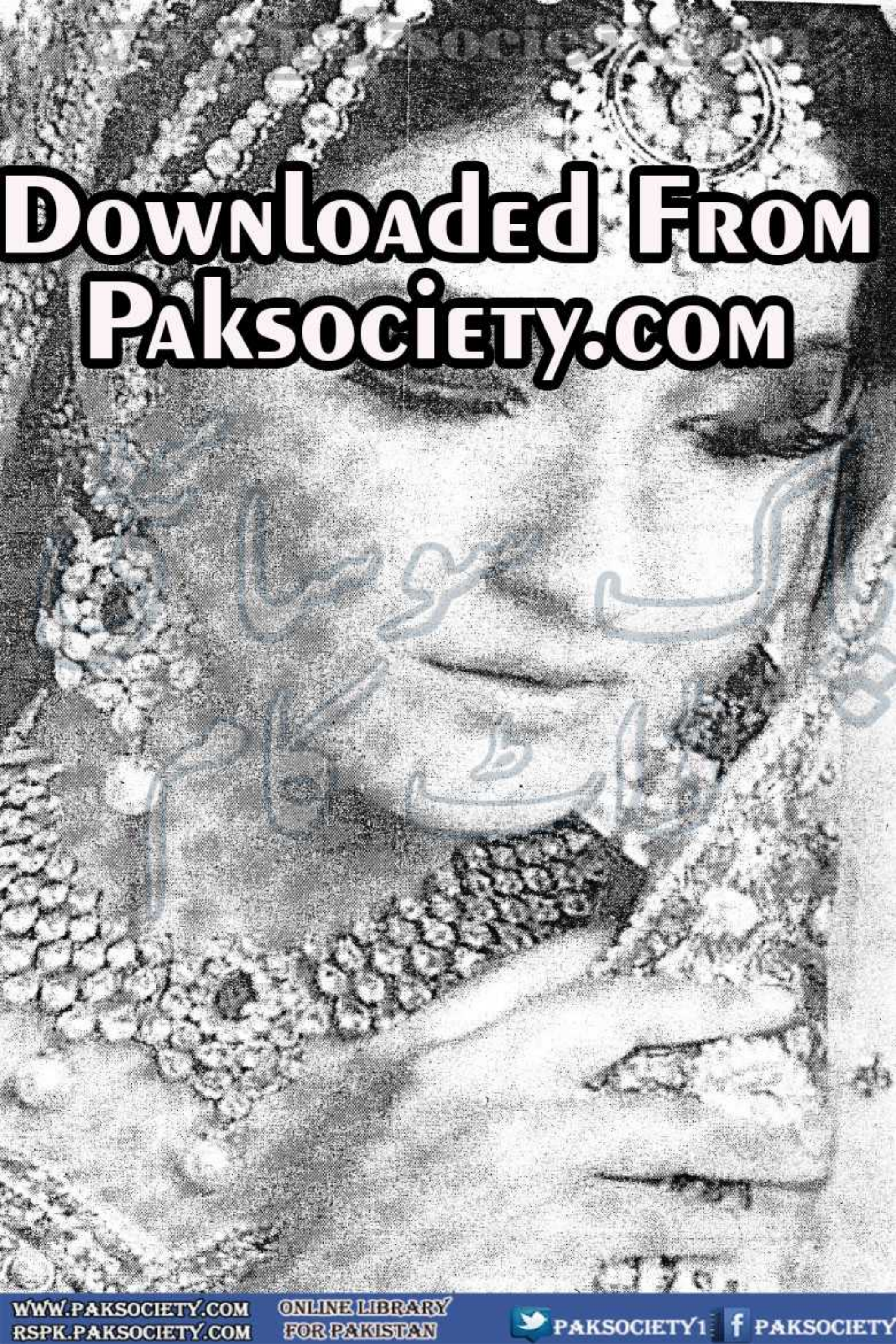
"ارے جامے ادھر مر۔" اطراف میں ایک سرسری نگاہ ڈال کر اس نے گرج دار آواز میں ملازم کو پکارا جو اگلے ہی پل دست بستہ حاضر ہو گیا۔

"حاضر سائیں...... حکم۔"

"جا کچھ کھانے پینے کا انتظام کر۔" بغلی جیب سے سگریٹ کیس نکال کر نیا سگریٹ سلگاتے ہوئے وہ رکھائی سے کہتا ہوا چند قدم بڑھا کر سڑک کے اطراف قطار میں کھڑے درختوں میں سے ایک کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

"اوہ جیتا رہ میرے یارا..... تو واقعی دریا دل ہے۔" پچھلی سیٹوں سے اس کے تینوں دوست بھی نکل کر اس کے آس پاس آ کھڑے ہوئے تھے۔ نیاز کچھ زیادہ ہی جوش میں آ کر جھوم اٹھا۔

"اوئے مکھن نہ لگا مجھے' جو ہمارے ساتھ ہوگا' ہماری خدمت کرے گا' اسے روٹی پانی تو ہم ڈالتے ہی ہیں۔" اس کا لہجہ ازحد تحقیر سمیٹے ہوئے تھا مگر نیاز برا منائے بغیر جامے کی سمت متوجہ ہو گیا۔ جو بھنے ہوئے گوشت کے ٹن سلیقے سے دستر خوان بچھا کر لگا رہا تھا یہ گوشت تیتر کا تھا جو زوار شاہ نے دورانِ شکار نشانہ بنائے تھے اور جامے نے انہیں مسالا لگا کر بھونا تھا۔ حالانکہ جو کچھ وہ حویلی سے چلتے ہوئے ساتھ لائے تھے وہ اتنا زیادہ تھا کہ ابھی بھی ڈکی میں موجود تھا اس کے دوست کھانے پر ٹوٹ پڑے تھے جبکہ وہ ایک طرف کھڑا ہنوز سگریٹ کے گہرے کش لے رہا تھا۔

"تم کچھ نہیں لو گے زوار۔" خرم کو اس کا خیال آیا تو ہاتھ روک کر استفسار کیا۔ وہ جو کسی گہری سوچ میں تھا ذرا سا چونکا پھر کچھ کہے بنا ان کے نزدیک آ کر ایک ٹن اٹھا کر کھولنے لگا۔

"یار عورت کے حسن کے بغیر یہ رنگ ماٹھا لگ رہا ہے۔" اذن نے اس کے چہرے کے نخوت بھرے تاثرات دیکھ کر اپنی بات پر زور دیا تو زوار نے ہاتھ میں پکڑا ٹن دور اچھال دیا۔

"عورت اور خوب صورتی......؟" اس نے استہزائیہ قہقہہ لگایا۔

"کیا مطلب؟" وہ گو کہ اس کے خیال سے واقف تھے پھر بھی جیسے مزہ لینے کو نیاز نے حیرت ظاہر کی۔

"بھلا پاؤں کی جوتی بھی کبھی حسین ہوتی ہے۔ عورت میں اور پاؤں کی جوتی میں کیا فرق ہے؟ یہ مقام ہے اس کا۔" وہ بے حد حقارت زدہ لہجے میں بولا تو اذن مسکراہٹ دبا کر نیاز کو آنکھ سے کچھ اشارہ کرتا ہوا بولا۔

"لیکن یار ہم نے تو سنا ہے......"

"اوئے بس کر میرا دماغ خراب نہ کر' کھا لیا ہے تو گاڑی میں آ کر بیٹھو۔" وہ جھڑکنے کے انداز میں گاڑی کے کھلے دروازے سے اندر جا بیٹھا۔ وہ سب اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

❀......❀......❀

ٹرین کسی نیم تاریک سنسان اسٹیشن پر رکی تھی' نیند سے

جھومتی الوینہ کی آنکھ سیٹی کی تیز آواز پر کھلی تو ہڑبڑا کر سیدھی ہو بیٹھی۔ کھڑکی سے باہر سرسری نگاہ ڈالی تو مطلوبہ اسٹیشن کا نام نظر آتے ہی جیسے اس کا وجود جھٹکا کھا کر سیٹ سے اچھلا۔ وہ خاصی افراتفری کے عالم میں ٹرین سے سامان سمیت نیچے اتری تو ٹرین اس کے پلیٹ فارم پر قدم رکھتے ہی رینگنا شروع ہوگئی۔ اس کے تیز دھڑکتے ہوئے دل کو جیسے اطمینان ملا۔

"میرے خدا!! اگر

"سلام بی بی ڈاکٹرنی!" وہ دور ہوتی گاڑی کو دیکھ رہی تھی کہ اسی وقت اس سرسرائی آواز پہ زور سے اپنی جگہ سے اچھلی۔

"ہائے بی بی! تساں تے ڈر ہی گئے؟ میں جی ساجا آں تانگے والا تاہانوں لینے آیا ہاں۔" دبلا پتلا منحنی سا وجود کراری آواز سمیت اس سے مخاطب تھا۔

"تمہیں کیسے پتا کہ میں وہی ڈاکٹر ہوں؟" وہ کچھ کچھ مشکوک ہوئی۔ فجر کی اذان ہوئے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ ہرسو اندھیرا تھا اور جسم میں لہو جماتی ٹھنڈ نے گرم کپڑوں میں ملبوس ہونے کے باوجود اسے خود میں سمٹنے اور ٹھٹھرنے پر مجبور کردیا تھا۔

"لو جی پتا کیسے نہ ہو ڈاکٹرنی جی! اس اسٹیشن پر کبھی کبھار ہی کوئی اترتا ہے اور آج تو ہمیں بڑے شاہ ہوراں کے ملازم بتا گئے تھے کہ سہر سے ڈاکٹرنی جی نے آنا ہے' جس تاں تہجد کی بانگاں سے یہاں آکر بیٹھی آں' گڈی کا کی پتا جی کس ویلے آجائے۔ ہور تہانوں انتجار کرنا پڑے۔"

"او..... اچھا اچھا۔" اس نے پُرسکون ہوتے ہوئے سر ہلایا اور بیگ اٹھائے اسے سامان اٹھانے کا اشارہ کرتی ہوئی اس کے پیچھے چل پڑی۔

❀......❀......❀

"اوئے میرل! کہاں مرگیا تو.....؟" زوار شاہ کی دہاڑ کی آواز سن کر لرزتا کانپتا میرل جانے کس کونے سے اڑ کر سامنے آیا۔

"جی شاہ سائیں۔" ہاتھ باندھے وہ گڑگڑایا۔

"کہاں مرگیا تھا کہ ایک آواز پر نہیں پہنچا؟" اس کی پھنکار پر میرل کا دم نکل گیا۔

"شاہ سائیں.....؟"

"اوئے آگے سے بکواس کرتا ہے۔" اس کا ہاتھ گھوما اور میرل الٹ کر دور جا پڑا جبکہ وہ دہکتی آنکھیں لیے دو قدم بڑھا کر اسے زور دار ٹھوکر رسید کرتا ہوا سرد لہجے میں غرایا۔ "حرام خور اٹھ گاڑی نکال مجھے شہر جانا ہے۔" میرل منہ سے رستے ہوئے خون کی پروا کیے بغیر سرعت سے اٹھ کر بھاگا جبکہ وہ وہیں سے پلٹ کر اندر چلا گیا۔

زوار شاہ، اسحاق شاہ کا چھوٹا بیٹا تھا۔ بڑا بیٹا رحمٰن شاہ جو شادی شدہ تھا اور نیم پاگل بھی جس کی وجہ سے وہ گدی کا حق دار نہیں تھا۔ اسحاق شاہ کا جانشین زوار شاہ ہی تھا گوکہ اس سے چھوٹا یاور شاہ بھی ہے مگر جو حیثیت زوار کی تھی وہ اسحاق کے دونوں بیٹوں کو نہیں مل سکی تھی۔ پچاس سے زیادہ گاؤں کے مالک اسحاق شاہ کا یہ بیٹا چھ فٹ سے نکلتے ہوئے قد اور گرانڈیل وجود سمیت بے انتہا مردانہ وجاہتوں کا مالک اور خاندان کے تمام سپوتوں میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے اٹھتے قدموں سے زمین میں پڑنے والی دھمک اسحاق شاہ کی غرور سے اکڑی گردن کے کلف کو کچھ اور بڑھا دیتی۔ اس کی ذات کی ہر برائی اور کفر کی حدوں کو چھوتا ہوا غرور و تکبر اس کی ماں کی آنکھوں کی چمک کو کچھ اور بڑھا دیتا تھا۔ بقول ان کے سرداروں کی اولاد کو ایسا ہی بے نیاز ہونا چاہیے۔ اس کی ذات سے منسلک ہر برائی اس کی خوبی بن جاتی' چونکہ اس کی پرورش اس طرز پر کی گئی تھی کہ وہ مکمل طور پر ایک بگڑے ہوئے خودسر رئیس زادے کے روپ میں سامنے آئے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے ہر عمل میں خود کو حق بجانب سمجھتا تھا۔

❀......❀......❀

اسے وہاں آئے دوسرا دن تھا اور ڈیوٹی سنبھالے پہلا دن۔ اسپتال کی عمارت قابل رحم اور توجہ کی طالب تھی۔ دیواروں پر جالے لٹک رہے تھے۔ کمپاؤنڈر سرے سے غائب۔ اس کی آمد کی اطلاع پر بدحواس ہوکر پہنچا تو چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"تم کمپاؤنڈر ہو.....؟" اس نے آنکھیں ترچھی کرکے پوچھا۔

"جی ڈاکٹر صاحبہ۔"

"تمہیں میرے آنے کی اطلاع نہیں تھی؟" اس نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"جی جی تھی ڈاکٹر صاحبہ! بس میں اپنے گھر چلا گیا۔ میری گھر والی کی طبیعت اچھی نہیں تھی۔"

"ہوں..... ہفتے میں کتنی بار یہاں آتے ہو؟"

"جی......" کمپاؤنڈر کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے ابل پڑیں۔

"گھر کہاں ہے تمہارا؟"

"جی...... دوسرے گاؤں۔" اس کی کیفیت نظر انداز کیے وہ اگلا سوال کرگئی‘ یہ سختی از حد ضروری تھی۔ اسے غصہ آ رہا تھا گویا وہ سمجھ رہا تھا جیسے باقی کے ڈاکٹرز آرڈر کے باوجود یہاں تعینات ہونے سے قبل ہی اپنا ٹرانسفر کروالیتے یا کہیں اور کروالیتے تھے وہ بھی یہاں نہیں آئے گی اور وہ یہ سوچ کر گھر پر پڑا رہا تھا۔ اسے اچھی طرح جھاڑ کر وہ اس کی ذمہ داری کا احساس دلاتی رہی۔

تبھی زرینہ نے دروازے سے اندر جھانکا۔

"سلام ڈاکٹرنی جی۔"

"وعلیکم السلام آؤ زرینہ رک کیوں گئیں؟" اس نے مسکرا کر اس کی جھجک دور کی۔

"وہ ڈاکٹرنی جی آج کچھ اور عورتیں سلام کو آئی ہیں۔" زرینہ جو کل اس کی رہائش پر آ کر اس سے شناسائی حاصل کرچکی تھی اس کی مسکراہٹ سے حوصلہ پا کر بولی۔ الوینہ کے لبوں پر موجود مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"ہاں تو لے آؤ" وہ پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہوگئی۔ جہاں میلے کچیلے لباس میں عورتیں ایک دوسرے کو دھکیلتی‘ ایک دوسرے کے پیچھے اندر آ کر کھڑی ہوگئیں۔ الوینہ مسکراتی نگاہوں سے انہیں دیکھتی چھوٹے موٹے سوال کرتی رہی۔ جس کا ادھورا جواب ملتا بلکہ اکثر سوال ان کی بھنبھناہٹ اور ہنسی میں دب جاتا۔ کمپاؤنڈر جانے کہاں کہاں سے دواؤں کی شیشیاں برآمد کرنے کے بعد اب الماری میں ترتیب سے سجا رہا تھا۔ وہ ان عورتوں سے مایوس ہو کر اٹھی اور دواؤں کا جائزہ لینے لگی۔

"دیکھا کتنی سوہنی ہے؟ میں نے کہا تھا نا! دیکھنے میں بالکل میم لگتی ہے۔" زرینہ نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ جو الوینہ کو صاف سنائی دے گیا۔

"ہاں واقعی اتنی گوری ہے بالکل انگریزنی لگتی ہے اور کتنی چھوئی موئی سی ہے نازک گڑیا جیسی۔" وہ آپس میں بات کرتی ہنس رہی تھیں۔ الوینہ کو خالہ کے خدشات یاد آ گئے اس کی اس بے تحاشہ خوب صورتی سے ہی تو ڈری ہوئی تھیں وہ بھی جبھی تو اسے بھیجنے سے انکاری ہوگئی تھیں۔ مگر وہ یہ سنہرا موقع گنوانا نہیں چاہتی تھی۔ خالہ اور آذر پر مزید بوجھ بننا اسے گوارا نہیں تھا۔ جبھی اس پیشکش کو غنیمت جانتے ہوئے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چلی آئی تھی۔

"تم کیا سمجھتی ہو الوینہ! تم ہم پر بوجھ ہو؟" آذر نے شاکی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا اور وہ اس سے نگاہ چرا گئی تھی۔

"اماں کی بات مان لو الوینہ اور مت جاؤ۔" آذر نے اصرار کیا تب وہ اسے ٹوک گئی تھی۔

"مجھے جانا ہی ہے آذر میں نہیں چاہتی میری وجہ سے تمہارا گھر برباد ہو‘ پلیز مجھے مت روکو۔" اور آذر بہت چاہنے کے باوجود بے بس سا ہوگیا تھا یوں وہ اللہ کے سہارے پر یہاں چلی آئی تھی‘ جہاں اور کچھ نہ بھی ہو عزت سے دو وقت کی روٹی تو میسر ہوتی۔

"کیا سوچنے لگیں ڈاکٹرنی جی‘ یہ چھیماں کو ذرا دیکھ لو اس کی ساس بڑی کڑوی ہے‘ ذرا سی دیر ہوگئی تو اس کی ہڈی پسلی ایک کردے گی۔" زرینہ کی آواز اسے سوچوں کے بھنور سے کھینچ لائی تھی سو ہڑبڑا کر سیدھی ہوتی ہوئی وہ چھیماں کی جانب متوجہ ہوگئی جو نقاہت زدہ چہرہ لیے سامنے تھی۔ زرینہ بغیر کومے فل اسٹاپ کے اس کی بیماری بتا رہی تھی۔ الوینہ پوری توجہ سے چیک اپ کرنے لگی۔ ذہن بٹ گیا تھا‘ یہ غنیمت تھا۔

❁ ❁ ❁

زرینہ۔ کے گھر کے ساتھ والا گھر اسے رہائش کے لیے ملا تھا۔ چونکہ وہ تنہا جوان لڑکی تھی جبھی گاؤں کے جاگیردار نے خاص عنایت کرتے ہوئے حویلی سے ایک بوڑھی ملازمہ اس کی خدمت کے لیے مہیا کردی تھی۔ ساتھ ہی اسے رات کا کھانا حویلی میں کھانے کی دعوت بھی دی تھی بوڑھی ملازمہ کو شکریہ کے ساتھ قبول کرنے کے بعد اس نے کھانے کی دعوت سے معذرت کرلی تو زرینہ جو اس وقت اس کا کھانا پکانے وہیں رک گئی تھی‘ گھبرا کر اشاروں میں اسے کچھ سمجھانے لگی وہ کیا خاک سمجھتی ان اشاروں کو‘ سو نافہم نگاہوں سے اسے تکنے لگی جبکہ ملازم میرل ابھی تک سر پہ موجود تھا۔

"ڈاکٹرنی جی! روٹی سے انکار نہ کرو شاہ سائیں کو چنگا نہیں لگے گا بھلے ایک لقمہ وہاں جا کے کھالینا۔" وہ باقاعدہ سہمی ہوئی قریب آ کر بولی تو الوینہ نے کچھ سوچ کر حویلی جانے پہ آمادگی ظاہر کردی۔

"اچھا...... ٹھیک ہے بابا آپ شاہ جی سے کہہ دینا میں

آ جاؤں گی۔" اس نے گویا جان چھڑائی اور خود کمرے میں چلی گئی کہ عصر کی نماز کا وقت ہوا جارہا تھا۔ گاؤں کے جاگیرداروں اور شاہوں کے متعلق اس کی رائے جو خاصی مشکوک تھی قدرے اچھی ہوگئی۔ بڑے شاہ کی عنایت اور مہمان نوازی نے اس کی سوچ پہ خاصا بہتر اثر مرتب کیا تھا کھانے پہ حویلی کی خواتین سے ہی اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ بڑے شاہ کی بیوی نے بتایا تھا کہ اسحاق شاہ اپنے بیٹوں سمیت شہر گئے ہیں۔ اس کی ملاقات کھانے کے کمرے میں اسحاق شاہ کی بیوی اور بھاوج سے ہوئی تھی جو روایتی جاگیردارنیوں کے روپ میں بھاری جسامت اور بھڑکیلے لباس سمیت سونے کے زیورات سے لدی پھندی طبیعت کی شوخی اور گنوار پن اور نخوت زدہ چہروں پر غرور لیے اس کے دل پہ عجیب سا بوجھ ڈال گئیں۔ کھانے کے دوران وہ اپنی وسیع زمینوں اور جائیداد کے قصے سناتی رہی تھیں جن سے الوینہ کو کیا دلچسپی ہوسکتی تھی۔ سو مجبوراً ہوں ہاں کرتی رہی۔ کھانے کے بعد وہ مزید رکنے پہ آمادہ نہیں تھی واپسی پر شاہ کی بیوی نے زبردستی کچھ تحائف اس کے ساتھ کردیئے تھے جنہیں نہ چاہتے ہوئے بھی اسے قبول کرنا پڑے تھے۔

❀❀❀

اگلی صبح شدید سردی نے اسے فلو میں مبتلا کردیا۔ رات کو گرم قہوہ پینے کے باوجود اس کی طبیعت نہیں سنبھلی۔ رات بھر وہ لحاف میں سکڑی کانپتی رہی تھی۔ بوڑھی ملازمہ نے کوئلوں کی انگیٹھی سلگا کر اس کے سرہانے رکھی تھی مگر سردی تو جیسے اس کی رگوں میں اتر گئی تھی۔ فجر کی نماز کے لیے اٹھی تو وضو کے لیے باہر آتے ہی یخ بستہ ہوا کے نم جھونکے نے اسے کپکپا کے رکھ دیا۔ بمشکل فجر کی نماز ادا کرکے وہ بستر میں گھسی تو پھر اپنا کوئی ہوش نہیں رہا۔ اگلے دن تک بمشکل وہ سنبھلی تھی۔ بوڑھی ملازمہ جنہیں وہ خالہ بی کہنے لگی تھی کے ساتھ زرینہ نے بھی اس کی تیمارداری میں کوئی کسر نہ رکھی تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ دوسرے دن وہ اسپتال جانے کو تیار ہوگئی تھی۔

"ایک دن اور آرام کرلو۔" خالہ بی کے مشورے پر وہ محض مسکرا دی کہ یہاں وہ آرام کرنے نہیں آرام پہنچانے کے ارادے سے آئی تھی۔ گرم شال سے سر اور ناک اچھی طرح چھپائے اسٹیتھسکوپ ہاتھ میں لیے اپنے دھیان میں تیز قدم اٹھاتی پگڈنڈی سے اتر کر سڑک پہ دو قدم ہی چلی ہوگی جب ایک تیز رفتار جیپ انتہائی تیزی سے پاس سے گزر گئی۔ الوینہ نے دھیان نہیں دیا اور یونہی قدم بڑھاتی رہی معاً جیپ آگے جاکے رکی تھی پھر بیک ٹرن لے کر ایک جھٹکے سے اس کے بالکل قریب آن رکی۔ اب کے الوینہ ٹھٹکی تھی اس سے پہلے کہ کچھ سمجھتی کوئی فرنٹ سیٹ سے کود کر اس کے سامنے آ گیا۔

"کہاں جارہی ہے شہزادی کچھ ہمارے بھی چیک اپ کرلو تمہارے مریضوں میں ہیں ہم بھی۔" تھرڈ کلاس لہجہ اور وجود کے آرپار ہوتی ہوئی نگاہیں ساکت کھڑی الوینہ کو کھولا کے رکھ گئیں۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ؟ ہٹو راستے سے......" دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے وہ جیسے پھنکاری تھی۔

"اے...... یہ ہمارا علاقہ ہے ڈاکٹرنی اگر نہیں جانتی تو جان لے۔" یاور نے غرا کر گویا اپنی حیثیت واضح کی۔

"دیکھو مسٹر! مجھے اس سے غرض نہیں کہ تم کون ہو بہتر ہوگا کہ تم راستہ ناپو اپنا۔" وہ چاہنے کے باوجود خود کو کنٹرول نہیں کرپائی کہ مخالف کا لہجہ و انداز ہی آگ لگادینے والا سا تھا۔

"تم......" وہ انگلی اٹھا کر غرایا۔ الوینہ جو سلگتی نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی لب بھینچتی کچھ کہے بنا کترا کر نکل گئی۔

"واہ کیا تو رہے ڈاکٹرنی کی جیسے ہم نہیں یہ یہاں کی مالکہ ہے۔" یاور کے کزن امجد نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کے گویا مضحکہ اڑایا۔

"دیکھ لیں گے اسے بھی......" یاور دھند میں گم ہوتے اس کے پیکر کو نگاہوں کی زد پر رکھے برہمی سے بولا تو امجد چونک کر اسے دیکھنے لگا اور جو کچھ اس کے چہرے پر نظر آیا وہ اس کے لبوں پر بھی مسکراہٹ بکھیر گیا تھا۔

❀❀❀

"کون...... وہ ڈاکٹرنی......؟" زوار شاہ بری طرح سے چونکا یاور کے منع کرنے کے باوجود امجد اسے پوری بات بڑھا چڑھا کر سنا چکا تھا۔ جسے سنتے ہی حسب عادت وہ ہتھے سے اکھڑ گیا۔

"اس کی یہ جرأت کہ وہ شاہوں سے اس لہجے میں بات کرے۔" وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کچھ نہیں ادا تو پریشان نہ ہو یہ میرا معاملہ ہے میں خود دیکھ لوں گا۔" یاور نے امجد کو بری طرح سے گھورتے ہوئے سرسری سے انداز میں بات پلٹنا چاہی۔

"اوئے چپ کر تو وہ ہوتی کون ہے اس قسم کی بکواس

کرنے والی؟ میں اس کے جسم کے ٹکڑے کرکے کتوں کو کھلوادوں گا۔" راستے میں رکھی تپائی کو پاؤں کی ٹھوکر مارتا میرل کو آوازیں دیتا ہوا باہر نکل گیا تو یاور اسجد سے الجھ گیا۔ جس نے بنا بنایا کھیل گویا بگاڑ کے رکھ دیا تھا۔

"کیا ضرورت تھی ادا سے بکواس کرنے کی......؟ جب میں نے کہا تھا میں اس سے ایسا انتقام لوں گا کہ وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے گی۔"

"زوار تجھ سے بھی دو ہاتھ آگے ہے یار!...... تو کیوں فکر کرتا ہے۔" اسجد نے ڈھٹائی سے کہتے ہوئے اس کے شانے تھپکے تو یاور سر جھٹک کر رہ گیا۔

میرل کی ہمراہی میں زوار شاہ پاؤں کی ٹھوکر سے دروازہ کھول کر اندر آیا تھا الوینہ کچھ دیر قبل ہی اسپتال سے واپسی آ کر دھوپ میں ستانے کو لیٹی تھی کہ خالہ بی تیل کی شیشی لیے چلی آئیں۔ ان کے نرم ہاتھوں کے مساج نے اسے اتنا سکون بخشا تھا کہ وہ وہیں نیم دراز سی ہوگئی تھی اور اس اچانک افتاد پہ گھبرا کر اٹھی تو دوپٹہ ڈھلک کر گود میں جا گرا۔ سفید شلوار گرتے کرتا، ہلکی بڑھی ہوئی شیو سرخ دہکتی ہوئی آنکھوں اور لمبے چوڑے سراپا سمیت وہ الوینہ کو لمحے کے ہزارویں حصے میں اپنی پہچان کرا گیا۔ اس نے سٹپٹا کر دوپٹا اٹھا کر اپنے گرد لپیٹا مگر اس افراتفری کے عالم میں وہ کسی کی نگاہوں میں یوں سمائی کہ جیسے ٹھہر گئی تھی۔

"اوہ تو تم ہو ڈاکٹر الوینہ؟" مونچھوں کو مروڑ کر قدم بڑھاتا ہوا وہ اس کے پاس آ کر گہرے طنز سے بولا تو الوینہ کے سمجھ میں نہیں آیا کہ اس سوال کے جواب میں کیا کہے۔

"کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لی جاتی ہے محترم۔" وہ چاہنے کے باوجود بھی اپنی تلخی چھپا نہ پائی تھی۔

"اوہ...... اچھا تو یہ تمہارا گھر ہے، مگر دیا کس نے؟ ہم نے...... ہے نا پھر تمہارا کیسے ہوگیا؟ ہاں......" وہ اس پہ جھک کر مغرور لہجے میں بولا تو الوینہ ناگواری کے شدید احساس سمیت پیچھے ہٹی۔ اس قسم کی صورت حال اس کے لیے نقصان دہ تھی پہلے ایک پھر دوسرا بھائی اسے زچ کرنے پر تلا تھا۔ جانے کیا ہونے والا تھا اس کے ساتھ۔ وہ اندر سے بری طرح خائف ہوگئی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر یہ لوگ چاہیں تو اسے پل بھر میں چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دیں، اسے اپنی حیثیت اور کمزوری کا احساس تھا، تب ہی اندر سے خائف ہونے کے باوجود بظاہر مضبوطی سے جمی رہی تھی۔

"دیکھو لڑکی! گاؤں والوں سے ہمارا موازنہ مت کرو۔ تم شہر کی ہو پہلی خطا سمجھ کر معاف کررہے ہیں کہ یہاں کی روایات کے متعلق تمہیں آگاہی نہیں مگر آئندہ کے لیے خیال رکھنا سمجھیں۔" اس کی پیشانی پر انگشت شہادت سے دستک دیتے ہوئے وہ جیسے بہت جتانے والے انداز میں بولا تھا اور اگلے ہی لمحے ہونق کھڑے میرل کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا جس طرح دندناتا ہوا آیا تھا ویسے ہی چلا بھی گیا۔ الوینہ اتنی سہولت سے معاملہ دب جانے پہ جیسے ابھی تک غیر یقینی کی کیفیت میں کھڑی تھی۔

❀......❀......❀

زوار شاہ نے ہاتھ میں پکڑے ریموٹ کنٹرول سے ٹی وی آف کیا اور وہیں نیم دراز ہوتے ہوئے دونوں بازو سر کے نیچے رکھ لیے۔ بکھرے ہوئے ریشمی بالوں کے ہالے میں وہ بھرپور جاذبیت لیے دلکش چہرہ جو پہلی ہی نگاہ میں جیسے بہت خاص لگا تھا۔ نزاکت رعنائی اور خوب صورتی لیے وہ تو بہ شکن حسن اسے پہلی ہی نگاہ میں چاروں شانے چت کرگیا تھا۔ ہلکا سا سہم لیے آنکھیں اور ان پر لرزتی پلکوں کی ریشمی جھالریں، کچھ کہنے کی کوشش میں نیم وا ہوجانے والے شنگرفی لب اپنے آپ سے بے نیاز بھولپن سے مزین شعاعیں بکھیرتا ہوا روپ، کتنی آسانی سے اپنا آپ منوا گیا تھا۔ وہ جو خطرناک عزائم لیے کرگیا تھا گویا سب کچھ ہار کر واپس چلا آیا تھا۔ دل کی سرزمین پہ امڈنے والا جذبہ اتنا زورآور تھا کہ شیر کی طرح خونخوار زوار شاہ کو بھی لمحوں میں زیر کرکے جکڑتا گیا تھا۔ وہ بے بس سا ہو کر سوچتا رہ گیا اور ایک دل ربا چہرہ فاتحانہ مسکان لیے اسے ڈسٹرب کرتا اس فتح پہ گویا اسے چڑا تا رہا تو زوار شاہ جیسے جھنجلا کر اٹھ بیٹھا۔

"اوہ کم آن زوار شاہ...... کیوں ڈسٹرب ہو...... کیا ضرورت ہے ٹینس ہونے کی...... آخر کیا ہے وہ ڈاکٹرنی؟ جب اسے پتا چلے گا تمہاری محبت کا تو اس اعزاز کو وصول کرنے از خود تمہارے قدموں میں جھک آئے گی۔ بتا دینا اسے، تم کوئی عام شخص نہیں ہو یہ جاگیر تمہاری ہے، یہ لوگ تمہارے غلام ہیں۔" اس کے دل نے اسے ڈھارس پہنچائی تو زوار شاہ کے تنے ہوئے کشیدہ اعصاب جیسے اعتدال پر آگئے۔

❀......❀......❀

خالہ بی کی طبیعت صبح اچھی نہیں تھی جس وقت وہ اسپتال کے لیے روانہ ہوئی انہیں دوا دے کر آرام کی تاکید کے ساتھ سختی

سے کام کاج سے منع کرنا نہیں بھولی تھی۔ موسم کی شدت کے باعث فلو، زکام اور بخار عام بیماری تھی۔ دن بھر وہ مریضوں کے ساتھ مصروف رہی تھی۔ شام ڈھلے کمپاؤنڈر کو چند ضروری ہدایات دینے کے بعد شال سنبھالے ابھی اٹھ کر باہر آئی ہی تھی کہ داخلی دروازے پر بالکل غیر متوقع طور پر اس کا سامنا یاور شاہ سے ہو گیا۔ شال کو اپنے گرد لپیٹتا ہوا اس کا ہاتھ اسی جگہ پہ ساکن رہ گیا تھا۔

"دیکھیے محترمہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ادا کو شکار کے دوران گولی لگی ہے۔ فوری ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہے آپ کو میرا انتظار کرنا پڑے گا بیٹھیں، میں ان کو لاتا ہوں۔" اس کے تاثرات میں اُمڈتی سراسیمگی محسوس کر کے رسانیت سے کہتے ہوئے وہ پلٹ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چلا گیا۔ جبکہ الوینہ حیران پریشان سی وہیں کھڑی رہ گئی۔ کمپاؤنڈر کرسی پہ پست سے انداز میں بیٹھا تھا۔ اسے ایک بار پھر روبرو پا کے ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھا۔ الوینہ اسے نظر انداز کیے اپنی جگہ پہ آ گئی، ابھی ڈھنگ سے بیٹھ بھی نہ پائی تھی کہ یاور زوار شاہ سمیت چلا آیا۔ زوار شاہ کے داہنے بازو سے ابلتا ہوا خون اس کے لباس کو رنگین کر چکا تھا۔ وہ یکلخت گھبرا کر کھڑی ہوئی۔ زوار شاہ کو کرسی پہ بیٹھنے کا اشارہ کرتی ہوئی وہ فرسٹ ایڈ باکس سمیت اس کی سمت متوجہ ہو کر بری طرح ٹھٹکی تھی۔ اپنے فگار بازو کی پروا کیے بغیر وہ بہت اطمینان سے بیٹھا پوری توجہ سمیت اس کا بھرپور جائزہ لینے میں اس قدر مگن تھا کہ آس پاس موجود نفوس کی موجودگی کے احساس کو بھی بھلا بیٹھا تھا۔

"بازو ادھر کریں اپنا اور سیدھے ہو کر بیٹھیں۔" محسوس کی جانے والی تمام تر ناگواری اس کے لہجے میں در آئی تھی۔ زوار شاہ نے مبہم سا مسکراتے ہوئے نہ صرف حکم کی تعمیل کی بلکہ اپنا بازو بھی آستین ہٹا کر سامنے پیش کر دیا۔ اس نے زخم کا معائنہ کیا، گولی بازو کو چھوتی ہوئی نکلی تھی پھر الوینہ جب تک زخم صاف کر کے ڈریسنگ کرتی رہی اس کی پُرتپش نگاہوں سے اپنا چہرہ جلتا ہوا محسوس کرتی رہی۔ زوار شاہ اس کی خوش بودار قربت کے حصار میں جیسے سحر زدہ سا بیٹھا یک ٹک اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ جبکہ الوینہ اس کی اس فضول حرکت پر دانت پیستی ان آنکھوں کو پھوڑنے کی خواہش کو دباتی سامان سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یہ کچھ پین کلرز ہیں اگر انہیں ضرورت محسوس ہو تو دیجیے گا۔" وہ اس کی بجائے یاور شاہ سے مخاطب ہوئی تھی جس نے پتا نہیں اس کی بات کا تمسخر اڑایا تھا یا کچھ اور وہ سمجھ نہیں پائی۔

"اوہ رہنے دیں جی، ادا کو کیوں درد ہوگا؟ یہ تو شیر ہے ببر شیر۔ اتنی چھوٹی موٹی تکالیف ہمارا کچھ نہیں بگاڑا کرتیں اور اگر پھر بھی درد میں افاقہ نہ ہوا تو کچھ اور علاج کریں گے۔" اس کے ہاتھ سے دواؤں والا تھیلا پکڑتے ہوئے یاور شاہ نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر جس طرح کہا تھا، وہ ٹپٹا کر رہ گئی۔

"ضرور کیوں نہیں، مگر مجھے یقین ہے کہ اس دوا کے استعمال سے درد ختم ہو جائے گا۔" اس کی وجود کے پار ہوتی نگاہوں سے نظریں چراتی وہ بہت ضبط سے جواب دیتی اپنا اوور آل اٹھا کر سیدھی ہوئی تو اسے راستے میں حائل پا کر سخت بدمزہ ہو گئی۔

"ایکسکیوز می۔" ان دونوں کو وہیں چھوڑتی ہوئی وہ اسپتال سے نکل گئی تھی۔

❀......❀......❀

"ہوں...... پہلے سے بہت بہتر ہے لگتا ہے تم نے اس کا خوب خیال رکھا ہے۔" وہ جھکی ہوئی ماں کی گود میں بیٹھے بچے کا تفصیلی چیک اپ کر رہی تھی، جب سفید کھدر کے شلوار سوٹ پہ براؤن حیدرآبادی مردانہ شال شانوں پہ پھیلائے زوار شاہ نے اندر قدم رکھا۔ "اسے دودھ ضرور پلایا کرو۔ بخار اتر گیا ہے مگر نقاہت باقی ہے۔ ابھی چند دن روٹی نہیں کھلانا۔ دلیہ یا کوئی اور نرم غذا دیتی رہنا۔" زوار شاہ پہ سرسری نگاہ ڈال کر وہ ہنوز بچے کی ماں کو ہدایات سے نواز رہی تھی۔

"ڈاکٹرنی جی! وہ چھوٹے شاہ جی آ گئے ہیں۔" عورت باقاعدہ گھبرا کر اٹھی تھی تب الوینہ گہرا سانس کھینچ کر کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر اسے دیکھنے لگی جو وہاں موجود عورتوں پہ بری طرح برس رہا تھا۔

"چلو ساری بھاگ جاؤ، یہاں کیا میلہ لگائے رکھتی ہو سارا دن۔" بینچ پر اپنی باری کے انتظار میں بیٹھی میلی کچیلی غریب عورتیں اس پھٹکار پر افتاں وخیزاں بھاگیں۔ الوینہ بری طرح بھڑک کر اپنی جگہ سے اٹھتی ہوئی اسے ٹوک گئی۔

"یہ...... یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟" غصے سے مٹھیاں بھینچتی وہ جیسے پھٹ پڑنے کو تھی۔

"تمہیں مریض چاہیں نا، میں کس لیے ہوں؟ چیک کر دو دوا دو۔" وہ اچانک اس کی سمت پلٹ کر یکسر بدلے ہوئے انداز میں بولا۔ الوینہ نے سلگتی ہوئی نگاہوں سمیت اس کی مسکراہٹ

کو دیکھا۔
""آپ کا کیا خیال ہے مسٹر کہ......""
""آں ہاں' ایک منٹ مسٹر نہیں' زوار شاہ۔ تم مجھے زوار شاہ کہہ سکتی ہو۔"" وہ ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوکتا ہوا مسکرایا تو الوینہ لب بھینچتی نگاہ کا زاویہ بدل گئی۔
""اب آپ کیوں آئے ہیں جبکہ آپ کو مزید مرہم پٹی کی ضرورت نہیں؟ زخم ٹھیک ہے اب۔"" وہ جیسے زچ ہوگئی تھی۔ زوار شاہ جو نہایت اطمینان سے بیٹھ چکا تھا بے ساختہ مسکرایا۔
""جانتا ہوں زخم بھر گیا ہے مگر ڈاکٹر صاحبہ! ہوسکتا ہے اس زخم کے سوا کوئی اور زخم بھی ہو جس کا علاج صرف آپ کے پاس ہو۔"" اسے نگاہوں کی زد پر رکھے بھاری لہجے میں بات کرتا ہوا وہ معنی خیزی سے بولا تو الوینہ قدرے چونکتی ہوئی اسے دیکھنے لگی۔ نگاہیں چار ہوئی تھیں' مقابل کی آنکھوں کی شرارت اور معنی خیزی اسے لمحے کے ہزارویں حصے میں نظر کا زاویہ بدلنے پہ مجبور کرگئی۔ ""تم جانتی ہو بہت اہم بات کرنے آیا ہوں آج تم سے جسے سنو گی تو خود پہ رشک آئے گا تمہیں۔"" وہ اٹھ کر اس کے بالکل قریب آکر مبہم سا مسکرا کر بولا تو الوینہ لب کچلتی ہوئی الٹے قدموں پیچھے ہٹ گئی۔
""ایسی کیا بات ہے......؟ اور پلیز آپ وہاں بیٹھ کر بھی بات کرسکتے ہیں۔"" وہ گویا پیش بندی کے طور پر بولی تو جواباً زوار شاہ کا بے باک قہقہہ اسپتال کی عمارت کو ہلا گیا۔ الوینہ خائف سی ہوگئی۔ کمپاؤنڈر کو اس نے صبح شہر بھیجا تھا دوائیں لینے کی غرض سے اس وقت زوار شاہ کے ساتھ وہ تنہا تھی اور اندر سے خاصی خوف زدہ ہوچکی تھی۔
""لیکن جو بات میں تم سے کرنے والا ہوں وہ تمہارے پاس بیٹھ کر ہی ہوسکتی ہے۔ تم کھڑی کیوں ہو؟ بیٹھو نا!"" اس نے ایک بار پھر فاصلہ سمیٹ کر قریب آتے ہی نہایت بے تکلفی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھانا چاہا مگر الوینہ کو تو جیسے ہزار وولٹ کا کرنٹ چھو گیا تھا۔
""مسٹر زوار شاہ! مجھے یہ بے تکلفی بالکل پسند نہیں۔ سمجھے آپ......"" بھرپور جھٹکے سے اپنی کلائی چھڑاتی وہ اپنی ناگواری کا اظہار کرگئی۔ زوار شاہ کو شدید قسم کا دھچکا لگا۔ اس کے گمان میں نہ تھا کہ اس قسم کی صورت حال بھی پیش آسکتی ہے جبھی حیرت سے کئی ثانیوں تک حرکت کیے بنا اسے تکتا رہ گیا۔ الوینہ کے تاثرات سے چھلکتی نفرت و درشتی ہی اسے ہوش میں لانے کا سبب بنی تھی۔ ورنہ یوں اپنا ہاتھ ہتک آمیز انداز میں جھٹک دیا جانا ہی اسے شدید مشتعل کرگیا تھا۔ جبھی اس کی کلائی اپنے فولادی ہاتھ میں جکڑ کر جھٹکے سے اپنے قریب کھینچ کر وہ جارحانہ انداز میں حلق کے بل چیخا۔
""سنو لڑکی......تم کون ہو؟ کہاں سے آئی ہو مجھے اس سے بالکل غرض نہیں۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں یہاں انسان تو کیا' پرندہ بھی ہمارے حکم کا منتظر رہتا ہے۔ یہاں کے ہر مکین کی طرح تم بھی ہماری رعایا' ہماری غلام سے بڑھ کر ہرگز نہیں ہو سمجھیں تم......؟ تم سے اگر میں آرام سے بات کرلیتا ہوں تو خود کو کچھ سمجھ کر خوش فہم ہونے کی ضرورت نہیں' ایک ہی جھٹکے میں قدموں سے کھینچ لینا مجھے خوب اچھی طرح آتا ہے' اور کے ساتھ بدتمیزی کی تمہیں کڑی سزا ضرور مل جاتی مگر میں نے درگزر سے کام لیا لیکن اپنے لیے تمہارا یہ گستاخانہ لب ولہجہ بالکل برداشت نہیں کروں گا۔ اتنے جرائم کے بعد بھی تم سے رعایت کی گئی تو کیوں' صرف میری وجہ سے کہ تم عام لوگوں کی طرح عام نہیں رہیں۔"" زوار شاہ ہونٹ سکوڑے چبا چبا کر بات کرتا ہوا اس کے ہراساں چہرے پہ نگاہ ڈال کر اس کا بازو چھوڑتے ہوئے کچھ فاصلے پہ ہوگیا۔ جیب سے سگریٹ کیس نکال کر سگریٹ سلگایا۔ دو چار گہرے کش لینے کے بعد پھر سے اس کی سمت متوجہ ہوا تو اسے اپنی کلائی سہلاتے دیکھ کر جانے کیوں مسکرایا۔
""تمہاری منگنی ہوچکی ہے؟ خیر ہو بھی چکی ہو تو مجھے پروا نہیں۔"" بغلی جیب ٹٹول کر دل شیپ کی انتہائی نفیس چھوٹی سی ڈبیا برآمد کی اور ڈبیا کھول کر انگوٹھی نکالی اور اس کا ہاتھ زبردستی پکڑتے ہوئے انگوٹھی اسے پہنا دی۔ ""آج سے تم زوار شاہ سے منسوب ہو۔"" اس کا ہاتھ نرمی سے دبا کر چھوڑتا ہوا وہ اپنے مخصوص ہٹ دھرم لہجے میں بولا۔ ""اس احساس سمیت خود پہ نازاں ہوجاؤ کہ تم زوار شاہ کی پسند ہو۔"" اس کے چہرے کے گرد جھولتی لٹ کو پکڑ کر جھٹکے سے چھوڑتا ہوا وہ ذومعنی انداز میں مسکراتا ہوا پلٹ گیا۔ جبکہ وہ اس قدر شاکڈ تھی کہ خود کو حرکت تک نہ دے سکی۔

❀ ❀ ❀

اس نے خالہ بی کو ہی اپنا سب کچھ سمجھا تھا مگر حقیقت کی سفاکی نے کئی روز تک خود سے بے گانہ رکھا تھا۔ آذر اس کی میڈیکل کی تعلیم سے فراغت کے بعد اس سے شادی کا خواہاں

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبداللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

تھا۔ وہ اچھا لڑکا تھا۔ پڑھا لکھا اور سوبر شاید اسے بھی اعتراض نہ ہوتا اگر وہ اس رات غیر ارادی طور پر خالہ بی کی باتیں نہ سن لیتی۔ اگلے دن اس کا آخری پریکٹیکل تھا اور رات گئے تک جاگنا اس کا معمول تھا۔ چائے کی طلب اسے کمرے سے نکال کر کچن میں لے جا رہی تھی۔ جب آذر کی آواز اسے ٹھٹکنے پر مجبور کر گئی۔

"مگر اماں آپ کیوں چاہتی ہیں کہ میں الوینہ سے شادی نہ کروں جبکہ آپ جانتی ہیں کہ میں اس سے......؟"

"جانتی ہوں بیٹے! مگر میں بے بس ہوں۔ الوینہ میرے پاس پرائی امانت ہے۔ امانت دار کسی بھی وقت مجھ سے اس کا تقاضہ کر سکتا ہے۔"

"کیا مطلب ہے اماں؟" باہر کھڑی الوینہ کی طرح آذر بھی الجھ گیا تھا۔

"ابھی وقت نہیں آیا آذر کہ میں حقیقت کو کھولتی مگر تمہیں تمہارے ارادوں سے باز رکھنے کی خاطر مجھے قبل از وقت یہ سب کہنا پڑ رہا ہے۔ الوینہ میری سگی بھانجی نہیں ہے۔"

"کیا......؟" آذر کی آواز آئی۔ جبکہ باہر کھڑی الوینہ سن پڑ گئی۔

"ہاں آذر الوینہ میری بچپن کی سہیلی کی اکلوتی اولاد ہے۔ اسے کس قسم کے حالات درپیش ہوئے تھے مجھے زیادہ خبر نہیں، بس اتنا پتا ہے کہ وہ شادی سے پہلے کسی سرکاری اسکول میں پڑھاتی تھی پھر اس کا تبادلہ کسی گاؤں میں ہو گیا تو ہمارا آپس میں ملنا جلنا بھی نہ ہونے کے برابر رہ گیا۔ میری شادی ہو چکی تھی۔ تم دو تین سال کے تھے جب ایک دن اچانک وہ میرے گھر پناہ لینے چلی آئی۔ اس کی ماں مر چکی تھی اور اب وہ تنہا تھی، اسے سہارے کی ضرورت تھی مجھے اسے پناہ دینا پڑی کہ وہ میری بہت اچھی دوست تھی اور اب دنیا میں بالکل تنہا' میں چاہتی تھی کوئی ڈھنگ کا رشتہ دیکھ کر اس کی شادی کر دوں مگر انہی دنوں مجھ پر انکشاف ہوا کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ تب اس نے بتایا تھا کہ اس کی شادی ہو چکی ہے اور شوہر نے اسے طلاق دے دی جانے کیوں، مجھے یہ فرضی کہانی محسوس ہوئی۔ چند ماہ بعد اس کے ہاں الوینہ نے جنم لیا تو اس کی پیدائش پہ کچھ پیچیدگیوں کے باعث وہ بیمار رہنے لگی۔ الوینہ بمشکل ایک آدھ سال کی ہوگی جب ایک رات وہ چپکے سے مر گئی۔ مرنے سے پہلے اس نے مجھے کچھ بھی ایسا نہیں بتایا جس سے میں الوینہ کا کچھ سوچ سکتی۔ بس اس نے ایک بات کی تھی کہ جب یہ بڑی ہو جائے اور تمہیں اس کی زندگی کا کوئی فیصلہ کرنا ہو تو اسے اس کے باپ کے حوالے کر دینا۔ اس کا باپ کوئی عام آدمی نہیں ہے......"

خالہ بی مزید کچھ کہہ رہی تھیں مگر اس کی سائیں سائیں کرتی سماعتیں جیسے کچھ سننے سے قاصر تھیں۔ وہ کس طرح اپنے کمرے میں آئی اسے یاد نہیں تھا' اس سنگلاخ حقیقت کو تسلیم کرنا بہت ہمت کا کام تھا' اس پہ آذر کا رویہ جو اب اس سے نگاہ چراتا اور کترایا سا رہتا تو اسے خود سے نگاہ ملانا دشوار ہو جاتا۔ یقیناً اس کا باپ کوئی برا آدمی ہوگا کہ آذر اسے اپنانے کا فیصلہ یوں یکبارگی بدل گیا پھر اس نے کسی نہ کسی طرح خود کو سنبھال لیا تھا۔ میڈیکل کی مہنگی ترین تعلیم پر خالہ بی نے اس پرائی رقم کہاں سے خرچ کی' اکثر وہ یہ سوچ کر پریشان ہوا کرتی تھی مگر کبھی ان سے پوچھا نہیں پھر وہ جیسے خود میں سمٹ کر ہنسنا بولنا بھی بھول گئی۔ آذر کی شادی ہوئی تو اس پر زندگی کا ایک اور تلخ روپ عیاں ہو گیا۔ آذر کی بیوی اس کے حوالے سے آذر پر شک کرتی تھی۔ اس کی حد سے بڑھی ہوئی خوب صورتی اس کے لیے وبال جان بنتی جا رہی تھی۔ ہاؤس جاب مکمل ہوتے ہی اسے یہاں ٹرانسفر کیا گیا تو خالہ بی کی مخالفت کے باوجود وہ یہاں چلی آئی تھی مگر اب زوار شاہ کا جارحانہ مجنونانہ انداز اسے اندر سے خائف کر کے فرار پہ اکسا رہا تھا مگر بدقسمتی سے وہ کہیں بھی بھاگنے سے قاصر تھی۔

❀❀❀

پراگندہ الجھے ہوئے ذہن اور غیر متوازن چال سمیت گھر آتے ہی چارپائی پہ ڈھے گئی تھی۔ شام ڈھل چکی تھی۔ سردیوں کی اداسی کے احساس سے بوجھل رات دھرتی پہ اپنا تسلط جمانا ہی چاہتی تھی زوار شاہ سے یوں مقابلہ کرنا اس کے بس کا کام نہیں تھا اور کٹ پتلی بن کر اس کے اشاروں پہ ناچنا بھی اسے کسی طور گوارا نہ تھا۔ اس کا یہ طرز عمل اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر گیا تھا۔ خالہ بی کا گھر جسے وہ بہت زعم سے چھوڑ آئی تھی، ایک بار پھر وہیں جانے کا خیال ہی اس کا دل بوجھل کرنے لگا مگر اس کے سوا اب کچھ اور چارہ کار بھی تو نہ تھا۔ اس گھر میں بے شک اس کی جگہ نہ بھی مگر اس چہار دیواری میں عزت تو محفوظ تھی اور اسی عزت کے تحفظ کے لیے وہ ہر قیمت چکانے کو تیار تھی۔ فیصلہ ہوا تو پھر عمل میں دیر مناسب نہیں تھی' اسکول' کالج' یونیورسٹی میں دوران تعلیم وہ خود پر چونکنے کے انداز میں اٹھ کر

ٹھہر جانے والی نگاہوں کی ستائش سے بہت پہلے سے ہی آگاہ ہوچکی تھی۔ کالج اور یونیورسٹی میں کئی لڑکے اس کی طرف بڑھے تھے مگر اس کے خشک رویے سے بددل ہوکے خود ہی پیچھے ہٹ گئے تھے مگر اب وہ محسوس کررہی تھی کہ زوار شاہ کی نفسیات ان سب مردوں سے الگ ہے، جن سے اب تک اس کا واسطہ پڑتا رہا تھا۔ زوار شاہ کی طبیعت میں حاکمیت تھی۔ جو چیز پہنچ سے دور محسوس ہوتی اسے چھین کر حاصل کرتا اور توڑ پھوڑ ڈالتا اور اسے اپنی عزتِ نفس اور ناموس بہت عزیز تھی۔ اسی لیے بہت خاموشی سے اس نے وہاں سے راہِ فرار اختیار کی تھی۔

❁......❁......❁
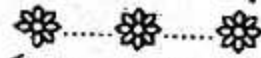
"وہ چلی گئی، مگر کہاں؟" وہ بھونچکا سا کھڑا تھا۔ بوڑھی ملازمہ اس کے متوقع عتاب سے لرزتی ہوئی ہاتھ جوڑ کر نفی میں سرہلانے لگی۔

"مجھے نہیں پتا شاہ سائیں! میرا رب جانتا ہے وہ جانے سے پہلے مجھے کچھ بتا کر نہیں گئی۔ بس یہ رقعہ دیا تھا۔" بوڑھی ایک بار پھر گڑگڑائی اور چادر کے پلو میں بندھا رقعہ لرزتے ہاتھوں سے کھول کر اس کی سمت بڑھا دیا۔ وہ جو لب بھینچے ضبط کی کڑی منزل پر کھڑا تھا یک لخت اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

"اس کتیا کی یہ جرأت کہ وہ زوار شاہ کو چکما دے جائے اور تو......" اس نے ہاتھ گھما کر بڑھیا کے منہ پہ دے مارا جو دلدوز چیخ سمیت الٹ کر دور جاگری۔ وہ دروازے کو ٹھوکر رسید کرتا باہر آگیا۔ ہاتھ میں پکڑے رقعے کا خیال آیا تو وہیں کھڑے کھڑے کھول لیا۔

"مسٹر شاہ...... ڈاکٹر الوینہ کوئی ایسی گری پڑی لڑکی نہیں کہ تم جیسے اوباش کے ہاتھوں خود کو کھلونا بنا ڈالتی۔ تمہاری زبردستی پہنائی گئی انگوٹھی خالہ بی کو دیے جارہی ہوں، تمہاری مرضی ہے چاہو تو وصول کرلو۔ اور ہاں ایک بات اور تم جیسے بدکردار انسان سے تعلق میرے لیے باعث شرمندگی تو ہوسکتا ہے فخر یا اعزاز نہیں۔ مجھے ڈھونڈنے کی کوشش مت کرنا۔ مجھے تمہاری صورت تک سے نفرت ہے۔ اب اپنے زخم چاٹتے رہو۔" زوار شاہ کی برداشت جواب دے گئی اس نے رقعہ کے پرزہ پرزہ کرکے ہوا میں بکھیر دیے۔

"بہت بڑی بھول میں ہو تم ڈاکٹر الوینہ! زوار شاہ تمہیں پاتال سے بھی نکال لائے گا سمجھا کیا ہے تم نے مجھے۔ پہلے تم جو کچھ تھیں اب صرف زوار شاہ کی ضد اور انتقام ہو۔ ایک بار سامنے آجاؤ دیکھنا کیا حشر کرتا ہوں۔" اس کے لہجے میں غراہٹ در آئی تھی۔

❁......❁......❁

بوڑھی ملازمہ پر تشدد کرنے کے بعد بھی وہ یہ اگلوانے میں ناکام رہا تھا کہ الوینہ کہاں ہے ماسوائے اس کے کہ وہ لاہور میں رہتی ہے۔ یقیناً بوڑھی ملازمہ کو اتنا ہی علم تھا ورنہ اس بڑھاپے میں اپنی ہڈیاں کوئی بھی تڑوانا پسند نہیں کرتا اور پچھلے ایک ہفتے سے وہ سب کچھ بھلائے لاہور کی خاک چھان رہا تھا مگر وہ تو یوں غائب تھی جیسے کبھی یہاں آئی ہی نہ ہو اس کے تین ملازم بھی اسی تلاشِ گمشدہ مہم میں اس کے ساتھ شریک تھے، جن میں میرل تو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا تھا۔ شام ڈھلے وہ لاہور میں موجود اپنی رہائش گاہ پر واپس آیا تو اسحاق شاہ کو اپنا منتظر پاکر بری طرح چونکا۔

"خیریت ہے...... جان! شہر میں کیا دلچسپی سمٹ آئی کہ تم نہیں کے ہوکر رہ گئے؟" اس کے حلیے کو دیکھتے ہوئے انہوں نے سرسری سے لہجے میں کہا تو زوار شاہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس پڑا۔

"کچھ نہیں بابا سائیں! بس یونہی......"

"یونہی نہیں جان من! ہمیں تو کچھ اور ہی چکر لگتا ہے۔" انہوں نے اس کے مضبوط شانے پر ہاتھ رکھ کر اپنی بات پہ زور دیا تو زوار شاہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"کیسا چکر بھلا......"

"پیار و محبت کا چکر...... لگتا ہے میرے پتر کو کوئی شہری کڑی پسند آگئی ہے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا تو زوار شاہ نگاہ جھکا گیا اور اسحاق شاہ زور سے ہنس پڑے۔ "موج کر میرے شیر۔ یہ جوانی شے ہی ایسی ہے۔ اس میں ایسی رنگینیاں نہ ہوں تو دل گھبرانے لگتا ہے۔ فکر نہ کر گاؤں کی ادھر میں ہوں ناں۔" انہوں نے اس کے مضبوط چوڑے وجود کو بازوؤں میں لے کر تھپکا تو زوار شاہ کچھ کہے بنا اٹھ کر اپنی خواب گاہ میں آگیا۔

"ایک بار مل جاؤ ڈاکٹر الوینہ...... میں اپنے اندر بھڑکتی آگ میں تمہیں جلا کر خاکستر نہ کردوں تو کہنا۔" سگریٹ کا کش لیتے ہوئے وہ الوینہ کے تصور کو دھمکانے لگا۔

❁......❁......❁

الوینہ کو دیکھ کر خالہ بی ششدر رہ گئیں۔ پھر جو دوڑ کر اس

سے لپٹیں تو اسے بازوؤں میں بھینچ کر کتنی دیر تک روتی رہیں۔

"مجھے پتا تھا تو ناراض ہوگئی تھی مجھ سے دھی رانی! بتا میں نے کب تجھ سے کوئی فرق کیا۔ وہ تو بس......"

"چھوڑیں خالہ بی! میں آپ سے خفا نہیں تھی۔" اس نے رسانیت سے کہہ کر گویا بات ہی ختم کر دی تھی۔ آذر کی بیوی نے اسے دیکھ کر ناک بھوں چڑھائی جبکہ آذر محتاط قسم کی خاموشی کی بکل مارے رہا۔

اس نے خالہ بی کو وہاں کے حالات کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا۔ ان کے استفسار پر اس نے محض یہ کہا کہ وہ چند دنوں کی چھٹی پر آئی ہے۔ اسی جواب میں امان تھی۔ اس روز بھی وہ کسی کام سے نکلی تھی۔ خالہ بی کے گھر کا ماحول اسے وحشت میں مبتلا کر دیا کرتا تھا۔ رات ہی آذر کی بیوی نے ایک بار پھر اس کی واپسی کو بنیاد بنا کر خوب جھگڑا کیا تھا اور الوینہ ان حالات سے پریشان ہوگئی تھی اور تقدیر کو شاید ابھی اس کی مزید آزمائش درکار تھی کہ بس کے انتظار میں کھڑی الوینہ پر زوار شاہ کی نظر اٹھی اور اٹک کر رہ گئی۔ لائٹ گولڈن سادہ لباس اور بلیک بڑی سی شال میں وہ اسے ہزاروں کے مجمع میں بھی بآسانی پہچان سکتا تھا۔ سیاہ مرسڈیز کے انجن کو وہیں اسٹارٹ چھوڑ کر وہ جیب میں موجود ریوالور کی موجودگی کا یقین کرتا ہوا دروازہ کھول کر نکلا اور لمبے ڈگ بھرتا ہوا اس کے سر پر جا پہنچا۔

"اب بتاؤ ڈاکٹر صاحبہ! زوار شاہ سے بچ کر کہاں جاؤ گی؟" اس کی کلائی اپنے فولادی پنجے میں جکڑ کر جھٹکے سے کھینچ کر اسے اپنے سامنے کرتا ہوا وہ سفاکی سے بولا تو الوینہ اسے یوں روبرو پاکے حیرت کی زیادتی سے قوت گویائی کھو گئی۔

"آؤ میرے ساتھ...... بہت سے حساب بے باق کرنے ہیں تم سے۔" وہ اس پہ جھک کر تلخی سے کہتے ہوئے اپنے ساتھ گھسیٹتا ہوا لے گیا۔ الوینہ اس قدر حیرت زدہ تھی کہ بغیر کسی مزاحمت کے اس کے ساتھ کھنچتی چلی گئی۔ گاڑی کے قریب آ کر اس نے پچھلا دروازہ کھول کر اسے پھینکنے کے انداز میں سیٹ پر پٹخا اور پلٹ کر میرل کو گاڑی ڈرائیو کرنے کا حکم دیتا ہوا اس کے برابر آ بیٹھا۔

"یہ...... یہ کیا کر رہے ہو! کہاں لے جا رہے ہو مجھے۔ چھوڑ دو پلیز مجھے جانے دو۔" گھبراہٹ و سراسیمگی نے یکبارگی اسے دہشت کے حصار میں مقید کر کے رحم سے عاری اس اکھڑ سفاک شخص کے سامنے گڑگڑانے پر مجبور کر دیا۔ گاڑی جھٹکے سے آگے بڑھی تب وہ بالکل ہی روہانسی ہو اٹھی۔ "پلیز...... پلیز زوار شاہ مجھے جانے دو۔" اب کے اس نے باقاعدہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تھے تب وہ جو کانوں میں کڑوا تیل ڈالے اس کی آہ و بکا سے بے نیاز اطمینان بھرے انداز میں سگریٹ کے گہرے گہرے کش لے رہا تھا۔ اس کی جانب رخ پھیرتا ہوا بے ساختہ ہنس پڑا۔

"اب آئی ہو لائن پر...... گڈ مگر کیا کریں ڈیئر! زوار شاہ تمہاری اس گزارش کو قبول کرنے سے قاصر ہے۔ ابھی تو تمہیں یہ بتانا ہے کہ تمہارے یوں بنا بتائے چلے آنے سے ہم کس قدر پریشان ہوئے پھر تمہارا خط پڑھ کر زوار شاہ نے کس طرح خود کو کنٹرول کیا۔ اپنے جرائم کی سزا تو بھگت لو پھر چلی جانا۔ اتنی جلدی کیا ہے؟" اس کا رخسار سہلا کر وہ جس بے باک و بے حجاب انداز میں گویا ہوا تھا' وہ کتنی ہی دیر بولنے کے قابل نہیں رہ پائی۔ تیز رفتاری سے دوڑتی ہوئی گاڑی اس کا دل ہولانے کا باعث تھی۔

"مم...... مجھے معاف کر دو۔ دیکھو میں آئندہ......"

"شٹ اپ بکواس بند کرو۔ سنا تم نے' بالکل چپ ہو جاؤ' ورنہ میں اس ملازم کی پروا کیے بغیر تمہارے غرور کو خاک میں ملا دوں گا...... سمجھیں تم۔" وہ اس پہ جھک کر جس خوف ناک لہجے میں دھمکی دے رہا تھا اس نے الوینہ کے جسم سے جان کھینچ لی۔ وہ ساکن پلکیں لیے ہراساں بیٹھی رہ گئی تھی۔ زوار شاہ کی سنگین دھمکی سے سہم کر وہ ایسی خاموش ہوئی تھی کہ پھر منہ سے ایک لفظ نہیں نکلا مگر سسکیوں اور ہچکیوں پر اس کا اختیار نہیں تھا۔ سارے راستے وہ یونہی گھٹ گھٹ کے روتی آئی تھی۔ زوار شاہ کی گاڑی ایک شاندار بنگلے میں آ کر رکی تھی پھر وہ اسے یونہی بھیڑ بکری کی طرح گھسیٹتا ہوا ایک کمرے میں دھکیل کر باہر سے دروازہ مقفل کر کے جا چکا تھا۔ سن ہوتے اعصاب اور تاریک ہوتے ذہن کے ساتھ وہ پچھلے چوبیس گھنٹوں سے بھوکی پیاسی یہاں قید تھی۔ میرل تینوں وقت کا کھانا اسے پہنچا تا رہا تھا مگر کھانے کی طرف اس نے آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنا گوارا نہیں کیا۔

اس عرصے میں زوار شاہ خود ایک بار بھی سامنے نہیں آیا تھا۔ اس سے وہ قطعی سمجھ نہیں پائی تھی کہ وہ اس سے کیا چاہتا ہے۔ اگر اس کا مقصد اپنی تذلیل پہ یوں اسے یہاں مقید رکھ کر اپنی انا کو تسکین پہنچانا تھا' تب بھی اس کے اس اقدام نے کم از کم اس پر زندگی کے دروازے بند کر ڈالے تھے۔ رو رو کر اس کی آنکھیں

سوچ چکی تھیں اور سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ جب دروازہ کھول کر زوار شاہ بالکل ترو تازہ، کھلا کھلا سا اندر چلا آیا۔

''کیسی ہو تم؟'' اس کے پاس آ کر جھکا اور ہاتھ بڑھا کر اس کے الجھے بال بکھیر دیئے۔ الوینہ نے نفرت کے شدید احساس سمیت اس کا ہاتھ جھٹک کر سر اچھی طرح ڈھانپ لیا۔

''مجھے ہاتھ مت لگانا۔'' وہ حلق کے بل غرائی تو زوار شاہ زور سے ہنس پڑا۔

''میں جانتا ہوں کہ تم بہت خاص ہو، جبھی تمہارے معاملے میں میں خاص اہتمام کرنا چاہ رہا ہوں، یعنی تمہیں توڑنا نہیں چاہتا، چھین جھپٹ نہیں مکمل آمادگی کے ساتھ تمہیں پانا چاہتا ہوں۔ ٹھیک ہے نا۔'' انداز میں بلا کی وارفتگی سمیٹے وہ سرگوشی سے ذرا بلند لہجے میں گویا تھا۔ الوینہ کے چہرے پہ موجود نفرت میں حقارت سمٹ آئی۔

''میں مرنا پسند کروں گی اس سے پہلے...... سنا تم نے۔'' وہ مٹھیاں بھینچ کر چیخی تو زوار شاہ کے چہرے کا نرم سا تاثر کرختگی میں بدلنے میں صرف ایک پل لگا۔

''مجھے ضد پر مت اکساؤ الوینہ...... میں بتا چکا ہوں کہ تم میرے لیے عام لڑکی نہیں ہو۔ شاید زوار شاہ کو تم سے محبت ہو گئی ہے۔'' وہ بولا تو اس کے چہرے سے بے بسی کا اظہار چھلکا تھا۔ الوینہ نے قدرے چونک کر مشکوک نظروں سے اسے دیکھا اور اس کی ان نگاہوں کو سمجھ کر ہی جیسے ہارے ہوئے انداز میں بولا تھا۔ ''دیکھو تم پچھلے چوبیس گھنٹوں سے میرے پاس ہو، کون تھا جو مجھے میری کسی بھی جسارت پہ روک پاتا؟ تم مجھے میرے کسی بھی ارادے سے باز نہیں رکھ سکتی تھیں لیکن میں ایسا نہیں کرنا چاہتا الوینہ! میں تمہیں ایک بار نہیں حاصل کرنا چاہتا، میرا مقصد تمہیں بکھیرنا یا توڑنا نہیں ہے۔'' وہ اس بار لجاجت سے بولا مگر الوینہ کے چہرے پہ موجود تاثرات ہنوز تنے ہی رہے۔

''تم ختم کر چکے اپنی تقریر؟'' وہ چیخی تھی تب زوار شاہ نے الجھ کر اسے دیکھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ حیران ہوا۔

''اس قسم کی بکواس سے اگر تم یہ چاہتے ہو کہ مجھے متاثر کر لو گے تو یہ تمہاری بھول ہے۔'' وہ کٹی درکھائی سے بولی تو زوار شاہ ضبط کھو بیٹھا اور اس کے قریب آ کر اپنے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ لے کر بھینچ ڈالا۔

''تمہیں میری بات کا یقین نہیں؟ مجھے اس کی پروا نہیں ہے، شاید تمہیں میرا جائز راستہ پسند نہیں، مگر مجھے ضد پر مت اکساؤ، تمہارے پاس بس آج کا دن ہے پھر ہمارے درمیان موجود تمام فاصلے سمٹ جائیں گے، تم جو کر سکو کر لینا۔'' اسے جھٹک کر وہ باہر نکل گیا۔ الوینہ ساکت رہ گئی۔

❁......❁......❁

اس نے آئینے میں اپنے یکسر بدلے ہوئے روپ کو نگاہ بھر کے دیکھا اور سر جھکا کر سسک اٹھی زوار شاہ سے نکاح اس کی مجبوری تھی ورنہ وہ اپنا کہا پورا کر گزرتا اور وہ کم از کم ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ مجبوراً یہ زہر پینا پڑا تھا۔ زوار شاہ اندر آیا تو اسے دیکھ کر لمحہ بھر کو ٹھٹک گیا پھر اپنے پیچھے آتے میرل کو اشارے سے ہاتھ میں پکڑا تھال الوینہ کے پاس رکھنے کو کہا۔ میرل نے جھک کر تھال الوینہ کے قدموں میں رکھا اور پلٹ کر خاموشی سے باہر نکل گیا۔

''یہ تمہارا حق مہر ہے اسے جیسے چاہو خرچ کرنا، مجھے اس سے غرض نہیں۔ تمہارا نکاح کا یہ فیصلہ مجھے اچھا لگا۔ ایک سال تک تمہیں آزاد چھوڑ رہا ہوں، جہاں مرضی رہو لیکن ایک شرط ہے؟'' وہ قدم بڑھا کر اس کے قریب آ کر آہستگی سے بولا تو الوینہ نے ڈبڈبائی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''اس عرصے میں ذہن و دل کو میری طرف مائل کر لینا۔ میں نے کہا تھا نا کہ میں تمہیں تمہاری رضا و رغبت سے حاصل کرنا چاہتا ہوں، مجھے پتا ہے اس وقت تمہارے دل میں میرے لیے نفرت کے سوا کچھ نہیں اور جو پائیدار بندھن میں نے تم سے باندھا ہے، وہ اس نفرت کی بجائے محبت خلوص اور وفا کا متقاضی ہے، ابھی تو میرے لیے یہ احساس کافی ہے کہ تم میری منکوحہ ہو۔ میں نے اپنی ضد پوری کر لی ہے اس لیے خود کو خاصا پُرسکون محسوس کر رہا ہوں۔'' الوینہ جو بالکل خاموشی سے اس کی بات سن رہی تھی ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''شکریہ بہت آپ کا...... اس احسان کا لیکن مسٹر شاہ...... ایک بات آپ بھی سن لیں کہ یہ نکاح میں نے مجبوراً کیا ہے آپ نے جانتے ہو کیوں؟ صرف اپنی عزت کی حفاظت کرنے کی خاطر کہ اس کے سوا میرے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا تھا مگر یہ آپ کی بہت بڑی بھول ہے کہ میرے دل پر زبردستی قابض ہو جاؤ گے۔ ایک بات یاد رکھنا کہ میں کبھی تم سے محبت نہیں کر سکوں گی۔'' وہ انتہائی حقارت سے کہہ کر تنفر بھرے انداز میں پلٹی تو اس کے اس قدر اہانت آمیز انداز پر

بھڑ بھڑ جلتا ہوا زوار شاہ جیسے ضبط کھو بیٹھا۔

"میں نہیں چاہتا کہ تم پر میرا ہاتھ اٹھے‘ مگر تم مجھے اس پر اکسا رہی ہو کہ میں......" وہ فضا میں اٹھا ہوا ہاتھ نیچے گراتا ہوا جیسے بے بس سا ہو کر بولا۔ "ٹھیک ہے یونہی سہی‘ تم آمادہ نہیں ہو تو جبر سہی۔ میں ہر حال میں تمہیں حاصل کر کے رہوں گا۔" اس کا موڈ پل بھر میں بدلا تو الوینہ کے ہاتھوں پیروں میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ معاً اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا تھا وہ بھاگی اور واش روم میں جا گھسی۔ دھماکے سے دروازہ بند ہونے پر زوار شاہ نے چونکتے ہوئے پلٹ کر دیکھا۔

"دروازہ کھولو الوینہ۔" اس نے بند دروازے پر لات رسید کی اور پوری قوت صرف کر کے چیخا۔

"نہیں...... کبھی نہیں‘ دیکھو زوار شاہ! میرے ساتھ ایسا مت کرو۔ اگر تم نے زبردستی کی تو میں خودکشی کر لوں گی۔" وہ اندر سے چلائی۔ زوار شاہ ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا۔ اس کا کھولتا ہوا ذہن چٹخنے لگا تھا۔

❁......❁......❁

وہ تین دن گھر سے غائب رہی تھی اور کوئی ٹھوس بہانہ بھی نہیں تھا جو گھڑ لیتی۔ اب اس کے پاس اس کے سوا چارہ نہیں تھا کہ وہ زوار شاہ کی بات مانتے ہوئے گاؤں آ کر اسپتال کا چارج سنبھال لے قسمت کے سامنے ہر ذی روح ہمیشہ سے بے بس رہا ہے اور وہ بھی تھی۔ اس نے جیسے تیسے حالات سے سمجھوتا کر لیا تھا۔ سب کچھ ویسا ہی تھا بس وہ اپنے اندر ایک تبدیلی محسوس کر رہی تھی۔ زوار شاہ کی منکوحہ کی حیثیت سے اس کی پوزیشن جس قدر مضبوط ہوئی تھی اسی قدر نازک بھی‘ وہ بہت اچھی طرح جانتی تھی اس قسم کے نکاح کو معاشرہ بری نظر سے دیکھتا ہے۔ حالات نے کچھ اس طور سے اسے اپنے شکنجے میں جکڑا تھا کہ وہ بے بس سی ہو کر رہ گئی تھی۔ زوار شاہ بے باک اور شہ زور تھا پھر اب تو اپنی من مانی کا سرٹیفکیٹ بھی حاصل کر چکا تھا اگر وہ کسی بھی موقع پہ زبردستی پر اتر آتا تو اس کی پوزیشن بے حد بدترین ہو سکتی تھی۔ اس کا دل ہر وقت سوکھے پتے کی طرح کانپتا رہتا۔ زوار شاہ سے اس کا سامنا ہی بہت کم ہوتا اگر کبھی اسپتال آتے جاتے راستے میں ٹکراؤ ہو بھی جاتا تو دور سے دیکھنے پر ہی اکتفا کرتا۔ اس سے جو اندازے الوینہ نے لگائے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ وہ اس سے اپنا تعلق عیاں ہو جانے سے خائف ہے۔

❁......❁......❁

"جانِ من! اتنا جذباتی ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ لڑکی میں نے دیکھی ہے بالکل عام سی ہے‘ اتنا تردد کیوں کر ڈالا؟" منشی سے حساب لے کر وہ اسحاق شاہ کے بیڈ روم میں آیا تو انہیں حقہ گڑگڑاتے دیکھ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ "میرا خیال ہے تم نے نکاح کر کے غلطی کی ہے پتر‘ اسے اتنا سر چڑھانے کی کیا ضرورت تھی؟ کل کلاں کو وہ کوئی بچہ گود میں اٹھائے چلی آئے گی۔ جائیداد میں حصے کی دعوے دار بن کے۔" وہ جوان کی پہلی بات پر ناسمجھی کے عالم میں انہیں دیکھ رہا تھا۔ اس اگلی بات پر حیرت کی زیادتی سے گنگ رہ گیا۔ ان کی معلومات کے ذرائع اتنے بااثر تھے کہ وہ نکاح تک کو جان گئے۔ حالانکہ زوار شاہ نے رازداری برتنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ "اب یہ نہ کہنا جانِ جگر کہ مجھے بھلا کیسے پتا چلا؟ تم میری اولاد ہو۔ جس کام کا تم صرف سوچتے ہو ہمیں خبر ہو جاتی ہے۔ تم نے لڑکی اٹھائی تھی‘ ٹھیک ہے چند دن رکھ کے چھوڑ دیتے‘ تمہیں کیا یہ یاد دلانا پڑے گا کہ ہمارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا؟ پھر اس نکاح کی وجہ......" حقے کی نے ہاتھ سے پرے کرتے ہوئے وہ اس کے چہرے کے تغیر کو دیکھتے ہوئے نرمی سے گویا ہوئے۔

زوار شاہ لب بھینچے سرخ چہرہ جھکائے بیٹھا تھا۔ وہ جانتا تھا بابا سائیں نے اس سے قبل اس سے ایسی بات کبھی نہ کی تھی کہ ایسی نوبت بھی تو نہیں آئی تھی بلکہ حقیقت تو یہ تھی کہ صنف نازک میں اس نے اس حد تک دلچسپی کبھی نہیں لی تھی کہ بات دل لگی سے بڑھ کر دل کی لگی تک جا پہنچے۔ وہ تو الوینہ میں جانے ایسا کیا تھا کہ وہ چاہنے کے باوجود اس کے ساتھ کچھ بھی غلط نہیں کر پایا‘ یہاں تک کہ نکاح کے بعد بھی وہ اس کی مکمل مرضی کا خواہاں تھا۔ جبھی اس نے الوینہ کو اپنا پابند بنا کر آزاد چھوڑ دیا تھا۔ بابا سائیں تک یہ سنجیدہ معاملہ کس طرح پہنچا ہے یہ ابھی اس نے طے نہیں کیا تھا کہ انہوں نے اس طرح سے اس پر گرفت کر کے کئی ثانیوں تک گم صم کر چھوڑا۔

"ارے پتر! لڑکیاں تو تمہاری عمر میں ہم بھی اٹھواتے رہے ہیں مگر شادی تو کسی خاندانی عورت سے ہی کی جاتی ہے نا۔" پھر اس کے چہرے پہ امڈتے ناگواری کے سائے دیکھتے ہوئے بات پلٹتے ہوئے بولے۔ "خیر خیر...... تم خفا نہ ہو‘ ہم نے تمہیں اپنے والد گرامی سے کہیں بڑھ کر رعایت دے رکھی ہے سو یونہی سہی‘ لیکن پتر‘ ایک بات دھیان میں رکھنا اس لڑکی سے

تمہاری کوئی اولاد نہ ہو۔ جب تک جی چاہے اسے رکھو لیکن میری شرط بس یہی ہے۔....." ان کی بات پوری سنے بغیر زوار شاہ جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوا۔ زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ اسے اپنے باپ کی کوئی بات بری لگی تھی۔ مگر وہ اتنا کبیدہ خاطر کیوں ہو رہا ہے فی الوقت اس کے پاس اس کا جواب نہیں تھا۔ یونہی لب بھینچے قدم بڑھاتا باہر نکل گیا اور اسحاق شاہ اس کو پریشان نگاہوں سے دیکھتے رہ گئے۔

❁......❁......❁
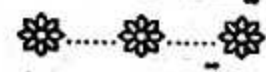
موسم بدل رہا تھا۔ جاتی سردی موسم بہار کا سندیسہ سنا رہی تھی۔ اب صبح اور شام کے وقت خنکی محسوس ہوتی۔ دن بھر دھوپ میں تیزی رہتی۔ اس دو ماہ کے طویل عرصے میں الوینہ بہت بے دلی سے زندگی گزار رہی تھی۔ ایک مقصد جس کا عزم لے کر وہ پہلی بار یہاں آئی تھی وہ دھرا کا دھرا رہ گیا۔ زوار شاہ کی جانب سے اٹھایا گیا یہ انتہائی قدم اسے بے دلی اور اکتاہٹ کا شکار کر گیا تھا۔ دو ماہ گزرنے کے باوجود بھی وہ ذہنی طور پر اس بندھن کو تسلیم نہ کر پائی تھی تو اس کی وجہ زوار شاہ سے وہ نفرت و عداوت تھی جو اسے پہلے روز ہی اس سے محسوس ہوئی تھی۔ جب بھی وہ اس کے متعلق کچھ سوچتی تو دل گھبرا سا جاتا اپنی اس کیفیت سے وہ خود بھی خاصی پریشان تھی۔ وہ بھی ایک ایسا ہی دن تھا اسپتال سے آ کر ابھی وہ بیٹھی ہی تھی رانو زوار شاہ کی ملازمہ جو اس کی خدمت پہ مامور تھی نے اسے کھانے کے متعلق پوچھا جس کے بے زار سے جواب میں 'جو مرضی' کہہ کر پھر سے پہلی پوزیشن میں بیٹھ گئی۔ جب بیرونی دروازے پہ کھٹکا محسوس کر کے وہ سر اٹھا کر ادھر متوجہ ہوئی اور اگلے ہی لمحے جیسے تمام حسیات جو بیدار ہو گئی تھیں زوار شاہ کی ساتھ وہ خالہ بی ہی تو تھیں چند ثانیوں تک ساکن پلکیں اور منجمد وجود لیے وہ یونہی بیٹھی رہ گئی تھی مگر اگلے ہی لمحے وہ خود پر ضبط نہیں رکھ پائی تو اٹھ کر بھاگتی ہوئی ان کے گلے جا لگی۔

"پتر ایسی بھی کیا ناراضگی تھی بنا بتائے ہی چلی آئیں۔"

خالہ بی کا شکوہ بجا تھا مگر اسے ان سے زیادہ دھیان زوار شاہ کی موجودگی کا تھا جو بے چینی بن کر روح میں سرائیت کر گیا۔ خالہ بی کو اندر بٹھا کر وہ چہرے پر کشیدگی لیے اس کے سامنے تھی۔

"کیوں آئے ہیں؟"

"کیوں..... اب میں تم سے ملنے بھی نہیں آ سکتا؟" وہ اس کے بیزار انداز کو محسوس کر کے چٹخا تھا۔ الوینہ تنفر زدہ تاثرات لیے دوسری سمت دیکھتی رہی۔

"ایسا استقبال بھی ہمارا تو نہ ہوا؟" مزاج کے خلاف وہ شاکی ہوا تھا۔ "خالہ بی روز روز نہیں آتیں۔" وہ جواباً پھنکاری۔

"اوہ تو اگر ہم بھی روز روز نہ آئیں تو ہمارا ایسا استقبال ہو سکتا ہے؟" متبسم آنکھیں شرارت سے چمکیں۔

"یہ حسرت ہی رہے گی۔" وہ منہ پھیر کے کہتی ہوئی سلگی۔

"دیکھو الوینہ! تم مجھے غصہ دلا رہی ہو۔" اس کا بازو پکڑ کر رخ اپنی سمت کرتا ہوا وہ بہت ضبط سے بولا تو جانے کیوں الوینہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"اگر میں کہوں کہ مجھ سے توقعات وابستہ کرنا چھوڑ دو ورنہ ایسی ہی جھنجلاہٹ......"

"بس......" وہ ہاتھ اٹھا کر ٹوکتا ہوا برہمی سے بولا تو الوینہ نچلا لب ہونٹوں تلے داب کر اسے دیکھتی رہی۔

"تم مجھے مجبور کر رہی ہو کہ میں انتہا پر جا پہنچوں۔" وہ ضبط کرتے ہوئے بھی جیسے پھٹ پڑا۔ اب کی بار الوینہ نے اس کی بات کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ غصے میں تنتناتا ہوا جھٹکے سے مڑ کر چلا گیا تو الوینہ کے لبوں کے گوشوں میں مچلتی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ زوار شاہ کو زچ کرنے کے بعد وہ یونہی خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرتی تھی۔

❁......❁......❁

وہ کئی دنوں سے اکتایا ہوا اور بیزار سا لگ رہا تھا۔ بابا سائیں نے اس کی اس کیفیت کو محسوس کیا تو اس کے پاس چلے آئے۔

"کیا بات ہے جانِ جگر! بہت پریشان لگ رہے ہو؟" انہوں نے لگاوٹ بھرے انداز میں کہتے ہوئے اس کے گھنیرے بال بکھیر دیئے تو وہ صاف مکر گیا۔

"ایسی بات نہیں بابا سائیں۔"

"کیا اس ڈاکٹرنی سے جی بھر گیا میرے پتر کا تین لفظ بول اور جان چھڑا لے وہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔" انہوں نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ وہ لب بھینچے خاموش رہا تھا۔ "شکار پر چلا جا۔" انہوں نے کہا پھر یاور اور اس کے دوستوں کے ساتھ زبردستی اسے شکار پہ بھیج دیا۔ یہ بات یاور نے بھی بہت شدت سے محسوس کی کہ وہ کچھ الجھا ہوا سا لگ رہا تھا۔ ایک آدھ جو نشانہ لگایا وہ بھی خطا رہا۔ اس کے دوستوں نے مذاق اڑانا چاہا تو انہی سے الجھ گیا۔ بات ہاتھا پائی سے بھی آگے بڑھ گئی۔ یہ اس کے

گاؤں کے پلے نہیں تھے جو اس کا کہا کر دم ہلاتے رہتے۔ یہ شہر کے پڑھے لکھے بڑے گھرانوں کے لڑکے تھے' سو خاموش نہیں رہے۔ ان میں سے ایک نے جوش میں آ کر فائر کھول دیا جس سے زوار اچھا خاصا زخمی ہو گیا تھا۔ یاور اتنا گھبرایا کہ سب کچھ یونہی چھوڑ کر اسے لیے واپس حویلی چلا آیا۔ رات کے تقریباً گیارہ بجے کا عمل ہوگا جب یاور الوینہ کو بلانے اس کے گھر آیا تھا۔ شدید قسم کی دستک پر دروازہ اسی نے کھولا تھا کہ نیند نہ آنے کے باعث وہ بستر پر لیٹی کتاب کا مطالعہ کررہی تھی۔ اس بے وقت ہونے والی دستک پہ گھبرا کر دروازے تک آئی تو یاور کے نام اور آمد کی وجہ بتانے پہ اسے دروازہ کھولنا پڑا۔ اتنا تو وہ بھی جان گئی تھی اب اسے کم از کم یاور سے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں تھا کہ جس چیز پہ زوار نگاہ ڈال لیتا وہ یاور کے لیے گویا حرام ہو جاتی تھی۔

"دیکھو میں اس وقت مریض کو دیکھنے گھر سے باہر نہیں جاسکتی۔ اگر ایسی کوئی بات ہے بھی تو تم اپنے بھائی کو یہاں لاسکتے ہو۔" یاور کی گھبراہٹ و پریشانی کو نظر انداز کر کے وہ بہت اطمینان بھرے انداز میں بولی تھی۔ اسے نہ تو یاور کی باتوں پر اعتماد تھا نہ ہی زوار کی اتنی پروا' اس کی خاطر آدھی رات کو حویلی جانے کو اٹھ کھڑی ہوتی' اس کا یہ طرز تغافل اور بے حسی یاور کی پیشانی پہ ناگواری کی شکنوں کا جال بچھا گئی۔ جبھی بولا تو لہجہ انتہائی سخت اور ملامت زدہ تھا۔

"عجیب ڈاکٹر ہیں آپ ایک انسان کی زندگی خطرے میں ہے اور آپ کا اطمینان قابل رشک ہے۔" وہ گویا چیخ کر رہ گیا تھا۔

"دیکھیں اگر ان کی حالت خطرے میں ہے تو میں یہاں سہولتوں کے فقدان کے باعث کچھ بھی نہیں کر پاؤں گی' پلیز آپ انہیں شہر لے جائیں۔" اس نے اسی نخوت بھرے انداز میں نروٹھے پن کا مظاہرہ کیا تو یاور بمشکل خود پر ضبط کر پایا۔ ساتھ کھڑے میرل سے خوامخواہ شرمندگی محسوس ہوئی کہ وہ کیا سوچ رہا ہوگا دو ٹکے کی لڑکی اس کا حکم ماننے سے انکاری تھی۔ جی تو چاہا تھا دو تھپڑ لگا کر محترمہ کا دماغ ٹھکانے لگا دے' وہ ایسا کر بھی گزرتا اگر اسے زوار شاہ کی تنبیہ یاد نہ ہوتی جو اس نے اسے سختی سے کی تھی۔

"ڈاکٹر الوینہ سے بدتمیزی نہیں کرنا سمجھے آئندہ میں کسی بھی حوالے سے تمہاری شکایت نہ سنوں۔" اور اس کے لیے اتنی ہی سرزنش بہت تھی۔ وہ لب بھینچے بہت ضبط سے گزر رہا تھا۔ جب خالہ بی اٹھ کر چلی آئیں۔ ان کی آنکھ ان کی باتوں سے کھلی تھی۔ صورت حال جانتے ہی ان کی ہمدردانہ رگ جاگ اٹھی۔ انہی کے کہنے پر الوینہ نہ چاہتے ہوئے بھی جانے پہ آمادہ ہوئی تھی۔ وہ بھی ان کے ساتھ جانے کی شرط پر۔ سارے رستے وہ عجیب سے احساسات کا شکار رہی۔ یاور کی کہانی پر اسے قطعی بھروسا نہیں تھا جبھی بہت بے چین سی تھی۔

"یہ بھائی کا کمرہ ہے اندر چلی جائیں۔" وہ اسے اندر بھیج کر خود پتا نہیں کہاں چلا گیا۔ الوینہ نے جھجکتے ہوئے اندر قدم رکھا تو اسحاق شاہ سمیت حویلی کی تمام خواتین بھی تشویش زدہ چہرے لیے وہیں موجود تھیں۔ اسے جیسے ڈھارس سی ہوئی۔

"آؤ..... آؤ ڈاکٹرنی! دیکھو میرا پتر آنکھیں نہیں کھول رہا۔ زوارے پتر! اٹھ آنکھیں کھول' دیکھ مجھے۔" اس کی ماں زوار پر جھکتے ہوئے روہانسی ہو کر بولی تو کسی انہونی کے خیال سمیت الوینہ کا دل بہت زور سے دھڑکا۔ تبھی زوار نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ الوینہ کو دیکھتے ہی جو چمک اس کی آنکھوں میں لہرائی اس نے الوینہ کو ایک لمحے کے لیے بالکل منجمد کر ڈالا تھا۔ گولیاں اس کے کاندھے اور بازو کو ادھیڑ گئی تھیں۔ زخم سے خون ہنوز رس رہا تھا اور وہ ہوش میں تھا۔ اس کی ہمت کو داد دینا پڑی۔ یقیناً آپریشن کرنا پڑتا اور وہ نوآموز ڈاکٹر تھی۔ اس کیس کو کرتے ہوئے ہچکچا گئی۔

"دیکھیں میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ یہ کیس میرے بس سے باہر کی بات ہے پلیز سمجھنے کی کوشش کریں۔ میرے پاس....."

"دیکھو لڑکی! اس وقت اگر میں اپنے پتر کو لے کر شہر جاؤں تو تین چار گھنٹے لگیں گے پھر اسپتال میں فوری تو آپریشن بھی نہیں ہو پائے گا۔ تمہاری یہ بکواس ہم بعد میں سنیں گے۔ پہلے تم میرے پتر کی گولیاں نکالو۔ اس کتے خبیث سے تو میں نمٹوں گا۔" اسحاق شاہ حلق کے بل غرائے تو الوینہ کا چہرہ ایک پل کو بالکل پھیکا پڑ گیا۔

"بابا سائیں پلیز۔" زوار شاہ نے نقاہت زدہ لہجے میں کہہ کر انہیں ٹوکا تو اسحاق شاہ لب بھینچ کر اسے دیکھنے لگے۔ الوینہ کی نگاہ اس سے ملی تھی تب اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں جیسے التجا کی تھی کہ بابا سائیں کی بات مان لے۔

"ڈونٹ کیئر! اگر بات بگڑ گئی تو مجھے الزام نہ دیجیے گا۔" اس

نے بے خوفی سے کہتے ہوئے اسحاق شاہ کو دیکھا تو اسحاق شاہ دانت بھینچ کر غرائے۔

"اس سے پہلے کہ میرے بیٹے کو کچھ ہو میں تمہیں جہنم واصل کردوں گا۔ یہ میرا بیٹا ہی ہے جو تمہیں اتنی شہ دینے والا کہ تم آج میرے منہ کو آ رہی ہو مگر یاد رکھو اگر ہم سر پر بٹھاتے ہیں تو لگام کھینچنا بھی خوب آتا ہے۔" الوینہ کے لب سل کر رہ گئے تھے۔ وہ چپ چاپ اپنا کام کرنے لگی۔ خواتین کمرے سے جاچکی تھیں جبکہ زوار شاہ پر ایک مرتبہ پھر نقاہت نے غنودگی طاری کردی تھی۔

❀......❀......❀
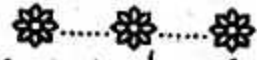
الوینہ کو اگلے دن بھی حویلی جا کے اس کے زخموں کا معائنہ کرنا تھا' جب وہ حویلی پہنچی زوار شاہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے موبائل فون پر محو گفتگو تھا۔ اسے دیکھا تو گفتگو سمیٹتے ہوئے فون بند کردیا۔

"کیسی ہو تم؟" وہ اس کو دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔ کمرے میں اس وقت کوئی نہیں تھا۔ اس نے سخت بے چینی محسوس کی۔

"میں تمہاری ڈریسنگ چینج کرنے......"

"جانتا ہوں۔" اس کے جواب نہ دینے پر بھرپور سنجیدگی سے بولا پھر اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہوا میرل کو آواز دے کر چائے لانے کا کہا اور پھر اس کی طرف متوجہ ہوا تو موڈ ایک بار پھر بدل چکا تھا۔ "سوری یار! تم پہلی بار سسرال آئی تھیں مگر تمہارا شایانِ شان استقبال اور خاطر داری نہ ہوسکی۔" شرارت پر مائل بادامی آنکھوں میں ڈھیروں ڈھیر وارفتگی سموئے وہ دھیرے سے مسکایا' تو جانے کیا یاد کرکے الوینہ کا چہرہ خجالت سے سرخ پڑ گیا' جبکہ زوار شاہ اس کی کیفیت سے بے خبر کہہ رہا تھا۔ "لیکن آج میں تمہیں کھانا کھائے بغیر نہیں جانے دوں گا اور یہ تم ادھر کیوں بیٹھی ہو اتنے فاصلے پہ...... یہاں آؤ میرے پاس۔" وہ اس کی گرم نگاہوں کی حدت سے سخت بے چینی محسوس کررہی تھی جیسے بری طرح سے پھنس گئی ہو۔

"زوار شاہ میں تم سے اس پاگل پن کی توقع نہیں رکھتی تھی۔ میں یہاں ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے آتی ہوں' اپنے مریض کو چیک کرنے اور بس...... تم فضول کی باتوں سے پرہیز کرو سمجھے۔" انگلی اٹھا کر تنبیہ کے انداز میں کہتی ہوئی وہ زوار شاہ کے لبوں پہ موجود مسکراہٹ کو گہرا کر گئی۔

"ابھی تک خفا ہو؟" اور وہ جیسے بھک سے اڑی تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" اس کے آنچ دیتے لہجے میں سراسر درشتی نمایاں تھی۔

"دھیرج رکھو مائی ڈیئر چائے لو۔" وہ یونہی مسکراتا ہوا برا مانے بغیر بولا تو الوینہ تمتماتا ہوا چہرہ لیے جھٹکے سے کھڑی ہوگئی۔

"میرا خیال ہے کہ مجھے چلنا چاہیے۔" وہ تلخی سے کہتے ہوئے جیسے ہی پلٹی زوار شاہ کمبل ہٹا کر ایک ہی جست میں اس کا راستہ مسدود کر گیا۔

"ہٹو! جانے دو مجھے۔ میں تمہاری لن ترانیاں سننے نہیں آئی تھی۔" وہ اسی جلے کٹے انداز میں بولی تو زوار شاہ نے کچھ کہے بنا اس کی کلائی پکڑ کر زبردست جھٹکے سے خود سے قریب کھینچ لیا۔

"تمہیں نہیں لگتا ڈاکٹر الوینہ کہ تم اپنی حدود پار کررہی ہو۔"

وہ صدمے سے گنگ ساکت سی کھڑی رہ گئی۔

"چھوڑو مجھے۔" وہ بری طرح مچلی مگر ادھر جیسے مطلق کوئی اثر نہ تھا۔ "دیکھیں یوں نہ کریں پلیز چھوڑ دیں۔ زوار آپ کے زخم تازہ ہیں۔" اسے نئی بات سوجھ گئی کہ اس کی مزاحمت کے نتیجے میں ہونے والی زور زبردستی میں زوار شاہ کے وجیہہ چہرے پہ اذیت اس کی نگاہوں سے مخفی نہیں رہی۔

"تو کیا ہوا! جو ہوتا ہے ہوجانے دو۔ اتنا کمزور نہیں ہوں کہ اتنی سی تکلیف نہ سہہ سکوں۔ تمہیں یہ جتانا ضروری ہے مسز الوینہ زوار شاہ کہ میں ہمیشہ ہر حال میں تم سے طاقت ور ہوں۔ آزماؤ مجھے کب تک کہاں تک آزما سکتی ہو؟" اس کا لہجہ درد کی شدت لیے ہوئے تھا۔ وہ سن پڑ گئی۔ وہ اس وقت یقیناً اس پر اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنا چاہتا تھا۔ "سمندر میں رہ کر مگر مچھ سے دشمنی سوائے نقصان کے کچھ نہیں دے گی الوینہ! میری جاگیر میری حویلی اور میرے ہی بیڈروم میں کھڑی ہو کر تم مجھے بے عزت کررہی ہو یعنی زوار شاہ کو۔" اس کا لہجہ پھنکارتا ہوا سا تھا۔ الوینہ کے چودہ طبق روشن ہوئے تھے۔ وہ تو اسے غصہ دلا کر پچھتائی تھی مزید ستم بالکل اچانک یاور کی آمد نے توڑ دیا۔ جب یاور اچانک دروازہ کھول کر اندر چلا آیا اور الوینہ کو یوں پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتا رہ گیا۔ الوینہ تو اپنی جگہ کٹ کر رہ گئی تھی۔ اس کا چہرہ یوں نچڑا تھا جیسے خون کی آخری بوند بھی کھینچ لی گئی ہو۔ معاً یاور ہوش میں آ کر آہستگی سے پلٹا۔

"کسی کے کمرے میں آنے سے پہلے ناک کرتے ہیں۔" زوار شاہ اس پر کڑی نگاہ ڈالتا ہوا گہرے طنز سے بولا تو یاور جاتے جاتے تھم گیا۔ "سنو! اسے گھر تک چھوڑ دو اور ہاں جو کچھ

تم نے دیکھا اسے بھول جاؤ۔ سمجھو تم نے کچھ بھی نہیں دیکھا۔" وہ سرد مہری سے بولا تھا۔ الوینہ لب کچلتی سرعت سے باہر چلی گئی جبکہ یاور نے محض سر ہلا کر گویا رضامندی دی تھی۔ زبان بندی کی۔ زوار شاہ اس کے جانے کے بعد بیڈ پر گرنے کے انداز میں بیٹھ کر اپنا بازو سہلانے لگا جہاں درد کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔

❀......❀......❀
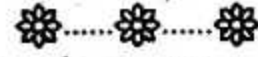
اس واقعے کے بعد زوار شاہ نے تو ڈریسنگ بدلوانے خود آیانہ اسے بلوایا۔ الوینہ نے جیسے اس خاموشی میں عافیت جان لی تھی۔ اس روز کے بعد وہ جیسے خود سے نگاہ ملاتے ہوئے بھی شرمندہ ہو جاتی۔ یاور اس کے متعلق کیا سوچتا ہوگا۔ وہ یہ سوچ کے کڑھتی رہتی۔ زوار شاہ سے اب وہ صحیح معنوں میں خائف رہنے لگی تھی۔ جبکہ دوسری طرف زوار شاہ اس کے اس حد تک کھنچے ہوئے رویے سے خاصا دل برداشتہ ہوا تھا۔ اسے لگا تھا وہ ان گزشتہ دو اڑھائی مہینوں میں الوینہ کے دل میں کوئی خاص جگہ بنانے میں بری طرح ناکام رہا ہے اب اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ایسا کیا کام کرے یا اسے اس کے حال پہ چھوڑ دے یا زور زبردستی سے کام لے۔ الوینہ سے محبت کے معاملے میں اس جیسا اکھڑ ضدی اور من مانی کرنے والا بندہ بہت بے بس ہو گیا تھا۔ اسے خوف تھا کسی بھی قسم کی زبردستی الوینہ کو اس سے مزید متنفر نہ کردے۔ جبکہ وہ اس سے محبت کا خواہاں تھا۔ اس کے ساتھ وہ ایک ایسا گھر بنانا چاہتا تھا جس میں محبت، امن، خلوص اور وفا شامل ہو مگر الوینہ کا رویہ اسے بہت دل برداشتہ کررہا تھا۔ اس وقت بھی وہ انہی سوچوں میں الجھا متفکر بیٹھا تھا جب اسحاق شاہ اس کے قریب آ گئے۔ چند ادھر ادھر کی باتوں کے دوران اس کی طبیعت کا بھی پوچھتے رہے مگر زوار کو لگا تھا جیسے وہ جس مقصد سے آئے ہیں وہ بات ابھی نہیں کہی۔

"کچھ مسئلہ ہے بابا سائیں! آپ کچھ پریشان ہیں؟" زوار شاہ نے پوچھا تو اسحاق شاہ چونک کر بغور اسے دیکھتے رہے پھر جیسے فیصلے پر پہنچ کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ہوں...... ایسا ہی ہے۔ دراصل زوار پتر! عثمان شاہ نے ہم پر جائیداد میں حصے کے لیے کیس دائر کردیا ہے۔" انہوں نے تشویش زدہ لہجے میں کہا تو زوار چونکتا ہوا بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگا۔ "یہ تو ہونا ہی تھا بھائی کو تو میں نے دبا لیا مگر یہ نیا خون ہے جوشیلا اور غصہ ور۔" انہوں نے ہنوز اسی تفکر سے کہا تو زوار شاہ سر جھٹک کر تسلی آمیز لہجے میں گویا ہوا۔

"فکر نہ کریں بابا سائیں، میں ہوں نا' جو نگ ہمیں دیکھ کر پھن اٹھائے گا اسے پھن سمیت پاؤں تلے کچل ڈالوں گا۔ تاریخ پہ آپ نہیں میں جاؤں گا اور اس سے خود ہی نمٹ لوں گا۔ یہ زمینیں ہماری ہیں' ہماری ہی رہیں گی۔" اس کے کٹیلے لہجے سے ازلی غرور چھلک پڑا تھا۔

"مگر زوار پتر! جائیداد میں حصہ تو ان کا بنتا ہے نا! پھر عثمان اب وکیل بھی بن چکا ہے۔" ان کی تشویش کم نہیں ہوئی، تو زوار انہیں برہمی سے ٹوک گیا۔

"افوہ...... بابا سائیں! آپ خود اعتراف کررہے ہیں حصے کا تو انہیں کہنے سے کون روکے گا! پھر تو ہم کیس لڑے بغیر ہی ہار گئے نا۔" اس نے گویا اپنا سر ہی پیٹ لیا۔

"اپنی جائیداد میں سے کسی کو ایک ذرہ برابر جگہ بھی دینا سراسر ہماری توہین ہے۔" اسحاق شاہ بڑبڑائے تو زوار شاہ نے ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

"کون دے رہا ہے بابا سائیں! کچھ نہیں ملے گا انہیں تب تک' جب تک زوار شاہ زندہ ہے۔" اس نے متنفر زدہ لہجے میں کہا تو اسحاق شاہ نے تفاخرانہ نگاہ اس پر ڈالی اور مسکراتے ہوئے اٹھ گئے۔

❀......❀......❀

خالہ بی کو واپس گئے ایک آدھ ہفتہ ہی ہوا ہوگا جب اسے ان کی شدید بیماری کی اطلاع فون پر ملی۔ دل کا مرض تو انہیں تھا مگر اب اتنا شدید دورہ پڑا تھا کہ کل رات سے I.C.U میں مسلسل بے ہوشی کے عالم میں تھیں۔ آذر کے لہجے کی تشویش اور گھبراہٹ نے الوینہ کی گھبراہٹ کو خوف میں بدل دیا۔ خالہ بی کے جو اس پر احسانات تھے وہ تو تھے ہی بہت خاص ان کی محبتوں کی بھی وہ بال بال مقروض رہی تھی اب انہیں زندگی وموت کی کشمکش میں پایا تو جیسے غم سے دل پھٹنے لگا۔ یوں بھی وہ اگر برگشتہ تھی تو آذر کی بیوی سے تھی۔ خالہ بی سے اسے کوئی شکایت نہیں تھی۔ چھٹی کی درخواست لکھ کر وہ اسی وقت جانے کو تیار ہو گئی تھی۔ مختصر سا سامان لے کر جس وقت وہ پریشان سی نکل رہی تھی شومئی قسمت عین اس وقت زوار شاہ وہاں آ گیا۔

"کہیں جارہی ہو تم؟" اسے بغور دیکھتا ہوا پوچھا۔

"ہاں خالہ بی کی طبیعت اچھی نہیں اس لیے جارہی ہوں۔" اس نے جواباً کسی قدر بدتمیزی سے کہا تو زوار شاہ کچھ

دیر اس کے چہرے کے تاثرات کو دیکھتا ہوا گویا اس کی سچائی کو پرکھتا رہا تھا پھر دوٹوک اور قطعی لہجے میں بولا تو انداز کی حکمرانی ہنوز تھی۔

”کل چلی جانا بلکہ میں گاڑی بھجوادوں گا۔ ڈرائیور چھوڑ آئے گا تمہیں۔“

”مگر مجھے ابھی اور اسی وقت جانا ہے‘ خالہ بی مجھ سے ملنا چاہتی ہیں ان کی حالت بالکل اچھی نہیں‘ وہ آئی سی یو میں ہیں۔“ وہ جواباً ہٹ دھرمی سے بولی تو زوار شاہ نے اس کی آنکھوں سے چھلکتی سرکشی اور تنفر کو بغور دیکھا پھر گہرا سانس کھینچتے ہوئے اس سے اتفاق کرگیا۔

”اوکے‘ ٹھیک ہے ابھی چلی جانا...... لیکن اکیلی نہیں‘ تم رکو میں گاڑی لے کر آتا ہوں۔ شام ہورہی ہے تم اکیلی جاؤ گی نہ ہی ڈرائیور کے ساتھ‘ میں خود تمہیں چھوڑ دوں گا۔“ اس کا جواب سنے بغیر وہ پلٹ کر تیز قدموں سے باہر نکل گیا تو الوینہ نے قہر بھری نگاہ اس کی چوڑی پشت اور مضبوط شانوں پر ڈال کر سخت آف موڈ میں ہاتھ میں پکڑا بیگ چارپائی پر اچھال دیا۔

❁......❁......❁

وہ سیدھی خالہ بی کے گھر میں آئی تھی مگر دروازے پر منہ چڑاتا تالا دیکھ کر اس کے رہے سہے حواس بھی ساتھ چھوڑ گئے۔ اسے ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر روتے دیکھا تو زوار شاہ نے بنا کچھ کہے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے تسلی دینے لگا۔

”مجھے آذر کو فون کرنا چاہیے۔“ اس نے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے زوار شاہ کی گرم نگاہوں کی تپش سے اپنا چہرہ سلگتا محسوس کیا مگر دانستہ نگاہ نہیں اٹھائی۔ زوار شاہ نے کچھ کہے بغیر جیب سے فون نکال کر اس کی جانب بڑھایا تو اس نے کچھ توقف کے بعد موبائل لے کر نمبر پش کیے۔

”ہیلو جی...... الوینہ بات کررہی ہوں...... آ گئی ہوں...... کون سے اسپتال؟ جی جی بس میں پہنچ رہی ہوں...... کیا! مجھے یاد کررہی ہیں؟ ہوش آ گیا...... نہیں...... بس میں ان شاء اللہ پہنچ رہی ہوں۔“ اس نے سلسلہ منقطع کرنے کے بعد فون اس کی جانب بڑھانے کی بجائے ڈیش بورڈ پر ڈال دیا۔

”میو اسپتال چلیں اور پلیز تیز ڈرائیو کریں۔ خالہ بے ہوشی کے عالم میں بھی مجھے ہی پکار رہی ہیں۔“ اس سے نگاہ ملائے بغیر وہ بہت آہستگی سے بولی زوار شاہ نے پہلے سیل فون اٹھا کر جیب میں رکھا اور سگریٹ نکال کر سلگانے لگا۔ الوینہ کو اس کا یہ

اطمینان تاؤ دلانے لگا تھا مگر نگاہ کا زاویہ بدل کر گود میں رکھے ہاتھوں کو مسلنے لگی تبھی زواشاہ نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔ دونوں کے درمیان خاموشی در آئی تھی جسے توڑنے کی دونوں میں سے کسی نے بھی کوشش نہیں کی‘ یہاں تک کہ گاڑی اسپتال کی عمارت کے سامنے جارکی۔

”آئی ایم سوری! مجھے تمہاری خالہ کی خیریت معلوم کرنی چاہیے مگر اس وقت مجھے ایک بہت ضروری کام ہے۔ تمہیں واپس کب آنا ہے۔“ زوارشاہ جیسے اجڈ اور اکھڑ بندے سے اس قدر مروت کی اسے قطعی توقع نہیں تھی۔ جبھی اس کا سوال نظر انداز کرکے وہ دروازہ کھولتی ہوئی نیچے اتر گئی۔

”سنو! تمہیں جب واپس آنا ہو مجھے بتا دینا میں خود تمہیں لینے آجاؤں گا۔“ وہ بہت گہری اور خاص نگاہ اس پر ڈال کر بولا تو الوینہ جواب میں کچھ کہے بغیر تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی تھی۔ وہ آئی سی یو کے سامنے پہنچی تو سب سے پہلی نگاہ جس شناسا چہرے پر پڑی وہ آذر کی بیوی کا تھا‘ جس نے اسے دیکھتے ہی تیوریاں چڑھا کر تنفر سے رخ پھیر لیا تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی خجل سی ہوکر ادھر ادھر دیکھنے لگی تبھی ہاتھ میں دواؤں کا لفافہ لیے آذر بھی وہاں پہنچ گیا۔

”ارے آگئیں......؟“ وہ اسے دیکھ کر چونکا اور آذر کی بیوی کو جیسے بچھو نے ڈنک مارا۔

”ہاں ہاں ڈھول تاشے بجواؤ آخر کو یہ محترمہ آئی ہیں جنہیں دیکھنے کو موصوف ترسے جاتے ہیں۔ ارے میں کہتی ہوں آذر کیوں نہ تم نے اسی ڈائن سے شادی رچالی؟ مجھے کاہے کو لائے تھے جب اسی کے فراق میں گھلنا سڑنا تھا تو‘ ایک یہی رہ گئی تھی منحوس میرے سینے پہ مونگ دلنے کے لیے میری سوکن۔“

”بھا......بی۔“ الوینہ کے حلق میں آواز جیسے پھنس کر رہ گئی۔ رنج غصہ بے بسی کی کیفیت نے اس کی آنکھوں میں نمی بھردی۔

”آذر بھائی! یہ بھابی......“ ایک تو خالہ بی کی پریشانی اس پر بھابی کا رویہ۔ وہ تو جیسے بالکل ہی چکرا کر رہ گئی۔

”ہاں ہاں اور کرو ڈرامے اور ادائیں دکھاؤ اپنے اس محبوب کو جبھی تو آج تک یہ میرا نہ بن سکا۔“ وہ جاہل عورتوں کی طرح ہاتھ لہرا لہرا کر جھگڑنے لگی۔ جبکہ آذر بے بس سا کھڑا تھا۔ تبھی اسپتال کا عملہ شور سن کر وہاں آگیا۔

”کیا بدتہذیبی ہے بی بی‘ یہ اسپتال ہے بکرا منڈی نہیں۔ آئی سی یو کے سامنے کھڑی ہوکر آپ نے کیا شور مچا رکھا ہے؟“ ڈاکٹر ہمدانی نے باہر آتے ہی انہیں اچھا خاصا لتاڑ کے رکھ دیا۔

”آئی ایم سوری ڈاکٹر! ویری سوری۔“ آذر اس قدر شرمندہ تھا کہ بات تک ڈھنگ سے نہ کرسکا۔

”اٹھو تم گھر جاؤ۔“ اس نے بیوی کو گھورتے ہوئے دانت کچکچا کے کہا۔

”الوینہ صاحبہ کون ہیں؟“ ڈاکٹر کی اگلی بات پر الوینہ جو سر جھکائے کھڑی تھی بری طرح سے چونکی۔

”جی میں ہوں الوینہ۔“ وہ چند قدم آگے بڑھی۔

”مریضہ آپ سے ملنے کی خواہش مند ہیں اب ان کی حالت خطرے سے باہر ہے۔“ الوینہ نے ہاتھ کی پشت سے بھیگی آنکھیں صاف کی۔ ”لیکن ابھی ہم کچھ بھی نہیں کہہ سکتے‘ اس وقت تو وہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں آئیے......“ ڈاکٹر اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھا تب الوینہ کو بھی اس کی تقلید میں قدم بڑھانا پڑے تھے۔

خالہ بی کو دیکھ کر اسے ذہنی دھچکا لگا۔ چند دن پہلے جب وہ اس کے پاس سے آئی تھیں تو اچھی بھلی تھیں اب پیلی زرد رنگت اور اندر دھنسی آنکھوں والی نحیف سی خاتون کو وہ پہلی نگاہ میں پہچان نہ پائی تھی۔ خالہ بی کے سینے پر سر رکھ کر وہ خوب روئی تھی۔ مگر انہیں حوصلہ دینا بھی ضروری تھا۔

”آپ ٹھیک ہوجائیں گی خالہ بی۔“ اس نے گلوگیر آواز میں کہا۔

”آخری وقت آپہنچا ہے بیٹا...... اس چل چلاؤ میں جبکہ مہلت بہت کم ہے تو دل ایک راز کے بوجھ سے دبا جاتا ہے۔“ اس نے کرب سے آنکھیں موند لیں۔

”مجھے پتہ ہے خالہ بی! جس رات آپ آذر بھائی سے بات کررہی تھیں نادانستگی میں سہی لیکن میں نے سن لیا تھا۔“ خالہ نے لرزتا ہاتھ اس کے سر پر رکھا۔

”نہیں بیٹی! میری بات دھیان سے سنو! تم اس دنیا میں تنہا نہیں ہو۔ تمہارے پاپا زندہ ہیں۔ یہ تمہاری ماں کے وعدے کی زنجیر تھی کہ جس نے مجھے باندھ رکھا۔ وہ اس شخص کو سزا دینا چاہتی تھی اس کی بیٹی کو اس سے دور رکھ کے۔ وہ تمہارے بارے میں جانتا تھا مگر تمہاری ماں ایک رات چپکے سے وہاں سے چلی آئی اور مجھ سے کہا تھا جب تک میں زندہ رہوں‘ تمہیں تمہارے باپ کے حوالے نہ کروں اور اگر میں نہ رہوں تب

تمہیں تمہارے باپ کے حوالے کردوں۔ وہ بھی اس صورت میں کہ تمہاری شادی نہ ہوئی ہو۔ الوینہ بیٹا! میری شدید خواہش تھی کہ آذر سے تمہاری شادی ہوجائے مگر مجھے یہ تمہارے ساتھ ظلم محسوس ہوا۔ تم بہت بڑے باپ کی بیٹی ہو جبکہ آذر......"

انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر اکھڑتا ہوا سانس بحال کیا۔ الوینہ جو گم صم اور قدرے شاکڈ انداز میں انہیں دیکھ رہی تھی گھبرا کر ان کا سینہ مسلنے لگی۔ خالہ کا سانس متوازن ہوا تب انہوں نے ایک بار پھر سلسلۂ کلام جوڑا۔ "تمہاری ماں کا تمہارے باپ سے کیسا جھگڑا تھا' اس نے کبھی مجھ سے اس موضوع پر بات نہیں کی اور کریدنا میری عادت نہیں' یوں یہ راز راز ہی رہا اور وہ ہمیشہ کے لیے مجھ سے بچھڑ گئی۔ مرنے سے چند دن قبل اس نے مجھے ایک تہہ شدہ کاغذ دے کر وعدہ لیتے ہوئے کہا تھا کہ اگر تمہاری شادی نہ ہوئی ہو تب میں تمہیں اس ایڈریس پر رابطہ کرکے تمہارے باپ تک پہنچادوں۔ الوینہ! کل مجھے ہوش آیا تھا تو آذر کو وہ کاغذ کا پرزہ دیتے ہوئے اس شخص سے رابطہ کرنے کو کہا تھا وہ کوئی عام شخص نہیں ہے' بہت مشہور اور امیر آدمی ہے مجھے اندازہ تو تھا کہ وہ خاص آدمی ہے مگر اس قدر باحیثیت ہوگا یہ اندازہ نہیں تھا بیٹا! تمہیں زبردستی اپنے پاس روک کر شاید انجانے میں میں تم سے زیادتی کرچکی ہوں مگر مری ہوئی دوست سے وعدے کا پاس مجھے ایسا کرنے پہ مجبور کرگیا تھا۔ اس کے باوجود میں تم سے معافی......" انہوں نے روتے ہوئے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے۔

"ایسا مت کہیں خالہ پلیز۔" الوینہ تڑپ کر ان کے ہاتھوں پر چہرہ رکھ کر سسک اٹھی۔ اب وہ اس بستر مرگ پہ دراز عورت کو کیسے بتاتی کہ ان کی اس چھوٹی سی غلطی نے اسے زوار شاہ جیسے عفریت کے چنگل میں پھنسادیا تھا۔ اگر اس کی بیک اتنی کمزور نہ ہوتی تو بھلا وہ اتنے دھڑلے سے اس کے ساتھ یہ سب کچھ کرسکتا تھا۔ ایک بار پھر اس کے دل میں زوار شاہ کے لیے نفرت جوش مارنے لگی تھی۔

✿......✿......✿

کورٹ کے باہر ہی زوار شاہ کا سامنا عثمان سے ہوا تھا۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے میرل سے کچھ بات کررہا تھا۔ اسی لمحے عثمان شاہ کی سیاہ مرسڈیز ایک جھٹکے سے وہاں آکے رکی۔ عثمان شاہ کی نگاہ بھی پڑی تھی مگر نظرانداز کیے گاڑی لاک کرنے کے بعد پلٹا تب تک زوار شاہ کسی چٹان کی طرح اس کے راستے میں حائل ہوچکا تھا۔

"سنا ہے چیونٹی نے پھر پر پرزے نکالنا شروع کردیے ہیں؟" مونچھوں کو مروڑتا ہوا وہ اسے دیکھ کر حقارت زدہ لہجے میں پھنکارا تو عثمان شاہ کا چہرہ ضبط کی کوشش میں سرخ ہوگیا۔

"میں تمہاری کسی فضول بکواس کا جواب دینا بھی اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ ہمارے درمیان جو بھی بات چیت ہوگی وہ عدالت میں ہوگی۔ لہٰذا راستہ چھوڑو میرا۔" ضبط کے باوجود اس کا بھینچا ہوا لہجہ اس کے اندر کے اشتعال کو ظاہر کرگیا۔

"سنبھل کے وکیل صاحب! اول تو ایسا ہوگا نہیں کہ تم جیت جاؤ اور بالفرض ایسا ہوا تا تو جائیداد حاصل کرنے کی بجائے تمہارے والد گرامی جوان بیٹے کی خون میں نہائی لاش وصول کریں گے۔ بتادینا چاچا سائیں کو۔" انگارے برساتے لہجے میں کہہ کر وہ اس کے تاثرات نوٹ کرنے لگا مگر عثمان شاہ کمال ضبط کا مظاہرہ کرتا ہوا سائیڈ سے ہوکر نکل گیا۔ زوار شاہ نے وار خالی جانے پر جھنجلائے ہوئے انداز میں پاؤں کی ٹھوکر سے راہ میں پڑے پتھر کو دور اچھالا تھا پھر سگریٹ سلگاتا ہوا اندر بڑھ گیا۔

✿......✿......✿

اس کے سامنے ہر بات عیاں کرنے کے بعد جانے خالہ بی کسی حد تک مطمئن ہوگئی تھیں البتہ اس کا رہا سہا سکون بھی غارت ہوگیا تھا۔ اسے وہاں آئے تیسرا دن تھا جب خالہ بی ابدی نیند سوگئیں۔ پھر اس کی دلخراش چیخیں بھی انہیں اس نیند سے جگانے میں کامیاب نہیں ہوپائی تھیں۔ جس وقت خالہ بی کا جنازہ اٹھا' وہ اس منظر کی تاب نہ لاتے ہوئے بے ہوش ہوگئی تھی۔

✿......✿......✿
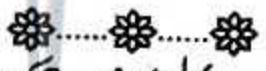
آنکھ کھلی تو سب سے پہلی نگاہ خود پہ جھکے باوقار سے شخص پر پڑی تھی جو اپنے خدوخال اور وضع قطع سے بے حد شاندار نظر آرہا تھا۔

"الوینہ بیٹے اب تم ٹھیک ہونا۔" اس کے سر پہ ہاتھ رکھے چہرے پر تشویش کے ان گنت رنگ لیے وہ اس سے مخاطب تھے۔ وہ خالی ذہن خالی نظریں لیے انہیں دیکھتی رہی۔

"الوینہ! یہ وہاب شاہ ہیں تمہارے پاپا...... تمہیں پورے دو دن بعد ہوش آیا ہے۔ یہ تب سے بہت پریشان ہیں۔" آذر نے جیسے اس کی نگاہوں کے سوال کو پڑھ لیا تھا۔

"پاپا......!" اس کے لب کانپے تھے جبکہ اس شخص نے محبت و شفقت سے مغلوب ہو کر اس کی صبیح پیشانی پر بوسہ ثبت کر دیا تھا۔

"اس موقع پر مجھے کیا کہنا چاہیے، سمجھ نہیں پا رہا لیکن بیٹے! مجھے زندگی نے سب کچھ دیا ہے ایک ہی کمی تھی وہ بھی اب پوری ہوگئی۔" وہ اسے دیکھ کر مسکرائے تو الوینہ جو سپاٹ نظریں لیے انہیں دیکھ رہی تھی سر جھکا کر اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔ باپ سے محرومی زندگی کے بائیس سالوں میں اس نے قدم قدم پہ محسوس کی تھی اور اب اچانک یہ رشتہ ملا تھا تو وہ اپنے اندر گونجتے سناٹے میں سسکتی محرومی کو ٹٹول رہی تھی، پتا نہیں اب زندگی اس موڑ پہ اس کے دل میں اس رشتے کی طلب باقی رہی بھی تھی یا نہیں اور جانے یہ شخص اسے اس طرح یوں اچانک ملنے پہ قبول کر پائے گا کہ نہیں؟

"اوفو پاپا! آپ شاید یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ
زندگی سے یہی گلہ ہے مجھے
تو بڑی دیر سے ملا ہے مجھے

"میں نے ٹھیک کہا نا؟" شوخ ہشاش بشاش مردانہ آواز پہ اس کا سر میکانکی انداز میں گھوما تھا۔ بلیک جینز پہ وائٹ شرٹ میں وہ لمبا تڑنگا ڈیشنگ لڑکا اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے شرارت سے مسکرا رہا تھا۔ معاً وہ اس کی سمت پلٹا۔ "اب آپ سوچ رہی ہوں گی کہ میں کون ہوں؟" اس کی آنکھوں میں جھانک کر شوخی سے بولا تو الوینہ نے اس کا چہرہ اپنی طرف دیکھ کر سٹپٹا کے رہ گئی۔ جبکہ عثمان شاہ نے اس کے یوں گھبرا جانے پہ زندگی سے بھرپور قہقہہ لگایا پھر اس کے بیڈ کے کنارے آ کر بولا۔ "آئی ایم عثمان شاہ، تمہارا بڑا بھائی۔ خوشی ہوئی تم سے مل کر۔" اپنا چوڑا مضبوط ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ دوستانہ لہجے میں بولا تو الوینہ نے بوکھلا کر پہلے اسے پھر وہاب شاہ کو دیکھا جو محبت بھری مسکراہٹ لیے دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

"دیکھو لڑکی اب تم ہماری توہین تو مت کرو۔ بڑا بھائی ضروری تو نہیں صرف رعب جمانے والا ہی ہو دوست، غمگسار اور راز داں بھی تو ہوسکتا ہے جیسے میں اور تم...... یہ رعب وعب حنان بھائی کے لیے رہنے دو، مجھ سے دوستی کرلو۔" اور اسے جانے کیا ہوا تھا صدیوں کی برف لمحوں میں پگھلی تھی۔ یہ محرومی تو عمر بھر ساتھ چلی تھی، اب جو اتنی محبت اور توجہ ملی تو جیسے یہ سب سنبھال نہ پا رہی تھی۔ وہ سسکی تو عثمان شاہ کا ہاتھ تھامنے کی بجائے اس کے بازو سے لپٹ کر زور زور سے رونا شروع کر دیا۔

"ارے...... ارے......" وہاب شاہ بری طرح سے بوکھلائے اور عثمان کو ہٹاتے خود بڑھ کر اسے اپنے مشفق بازوؤں کے حصار میں لے کر آہستہ آہستہ تھپکتے ہوئے ڈھارس بندھاتے رہے مگر یہ تو جانے کب کب کا لاوا تھا جو پھٹ پڑا تھا اور آنسوؤں کی صورت بہتا چلا گیا۔

"چپ ہو جاؤ الوینہ...... کیا پاگل ہوگئی ہو؟ بے وقوف لڑکی...... اتنے عرصے بعد ملی ہو وہ بھی بچوں کی طرح روتی بسورتی...... کیا ہم سے ملنے کی خوشی نہیں ہوئی؟" عثمان اسے زبردستی وہاب شاہ سے الگ کرتا ہوا مصنوعی غصے و رعب سے بولا تو الوینہ ایک دم سہم کر خاموش ہوگئی۔ حنان جو ایک طرف بالکل خاموش کھڑے تھے اس کے یوں ڈر جانے پر عثمان کو گھورنے لگے۔

"بدتمیز یہ کیا طریقہ ہے بات کرنے کا۔" انہوں نے تادیبی نظروں سے اسے دیکھا تو عثمان جو بمشکل مسکراہٹ ضبط کیے تھا کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

"مجھے اسے چپ بھی تو کروانا تھا۔" سر کھجا کر کہتا ہوا وہ وضاحت دے رہا تھا جبکہ الوینہ کا اٹکا ہوا سانس بحال ہوا۔

❀......❀......❀

جس وقت اس نے وہاب شاہ کے ہمراہ شاہ پیلس کی شاندار عمارت کے گیٹ کو پار کیا تو ایک انجانا سا خوف اس کے اعصاب پہ سوار تھا۔ یہاں ایک عورت اس کی سوتیلی ماں کے روپ میں اس کے سامنے آیا ہی چاہتی تھی۔ جانے وہ بھی اسے اپنے شوہر اور بیٹوں کی طرح بھرپور محبت اور فراخ دلی سے قبول کر پاتی یا...... یہی خدشہ خوف کا روپ دھارے اس کے وجود میں گڑ گیا تھا۔ تبھی ان سے اوپر جاتی سیڑھیوں پہ اس کے قدم ٹھٹکے اور نگاہیں ساکن رہ گئیں۔ ہلکے گلابی مہین سی ساڑھی میں وہ انتہائی جاذب نظر نقوش کی حامل گریس فل سی خاتون ایک وجیہہ سے لڑکے کے ساتھ کھڑی مسکرا کر اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

"خوش آمدید اے محترم خاتون۔" سرخ مہکتے گلابوں کا بکے خاص انداز میں جھک کر اسے پیش کرتے ہوئے وہ کھنکتے شوخ لہجے میں گنگنایا تو الوینہ متذبذب سی ہو کر اپنے دائیں

بائیں کھڑے عثمان، حنان اور وہاب شاہ کو دیکھنے لگی جو مسکراہٹ ضبط کررہے تھے۔

"یہ منیب شاہ ہے ہمارا چھوٹا......" حنان نے ذرا سا جھک کر اس کی الجھن کو دور کیا۔

"ہٹو تم! پہلے مجھے تو اپنی بیٹی سے ملنے دو۔" خاتون اسے دھکیل کر اس کے قریب آئیں اور اگلے ہی لمحے اسے خود سے لپٹا لیا۔ ان کا لمس اور قرب کو مہکا کے رکھ گیا۔ اس وسیع و عریض گھر کے مکینوں کے دل بھی اس گھر کی طرح بہت کشادہ اور کھلے تھے اسے اعتراف کرنا پڑا۔ جب وہ ان سے الگ ہوئی تو خود کو بے حد ہلکا پھلکا محسوس کررہی تھی۔ چہرے پہ الوہی سی چمک تھی اور لبوں کے گوشوں میں مچلتی مسکراہٹ اس کی ذہنی الجھن دور ہوجانے کی واضح غماز تھی۔

"یہ کیا بات ہوئی پاپا ہماری پیاری بہن نے ہمیں قبول ہی نہیں کیا۔" منیب شاہ منہ پھلائے بکے وہاب شاہ کو زبردستی تھماتا ہوا بھرپور خفگی سے بولا تو الوینہ چونک کے اسے دیکھنے لگی۔ پھر گویا اس کی بات کا مفہوم سمجھتے ہی اپنائیت سے اس کی شرٹ پیچھے سے کھینچ کر بولی۔

"کیا کہا تم نے......؟"

"جی!" وہ ہونق سا بنا شاید اس سے اس حد تک بے تکلفی کی توقع نہیں رکھتا تھا آنکھیں پھیلا کررہ گیا۔

"تمہیں کس نے کہا کہ میں نے تمہیں قبول نہیں کیا؟ ادھر لاؤ یہ بکے۔" وہ دھونس سے بولی تو عثمان جو الوینہ کی آنکھوں میں موجود شرارت کو دیکھ چکا تھا بے ساختہ زور سے ہنس دیا۔

"یعنی سیر کو سوا سیر۔" منیب اپنا وار خالی جاتا دیکھ کر کھسیا کے رہ گیا۔ سب ہنستے مسکراتے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئے۔

❀ ❀ ❀
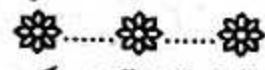
وہاب شاہ اور اسحاق شاہ سجلوق شاہ کے دو ہی بیٹے تھے۔ وہاب شاہ، اسحاق شاہ سے چھوٹے اور ولایت سے وکالت کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے وطن لوٹے تھے۔ گاؤں میں رہنا انہیں پسند نہیں تھا مگر سجلوق شاہ اپنی اولاد کو نگاہوں سے دور رکھنے کے حق میں نہیں تھے۔ اسحاق شاہ شادی شدہ تھے ان کا بڑا بیٹا پیدائشی ابنارمل تھا۔ اس کے بعد زوار شاہ بلا کا ضدی اکھڑ اور حاکمانہ مزاج لیے پیدا ہونے والا بچہ باپ کا سر چڑھا تھا۔ وہاب شاہ کی شادی ان کی پسند سے ہوئی تھی مگر باپ کی خواہش کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہوئے انہوں نے سلمیٰ بیگم کو گاؤں میں رہنے پر آمادہ کرلیا تھا۔ سلمیٰ پڑھی لکھی طرح دار خاتون تھیں۔ شوہر کی مرضی و پسند کے مطابق خود کو ایڈجسٹ کرنے میں انہیں اتنی دقت نہ ہوئی جتنی عذرا بھابی کو انہیں وہاں برداشت کرنے میں ہوئی تھی۔ دیورانی سے انہیں خاص بیر تھا۔ حنان شاہ کی پیدائش تک وہاب شاہ وکالت چھوڑ کر قانون کی اعلا تعلیم حاصل کرنے کے بعد سیشن جج ہوچکے تھے۔ سجلوق شاہ کا اچانک حرکت قلب بند ہوجانے سے انتقال ہوا تو عذرا بھابی نے پوری طرح اپنے پر پرزے نکال لیے۔ ادھر اسحاق شاہ بھی اندر سے بھائی سے بدظن تھے مگر مصلحتاً اپنی نفرت وعداوت کو ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ دراصل وہاب شاہ نے چند سال میں سرکاری نوکری سے اتنا کمالیا تھا کہ باقی کی زندگی عیش وآرام سے گزار سکتے تھے جبکہ اسحاق شاہ کے پاس تو آباؤ اجداد کی وہی جاگیریں تھیں جس میں وہاب شاہ کا بھی برابری کی سطح پر حصہ نکلتا تھا۔ ان کی شہر میں کئی ایکڑ پہ پھیلی عالی شان کوٹھی تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اسحاق شاہ سگے بھائی کی جائیداد ہڑپ کرنے کے چکر میں تھے یوں بھی وہ مزاجاً وہاب شاہ سے یکسر مختلف تھے، حاسد اور تنگ دل واقع ہوئے تھے جبکہ وہاب شاہ فطرتاً شاہ خرچ، شوخ مزاج اور خدا ترس انسان تھے۔ بھائی بھاوج کے برعکس وہ نہ صرف سلمیٰ بیگم سے محبت کا برتاؤ کرتے تھے بلکہ ان کے ادب اور لحاظ کو بھی ملحوظ رکھتے۔ ان کی ذہنی ہم آہنگی بھی مثالی تھی۔ جس سے اپنی اپنی جگہ عذرا بیگم اور اسحاق شاہ خوب جلتے تھے۔ شاید قدرت کو ان کا امتحان مقصود تھا یا پھر اور کہ حالات گردش میں آگئے۔ وہاب شاہ کی نوکری شہر میں تھی اور وہ ہفتہ دس دن میں چکر لگاتے تھے، ان دنوں سلمیٰ بیگم امید سے تھیں اور اکثر وبیشتر ان سے اپنی تنہائی اور خرابی طبیعت کا شکوہ کرتی رہتی تھیں۔ وہاب شاہ چاہتے تھے اب انہیں ساتھ ہی شہر لے جائیں مگر عذرا بیگم اور اسحاق شاہ آڑے آگئے۔ ان کا رویہ سلمیٰ بیگم سے ہمدردانہ اور پیار بھرا ہوگیا تھا۔ عذرا بیگم چاہتی تھیں سلمیٰ بیگم کی ڈلیوری یہیں ہو۔ وہاب شاہ کو چپ ہونا پڑا مگر وہ محسوس کررہے تھے کہ سلمیٰ بیگم ان سے کھنچی کھنچی اور بے زار رہنے لگی ہیں، وجہ جاننے اور انہیں منانے کی انہوں نے اپنی سی کوشش کی جو ناکامی سے ہمکنار ہوئی تھی۔ اگلی بار وہ گاؤں آئے تو سلمیٰ بیگم سے ان کی زبردست تکرار ہوئی جو بڑھ کر جھگڑے کا روپ دھار گئی۔ بات تو کچھ بھی نہیں تھی، وہاب شاہ کے ایک بار پھر ان کی بدمزاجی پر استفسار کرنے پر سلمیٰ بیگم جو بھری بیٹھی

تھیں جیسے پھٹ پڑی تھیں۔ انہوں نے وہاب شاہ پہ الزامات
کی بوچھاڑ کردی تھی جن کا لب لباب یہ تھا کہ وہ عیاش تھے اور
اپنی عیاشی کی خاطر وہ انہیں شہر والی رہائش گاہ پر لے جانے سے
گریزاں تھے یہ غلط الزام وہ برداشت نہ کرپائے اور جواب میں
زندگی میں پہلی بار ان پر وہاب شاہ کا ہاتھ اٹھ گیا۔ سلمیٰ بیگم جو
پہلے ہی شاکی اور ناراض تھیں ان کے اس طرح ہاتھ اٹھانے پر
اتنی خفا ہوئیں کہ ان کے روکنے کے باوجود حنان اور عثمان کو لیے
میکے چلی گئیں۔ وہاب شاہ سخت اضطرابی کیفیت میں بیڈ روم
میں ٹہلتے سگریٹ پیتے رہے ان دنوں جبکہ وہ بے حد ڈسٹرب
تھے اسحاق شاہ نے ایک روز انہیں اپنی بیٹھک میں بلوالیا جہاں
وہ اکثر اپنے ساتھیوں کے ساتھ موج مستی میں مصروف رہا
کرتے تھے۔ اسحاق شاہ جنہوں نے بیوی کے ساتھ مل کر یہ گل
خود ہی کھلایا تھا۔ ہمدرد بن کر ان کے زخموں پر پھاہا رکھتے رہے
اور یونہی باتوں میں لگا کر انہیں شراب بھی پلادی وہ اس قدر
ذہنی ہیجان میں مبتلا تھا کہ دانستہ اس وقت ہر غم سے فراموشی کی
چاہ میں وہ حرام چیز منہ کو لگالی جس کا تصور بھی کبھی انہوں نے
اپنی زندگی میں نہیں کیا تھا۔ جس وقت وہ بیٹھک سے نکلے نشہ
ان کے حواسوں کو پوری طرح جکڑ چکا تھا لیونگ روم سے ہو کر
انہیں اپنی خواب گاہ تک جانا تھا' لڑکھڑاتے قدموں اور سرخ
آنکھوں سمیت وہ لیونگ روم کے دروازے پر ہی ٹھٹک گئے۔
سامنے صوفے پر زوار شاہ کو پڑھانے والی عام سے حلیے کی وہ
عام سی لڑکی کون تھی انہیں اس سے غرض نہیں تھی ان کی آنکھوں
سے تو حرام شے کو منہ لگانے کے بعد ہر شے کی تمیز جیسے کھو چکی
تھی۔ سامنے ایک نوخیز اور جوان صورت دیکھ کر ان کے اندر
بیٹھا شیطان خباثت سے مسکرایا تھا اور پوری طرح ان پہ حاوی
ہوگیا۔ اس کے بعد ہر سو شیطانیت غالب آگئی تھی۔

❁......❁......❁
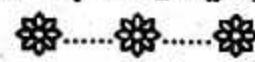
ہوش سے بیگانہ وہاب شاہ کو اسحاق شاہ نے آ کر سیدھا کیا
تھا ان کے لبوں پہ ایک کمینی مسکراہٹ تھی' چند لمحے قبل کھیلا
جانے والا یہ کھیل کسی اور کی نگاہ میں آیا ہو یا نہیں' اسحاق شاہ نے
ضرور دیکھا تھا۔ ان کا اپنے بھائی کو شراب کے نشے میں دھت
کرنے کا مقصد یہ نہیں تھا' وہ تو اسے شراب کا عادی بنا کر ناکارہ
کرکے ایک دن جائیداد سے بے دخل کرنا چاہتے تھے مگر جو کچھ
ہوا تھا وہ تو ان کی توقع سے بھی کہیں بڑھ کر تھا اب انہیں شاید اتنا
لمبا انتظار بھی نہ کرنا پڑتا۔ اگلے دن جب وہ وہاب شاہ کے'
کمرے میں آئے تو انہیں بڑھی ہوئی شیو اور بکھرے بالوں
سمیت سگریٹ کا دھواں اڑاتے بہت پریشان محسوس کرکے دل
ہی دل میں خوش ہوئے۔

"کیسے ہو؟" وہ بالکل ان کے سامنے جا کر بیٹھ گئے۔
وہاب شاہ یوں چونکے جیسے ابھی ابھی ان کی وہاں موجودگی سے
آگاہ ہوئے ہوں۔ "کل تم کچھ زیادہ ہی بہک گئے تھے۔ میں
نے تو......"

"بھائی پلیز۔" وہاب شاہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑکی میں
جا کھڑے ہوئے ان کے وجیہہ چہرے پر لرزتا تاریک سایہ
اسحاق شاہ کی عمیق نگاہ سے مخفی نہ رہ پایا۔

"فکر کیوں کرتے ہو۔ وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتی تمہارا۔ ایک
معمولی اسکول ٹیچر ہی تو ہے۔ جسے میں نے ترس کھا کر زوار کو
پڑھانے کے لیے ٹیوشن کی بھاری فیس پہ...... خیر چھوڑو۔ تمہیں
کیا دلچسپی ہوگی اس کے قصے سے۔" وہ مونچھوں کو تاؤ دیتے
ہوئے مکاری سے بات ادھوری چھوڑ گئے۔ "سلمیٰ بھی تو تمہیں
اس وجہ سے چھوڑ گئی۔ شہر میں بھی......"

"بھائی......" وہ وحشت بھرے انداز میں چلائے۔
"جھوٹ ہے یہ۔"

"اچھا! حالانکہ کل تو......" اسحاق شاہ زور سے ہنسے اور ہنستے
چلے گئے۔ وہاب شاہ کے چہرے سے بے بسی کا واضح اظہار
چھلکا تھا لب بھینچے وہ جیسے گہرے کرب سے گزرتے رہے۔

"پتا نہیں کیا ہوگیا تھا مجھے' کیوں ڈرنک کی میں
نے......؟" وہ بے چارگی سے ہاتھ ملتے ہوئے جیسے بے حد
ڈپریشن کا شکار تھے۔

"وہ کون سی بہت خاص ٹیچر ہے۔ ایویں سی ہے۔ غریب
سی مگر کہیں ایسا نہ ہو انصاف حاصل کرنے کا دورہ پڑ جائے اور
جا کے عدالت کا در کھٹکھٹا دے۔ انصاف ملے نہ ملے مگر تمہارا
کیریئر اور ساکھ تو گئی نا بھاڑ میں؟ پڑھی ہیں نا تم نے اس قسم کی
خبریں اخبارات میں...... بلکہ تم تو قانون کے بندے ہو' کئی
ایسے کیس بھی آئے ہوں گے تمہارے پاس۔" مونچھوں کو
مروڑتے ہوئے وہ بہت گہری نگاہوں سے ان کے رنگ
بدلتے چہرے کو دیکھ کر مسلسل ضربیں لگا رہے تھے۔

"چپ ہوجائیں بھائی! پلیز......" وہاب شاہ اس سفاک
حقیقت سے نگاہیں چار نہ کرپائے تو اذیت سے چلا اٹھے
تھے۔

"اوہو، تم اس طرح کس کس کو چپ کرواؤ گے وہاب شاہ! خاص طور پر اس لڑکی کو خاموش کرواسکو گے۔" ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تلخی سے کہتے ہوئے باہر نکل گئے تو وہاب شاہ ہاتھوں پر سر گرا کے نئے سرے سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئے تھے۔

❀......❀......❀

جو فیصلہ انہوں نے کیا تھا وہ بہت کٹھن تھا ان کی زندگی اور گرہستی کو تباہی سے ہمکنار کرسکتا تھا مگر اس فیصلے سے ضمیر کی عدالت میں انہیں کچھ نہ کچھ سرخروئی ضرور حاصل ہوسکتی تھی۔ کوئی تو صورت ہوتی احساسِ جرم کو کم کرنے کی۔ اس لڑکی کا کوئی قصور نہیں تھا پھر یہ معاشرہ ایسی عورت کو جس نگاہ سے دیکھتا ہے وہ خوب واقف تھے اور اسی بات نے انہیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کیا تھا۔ اس گاؤں کی واحد ٹیچر کے گھر تک پہنچنا ان کے لیے قطعی دشوار امر نہیں تھا مگر اس کے سامنے مجرم کی حیثیت سے پیش ہونا اسی قدر دشوار تھا۔ دستک کے جواب میں دروازہ ادھیڑ عمر کھچڑی بالوں والی عورت نے کھولا تھا جو انہیں دیکھ کر خائف سی ہوکر دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

"ٹیچر علینہ کا گھر یہی ہے؟ مجھے ان سے ملنا ہے۔" سر جھکائے وہ آہستگی سے بولے تھے۔

"سائیں! آپ تو مائی باپ ہو ہمارے، میری دھی تو بلاناغہ اسکول جاتی تھی، اب جانے کیا ہوگیا ہے بخار ہی جان نہیں چھوڑتا۔ ایک ہی رٹ ہے واپس چلیں بھلا شہر میں ہمارا ہے ہی کون جہاں نوکری چھوڑ کر چلے جائیں۔"

"میں آپ کی بیٹی سے مل سکتا ہوں۔" عجز و انکسار ان کے مزاج کا حصہ ضرور تھا مگر اس عجز و انکسار میں پہلی بار مجرمانہ احساس بھی شامل ہوا تھا کہ وہ نگاہ ملا کر بات نہیں کر پا رہے تھے۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں شاہ سائیں! ہم تو خادم ہیں آپ کے علینہ اندر کمرے میں ہے آپ مل لیں اس سے، میں چائے پانی کا بندوبست کرتی ہوں۔" بوڑھی عورت کے ہاتھ پاؤں ہولے جا رہے تھے۔ وہاب شاہ نے علینہ سے مل کر معذرت نہیں کی کہ وہ جانتے تھے ان کا جرم اس قسم کی معافی تلافی سے معاف ہونے والا نہیں۔ ان کی وجہ سے وہ لڑکی اپنی ناموس سے محروم ہوئی تھی۔ انہوں نے اسے اپنے نام کی چادر اوڑھانے کا فیصلہ سنایا تب وہ بھیگی آنکھوں میں نفرت کا عکس لیے انہیں ایک نظر دیکھ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔ نکاح کی رسم بہت راز داری اور سادگی سے ادا کی گئی تھی۔ علینہ نے ان کے ساتھ رہنے سے سختی سے انکار کرتے ہوئے ان کے ہر حق کو تسلیم کرنے سے معذوری ظاہر کردی۔ گاؤں چھوڑ کر وہ اپنی ماں کے ساتھ شہر چلی گئی تھی۔ وہاب شاہ کو جن دنوں منیب کی پیدائش کی خبر ملی علینہ کی ماں بننے کی خبر بھی انہی دنوں علینہ کی ماں کے ذریعے ان تک پہنچی تھی۔ اسحاق شاہ نے اس معاملے میں خاموشی کی شرط رکھی تھی۔ جس کی خاطر انہوں نے سارا کھڑاگ پیدا کیا تھا۔ وہاب شاہ چپ چاپ اس معاملے سے الگ ہوگئے کہ انہیں اپنی عزت اس دولت سے کہیں بڑھ کر عزیز تھی۔ سلمیٰ کو انہوں نے کسی نہ کسی طور راضی کرلیا تھا۔ گاؤں والوں سے ان کا ہر رابطہ کٹ چکا تھا۔ تینوں بچوں اور بیوی کے ساتھ وہ کسی حد تک مطمئن بھی تھے اگر علینہ ایک بار پھر ان کی اس پُرسکون زندگی میں تلاطم برپا نہ کرتی۔ چونکہ وہ خود ببانگ دہل وہاب شاہ سے نفرت کا اظہار کرچکی تھی جبھی وہاب شاہ اس کے سامنے آنے سے کتراتے تھے اور بذریعہ ڈاک اس کا ماہانہ خرچ بھجوادیا کرتے تھے مگر اس روز غیر متوقع طور پر آفس میں علینہ کی فون کال ریسیو کرکے وہ خود کو اس کے بلانے پر روک نہیں پائے تھے۔ دلکش نقوش کی حامل وہ نازک سی لڑکی اپنے سراپا میں متوقع تبدیلی لیے ان کی نگاہوں کو اپنے وجود پہ پھسلتا محسوس کرکے لب کچلتی رخ پھیر گئی تھی۔

"خیریت...... آپ نے مجھے بلوایا تھا؟" وہ اس کی ناگواری محسوس کرکے ہی سنبھلے تھے، آہستگی سے بولے تو علینہ انہیں بیٹھنے کا کہہ بغیر خود قریبی نشست پہ براجمان ہوگئی۔

"پرسوں اماں مجھے چھوڑ گئیں۔" ضبط کی کوشش میں اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔

"کہاں گئیں؟ میرا مطلب ہے......" وہ بوکھلا گئے تھے۔

"اماں مرگئیں۔ مجھے تنہا چھوڑ کر چلی گئیں۔ کاش وہ نہ مرتیں میں ہی......" ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر وہ اچانک بلک اٹھی تھی وہاب شاہ اپنی جگہ پہ حق دق بیٹھے رہ گئے گویا اس پر اتنی بڑی قیامت بیت گئی تھی اور وہ بے خبر تھے، اپنی کوتاہی پر انہیں سخت ملال نے آن گھیرا۔

"آئی ایم سوری!" اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے وہ فقط یہی کہہ پائے جبکہ وہ درشتی و سختی سے ان کا ہاتھ جھٹکتی ہوئی سرعت سے پیچھے ہٹی تھی۔

"مت چھوؤ مجھے وہاب شاہ! مجھے تمہارے لمس سے گھن آتی ہے۔" چیخ نما دہاڑ وہاب شاہ کو ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل گئی۔ وہ خطرناک حد تک زرد پڑتی رنگت سمیت ٹکر ٹکر اس کے چہرے سے چھلکتے نفرت کے تاثر کو دیکھتے رہے۔ "تم کیا سمجھتے تھے میں نے کیوں تم سے تعلق جوڑا!! ایسے لمحات جس لڑکی کی زندگی میں آتے ہیں' وہ عمر بھر خود سے بھی نگاہ ملانے کے قابل نہیں رہتی۔ اگر خودکشی حرام نہ ہوتی تو میں اس روز موت کو گلے لگالیتی۔ سامنے منہ پھاڑے کھڑی رسوائی سے بچنے کا واحد راستہ وہی تھا جو تم نے مجھے دکھایا تھا لیکن اس جائز تعلق کے استوار ہونے کے بعد بھی میرا دل کسی طور تمہاری جانب مائل نہیں ہے۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو وہاب شاہ کہ میں نے تمہیں معاف کردیا تو یہ بھول ہے تمہاری۔ تمہیں میری بددعا ہے کہ تم بیٹی کے باپ ضرور بنو تاکہ اس کے ساتھ......"

"علینہ......!" وہ پوری جان سے کانپ کر چلائے تھے۔

"خدا کے واسطے علینہ یہ بددعا نہ دو مجھے۔" وہ اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ کر سسکے تھے۔ "جو کچھ ہوا اس میں میرا ارادہ کہاں تک تھا' میرا خدا شاہد ہے۔ میں......"

"ختم کرو بس' مجھے تمہاری کہانی سے دلچسپی نہیں مگر ایک بات سن لو اب یہاں میں تنہا رہنے سے قاصر ہوں اور تمہارا ساتھ مجھے ہرگز بھی گوارا نہیں۔ سو میں یہاں سے جارہی ہوں تمہاری اولاد بیٹے یا بیٹی کی صورت جو بھی ہو میں نہیں سمجھتی اس پہ تمہارا تھوڑا سا بھی حق ہے سو کبھی مجھے ڈھونڈنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ میں وہ سب کچھ پوری دنیا کو بتادوں گی۔" انہیں وہیں چھوڑ کر وہ اندر کمرے میں جا گھسی تھی اور دروازہ اندر سے مقفل کرلیا تھا۔ وہاب شاہ شکستہ سے انداز میں لوٹ آئے تھے۔ یہ ایک ایسی عورت کا انتقام تھا جس سے زیادتی ہوئی تھی یا کچھ اور...... وہ سمجھ نہیں پائے تھے بہرحال انہوں نے دل پر جبر کرکے اس باب کو ہمیشہ کے لیے بند کرڈالا تھا۔

❁......❁......❁

اپنے تئیں وہ جس باب کو بند کرآئے تھے وہ ایک کسک اور احساس جرم سمیت ہمیشہ کے لیے ان کی زندگی میں زہر گھولتا رہا اور سلمیٰ بیگم جو ان کی تمام تر توجہ اور محبت کی عادی رہی تھیں ان کے اضطراب' بے کلی اور وحشتوں کو پائے بغیر نہ رہ پائیں۔ وہ ان کی ذات کے اس اسرار کو پانے کی اکثر و بیشتر کوشش کرتیں اور ایک روز جب وہاب شاہ احساسِ جرم سے بے حد بے چین تھے ان سے کچھ بھی مخفی نہ رکھ پائے۔ سلمیٰ بیگم شوہر کی ذہنی حالت کو سمجھے بغیر ان کی بے وفائی کا ثبوت ہاتھ لگنے پر گم صم سی ہوگئیں' ان کی دس سالہ بے لوث رفاقت میں انہیں یہ جرم بہت گراں محسوس ہوا تھا جو شاید وہ عمر بھر معاف نہ کرپاتیں کہ انہی دنوں ان کی بے اعتنائی سے وہ اس قدر دل برداشتہ ہوئے کہ دل کا پہلا دورہ پڑا تو ان کی سرد مہری اور خفگی کہیں دور جا چھپی۔ شریک حیات کی ذہنی ابتری کو انہوں نے پہلی بار بہت باریک بینی سے سمجھا اور تمام شکوے شکایات بھلا کر پھر سے وہی سلمیٰ بیگم بن گئیں جو شادی کے اولین دنوں کی سلمیٰ بیگم تھیں پھر ہر آن نازک لمحات میں انہوں نے اپنے ساتھی کی دلجوئی کی تھی' جب جب وہ ٹوٹتے بکھرتے' یہاں تک کہ ان کی اعلیٰ ظرفی اور وسیع قلبی کا وہاب شاہ کو بھی قائل ہونا پڑا کہ وہ اکثر اپنی اس نادیدہ اولاد کا غیر شعوری طور پر ان سے تذکرہ کرجاتے جسے کبھی انہوں نے دیکھا تھا نہ محسوس کیا تھا اور سلمیٰ بیگم ان کی باتیں بہت تحمل سے نہ صرف سنتی بلکہ مسکرا کر ٹکڑا بھی لگادیتیں تو وہاب شاہ اس کیفیت کے حصار سے چونکتے' انہیں دیکھ کر خجل سے ہوجاتے مگر ان کی مسکراہٹ یونہی قائم رہتی اور اس بات کو بڑھاتے ہوئے کہتیں۔

"مجھے بھی یہی لگتا ہے۔"

"کیا......؟" وہ بے خودی کی کیفیت میں جو کہہ چکے ہوتے اسے بھلائے متحیر نگاہوں سے انہیں دیکھتے۔

"یہی کہ اللہ نے چوتھی اولاد کی صورت آپ کو بیٹی ہی دی ہوگی۔" وہ مسکرا کر کہتیں تو وہاب شاہ کے کان اس آواز کی بازگشت کو محسوس کرتے تب وہ لب بھینچ لیتے۔

ان کی قبل از وقت ریٹائرمنٹ کی وجہ وہ اضطراب تھا جو اکثر انہیں اپنے حصار میں جکڑ لیتا تھا۔ یہ بائیس سال جس طرح گزرے تھے یہ وہی جانتے تھے۔ لمحہ لمحہ اذیت سے پُر رہا تھا مگر بظاہر وہ مطمئن نظر آتے تھے۔ وہ بھی ایک ایسا ہی دن تھا جب انہیں آذر کا فون موصول ہوا تھا۔ اپنا مختصر سا تعارف کروانے کے بعد اس نے مدعا بیان کیا تو وہاب شاہ کتنی دیر تک اپنی جگہ سے حرکت تک نہ کرسکے۔ عثمان شاہ جو اس وقت ان کے پاس تھا اور فوری کال اسی نے ریسیو کی تھی ان کی حالت پہ خوف زدہ سا ہوگیا۔ جب سے انہیں دل کا مسئلہ ہوا تھا ان کے اضطراب کی وجہ ماں کے ذریعے بچوں کے علم میں آچکی تھی۔

"اطمینان رکھیے پاپا...... آپ خود کو پُرسکون رکھیں' ہوسکتا

ہے کوئی محض آپ کو خوف زدہ کرنے کے لیے اس قسم کا ہتھکنڈا استعمال کررہا ہو۔ یہ شرارت گاؤں سے بڑے چاچا یا پھر زوار شاہ کی بھی ہوسکتی ہے۔ بہرحال آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں میں ساری معلومات کرواتا ہوں۔'' انہیں حوصلہ دیتا ہوا عثمان شاہ اٹھ کر چلا گیا تھا۔ شام تک وہ آذر سے مل کر لوٹا تو چہرے پر خوشی اور جوش اس کی سرخ وسفید رنگت کو تمتما رہا تھا۔

''مبارک ہو پاپا! ہے تو حیرت انگیز مگر ہے سچ۔ واقعی وہ شخص سچا ہے وہ اسی عورت کا بیٹا ہے جن کے ہاں چھوٹی مما نے پناہ لی تھی۔ اس کی ماں چھوٹی مما کی گہری دوست تھیں۔ الوینہ یعنی ہماری بہن کی پیدائش وہیں ہوئی تھی' میں الوینہ کی پیدائش کا سرٹیفکیٹ اور آپ کا اصل نکاح نامہ اور چھوٹی مما کی تصویریں وغیرہ لے کر آیا ہوں۔'' وہ چھوٹی سی صندوقچی اپنے بریف کیس سے نکال کر ان کے سامنے رکھتا ہوا بولا۔ ''چھوٹی مما کا انتقال تو الوینہ کی پیدائش کے فوری بعد ہی ہوگیا تھا۔ ان کی دوست ان کے دیئے گئے وعدے کے پاس کی وجہ سے آپ سے دانستہ رابطہ نہیں کرپائیں اور اب جبکہ وہ خود بہت بیمار ہیں اور اسپتال میں ہیں تو الوینہ کو اس کے اصل ٹھکانے پر پہنچا کر اپنا فرض پورا کرنا چاہتی ہیں۔'' اپنی دھن میں جوش سے بولتا ہوا عثمان یکلخت خاموش ہوا تھا اور وہاب شاہ دل تھامے ایک جانب کو ڈھلک گئے تھے۔

❀......❀......❀
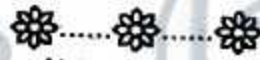
الوینہ پہ پہلی نگاہ ڈالتے ہی وہ جیسے منجمد ہوکر رہ گئے تھے وقت جیسے انہیں تیس سال پیچھے لے گیا تھا۔ ملکوتی نقوش اور دودھیا رنگت کا جاذب نظر نکھار لیے وہ علینہ کا ہی عکس معلوم ہوتی تھی۔ ماسوائے اداس آنکھوں کے جو ان سے چرائی تھیں۔ لانبے گھنیرے بال اور نازک مرمریں سراپا۔ اگر عثمان شاہ کوئی ثبوت نہ بھی لاتا تب بھی وہ ایک نگاہ میں اسے پہچان جاتے۔ ان کا دل یہ گواہی دے رہا تھا کہ وہ ان کا خون انہی کا جگر گوشہ تھی آخری خدشہ انہیں سلمیٰ بیگم سے تھا' جانے وہ اسے اس فراخ دلی سے قبول کر بھی پاتیں یا نہیں.......مگر سلمیٰ بیگم نے ان کی توقع سے بڑھ کر الوینہ کو عزت دی تھی اور گویا ان کے اس خدشے کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا تھا۔

''وہاب شاہ! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' چیخ کی آواز سے کمرا دودھیا سفید روشنی سے نہایا تو وہاب شاہ جو ماضی کی بھول بھلیوں میں گم تھے ہڑبڑا کر سیدھے ہوئے۔

''آپ ٹھیک تو ہیں شاہ؟'' سلمیٰ بیگم گھبرا کر قریب چلی آئیں۔

''آں ہاں ٹھیک ہوں۔'' ایک بھولی بھٹکی سی مسکراہٹ ان کے تھکن زدہ چہرے پہ لحہ بھر کو ابھر کے معدوم ہوگئی' تو سلمیٰ بیگم نے سرد آہ بھر کے نگاہ کا زاویہ بدل ڈالا۔ ان کے تھکے ماندے شکستہ سے انداز کو دیکھ کر انہیں یہ جاننے میں محض ایک پل لگا تھا کہ وہ کن سوچوں میں گم تھے۔

''الوینہ کیسی ہے...... اسے نیند تو اچھی آئی؟'' ان کا اگلا سوال کمبل تہہ کرتے ہوئے سلمیٰ بیگم کے ہاتھوں کو ساکن کر گیا۔ پلکیں اٹھا کر انہوں نے ان کے چہرے کے اضطراب کو دیکھا۔ اس شخص کی زندگی کا ہر رخ ان پر عیاں تھا سوائے اس ایک رخ کے اور وہ سب سے زیادہ اس لمحے سے شاکی تھیں جس نے ان سے ان کا شوہر تقسیم کر ڈالا تھا۔ معاً وہ ان کی سوالیہ نگاہوں کا ارتکاز محسوس کر کے سنبھلیں۔ ان کی اس بے چینی سے وہ بہت اچھی طرح آگاہ تھیں۔ اب اس عورت کی اولاد کو پل پل نگاہوں کے سامنے دیکھنا کوئی الگ کیفیت محسوس ہورہی تھی۔ انہیں لگا تھا جیسے وہ بہت جلد ضبط کھودیں گی۔

''ہوں...... ابھی میں اس کے پاس سے آئی ہوں اطمینان رکھیں شاہ! وہ اپنے گھر میں ہے یہاں اس کے لیے قدم قدم پہ اپنائیت اور محبت ہے فکر مت کریں۔'' کمبل تہہ کیے بغیر وہ ان کے پاس آکر بازو پہ ہاتھ رکھ کے تسلی آمیز لہجے میں بولیں تو وہاب شاہ ان کے ہاتھ پر بازو رکھ کے بے ساختہ مسکرائے۔ ایک بھرپور آسودہ مسکراہٹ۔

''مجھے پتا ہے کہ تم میرے تین بیٹوں کی ہی نہیں' بیٹی کی بھی ماں ہو۔'' ان کا مان بھرا لہجہ سلمیٰ بیگم کی شہابی رنگت میں تمتماہٹ بھر گیا۔

''میرے اللہ مجھے ہمیشہ اس شخص کی نگاہوں میں یونہی سرخرو رکھنا۔'' ان کا دل چپکے سے رب کے حضور گزارش پہنچانا نہیں بھولا تھا۔

❀......❀......❀

حنان شاہ کی شادی ہوچکی تھی۔ ساریہ ان کی بیوی تھی۔ نازک اندام اور بے انتہا نرم طبیعت کی وہ دلکش لڑکی دو بچوں کی ماں ہوکر بھی اتنی کا منی سی تھی کہ الوینہ کو یقین ہی نہ ہوسکا تھا کہ سچ مچ اس کی شادی بھی ہوچکی ہے۔ جس روز الوینہ گھر آئی وہ اپنے میکے میں تھی۔ الوینہ کے آنے پہ حنان خاص طور پر اسے

لے آئے تھے۔ عبداللہ اور عبدالرحمن ان کے جڑواں بچے بے حد پیارے تھے۔ ساریہ نے اپنی بے تکلف طبیعت کے باعث پہلے روز ہی اجنبیت کی دیوار کو گرا ڈالا۔ پھر عثمان شاہ لندن سے بار ایٹ لاء کی اعلا تعلیم حاصل کرکے آج کل باپ کے نقش قدم پہ چلتا ہوا وکالت کے میدان میں خوب نام کمانے کی کوششوں میں تھا اور کامیاب بھی تھا۔ اس کی منگنی اسحاق شاہ کی سب سے چھوٹی بیٹی لائبہ سے اس وقت ہوئی تھی جب وہاب شاہ ان مشکلات سے گزر رہے تھے اور لائبہ کی پیدائش پر سلمٰی بیگم نے جو ان دنوں عذرا بیگم کی مٹھی میں تھیں۔ عذرا بیگم سے اپنے عثمان کے لیے اسے مانگ لیا تھا۔ پتا نہیں اسحاق شاہ اور عذرا بیگم کو وہ وعدہ یاد تھا یا نہیں البتہ سلمٰی بیگم کے دل پر یہ بات ابھی بھی لکھی ہوئی تھی اور وہ لائبہ کو بہو بنانے کی خواہاں تھیں۔ یہ بات کسی نہ کسی طرح عثمان شاہ تک بھی جا پہنچی تھی جو وہاب شاہ کو چھیڑنے کی غرض سے اکثر و بیشتر اپنی ٹھیکرے کی مانگ کے لیے بڑے بڑے دعوے کیا کرتا تھا اس کے بعد منیب تھا، سب سے چھوٹا اور لاڈلا جو انجینئرنگ کے آخری سال میں تھا۔ تینوں بھائیوں میں سے عثمان ہی خاندانی معاملات میں دلچسپی لیتا تھا۔ جائیداد میں حصے کا مطالبہ بھی اسی نے کیا تھا پھر کسی نہ کسی طرح وہاب شاہ کو قائل کرنے کے بعد وہ ان دنوں اس کیس پہ جان توڑ محنت کر رہا تھا۔ جس کا نتیجہ اللہ جانے کیا نکلنا تھا۔

❋❋❋

وہاب شاہ نے ایک گرینڈ پارٹی کا انعقاد کرکے اپنے سرکل میں جس فخر و اعزاز سمیت الوینہ کا تعارف اپنی بیٹی کی حیثیت سے کروایا تھا، اس نے الوینہ کے دل میں جو عمر بھر کی اپنی نظر اندازی کی آخری پھانس تھی وہ بھی نکال دی تھی۔ سفید جالی کے انتہائی نفیس دیدہ زیب کڑھائی کے اسٹائلش لباس میں وہ اپنی مسحور کن خوب صورتی سمیت سلمٰی بیگم کے ساتھ کھڑی خاصی نروس دکھائی دے رہی تھی، جب منیب نے قریب آتے ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ گھسیٹ لیا تھا۔

"ارے کہاں لے جا رہے ہو مجھے؟" وہ بدحواس سی ہوکر چیختی رہ گئی مگر منیب ان سنی کیے اسے یونہی کھینچتا ہوا ایک جگہ آکے تھم گیا۔ سوئمنگ پول کے ساکن پانی میں برقی قمقموں کا جھلملاتا عکس اس رات کی خوب صورتی میں مزید اضافہ کر رہا تھا۔

"وہ دیکھیں، عثمان بھائی......" منیب نے اس کا ہاتھ چھوڑ کر ایک سمت اشارہ کیا جہاں عثمان شاہ بلیک ڈنر سوٹ میں تمام تر مردانہ وجاہتوں سمیت حسین و طرح دار لڑکیوں میں گھرا کھڑا تھا۔ "اس تقریب کے ہیرو ہیں موصوف۔" وہ مسکرایا۔

"اس میں کیا شک ہے؟" اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھتی ہوئی وہ تفاخرانہ انداز میں مسکرائی تھی تب منیب آنکھوں میں بلا کی شوخی و شرارت سموئے اسے معنی خیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"اور اس تقریب کی سب سے خاص اور اہم شخصیت پتا ہے کون ہے؟"

"عثمان بھائی!" اس نے بے اختیار کہا تو منیب نے یونہی نفی میں سر ہلاتے انگشت شہادت سے اس کی پیشانی پر ٹھوکا لگا کر مسکراہٹ لبوں میں دبائی۔

"نہیں آپ......" اس کے کان تپے تھے اور گلابی چہرے کی ملاحت و جاذبیت میں خفیف سی خجالت بکھری۔

"بکومت۔" وہ جھینپ کر کتراتے ہوئے انداز میں ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"یقین نہیں آتا نا! مجھے بھی نہیں آیا تھا بھلا آپ میں اتنا پسند کرنے والی کون سی چیز ہے مگر یہ بات مسز وارثی یا سیٹھ کریم بخش کو کون سمجھائے جو اپنے اپنے لائق فائق سپوتوں کے پرپوزل ایک نظر آپ کو دیکھ کر ہی پاپا کے آگے رکھ چکے ہیں۔" وہ کچھ ٹھہر کر بولا تو لہجہ ہنوز شرارتی تھا۔ اب کے الوینہ نے بری طرح چونکتے ہوئے متوحش نگاہوں سمیت اسے دیکھا تھا۔

"کک...... کیا مطلب؟" وہ گڑبڑائی...... دل کی دھڑکنیں منتشر سی ہوگئیں جبکہ چہرے پہ ایک واضح اضطراب سا در آیا۔

"مطلب یہ بھئی کہ وہ لوگ آپ کو اپنی بہو بنانا چاہتے ہیں۔ اب دیکھیں، دونوں پرپوزلز میں سے کون سا منتخب کیا جاتا ہے ڈاکٹر الوینہ شاہ کے لیے۔" معنی خیز نرم نگاہ اس کے فق ہوتے چہرے پہ ڈالتا ہوا وہ مسکرا کر کہہ گیا۔ الوینہ کی سانسیں اٹکنے لگیں۔ ایک کٹھن اور دشوار مرحلہ کتنی آہستگی سے بنا آہٹ کیے اس کے سر پہ آ پہنچا تھا۔ منیب کے اس انکشاف نے گویا اس کی قوتِ گویائی چھین کر لمحوں میں سن کر ڈالا۔ اسے لگا تھا اگر مزید ایک پل بھی وہ وہاں رکی تو یقیناً گر جائے گی۔ اس کی ٹانگیں جیسے بے جان ہوتی جا رہی تھیں۔ جبھی وہ دھڑکنوں میں

اٹھتے سرکش بھنور کو دباتی ہوئی پلٹ کر تیزی سے اپنے کمرے کی جانب بھاگی تھی جبکہ منیب بے ساختہ زور سے ہنس پڑا تھا۔ اس کا خیال تھا اس کے یوں بھاگنے کے پیچھے جو وجہ تھی وہ اس کا شرما جانا تھا۔

❀........❀........❀
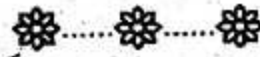
وہ اس بات کو ذہن سے جھٹک دیتی اگر اگلے روز ہی وہاب شاہ اس کے کمرے میں آ کر اس سے اس موضوع پر بات نہ کرتے۔

"پاپا جان! آپ نے کیوں تکلیف کی مجھے بلا لیا ہوتا۔" انہیں اپنے کمرے میں آتا دیکھ کر وہ جو حنان بھائی کی اسپتال جوائن کرنے کی پیشکش پر غور کر رہی تھی' قدرے چونک کر بوکھلاتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھتی ہوئی بولی تو جواب میں وہاب شاہ بھرپور انداز میں مسکرائے اور اسے شانوں سے تھام کر خود سے قریب کرلیا۔

"اپنی بیٹی کے پاس آنے میں مجھے تکلیف نہیں' راحت محسوس ہوتی ہے ہمیشہ یہ یاد رکھنا! تمہارے پاپا جتنے بھی بوڑھے ہوجائیں مگر بیٹی کے پاس آنے میں وہ کبھی تھکن محسوس نہیں کریں گے۔" اس کا سر تھپکتے ہوئے انہوں نے جس حلاوت و محبت سے کہا تھا الوینہ کی آنکھیں گیلی ہونے لگیں۔

"بیٹا! مسز وارثی اور سیٹھ کریم بخش کے بیٹوں کے پروپوزلز ہیں' بیٹا تو مسز وارثی کا بھی بہت اچھا ہے' پڑھا لکھا قابل مگر مجھے ذاتی طور پر عزیر زیادہ پسند ہے۔ انگلینڈ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے لوٹا ہے' اب باپ کے بزنس میں شریک ہوا ہے۔ میری پھولوں سی بچی کے لیے وہ بہت مناسب رہے گا۔ خوب صورت بھی بہت ہے اور سلجھا ہوا بھی۔" انہیں اپنے کمرے میں آتے دیکھ کر جو انجان سا اضطراب اس کے اندر اٹھا تھا وہ پاپا کی ادھر ادھر کی چند باتوں کے بعد اصل بات پر آتے ہی گہرے شاک میں بدل گیا۔ وہ متغیر چہرے اور گم ہوتی دھڑکنوں سمیت پوری طرح ان کی بات بھی نہ سمجھ پائی۔ زوار شاہ کا مخصوص اکھڑ اور تند تاثرات سے سجا چہرہ تصور میں آتے ہی اس کی آنکھوں تلے جیسے اندھیرے چھانے لگے تھے۔

"پاپا جان! پلیز ابھی یہ بات مت کریں' ابھی تو میں نے آپ کی محبتوں اور شفقتوں کو محسوس بھی نہیں کیا۔" ان کے بازو سے سر ٹکائی وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی تو وہاب شاہ اسے روتے دیکھ کر گھبرا سے گئے۔

"نہیں نہیں بیٹے! آپ کی مرضی کے بغیر تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ میں تو آپ کا عندیہ اور رائے لیے بغیر کچھ نہیں کہوں گا ان لوگوں کو بلکہ ایسا کرتے ہیں اگر آپ چاہو تو عزیر کو کسی روز ڈنر پر بلوالیتا ہوں آپ اسے دیکھ کر پھر فیصلہ......"

"پاپا جان...... پلیز۔" ان کی بات قطع کرتی وہ اس قدر لجاجت آمیز بے بسی سے بولی تھی کہ اب کی مرتبہ وہاب شاہ نے قدرے دھیان سے اس کا یہ اضطراب نوٹ کیا تھا۔

"ٹھیک ہے ابھی نہیں لیکن بیٹے پلیز اپنا ذہن تیار ضرور کرو۔ پاپا دل کے مریض ہیں اور آپ کی خوشی دیکھنے کے علاوہ اس فرض کی ادائیگی کے بھی خواہاں ہیں۔ ابھی میں انہیں ٹال دیتا ہوں لیکن انکار نہیں کرتا۔ رشتوں کی کمی نہیں ہے مگر بیٹے یہ لڑکا بہت اچھا ہے۔" اس کا سر تھپکتے ہوئے وہ اٹھ کر باہر آگئے تھے۔ ان کا ذہن الجھ گیا تھا۔ اس عمر کی لڑکیوں کے برعکس الوینہ کے انداز میں اس موضوع کے ساتھ ہی جو وحشت اور سراسیمگی انہوں نے محسوس کی تھی وہ انہیں ٹھٹکانے کا باعث بنی تھی۔ شادی کے نام پر لڑکیوں کا شرمانا اور گھبرانا فطری بات تھی مگر الوینہ...... وہ جتنا سوچ رہے تھے الجھ رہے تھے۔ علینہ کی بددعا کی بازگشت انہیں بے چین کرتی رہتی تھی یہی وجہ تھی کہ وہ اس کی طرف سے مکمل اطمینان اور آسودگی چاہتے تھے۔

❀......❀......❀
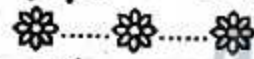
ٹینشن اور گھبراہٹ نے اسے بیمار کرڈالا تھا۔ بخار تو چند دن رہا البتہ گھر والوں کی محبت توجہ اور التفات نے اسے اگلے کئی دنوں تک صرف بستر تک محدود کرکے رکھ دیا۔ آٹھویں دن وہ اس قدر اکتائی کہ صبح اسپتال کے لیے تیار ہوکر کھڑے کھڑے اس کی خیریت پوچھنے کے لیے آئے ہوئے حنان کے سامنے بے اختیار منت کرگئی تھی۔

"بھائی پلیز! مجھے اس بیڈ ریسٹ سے نجات دلوائیں یہ تو الٹا مجھے بیمار کرڈالے گا۔" منہ بسور کر اس نے جس قدر بے بسی سے کہا تھا حنان شاہ مسکراتے ہوئے شرارتی نظروں سے اسے دیکھنے لگے تھے۔

"عجیب بے تکی لڑکی ہو تم! لوگ بیڈ ریسٹ کی خاطر جھوٹی بیماریاں گھڑ لیتے ہیں ایک تم ہو۔"

"مجھے تو معاف ہی رکھیں پلیز بھائی! مجھے اسپتال ساتھ لے جائیں نا ورنہ مما جان مجھے گھیر گھار کر پھر بیڈ پہ لٹا دیں گی۔" اس نے ننھی سی ناک چڑھا کر کہا تو حنان شاہ ایک بار پھر مسکرا دیئے۔

"او کے ایسا کرو تم تیار ہوکر آجاؤ میں مما جان اور پاپا جان سے سفارش کرتا ہوں۔ ہوسکتا ہے بات کچھ بن جائے۔" اس کا گال تھپک کر وہ کمرے سے نکل گئے۔ الوینہ کمبل پرے پھینکتی تیزی سے بستر سے نکل گئی۔ فریش ہونے کے بعد پیازی کلر کے جارجٹ شیفون کے ہلکی کڑھائی کے سوٹ میں وہ موم کی گڑیا کی طرح ہی نظر آرہی تھی۔ مسکراتی ہوئی آکر پاپا جان کے مقابل کرسی پر بیٹھ گئی۔

"گڈ...... آج تو ہماری گڑیا بہت تروتازہ اور خوب صورت نظر آرہی ہیں۔" عثمان نے اخبار ہٹا کر ایک نگاہ ڈال کر شوخی سے کہا۔

"آج کیا میری بیٹی ہمیشہ ایسی ہی نظر آتی ہے۔" پاپا جان نے ٹکڑا لگایا تو الوینہ جھینپ کر مسکرادی۔

"چلو گڑیا تم تیار ہو؟" حنان شاہ نے کسی طرح سے اس کی حمایت کی تھی کہ پاپا مما میں سے کسی نے بھی احتجاج نہیں کیا۔ ماسوائے اسے اپنا خیال رکھنے کی بھرپور تاکید کے۔ وہ بیگ اٹھائے مسکراتی ہوئی حنان شاہ کے پیچھے ہولی۔

"افوہ! آج تو بے چارے مریضوں کے امتحان کا دن ہے۔" منیب نے اسے چھیڑا۔

"امتحان کا یا نجات کا دن۔" وہ بھنویں سکیڑ کر بولی۔

"جی بالکل ایسی نجات کا کہ بے چارے سیدھے اوپر جائیں گے اللہ کے پاس دنیا کو بائے بائے کرتے۔" منیب مسکراہٹ دبائے شوخی سے گنگنایا تو الوینہ کا چہرہ دہک سا گیا اس نے بھرپور خفگی سمیت اسے گھورا۔ پھر حنان کو دیکھ کر بولی۔

"دیکھ رہے ہیں بھائی آپ۔"

"اسے یونیورسٹی تک برداشت کرلو پھر اسے وہاں پھینک کر ہم اسپتال چلے جائیں گے۔" انہوں نے گویا منیب کا موڈ آف کرنے کی پوری کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی رہے۔ وہ منہ پھلا کر انہیں دیکھنے لگا۔

"میں کوئی کوڑا کرکٹ ہوں جسے آپ پھینک دیں گے؟"

"یہ تو ہماری گڑیا بتائے گی کہ تم کیا ہو؟" حنان چھیڑنے سے باز نہیں آئے تھے۔ اسی قسم کی نوک جھونک میں انہوں نے منیب کو یونیورسٹی چھوڑا پھر اسپتال آگئے۔ اس کا تعارف راؤنڈ کے دوران پورے عملے سے کروانے کے بعد حنان شاہ مصروف ہوئے تو الوینہ بچوں کے وارڈ کی طرف آگئی تھی وہاں وقت

گزرنے کا پتا نہیں چل سکا تھا۔ وہ تو جب حنان شاہ نے اسے کھانے کے لیے بلایا تب وہ چونکی۔ کھانا کھانے کے بعد وہ ایک بار پھر وارڈ جانے کو اٹھی تھی جب حنان شاہ نے اسے پاپا جان کا پیغام دیا تھا۔

"مگر اتنی جلدی کیا ہے بھائی! میں آپ کے ساتھ چلی جاؤں گی نا!" واپسی کے بلاوے کا سن کر ہی اس نے منہ بنایا۔

"مجھے دیر ہوجائے گی، آپریشن کرنا ہے مجھے۔ ابھی تم بیماری سے اٹھی ہو، اتنی ڈیوٹی بھی بہت ہے۔ پاپا جان تمہاری وجہ سے بہت پریشان ہیں ایسا کرو تم ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤ۔" ان کے طویل مگر تسلی بخش جواب پہ وہ سر ہلاتی اٹھ گئی تھی۔ گاڑی میں بیٹھنے کے ساتھ ہی اسے منیب کی برتھ ڈے پارٹی میں دینے کے لیے گفٹ کا خیال آیا تو ڈرائیور سے کہہ کر گاڑی کا رخ مارکیٹ کی طرف کروادیا اس شہر میں وہ اجنبی نہیں تھی جو گھبرا کر اس کام کو ملتوی کرتی۔ گاڑی مارکیٹ کے پارکنگ میں رکوا کر ڈرائیور کو انتظار کا کہتی ہوئی وہ اپنی میرون شال اور بیگ سنبھالتی ہوئی دروازہ کھلنے پر نیچے اتر آئی تھی۔ گفٹ امپوریم کی طرف بڑھتے ہوئے وہ اس احساس سے قطعی بے نیاز تھی کہ زوار شاہ اسے بہت حیرت سے دیکھ رہا تھا اور اگلے ہی لمحے وہ گاڑی بڑھا کر عین اس کے پاس لے آیا۔ دروازہ کھٹاک کی آواز کے ساتھ کھلا اور اگلے ہی لمحے اس کا آہنی وجود اس کی راہ میں حائل ہوا الوینہ کو جھٹکا لگا کر تھم جانے پہ مجبور کر گیا تھا۔ اگر وہ رکنے میں ایک پل کی بھی تاخیر کرتی تو یقیناً اس سے ٹکرا جاتی۔ بدتمیزی کے اس مظاہرے پر اس نے تلملائے ہوئے انداز میں سر اونچا کیا مگر اس کے مسکراتے ہوئے چہرے پہ نگاہ ڈالتے ہی جیسے اسے کرنٹ لگا تھا۔ دھڑکنوں میں غیر معمولی ہلچل مچی تھی۔ خوف سے پھٹی آنکھوں سمیت وہ بے ساختہ ہی دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

"ہمیں نہیں پتا تھا جسے ہم دنیا کے چپے چپے میں چھانتے پھرتے ہیں وہ متاعِ جاں یوں سرِ راہ ہمیں آن ملے گی۔ اتنے دنوں کی تلاش کی داستان بعد میں سنائیں گے پہلے تو یہ بتاؤ ہماری زندگی کیسی ہے؟" اس کی کلائی تھام کر ہلکا سا جھٹکا دیتا ہوا وہ تند لہجے میں بولا۔ تب جیسے الوینہ کے اڑے اڑے حواس مزید مختل ہوئے تھے۔

"چھوڑو مجھے۔" اطراف میں موجود لوگوں کا خیال کرتی ہوئی وہ جیسے بھڑک کر بولی۔

"بہت غلط بات کرتی ہو ہمیشہ، محترمہ! عاشق نامراد نہیں ہیں، ہم فاتح بن چکے ہیں وہ نام نہاد مزاحمت ابھی آج ختم کردیں گے کہ بہت سنا لیا تم نے۔" اس کے اشتعال کو خاطر میں لائے بغیر وہ اس پر جھکتا ہوا سخت برہمی سے بولا۔ اس سے پہلے کہ الوینہ جواب میں کچھ کہتی وہ اسے یونہی کھینچتے پجارو تک لایا تھا۔ الوینہ اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے بری طرح سے مچلی تھی۔ "شور مچانے کی ضرورت نہیں، تم سے اس قسم کی حرکت کی توقع تھی جبھی نکاح نامہ ساتھ لیے پھرتا ہوں۔" دروازہ کھول کر اسے سیٹ پر پٹختے ہوئے وہ بھنچے ہوئے لہجے میں غرایا تو الوینہ کا دم حلق میں اٹک گیا۔ اس نے آنسوؤں سے لبریز ہراساں نظروں سے اس کے تنے نقوش سے سجے مغرور اکھڑ چہرے کو دیکھا اور بے بسی کے احساس سے رو پڑی۔

"بڑے ٹھاٹ ہیں؟ کہیں کسی اونچی جگہ نوکری تو نہیں کرلی؟ مگر جاناں! یہاں تمہارے عاشق دل دار کے پاس کسی چیز کی کمی ہے؟ ایک اشارہ تو کرو پوری دنیا تمہارے قدموں میں نہ رکھ دوں تو کہنا۔" اس کے سحر انگیز نازک سراپا پر بھرپور نگاہ ڈال کر وہ بہت زعم سے بولا تو الوینہ کی پیشانی تپ اٹھی۔

"کہاں لے جانا چاہ رہے ہو مجھے؟ ایک بات یاد رکھنا زوار شاہ! میں تمہیں کبھی بھی تمہارے مذموم ارادوں میں کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔ تمہارے ساتھ وہ بدترین اور نفرت انگیز زندگی گزارنے سے ہزار درجے بہتر موت کو ترجیح دوں گی۔ میں شوٹ کرلوں گی خود کو اگر تم نے گاڑی نہ روکی تو۔" اندر کا خوف ظاہر کیے بغیر وہ بے لچک اور بے خوف لہجے میں کہتی ہوئی اس پر اپنی بھرپور نفرت ظاہر کر گئی تھی۔ زوار شاہ نے ٹھٹکتے ہوئے انداز میں اسے دیکھا پھر بغیر کچھ کہے لب بھینچتے ہوئے یک دم ہی گاڑی کی رفتار بڑھائی تھی۔ الوینہ نے سلگتی نظروں سے اسے گھور کر دیکھا اور بظاہر خود کو مضبوط ظاہر کرنے کے لیے گردن موڑ کر باہر دیکھنے لگی۔ گاڑی کی رفتار خطرناک حد تک بڑھی تب اس نے تشویش میں مبتلا ہوتے ہوئے قدرے دہل کر اسے دیکھا تھا۔ بھنچے ہوئے لبوں، پیشانی کی لاتعداد سلوٹوں اور اکھڑے ہوئے انداز میں وہ اسے قطعی نارمل نظر نہ آیا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے رفتار کم کرو۔" وہ پھنکار کر بولی۔

"اکٹھے جی نہیں سکتے، مرنے پہ تو پابندی نہیں ہے ڈیئر وائف۔ اور پھر کیا خوب ہوگا جب میرے ساتھ مرنے کے بعد دنیا تمہیں کس نظر سے دیکھے گی اور کیسے کیسے فسانے گھڑے

جائیں گے۔ تمہارے ماتھے پہ تو نہیں لکھا ہے کہ تم میری بیوی ہو؟'' سرد ترین کاٹ دار لہجہ اور نگاہ...... اف نگاہ ایسی اجنبی کہ الوینہ متوحش سی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ گاڑی خطرناک حد تک برق رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی' دو تین بار ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا تھا۔ اس کے ساتھ اپنا آخری انجام تصور میں لاتے ہی وہ جیسے پوری جان سے کانپی تھی اور بے تحاشہ سراسیمگی میں گھرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''زوار! گاڑی کی رفتار کم کریں۔'' اس نے گھبرا کر کہا مگر ادھر کوئی مطلق اثر نہ ہوا تھا بلکہ وہ جیسے اسے اذیت دینے کو ہی رفتار مزید بڑھا گیا تھا۔

''زوار! سنا نہیں آپ نے؟ پلیز گاڑی روک دیں۔'' حواس کھوتی ہوئی وہ اس کے اسٹیئرنگ پر جمے ہاتھوں پہ اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر زور سے چیخی۔ ''زوار...... زوار...... پلیز۔''

خوف دہشت اور بے بسی نے مل جل کر اس کے اعصاب جیسے جھنجھنا کر رکھ دیئے تھے۔ بس ایک ہی خیال تھا اگر وہ واقعی وہ کر گزرا جو کہہ رہا تھا تو اس کی موت بھی اس کے باپ اور بھائیوں کے لیے شرمندگی کا باعث بن سکتی تھی۔ یہ احساس اس قدر حاوی تھا کہ اسے خبر تک نہ ہو سکی زوار شاہ کو اس کی اس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش میں وہ اس کے کس حد تک نزدیک جا چکی ہے۔ زوار شاہ کے شعلہ فشاں موڈ کو اس کے خوشبودار وجود کے نرم و نازک لمس نے جیسے یکلخت پانی ڈال کر سرد کیا تھا۔ گاڑی ایک جھٹکے سے رکی اور وہ تیزی سے اس کی طرف پلٹ کر غیر یقینی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

''تمہارے پیش نظر وجہ کچھ بھی ہو میرے نزدیک یہ بات اہمیت کی حامل ہے کہ تم یوں پہلی بار از خود میرے نزدیک آئی ہو پھر کیسے ممکن ہے جانِ زوار کہ زوار شاہ آپ کی حکم عدولی کا مرتکب ہو جائے۔'' اس کے نازک مرمریں ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں لے کر گرم جوشی سے دباتا ہوا وہ یکسر بدلے ہوئے موڈ میں آچکا تھا۔ اس کی شوخ نگاہوں کی معنی خیزی نے الوینہ کو احساس دلایا تھا' اس کی حماقت کا' تب وہ اپنی نازک پوزیشن کا احساس ہوتے ہی ٹپٹا کر پیچھے کی جانب سرکی تھی۔ ''نہ...... نہ...... میری زندگی یہ ستم نہ کرو۔ کتنے دنوں بعد تو میں نے تمہیں دیکھا ہے۔'' جگمگاتے حسن سے نگاہوں کو خیرہ کرتا ہوا وہ سرگوشی کے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ الوینہ پل بھر میں بالکل سرد پڑ گئی۔

''دیکھو حد سے مت بڑھو۔'' وہ خائف سی نگاہ گلاس ونڈو کے پار ڈالتی ہوئی اشتعال بھرے لہجے میں غرائی۔

''نکاح کے بول میری حدود لامحدود کر چکے ہیں مادام۔'' اس کی پیشانی پر انگشت شہادت سے ٹھوکا دیتا ہوا وہ اس کے تمتماتے چہرے پہ معنی خیز نگاہ ڈال کر پُراعتماد لہجے میں بولا تو الوینہ کی نظروں سے درشتی و تنفر چھلکنے لگا۔

''میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میری زندگی میں تمہاری یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔'' اس کی نگاہوں کی تپش پہ تلملاتی ہوئی وہ بولی تو زوار شاہ نے لب بھینچ کر اسے دیکھا۔

''کیا چاہتی ہو تم......؟''

''جو میں چاہتی ہوں اس سے تم اچھی طرح آگاہ ہو یعنی تم سے طلاق۔'' جواب میں اس نے بدتمیزی اور تلخی کی انتہا کر دی۔ زوار شاہ کا چہرہ بالکل پھیکا پڑ گیا تھا۔

''مجھے درندگی اور بے رحمی پہ مت اکساؤ الوینہ! تم میری محبتوں کے لیے بنی ہو' نفرتوں کو آواز نہ دو۔'' وہ جیسے خود پر جبر کرتا ہوا بولا۔

''تم جو کرنا چاہتے ہو کر لو۔ میں ڈرتی نہیں ہوں تم سے سمجھے۔'' جواباً اس نے نفرت بھری نظروں سے اسے دیکھ کر غرا کر کہا۔ اب کی بار زوار شاہ کو خود پر کنٹرول رکھنا محال ہو گیا تھا۔

''بہت بدل گئی ہو ڈاکٹر الوینہ زوار شاہ! تم نڈر اور بولڈ تھیں' اس وجہ سے مجھے تم میں کشش محسوس ہوئی تھی کہ حسن کی تو کبھی بھی مجھے کمی نہیں رہی مگر اب کے تمہارے انداز جداگانہ ہیں اس بدتمیزی اور اعتماد میں جو گستاخی اور تیکھا پن ہے' یہ مجھے چونکا رہا ہے۔ شہر میں کس کے پاس ہو تم؟ بولو ورنہ بہت بری طرح سے پیش آؤں گا۔'' وحشت بھرے انداز میں وہ سرخ سرخ آنکھوں سے گھور کر اس قدر غصے سے بولا کہ الوینہ کی ساری طراری اور بہادری ہوا ہونے لگی۔ دل کسی انجانے خوف کے حصار میں سمٹتا چلا گیا۔ اس میں شک نہیں تھا کہ وہ ابھی اسی کے رحم و کرم پر تھی۔

''میں تمہیں خبردار کر رہی ہوں! تم پہلے کی طرح مجھے کمزور اور بے بس نہ سمجھو۔'' اس نے اپنے لہجے میں وہی تناؤ اور مضبوطی پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ الگ بات کہ دل اندر سے دہلا جا رہا تھا۔

''وہی پوچھ رہا ہوں' اب کون سی سیکیورٹی مل گئی ہے تمہیں' کس کی گاڑی تھی وہ جس سے تم اتری تھیں؟'' اس کی کلائی پہ اس کی گرفت کچھ اور سخت ہو گئی اور آنکھوں کی سرخی کچھ اور گہری

ہوئی' لہجے کے استحقاق میں بڑھی دتنفر چھلکا تھا۔ الوینہ خائف سی ہوگئی۔

"میرے پاپا کی۔" اسے جواب تو دینا ہی تھا مگر اس جواب میں مخصوص قسم کا تفاخر نہ چھلک سکا۔

"کون ہے تمہارا باپ' اور یہ ایک دم سے کہاں سے آ دھمکا۔" اس نے ہونٹ سکوڑ کر حقارت سے کہا۔

"شٹ اپ!" الوینہ کو شدید قسم کی ناگواری محسوس ہوئی تھی جبھی بھڑک کے ہوئے انداز میں بولی۔

"یو شٹ اپ! جو پوچھا ہے اس کا جواب دو ورنہ میں تمہاری ناگواری و ناراضگی کو خاطر میں لائے بغیر زبردستی بھی کرسکتا ہوں یاد رکھو یہ میری دی ہوئی چھوٹ ہے اگر میں اپنی من مانی کرنے پہ آؤں تو تم مجھے روک نہیں سکتیں۔" اس کے بے لچک سفاک لہجے میں جو دھمکی پوشیدہ تھی' اس نے الوینہ کے اندر سرسراہٹ دوڑا دی۔

"بیرسٹر وہاب شاہ' میرے پاپا جان کا نام ہے' بس ہوگئی تسلی...... اب جاؤں؟" اس نے نگاہ ملائے بغیر بھرپور تلخی سے کہتے ہوئے وہ جیسے پھٹ پڑی جبکہ زوار شاہ کے اعصاب پر جیسے کسی نے بم پھوڑا تھا۔ اس قدر شاک میں تھا کہ کتنی دیر تک اپنی جگہ سے حرکت نہ کرسکا۔ الوینہ نے اس کے خطرناک حد تک سرخ پڑتے چہرے کو دیکھا اور اگلے ہی لمحے دروازہ کھول کر گاڑی سے اتر گئی۔ اصل حیرت اسے تب ہوئی تھی جب زوار شاہ نے اسے روکنے کی کوئی سعی نہیں کی اور وہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی اس سے دور ہوتی چلی گئی تھی۔

❀....❀....❀

اسحاق شاہ نے اسے بتایا تھا کہ وہاب شاہ برسوں کی جلی چنگاری سے آگ بھڑکا چکا ہے۔

"جانے کون ہے کس کی اولاد ہے لے کے بیٹی بنا کر گھر میں لے آیا۔ بھلا بتاؤ حد ہوتی ہے بے وقوفی کی۔"

"بابا جان! بڑی بات ہے چاچا سائیں اپنی رام کہانی کی تو کسی کو ہوا نہیں لگوائی اور اس گناہ کی پوٹ کو گھر میں لے آئے۔ کیا ثبوت ہے اس بات کا کہ وہ ان کی وہی بیٹی ہے؟" کتنا بھڑکا تھا وہ بابا کے منہ سے یہ سب سن کر چونکہ وہ ساری حقیقت سے آگاہ تھا۔ بابا سائیں نے آج تک اس سے کچھ چھپایا تھا جو یہ چھپاتے۔

"چلو ہمیں کیا' جو مرضی کرے۔" اسحاق شاہ نے آگ بھڑکا کر بڑی بے نیازی سے بات ختم کرنا چاہی مگر وہ بات ختم کرنے والوں میں سے نہیں بڑھانے والوں میں سے تھا۔

"عثمان شاہ جو قانونی داؤ پیچ استعمال کررہا ہے' اس کیس میں مجھے بہت خطرہ لاحق ہوگیا ہے بابا سائیں۔ تین سنپولیے تو پہلے سے تھے' چوتھی ناگن یہ شریک بن کے آگئی جو مجھے کسی طور گوارا نہیں۔" اس نے بھڑک کر کہا تھا جبکہ اسحاق شاہ کو جیسے کرنٹ لگا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا...... ہم کیس ہار جائیں گے؟" انہوں نے شاک سے نکل کر غراتے ہوئے استفسار کیا۔

"ارے نہیں بابا! میں عثمان شاہ کو شوٹ کردوں گا اگر اس قسم کی صورت حال پیدا کی اس نے۔" زوار شاہ انہیں تسلی دے کر نکل آیا تھا اور اب اس نے سگریٹ کا آخری کش لے کر بچا ہوا ٹوٹا دور اچھال دیا تھا۔ ادھر جلے سگریٹ کے سرے پہ سلگتا ہوا شعلہ کارپٹ کے روئیں کو سلگانے لگا مگر زوار شاہ کو ہوش کہاں تھا۔ وہ ابھی تک اس بے یقینی سے نہیں نکلا تھا کہ الوینہ اگر وہاب شاہ کی بیٹی تھی تو وہی بیٹی تھی جو......؟ اس سے آگے اس سے کچھ سوچا نہیں گیا۔ دماغ کی رگیں اس قدر تنی تھیں کہ لگتا تھا کسی پل بھی پھٹ جائیں گی۔ آنکھیں دہک کر انگارہ ہوچکی تھیں۔ اس کے لیے یہ خیال ہی اذیت انگیز تھا کہ وہ جس لڑکی کے ساتھ اس حد تک انوالو ہوا وہ کسی گناہ کا حاصل تھی۔ بھلے بعد میں وہاب شاہ نے اس استانی سے نکاح کرلیا تھا مگر اس کا انتہا پسند مغرور ذہن اس بات کو کسی بھی طرح قبول کرنے سے انکاری تھا۔

"نہیں ڈاکٹر الوینہ! بالکل نہیں' جب تک تم میرے نزدیک اہم تھیں تب تک میں نے تمہاری نفرت اور حقارت کو سہا اب اور نہیں' اب تو تم صرف میری ضد اور انتقام کا حصہ ہو۔ تمہارے بھائی اور باپ کو تمہاری وجہ سے جو شکست میں دوں گا وہ بہت اذیت ناک ہوگی اور تمہیں میں بتاؤں گا کہ تم اب میرے نزدیک کیا حیثیت رکھتی ہو۔" اس نے تنفر سے سوچا اور جیسے کسی نتیجے پہ پہنچ کر ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

❀....❀....❀

اس کا وہ جوش شدید قسم کی جھنجلاہٹ میں تب ڈھلا' جب اس نے بابا سائیں کو اپنا ارادہ ظاہر کرنے کے بعد آئندہ کے منصوبے سے آگاہ کیا۔ اس انکشاف کے بعد ان کی حالت بھی ویسی ہی ہوئی تھی جو زوار شاہ کی ہوچکی تھی مگر پھر وہ بھڑک

اٹھے۔

"پاگل ہوئے ہو زوار شاہ! وہ ڈاکٹرنی تمہاری خوشی تھی' یہ سوچ کر میں نے تمہیں من مانی کی اجازت دی تھی' بس اب اسے اس حویلی کی بہو بنانے کے خواب نہ دیکھو۔" ان کے لہجے میں غراہٹ درآئی۔

"مگر بابا سائیں میں......"

"اگر نہ مگر...... زوارے! میری محبت اور ڈھیل سے ناجائز فائدہ نہ اٹھا۔ پوری دنیا کی لڑکیاں مر نہیں گئیں کہ میں اسے بہو بنالوں۔" انہیں جب غصہ آتا تھا تو ایسا ہی آتا تھا۔ جیسے سمندر میں شدید طوفان۔ پھر تو زوار شاہ بھی ان کے سامنے حقیر تنکے کی مانند ہوتا مگر یہاں ان کی نہیں مان سکا۔ وہاں سے چپ چاپ اٹھ آیا تھا تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ان سے دب گیا تھا۔ وہ بھی انہی کی اولاد تھا۔ دبنے والوں میں سے نہیں' دبانے والوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ خاصی دیر تک جھنجلاتے رہنے اور کشیدہ اعصاب پہ کنٹرول کرتے رہنے کے بعد اس نے سیل فون نکال کر عثمان شاہ کا نمبر ملایا۔ دوسری جانب بیل جارہی تھی۔ یہ چند لمحے انتظار کے زوار شاہ کو بہت ناگوار محسوس ہوئے تھے۔

"ہیلو السلام علیکم!" شائستگی سے بھرپور دلکش بھاری مردانہ آواز زوار شاہ کے لبوں پر زہر خند مسکراہٹ بکھیر گئی۔

"عثمان شاہ بات کر رہے ہو؟" اس نے گہرے طنز سے کہا۔

"سوری! میں آپ کو پہچان نہیں پایا۔ آپ کون؟" دوسری جانب ایک بار پھر اسی شائستگی کا مظاہرہ ہوا۔

"مجھے نہیں پہچانے؟" وہ گہرے طنز سے ہنسا۔

"جی نہیں' کون ہیں آپ؟" عثمان اب کے قدرے چونکا۔

"تمہارا بہنوئی' زوار شاہ۔" ہونٹ سکوڑ کر جس قدر نفرت لہجے میں سموئی جاسکتی تھی سمو کر اس نے کہا۔ دوسری جانب یکلخت خاموشی چھاگئی۔

"تمہارا دماغ لگتا ہے کسی گہرے صدمے کے زیر اثر ہے زوار شاہ! لائبہ کے حوالے سے میں تمہارا بہنوئی ہوں سالے صاحب۔" کچھ لمحوں کے معنی خیز توقف کے بعد وہ جس ٹھہرے ہوئے سرد اور تمسخرانہ لہجے میں غرا کر بولا تھا اس نے زوار شاہ کا چہرہ دہکا کر انگارہ کر ڈالا۔ آنکھوں میں گویا خون اتر آیا ہو۔

"شٹ اپ' جسٹ شٹ اپ اگر دوبارہ ایسی بات کی تو زبان کھینچ کر ہاتھ پر رکھ دوں گا۔"

"فضول بکواس کرنے کی بجائے اگر تم میری بات پہ غور کرلیتے تو بھڑکنے کی ضرورت پیش نہ آتی' جاؤ اور جاکے اپنی نام نہاد بہن ڈاکٹر الوینہ سے پوچھو زوار شاہ اس کا کیا لگتا ہے؟" سرد لہجے میں کہتے ہوئے وہ اگلے ہی لمحے سلسلہ منقطع کرچکا تھا۔ اس کا موڈ بری طرح خراب ہوگیا تھا۔

❀......❀......❀
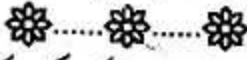
فون ہاتھ میں لیے عثمان شاہ شاک کی سی کیفیت میں رہا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ جتنا سوچتا اتنا ہی الجھتا جارہا تھا۔ دروازے پر دستک دے کر ملازمہ نے اندر جھانکا۔

"صاحب جی! بیگم صاحبہ کھانے پہ بلا رہی ہیں۔" عثمان شاہ نے چونکتے ہوئے ٹھنڈا سانس بھر کے پہلے اسے پھر ہاتھ میں پکڑے فون کو دیکھا اور طیش کے عالم میں فون بستر پر پٹخ دیا۔ کشیدہ اعصاب کو کنٹرول کرنے میں اسے خاصی دقت ہورہی تھی۔ تب تک ملازمہ ایک بار پھر اسی پیغام کے ساتھ آچکی تھی۔

"اوفوہ آتا ہوں بھئی' تم جاؤ۔" ملازموں کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا ان کی تربیت کا حصہ نہیں تھا جبھی غصے کی زیادتی کے باوجود وہ جھنجلاتا ہوا واش روم میں گھس گیا۔ پاپا اور مما کے درمیان بیٹھی منیب کی نوک جھونک پہ ہنستی مسکراتی الوینہ پہ گاہے بگاہے اس کی اٹھتی نگاہ بہت اضطراب سموئے ہوئے تھی۔ اس کے اندر اٹھتے سرکش بھنور اس کے اضطراب کے گواہ تھے الوینہ کا نگاہوں کو خیرہ کرتا حسن ایک پل کے لیے زوار شاہ کی بات کے سچ ہونے کی گواہی دیتا تو اگلے ہی لمحے اس کے دودھیا اجلے چہرے پہ پھیلی بلا کی جاذبیت اور مسحور کردینے والی معصومیت اس کے خیالات کی نفی کردیتی' بھرپور رعنائی سے بوجھل دلکش سراپا نازک سبک نقوش زوار شاہ جیسے خردماغ اور اکھڑ بندے کو بھی کچھ ہٹ کر سوچنے پر اکسا سکتے تھے۔ اس کی بات کو سوچتے ہوئے وہ مضطرب ہوکر یکلخت کرسی دھکیل کر کھڑا ہوگیا۔

"کیا ہوا بیٹا...... کھانا کیوں چھوڑ دیا...... کچھ پسند نہیں آیا؟" ایکا ایکی بھی اس کی طرف متوجہ ہوئے جبکہ سوال مما جان نے کیا تھا۔ وہ اتنی ساری نظروں کے سوالوں پر سٹپٹا سا گیا۔

"نہیں ایسا نہیں ہے بس میری کچھ طبیعت اچھی نہیں

الوینہ! تم کھانے کے بعد پلیز ایک کپ چائے بنا کر میرے کمرے میں دے جانا۔" اپنی طرف خاصی تشویش سے دیکھتی الوینہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ کر باہر نکل گیا۔ پھر جب تک وہ اس کے کمرے میں نہ آ گئی وہ وحشت بھری سوچوں کے حصار میں گھرا بے تابی سے ٹہلتا رہا۔

"کیا ہو گیا بھائی! آپ نے تو پریشان ہی کر دیا۔ مجھ سے تو فکر کے باعث کھانا بھی نہیں کھایا گیا۔ مما جان کہہ رہی تھیں اگر آپ کو کھانا نہیں کھانا تو دودھ کا گلاس ضرور سونے سے پہلے لے لیجیے۔" بھاپ اڑاتی چائے کا کپ ٹرے میں سجا کے وہ زور وشور سے بولتی ہوئی اندر آئی تو عثمان شاہ بغور اسے دیکھنے لگا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں بھائی؟" کپ اس کی سمت بڑھاتے ہوئے وہ یکا یک ٹھٹکی۔

"جو فکر اور بے چینی مجھے ہے اس نے میری بھوک صرف اڑائی ہی نہیں ختم بھی کر ڈالی ہے الوینہ!" چائے کا کپ اس کے ہاتھ سے لے کر میز پہ رکھتا ہوا وہ اسے شانوں سے تھام کر اپنے مقابل کر کے بولا۔

"جو کچھ پوچھوں بالکل سچ بتاؤ گی۔" اس کا لہجہ اتنا عجیب تھا کہ الوینہ جواب دینے کی بجائے سراسیمگی میں گھری ٹکر ٹکر اسے دیکھے گئی۔

"میں آپ کی مجرم نہیں ہوں بھائی! یہ کیا طریقہ ہے بات کرنے کا؟ وکیل آپ کورٹ میں ہوں گے گھر کے اندر......"

"الوینہ پلیز...... میں سنجیدہ ہوں۔" وہ واقعی اس بات کو مذاق سمجھی تھی کہ عثمان شاہ کے یکا یک درشتی سے ٹوک دینے پر وہ حیران ہو کر اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھنے لگی۔

"زوار شاہ کو جانتی ہو الوینہ! کون ہے وہ تم سے اس کا کیا تعلق ہے؟" اشتعال بھرے لہجے میں پھنکار کر کہا تو الوینہ کے جسم سے گویا جان نکل گئی۔ کاٹ دار نظروں میں کیسا قہر وغضب عیاں تھا بے اعتباری یا خفگی، اس کی تو قوت گویائی بھی جیسے سلب ہو کر رہ گئی تھی۔ عثمان کے لبوں سے زوار شاہ کا نام سن کر اس نے اس شاک سے سنبھلنا چاہا تھا مگر اس کا ذہن تاریک ہوتا چلا گیا تھا۔

❀......❀......❀
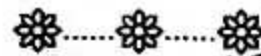
دوبارہ اس کی آنکھ کھلی تو اس نے خود پہ عثمان کا متفکر گھبرایا ہوا سراسیمہ چہرہ دیکھا تھا۔ ذہن کے جاگتے ہی جیسے اسے حواس کھونے کی وجہ یاد آئی تو کرب واذیت اور بے بسی کے احساس نے اس کی آنکھیں سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں شفاف پانیوں سے بھر دی تھیں۔

"الوینہ میری پیاری بہن، دیکھو میں معذرت کر رہا ہوں گڑیا، جانے کیوں مجھے اتنا غصہ آ گیا۔ مجھے تم سے اس طرح بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔ پاپا جان کو نہیں بتانا پلیز ورنہ وہ میرے کان کھینچ کر لمبے کر دیں گے۔" اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیے وہ باقاعدہ منت کر رہا تھا۔ الوینہ اس کے ہاتھوں کو اپنے کانپتے لرزتے ہاتھوں میں تھام کر رو پڑی بالکل بچوں کی طرح بلک بلک کر۔ عثمان شاہ کچھ اور بھی بوکھلا گیا۔

"الوینہ پلیز! خود پر قابو رکھو! دیکھو گڑیا اگر اس وقت کوئی آ گیا اور تمہیں یوں روتے دیکھا تو میرا کباڑا ہو جائے گا۔ پلیز سنبھالو خود کو۔" اس کا سر تھپکتا وہ اب اس کے آنسو صاف کر رہا تھا۔ الوینہ نے خود کو سنبھالنے کی سعی کی مگر دل کچھ اس قدر وحشت انگیز انداز میں دھڑک رہا تھا کہ اس کی یہ کوشش بری طرح سے ناکامی سے دوچار ہوئی، جانے کب کے آنسو گویا بند توڑ کر بہے جا رہے تھے، اسی طرح روتی سسکتی وہ اسے زوار شاہ کے متعلق سب کچھ بتا گئی تھی۔ عثمان شاہ کے وجیہ چہرے پہ جو تاثر اُمڈا تھا وہ الوینہ کو خوف زدہ کرنے کو کافی تھا۔

"بھائی!" اس نے سہم کر اسے پکارا۔

"جو کچھ بھی تھا الوینہ تمہیں نکاح کے پیپرز پہ سائن نہیں کرنا چاہیے تھا۔ تمہیں اندازہ نہیں وہ کس قدر گھٹیا اور غلط انسان ہے۔" عثمان نے جیسے گہرے رنج کے احساس سے کہا۔

"میں بہت اچھی طرح سے اس انسان سے آگاہ ہوں۔"

"میں نے اس کی حاکمیت ماننے سے انکار کیا تھا یہی برداشت نہیں ہو سکا بس۔" اس نے بھرپور نفرت سے کہا تھا۔ عثمان محض اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"اب کیا چاہتی ہو تم...... میرا مطلب ہے اس معاملے کو......؟"

"بھائی یہ بات آپ کو مجھ سے نہیں پوچھنا چاہیے۔ میری مرضی سے آپ کو بن کہے آگاہ ہونا چاہیے۔ تب میں مجبور، بے بس اور کمزور تھی اس کی بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا مگر اب بھائی میں ہر صورت میں اس سے علیحدگی چاہتی ہوں پلیز میری مدد کریں۔" بھیگے گال ہاتھ کی پشت سے رگڑ کر وہ جس مضبوطی اور تنفر سے بولی تھی اس نے عثمان شاہ کو قدرے

اطمینان بخشتا تھا۔
”شکریہ الوینہ! اور سنو میں تو پریشان ہو گیا تھا کہ اب وہ پتا نہیں کیا کر دے۔“
”بھائی! پاپا جان کو پتا نہیں چلنا چاہیے پلیز۔“ اس سے نگاہ چراتے ہوئے وہ مجرموں کے سے انداز میں بولی تو عثمان شاہ مسکرا دیا۔
”فکر مت کرو۔ ویسے تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ زوار شاہ پاپا جان کا سگا بھتیجا ہے۔ اس کے علاوہ موصوف کی بہن صاحبہ تمہاری ہونے والی بھابی ہیں۔“ عثمان کی آخری بات پر اس کے لہجے میں جو شرارت اور شوخی در آئی تھی اس نے الوینہ کو چونکا ہی دیا تھا۔ وہ ایک دم سے گم صم ہو گئی تھی۔

❀......❀......❀

”لگتا ہے، بہن صاحبہ نے ہم سے گہرے اور اٹوٹ تعلق کی تصدیق کر دی ہے جبھی تم مجھ سے ملنے پہ آمادہ ہوئے ہو؟“ عثمان شاہ نے خود اسے فون کر کے ملنے کا کہا اور اب شہر کے فائیو اسٹار ہوٹل میں دونوں آمنے سامنے موجود تھے۔
”ویسے کیا ہی اچھا ہوتا جو تم اپنی بہن صاحبہ اور ہماری پیاری بیگم کو ساتھ لے آتے، یہ شام کچھ اور بھی حسین ہو جاتی۔“ عثمان شاہ نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تو وہ بہت خباثت سے اسے گویا چھیڑ کر مسکرایا تھا۔
”شٹ اپ! اپنی زبان پر قابو رکھو سمجھے۔“ ضبط کی کوشش میں اس کا چہرہ سرخ ہوا۔ زوار کے لبوں پر مسکراہٹ لحہ بھر کو امڈ کر معدوم ہو گئی۔
”مائنڈ کیوں کرتے ہو یار! جب رشتہ ایسا ہے تو اس کے اظہار......“
”زوار شاہ مجھے بدتمیزی پہ مت اکساؤ۔ میں سکون سے تم سے بات کرنے آیا ہوں۔ وہ سن لو گے تو تمہارے لیے اچھا ہے۔“ وہ ایک بار پھر اس کی بات قطع کر کے بہت برداشت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔
”اچھا!“ زوار شاہ زور سے ہنسا۔ ”تم بدتہذیبی پہ اترو گے تو چوڑیاں ہم نے بھی نہیں پہن رکھیں بیرسٹر صاحب! خیر، کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟“ اس کا انداز بے حد اہانت آمیز اور تنفر سے بھرپور تھا۔
”بہت اچھی طرح آگاہ ہوں تمہاری گھٹیا بہادری کے مظاہروں سے شیر جیسی طاقت کے مظاہروں پر انسان مکمل طور پر انسان تو نہیں بن جاتا؟“ جواب میں عثمان کا لہجہ بے حد سلگا ہوا تھا۔ زوار شاہ اب کی بار کچھ کہے بغیر محض تاؤ دلانے والے انداز میں مسکراتا رہا تھا۔ ”ایک معاہدہ کرنا چاہتا ہوں، جس میں سراسر تمہارا فائدہ ہے، نقصان نہیں الوینہ تمہاری رفاقت پہ آمادہ نہیں لہٰذا اس بندھن کو ویسے ہی ختم کر دو جیسے تم نے اسے باندھا تھا۔ جواب میں، میں اپنا جائیداد میں مطالبے کا کیس واپس لے لوں گا۔“ اس کا انداز جس قدر احسان جتانے والا تھا۔ زوار شاہ اس قدر آگ بگولہ ہوا تھا۔
”پسپا تم ہوئے ہو عثمان شاہ! میں نہیں کہ تمہاری اس قسم کی گھٹیا شرائط کو مان لوں۔ تم کورٹ کے ذریعے مجھ پہ کیس کرو گے؟ مجھے پروا نہیں ہے۔ یہ شوق بھی پورا کر لو۔ تمہاری بہن مجھے پسند کرتی ہے یا نہیں اس بات پہ دھیان دیے بغیر میں اب ہر صورت اسے حاصل کروں گا کہ یہ زوار شاہ کی ضد ہے۔“ جوس کا گلاس طیش کے عالم میں ہاتھ مار کر گراتا ہوا وہ غراتے ہوئے بولا۔ عثمان شاہ نے تپتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا اور لب بھینچ کر بولا۔
”کیا کرو گے تم؟ ہاں، مت بھولو کہ یہ تمہارا گاؤں نہیں ہے جہاں تمہاری جائز ناجائز مانی جائے۔“ اس نے جیسے زوار شاہ کی اوقات واضح کی تھی۔
”اس کے باوجود میں ایسا کر کے دکھاؤں گا تمہیں، صرف ایک فون پہ تمہارا دل کا مریض باپ اس دنیا سے رخصت ہو سکتا ہے، یہ انکشاف سہہ نہیں پائے گا بے چارہ ہے نا! بتاؤ پولیس کے ذریعے رخصت کرانے آؤں تمہاری بہن کو یا تم لوگ اپنی مکمل رضامندی سے اسے میرے حوالے کرو گے؟“ اس کا لہجہ کمینگی کی حد تک گرا ہوا تھا۔ اب کے عثمان شاہ کے چہرے سے واضح بے بسی چھلکی تھی۔
”تم......!“ اس نے دانت پیسے۔ ”ایسا نہیں کرو گے۔“
”تم مجھے روک بھی نہیں سکتے، خیر جو بھی ارادہ ہو مجھے بتا دینا...... چلتا ہوں۔“ نہایت درشتی سے کہا اور اٹھ کر مضبوط قدم اٹھاتا ہوا چلا گیا۔ عثمان شاہ بے بسی سے دیکھتا رہ گیا۔

❀......❀......❀

الوینہ نے خوف سے تھراتی ہوئی نگاہ سے ان کے چہروں پہ موجود گھبراہٹ اور تفکر کو دیکھا۔ عثمان شاہ کے پاس اب کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ حنان بھائی، مما جان اور منیب کو سب کچھ بتا دیتا۔ وہ بہت الجھ گیا تھا اسے اس الجھن میں کچھ سمجھ میں نہیں

آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اپنے دھیان میں چائے کی ٹرے اندر لاتے ہوئے الوینہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ سب سن لیا تھا جو وہ لوگ اسے بتانا نہیں چاہتے تھے۔

"بھائی! آپ زوار شاہ سے کہیں کہ میں اس کے ساتھ باخوشی جانے پہ آمادہ ہوں۔" بالآخر اس کا یہ سکتہ ٹوٹا اور جیسے ایک بھونچال لے آیا۔

"کیا......!" وہ سب سکتے میں آئے تھے۔

"میں پاپا جان کو کھونے کا تصور بھی نہیں کر سکتی مما جان۔ وہ آپ کی سوچ سے بڑھ کر خود غرض اور بے حس انسان ہے۔" مما کے بازو سے سر لگا کر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"اس بے حس اور سفاک انسان کے حوالے ہم اپنی بہن کو کیسے کر سکتے ہیں۔ اس میں ہماری کتنی اہانت ہوگی اس کا تمہیں اندازہ نہیں ہے شاید؟" عثمان کو غصہ آیا۔

"جو بھی ہو بھائی! میں کہہ چکی ہوں نا کہ مجھ میں پاپا کو ذرا سی بھی تکلیف دینے کا حوصلہ نہیں۔" اس نے عثمان کو دیکھ کر جذباتیت سے کہا۔

"فضول باتیں مت کرو۔ جب تم رخصت ہو کر اس کے ساتھ جاؤ گی تب پاپا جان تو جیسے بہت خوش ہوں گے تمہاری اس حرکت سے بے وقوف لڑکی! تم سمجھتی کیوں نہیں؟ وہ پاپا جان کے دشمن اول کا بیٹا ہے۔" عثمان کا جی سر پیٹ لینے کو چاہا۔ اس کے اس فیصلے پر جواباً وہ دھندلی آنکھوں سے اسے دیکھ کر جبراً مسکرائی۔

"بس آپ مجھ پہ چھوڑ دیں بھائی! اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ پاپا جان کو کچھ نہیں ہوگا۔ میں انہیں منالوں گی۔" لب بے دردی سے کچلتی ہوئی وہ اٹھ کر چلی گئی۔ وہ سب ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے۔ الوینہ سیدھی وہاب شاہ کے کمرے میں آئی۔ دروازے پر دستک دے کر اجازت ملنے پر اس نے اندر جھانکا۔ اس ایک پل کا فیصلہ اسے بہت مضبوط بنا گیا تھا۔ اتنا مضبوط کہ اسے خود بھی حیرت ہوئی تھی۔ اس شخص سے نفرت اپنی جگہ مگر وہ اتنی خود غرض نہیں تھی کہ محض اپنی خوشی کی خاطر اپنے باپ کی جان سے کھیل جاتی۔ وہ باپ جسے اس نے صدیوں کی مسافتیں طے کر کے پایا تھا۔ وہ عظیم انسان جس نے اتنی اعلیٰ ظرفی اور محبت سے قبولا تھا کہ وہ خود پہ نازاں ہوگئی تھی۔ پھر وہ اس فیملی کا سربراہ تھا جس کے ایک ایک نفوس نے اسے مان محبت اور اپنائیت کا احساس بخشا تھا۔ حالانکہ ان کی تو وہ کچھ بھی نہیں تھی اولاد تو وہ صرف وہاب شاہ کی تھی' ان سے تو سوتیلا رشتہ تھا جسے اتنی خوشی سے بنایا گیا تھا کہ وہ ان کی مقروض ہو چکی تھی اس فیملی کے سربراہ کی خاطر وہ اتنی سی قربانی تو دے سکتی تھی۔

"ارے ہماری بیٹی آئی ہے' آؤ بیٹھو۔" وہاب شاہ اسے دیکھ کر حسب عادت کھل اٹھے وہ قدرے جھجکتی ہوئی جا کر ان کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

"پاپا جان...... اس روز آپ چند رشتوں کی بات کر رہے تھے؟" چند ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اس نے اچانک موضوع پلٹا تو وہاب شاہ قدرے چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"ہاں مگر بیٹے آپ نے انکار کر دیا تھا۔"

"پاپا جان! میں نے انکار جس وجہ سے کیا تھا وہ نہیں بتائی تھی آپ کو دراصل میں......" وہ یکا یک اٹکی تھی' فطری شرم' جھجک اور لحاظ کا احساس اس پر غالب آیا تو اس سے کچھ بولنا دشوار ہوا۔ "سوری پاپا جان! آپ کو شاید اچھا نہ لگے......" اس نے بھرپور خجالت اور شرمندگی سے ان کی منتظر نگاہوں میں پل بھر کو جھانکا۔ وہاب شاہ مسکرائے۔

"ہمیں اپنی پیاری بیٹی کی کوئی بات بری نہیں لگ سکتی' اطمینان رکھو۔" انہوں نے اس کا سر تھپک کر حوصلہ بڑھایا۔ تب وہ کچھ دیر لب کچلتی ہوئی آنسو اندر اتارنے لگی۔

"پاپا جان! جاب ملنے کے بعد میرا پہلا تقرر ایک گاؤں میں ہوا تھا۔ وہاں کے جاگیردار گھرانے کا ایک لڑکا تھا ہینڈسم' ڈیشنگ ہونے کے ساتھ اس کی سب سے اچھی بات جو تھی وہ اس کا اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونا اور شائستگی و باوقار شخصیت تھی۔ پاپا......" وہ اٹک اٹک کر بات کرتی ایک بار پھر رک گئی۔ زندگی کا یہ موڑ سب سے اذیت ناک تھا۔ زوار شاہ جیسے قابل نفرت اور گھٹیا انسان کی جھوٹی تعریف کرنے کے متعلق اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا مگر آج وقت اس مقام پر لا کر کھڑا کر چکا تھا' اس کا دل پھوٹ پھوٹ کر رونے کو چاہنے لگا اپنی اس بے بسی پر۔

"اور یہ کہ وہ ہماری بیٹی کو اچھا لگا۔ تو بیٹے جو آپ کو اچھا لگا وہ واقعی اس قابل بھی ہوگا! کوئی بات نہیں' ہم اس لڑکے سے مل کر بات آگے بڑھالیں گے۔ اب خوش؟" اس کی جھجک اور حیا کے پیش نظر انہوں نے ساری بات سمجھتے ہوئے جیسے اس کی مشکل آسان کر دی۔ الوینہ کے حلق میں آنسو گرنے لگے۔

"پاپا جان!" اس نے دھندلی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

"جی پاپا کی جان......" انہوں نے نرمی سے کہتے ہوئے اس کی پیشانی چومی۔ "بیٹا آپ اتنی پریشان کیوں ہو؟ آپ کی مما اور ہم نے پورے خاندان کی ٹکر لے کر لو میرج کی تھی۔" وہ اس پر جھک کر اپنے مزاج کے خلاف شوخ ہوئے تھے۔ مقصد الوینہ کو کسی بھی طرح سے پُرسکون کرنا تھا۔ اس کی اتنی سی تکلیف بھی گویا ان کے لیے آزمائش تھی۔

"پاپا جان! وہ دراصل...... تب مجھے آپ کے متعلق پتا ہی نہیں تھا تو جب اس نے مجھے پروپوز کیا خالہ بی نے ہمارا نکاح کردیا تھا۔" اس نے ڈرتے ڈرتے انہیں دیکھا۔ وہاب شاہ ایک پل کو چپ سے ہوگئے تھے۔ ان کا رنگ بھی متغیر ہوا تھا مگر جلد ہی انہوں نے خود کو سنبھال لیا اور بے ساختہ مسکرائے۔

"اوہ تو بیٹا! آپ کو پہلے بتانا چاہیے تھا نا! ہم نے تو ابھی تک اپنے داماد کو نہیں دیکھا۔ کیا نام ہے اس کا......؟" وہ بھرپور شگفتگی سے بولے تو الوینہ کا دل جیسے اس مرحلے پر دھڑکنا بھول گیا۔

"زوار شاہ! اسحاق شاہ کے بیٹے ہیں۔" اس نے خوف سے سمٹتے دل سے اللہ کا نام لے کر سب سے دشوار مرحلہ بھی جیسے سر کرلیا تھا۔

"زوار شاہ! اسحاق شاہ کا بیٹا؟" وہاب شاہ سناٹے میں رہ گئے۔ الوینہ جیسے سانس لینا بھی بھول گئی۔ کتنے ہی پل بنا آہٹ چپ چاپ گزر گئے۔ تب ان کے پتھر وجود میں تحریک پیدا ہوئی تھی۔

"الوینہ بیٹے! ابھی آپ جاؤ۔ ہمیں تنہا چھوڑ دو۔" آنکھیں سختی سے بھینچتے ہوئے انہوں نے اتنی آہستگی سے کہا کہ الوینہ بمشکل سن سکی تھی۔

❀......❀......❀
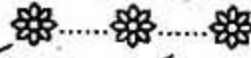
"وہ کریں فون ہمیں، خدا کی قدرت ہے، کہیں ہم حیرت کی زیادتی سے مر نہ جائیں۔" الوینہ نے خود اس سے رابطہ کیا اور اب اس کی شوخ گنگناہٹ سن کر کلس رہی تھی۔ "حکم! ارشاد" وہ اس کے پکارنے پر بھرپور مستی سے بولا۔

"پاپا جان تم سے ملنا چاہتے ہیں آج یا کل۔ کسی بھی وقت آ کر ان سے ایک ملاقات کرلو۔" خشک روکھا لہجہ ہر جذبے سے عاری تھا۔

"کیوں عین جوانی میں بیوہ ہونا چاہتی ہو ڈیئر! تمہارا کیا خیال ہے تمہارے پاپا جان مجھے زندہ سلامت رہنے دیں گے۔" وہ جیسے بدکا۔

"میں تمہارے ساتھ جانے پر آمادہ ہوں، یہ تسلی کافی ہونا چاہیے تمہارے لیے اور ہاں جو پاپا کہیں مان لینا خود سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔" وہ نروٹھے پن سے بولی۔

"ہائیں......! ایسی خوف ناک شرطیں نہ منواؤ زندگی! تمہارے پاپا جان اگر طلاق نامے پہ سائن کرنے کو کہیں تو کیا وہ بھی کردوں؟" اس کے گمبھیر لہجے کی شوخیوں سے وہ جیسے حلق تک تلخ ہوگئی تھی۔ ایک بار پھر اسے خود پہ ضبط کرنا محال ہوا تھا۔

"دیکھو، فضول باتوں میں اپنا اور میرا وقت برباد نہ کرو، جیسا میں کہہ رہی ہوں ویسا ہی کرو۔"

"آج تک تمہارے کہے پر عمل کرکے کون سا فائدہ ہوا ہے مگر خیر، اگر تم کہتی ہو تو یہ بھی کر گزروں گا۔ چاہے سر مقتل ہمیں جان کا نذرانہ پیش کرنا پڑے۔" سرد آہ بھر کے مصنوعی سے انداز میں بات کرتا ہوا وہ اسے تپا گیا اور مزید کوئی بات کہے بغیر اس نے رابطہ منقطع کردیا تھا۔ اس کا دل اندر ہی اندر سسک اٹھا۔

❀......❀......❀

"الوینہ کے ساتھ نکاح تم نے اپنی مکمل ذہنی و قلبی رضا مندی سے کیا تھا اس بات کے علم میں ہوتے ہوئے بھی کہ وہ ایک عام لڑکی تھی میرا مطلب ہے تمہاری فیملی کے لحاظ سے اس کا خاندان تمہاری نظر میں انجان تھا۔" زوار شاہ اس وقت وہاب شاہ کے سامنے بیٹھا تھا۔ بلیک سوٹ میں اپنی غضب کی مردانہ وجاہتوں سمیت وہ اتنا شاندار لگ رہا تھا کہ ایک لمحے کے لیے تو انہیں الوینہ کے لیے وہ ہر لحاظ سے مکمل لگا، اگر دونوں کو ساتھ کھڑا کردیا جاتا تو یقیناً چاند سورج کی جوڑی کہلاتی مگر یہ محض ان کی سوچ تھی۔ زوار شاہ کی تربیت اس کا بگڑا ہوا طرز عمل اور مغرور اکھڑ انداز نہ تو ان کی فیملی سے میچ کرتے تھے نہ الوینہ کے مزاج کے مطابق تھا۔ وہ یقیناً کسی غلط فہمی اور بے خبری میں کوئی غلط فیصلہ کر گزرتے، صرف الوینہ کی خوشی کو مدنظر رکھتے ہوئے، اگر عثمان شاہ رات ہی ساری بات نہ بتا چکا ہوتا۔ الوینہ کے خوف کو سامنے رکھتے ہوئے جب اس نے بتایا تھا کہ وہ یہ قربانی صرف ان کی خاطر دینے جارہی ہے تو انہیں الوینہ پر بہ یک وقت غصہ بھی آیا اور پیار بھی۔ زوار شاہ کے لبوں پر اس سوال کے ساتھ ہی ناقابل فہم سی مسکراہٹ بکھری تھی۔

"بے شک چاچا سائیں! آپ جانتے تو ہیں، زوار شاہ ایسا بندہ نہیں کہ اس سے کوئی زبردستی کرسکے۔ الوینہ مجھے اچھی لگی تھی

پھر اس کی کوئی حیثیت تھی یا نہیں بس جو فیصلہ میں کرچکا تھا اس سے ایک انچ بھی سرکنا گویا میری توہین تھی۔" اس کا مخصوص انداز تھا اور اسی انداز کو دیکھتے ہوئے عثمان شاہ نے جزبز ہوکر اپنی جگہ پر پہلو بدلا تھا۔

"تو گویا تم نے الوینہ کو اپنی انا کا مسئلہ بنا کر زبردستی حاصل کیا اس لیے کہ اس کی بیک کمزور تھی۔" عثمان شاہ کا لہجہ انتہائی تند اور چہرے کے تاثرات کبیدہ خاطر۔ زوار شاہ نے نگاہ کا زاویہ بدل کر بہت اطمینان بھرے انداز میں اسے دیکھا۔

"زبردستی کیوں؟ جب تک الوینہ کی رضامندی نہیں تھی؛ تب تک نکاح نہیں ہوسکتا تھا جہاں تک بیک کمزور ہونے کی بات ہے تو اب تو اس کی پشت پناہی کو اس کے بھائی باپ اور ماں ہیں پھر بھی میں کسی سے نہیں دبا ہوں۔" اس کے برہم انداز کو دیکھتے ہوئے رسانیت سے بات کرتا وہ عثمان شاہ کو بھی بھڑکا کے رکھ گیا تھا۔

"ہاں ہم جانتے ہیں کہ تم کتنے بدمعاش ہو۔"

"عثمان بیٹے! آرام سے بات کرو۔" وہاب شاہ نے عثمان کو ٹوکتے ہوئے نرمی سے کہا مگر وہ جیسے اس وقت کچھ سننے پہ آمادہ نہیں تھا۔ زوار شاہ پر آنکھیں نکال کر غراتا ہوا بولا۔

"مگر تمہیں جان لینا چاہیے کہ ہم تم جیسے بدمعاش اور بدکردار شخص سے اپنی بہن کی شادی نہیں کرسکتے۔ تمہیں اسے طلاق دینا ہوگی بس۔" زوار شاہ آنکھوں اور چہرے پر سرخی لیے خاموش بیٹھا تھا۔ عثمان شاہ کی آخری بات پر جیسے بھڑک کر مشتعل سے انداز میں ایک جھٹکے سے کھڑا ہوا۔

"زوار...... زوار شاہ۔" وہاب شاہ پکارتے رہ گئے وہ سنے بغیر تن فن کرتا راہ میں آئی ہر شے کو ٹھوکریں مارتا نکلتا چلا گیا۔ اندرونی حصے سے پورٹیکو کی طرف جاتے ہوئے اس کی سلگتی ہوئی نگاہ منیب کے ساتھ لان میں عبداللہ کو گود میں لیے کسی بات پر ہنستی الوینہ پر پڑی تو کچھ دیر یونہی شعلہ بار نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا؛ الوینہ کی نگاہ اسے اپنی طرف بڑھتے پاکر جیسے پتھرا سی گئی تھی۔

"گھر بلوا کر جو عزت افزائی تم میری کرواچکی ہو اس کا جو نتیجہ بھگتیں گے سالا صاحب وہ وقت آنے پہ ہی پتا چلے گا۔" وحشت بھرے انداز میں اس کی کلائی پکڑ کر اپنے مقابل کرتا ہوا وہ حلق کے بل غرایا۔ الوینہ کی دھونکنی کی مانند چلتی سانسیں اس کے مجنونانہ انداز پہ جیسے ٹھہر سی گئیں۔ اسے ایک پل کو زوار شاہ سے خوف محسوس ہوا تھا۔ اس کے جارحانہ انداز میں پلٹنے پہ وہ بازوؤں سے رو رو کر مچلتے عبداللہ کو سنبھالتے اور منیب سے خفت بھرے انداز میں نظریں چراتی ہوئی پلٹ کر تیزی سے اندر چلی گئی۔ وہ سمجھ نہیں پائی کہ زوار شاہ اتنے غصے میں کیوں تھا۔

❀......❀......❀

"آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا بھائی! اگر خدانخواستہ پاپا جان کو کچھ ہوجاتا تو؟"

"اتنی خوف زدہ کیوں تھیں تم الوینہ! پاپا اتنے کمزور اعصاب کے مالک تو نہیں۔ بات کرنے کا بھی کچھ طریقہ ہوتا ہے جو تمہیں نہیں آتا۔ خیر اب بات تو ختم ہوگئی۔" الوینہ کو بھابی سے ساری بات پتا چلی تھی۔ کتنی دیر تک تو سب کچھ اتنی سہولت سے ہوجانے کا یقین نہیں آیا۔ رات کو عثمان آیا تب وہ ممنونیت وتشکر کے جذبات سے اس کے سامنے اپنا خدشہ ظاہر کرگئی مگر اب جس بے نیازی سے عثمان نے کہہ دیا تھا کہ بات ختم ہوگئی وہ اس اطمینان اور بے نیازی کا مظاہرہ نہ کرپائی۔ زوار شاہ کی طبیعت سے وہ بہت اچھی طرح آگاہ ہوچکی تھی پھر جاتے ہوئے وہ جس انداز میں دھمکی دے کر گیا تھا؛ وہ انداز الوینہ کو بہت خائف کرچکا تھا۔ جانے اب وہ کیا کرنے والا تھا۔ وہ دل میں فکرمند ضرور ہوئی مگر کسی کو بتا کر پریشانی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس روز وہ ساریہ بھابی کے ساتھ شاپنگ کے ارادے سے نکلی تھی۔ واپسی پہ ساریہ بھابی کو بھوک محسوس ہوئی تو الوینہ کے منع کرنے کے باوجود ریسٹورنٹ کے سامنے گاڑی روک دی۔

"بس چند منٹ لگیں گے۔" اس کے سنجیدہ چہرے کو دیکھتے ہوئے انہوں نے گویا تسلی دی تھی۔ الوینہ کچھ کہے بغیر محض سرہلا کے ان کے ساتھ چل دی۔ یہیں وہ غیر متوقع حادثہ رونما ہوا تھا۔ دن دہاڑے گو کہ اب ایسی وارداتیں عام تھیں اس کے باوجود زوار شاہ کے گاڑی سے اتر کر اس کے بازو کو اپنی فولادی گرفت میں جکڑ کر ایک ہی جھٹکے سے اندر کھینچ لینے پر وہ اتنی شاکڈ ہوئی تھی کہ احتجاج میں ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکال پائی۔ ساریہ بھابی کی حالت کیا ہوئی اس سے بے نیاز وہ تو زوار شاہ کے چہرے کے خوف ناک تاثرات دیکھ کر ہی لمحوں میں سرد پڑگئی تھی۔ دہل کر سمٹتے ہوئے وہ دل ہی دل میں قرآنی آیات کا ورد کرتے اور خوف زدہ آنکھوں سے اسے دیکھتی ہوئی کسی معجزے کی دعائیں کرنے لگی۔ لب بھینچے چہرے پر قہر

وغضب لیے وہ بہت تیز ڈرائیو کررہا تھا۔

''یہ کیا حرکت ہے؟'' اندر کی دحشت وسراسیمگی سے گھبرا کر وہ اسے مخاطب کربیٹھی۔

''بات مت کرو مجھ سے اب میں جو کچھ بھی تمہارے ساتھ کروں وہ بہت کم ہوگا۔'' اس کو نفرت سے گھور کر دیکھتا وہ آگ بگولا ہوگیا۔ انداز اتنا سفا کی لیے ہوئے تھا کہ الوینہ کا دل دھڑکنا بھول گیا۔

''کک...... کیا مطلب؟'' وہ ساکت سی ہوگئی تھی۔ زوار شاہ نے جواب دینے کی بجائے جن نظروں سے اسے دیکھا تھا وہ اپنی جگہ دہل کررہ گئی۔ پورے وجود میں جیسے سوئیاں سی دوڑ گئی تھیں۔ اس کے بعد اس نے کچھ پوچھنے کی غلطی نہیں کی۔ زوار شاہ اسے لے کر اپنے شہر والے گھر میں آیا تھا۔ گاڑی پورچ میں روک کر سرعت سے اترتے ہوئے اس نے الوینہ کی طرف کا دروازہ کھولا اور اگلے ہی لمحے بہت جارحانہ انداز میں اسے نیچے گھسیٹ لیا۔ وہ تقریباً گھسٹتی ہوئی اس کے ساتھ آئی تو توہین وتذلیل کے اس مظاہرے پہ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے دھندلاسی گئیں۔

''میرل...... میرل کہاں مرگئے۔ ادھر مرو۔'' بیڈ روم میں گھستے ہی اسے بیڈ پر پھینکنے کے بعد وہ دروازے کی طرف منہ کرکے چیخا تھا۔ الوینہ بے بسی اور متوحش نظروں سے یہ قہر وغضب دیکھ رہی تھی۔

''یہ تمہاری چھوٹی مالکن ہیں۔ بہت عزت واحترام سے انہیں کھانا پیش کرو۔ اس کے علاوہ وہ جو چاہیں مہیا کرنا ماسوائے اس کمرے سے نکالنے کے۔ اب جاؤ۔'' میرل ہانپتا کانپتا جیسے ہی آیا اس نے تنفر زدہ نگاہ الوینہ پر ڈال کر بہت تند لہجے میں ملازم کو ہدایت دی تھی۔ اس کے جانے کے بعد قدم بڑھاتا ہوا عین اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ الوینہ کو اپنے پورے وجود میں سرد لہریں دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔

''کھانا کھا کے فریش ہوجاؤ۔ اس کے بعد باضابطہ ملاقات ہوگی۔'' اس کی خوف سے پھیلی نگاہوں میں مسکرا کر دیکھتے ہوئے اس کا گال تھپک کر پلٹ گیا۔ الوینہ غم وغصے اور شدید خوف کے حصار میں بے حس وحرکت بیٹھی تھی' ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر زاروقطار روتی چلی گئی۔

❀......❀......❀
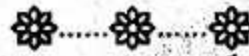
اس کا ایک ایک پل گویا پل صراط پہ بیتا تھا۔ خوف کا شدید احساس اس کی رگوں میں دوڑتے خون کو بھی منجمد کرچکا تھا۔ زوار شاہ کی اس انتہائی گھٹیا حرکت کے بعد وہ اپنی فیملی میں منہ دکھانے کے بھی قابل نہیں رہتی اور یہی سوچ اسے بری طرح سسکا رہی تھی۔ کھانا اس کے سامنے پڑا ٹھنڈا ہوچکا تھا مگر اس نے نگاہ بھر کے بھی اشتہا انگیز خوشبو بکھیرتے کھانے کی طرف نہیں دیکھا۔ اس کا دل جیسے اندر ہی اندر ٹوٹ کر پورے وجود میں بکھر رہا تھا۔ معاً دروازہ کھلنے کی آواز پہ وہ بہت زور سے چونکی تھی۔

بوجھل پلکیں اٹھا کر دیکھا' دروازے پہ زوار شاہ' گہری متبسم نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جس لمحے کے خوف نے پل پل اس کے بدن سے روح کھینچی تھی' وہی لمحہ سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔ وہ ہراساں سی بیٹھی رہ گئی۔ زوار شاہ نے نگاہ کا زاویہ بدل کر کھانے کی ٹرے کی طرف دیکھا پھر ٹھنڈا سانس بھر کے اس کے تنے ہوئے چہرے پر گہری نگاہ ڈالتا ہوا بولا۔

''اوہو' تو گویا ابھی ناراضگی قائم ہے؟'' وہ بہت دھیمے قدموں سے اس کی جانب بڑھا۔

''وہیں رک جاؤ زوار شاہ! خبردار جو تم نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا۔ میں اپنی جان دے دوں گی مگر تمہیں تمہارے مذموم ارادوں میں ہرگز کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔'' اسے قدم بڑھاتے دیکھ کر وہ درشتی وتختی سے بولی۔ اس کا لہجہ نفرت وتضحیک سے بھرپور تھا۔

''تم مجھے اتنا غلط سمجھتی ہو؟'' زوار شاہ کو اس کا یہ انداز اور لہجہ برا لگا تھا' جبھی ہونٹ بھینچے ہوئے ناگواری سے اسے دیکھنے لگا۔

''اونہہ!'' وہ تضحیک آمیز انداز میں اسے دیکھتے ہوئے نفرت سے سر جھٹک کر سرد لہجے میں پھنکاری۔ ''اس سے بھی زیادہ برا سمجھتی ہوں۔ تمہارے نزدیک عورت کسی ٹشو پیپر سے بڑھ کر نہیں لیکن یاد رکھو میں الوینہ ہوں الوینہ۔ زبردستی تو تم مجھے حاصل نہیں کرسکتے۔'' طیش کے عالم میں مٹھیاں بھینچے کھڑا زوار شاہ کسی طرح بھی خود پہ قابو نہ رکھ پایا اس کا ہاتھ اٹھا اور زوار کا تھپڑ الوینہ کے چہرے پہ نشان ثبت کرگیا۔ ایک بار پھر اس نے اس کے قہر کو آواز دی تھی' ایک بار پھر اس نے اس کے کردار پہ حملہ کیا تھا۔ وہ اس کاری ضرب پہ بری طرح سے بلبلا اٹھا۔ الوینہ اس کا تھپڑ لگنے سے لڑکھڑا کر گری تھی۔ اس غیر متوقع حملے کے لیے وہ قطعی تیار نہیں تھی۔ گال پر ہاتھ رکھے وہ ایک دم گم صم سی ہوگئی تھی۔ اس کی ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں میں ہر منظر اتنا

تیزی سے دھندلایا کہ وہ زوار شاہ کے چہرے پہ بکھرے خوف
ناک حد تک غضب ناک تیوروں کو بھی نہ دیکھ سکی۔
"میری محبت اور نرمی کو بہت غلط معنی پہنائے تم نے۔ چلی
جاؤ الوینہ یہاں سے ورنہ شاید میں تمہیں شوٹ کردوں۔" رخ
پھیر کر گہرے گہرے سانس بھرتے ہوئے وہ دبنگ لہجے میں
بولا تھا تو الوینہ جو ایک غیر یقینی کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھی
دھڑکنوں کی اتھل پتھل کو سنبھالتی تیزی سے اٹھ کر دوپٹا اوڑھ کر
کمرے سے نکل گئی۔ زوار شاہ نے خاصی دیر بعد پلٹ کر دیکھا تھا
اور اسے موجود نہ پاکر وہیں بے دم سے انداز میں گھٹنوں کے بل
گرتے ہوئے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ اس لڑکی کی خاطر
اس نے اپنے بابا کو چھوڑا تھا۔ جاگیریں، سہولتوں سے بھری
زندگی، عیش وآرام کو ٹھوکر ماردی تھی کہ ایک یہ لڑکی ہی اس کی ہر
خواہش پر حاوی ہوچکی تھی۔ حسین خال وخد سے سجا دلکش
ودلفریب چہرہ اسے پوری دنیا میں سب سے حسین لگتا تھا۔ اس
لڑکی کی جھیل سی گہری آنکھوں نے اس کا چین وقرار لوٹ لیا
تھا۔ بابا نے اسے یہ الٹی میٹم دے کر حویلی سے نکل جانے کا کہا
تھا کہ یا وہ اس دو ٹکے کی لڑکی کو اپنالے یا پھر اپنی اور ان کی
جاگیروں کو۔ وہ جو محبت پر انتقام کو غالب لے آیا تھا ایک بار پھر
اسے دیکھ کر خود کو بے بس محسوس کرنے لگا۔ الوینہ نے فون پر
چاچا سائیں کے راضی ہونے کی خبر سنائی تو اسے لگا تھا جیسے دنیا
میں ہفت اقلیم کی دولت اسے مل گئی ہو۔ بابا کی جاگیروں کو بہت
اطمینان بھرے انداز میں چھوڑ کر وہ الوینہ کو پالینے کی خواہش
لیے شہر آگیا تھا۔ مگر عثمان کی مخالفت کی بدولت وہ غصے میں بپھرا
ہوا لوٹ گیا اور موقع ملتے ہی اس نے اپنی متاع جاں کو اس دنیا
سے چھین لیا تھا مگر دیکھا جاتا تو یہ ہار نصیب کی ہار تھی، جسے اس
نے جنون کی حدوں تک چاہا تھا، جب وہی اس سے نفرت کرتی
تھی تو پھر واقعی اگر وہ زور زبردستی پر اتر بھی آتا تو کیا پالیتا۔ اس
بار جو شکستگی اور سناٹا اس کی روح میں اترا تھا اس نے اس کے دل
کو مسل ڈالا تھا۔

❁❁❁
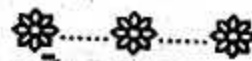
"تم ٹھیک تو ہو الوینہ! زوار شاہ نے تمہیں کوئی نقصان تو
نہیں پہنچایا۔" وہ گھر لوٹی تو جیسے سب کے سانس بحال
ہوئے۔ وہاب شاہ کو تو یوں بھی کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔ عثمان شاہ
سے نظریں چراتی ہوئی وہ اپنے کمرے میں آئی تو مما جان اور
بھابی اس کے پیچھے ہی چلی آئی تھیں۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔" ان کی بولتی نظروں کو سمجھ گئی تھی،
تبھی خفت سے سرخ ہوکر دہکتے چہرے کو جھکاتے ہوئے بہت
آہستگی سے بس یہی کہہ پائی۔ پھر بھابی اور مما جان کے جانے
کے بعد وہ کتنی ہی دیر تک گھٹ گھٹ کر روتی رہی تھی۔
"جس قدر ذلت تمہاری وجہ سے مجھے سہنا پڑی ہے زوار
شاہ! میں چاہوں بھی تو تمہارے لیے دل میں کوئی گنجائش پیدا
نہیں کرسکتی۔" اس کی پور پور نفرت سے سلگ رہی تھی۔

❁❁❁
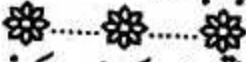
زوار شاہ کے شدید قسم کے ایکسیڈنٹ کی خبر سن کر اسحاق شاہ
وہیں دل تھام کر رہ گئے تھے۔ وہ شہر سے گاؤں آرہا تھا تو یقیناً اپنا
فیصلہ بدل کر ان کا بیٹا انہیں چھوڑ بھی نہیں سکتا تھا یہ یقین تھا
انہیں جبھی تو بہت زعم سے یہ جو کھیل لیا تھا مگر اب میرل انہیں
بتاچکا تھا کہ الوینہ اسے چھوڑ کر چلی گئی ہے تب انہوں نے ایک
کمینی سی خوشی اپنے اندر امڈتی محسوس کی تھی۔ اب انہیں لگا تھا
ان کا بیٹا جیسے تنگ آکر اپنی ہی زندگی سے کھیل گیا تھا۔ بدحواسی
کے عالم میں وہ اندھا دھند بھاگتے ہوئے گیراج میں آئے اور
چیخ کر ڈرائیور کو شہر چلنے کا کہا تھا۔
"بابا سائیں! میری پوزیشن کو سمجھیں پلیز، الوینہ سے مجھے
محبت نہیں عشق ہے۔ میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ مجھے لگتا ہے وہ
میری رگوں میں دوڑتے خون میں شامل ہوچکی ہے۔ اس سے
جدائی میری موت ہے۔" سیٹ کی پشت سے سر ٹیکے وہ گڑگڑا
کر خدا سے زوار کی سلامتی اور عمر کی بھیک مانگ رہے تھے جب
زوار شاہ کی بے بسی کی مظہر ملتجی آواز کی بازگشت انہیں بے چین
کرگئی۔
"تو پھر ٹھیک ہے، مجھے چھوڑ دو۔ جاؤ چلے جاؤ اس گندے
خون کے پاس جب وہ تمہیں ٹھوکر مارے گی تب میرے پاس
آنے کی ضرورت نہیں۔" وہ جواباً پھنکارے تھے۔
"ٹھیک ہے اول تو ایسا ہوگا نہیں بابا سائیں! اور اگر ہوا بھی
تو میں اپنی ناکامی کا رونا آپ کے سامنے نہیں روؤں گا۔" اس
نے جیسے لمحوں میں فیصلہ سنایا تو اسحاق شاہ سناٹے میں آکر
اسے دیکھنے لگے تھے۔
"جاؤ! دفع ہوجاؤ زوارے! ایک حقیر سی لڑکی کی خاطر تم
اپنے بابا کو چھوڑ رہے ہو، جب یہ تمام ٹھاٹ باٹ چھنیں گے تو
دیکھنا وہ عشق کیسے ناک کے رستے دھواں بن کر نکلتا ہے۔"
انہوں نے غصیلی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ "گاڑی تیز

چلاؤ۔'' انہوں نے ان سوچوں کی وحشت انگیز بازگشت سے بچنے کی خاطر چیخ کر کہا۔ فراٹے بھرتی ہوئی گاڑی کچھ اور رفتار پکڑ گئی مگر ان کی بے چینی کو قرار نہ آسکا۔

❀......❀......❀
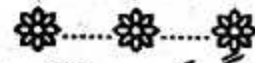
اندر کی وحشت سے گھبرا کر اس نے ایک بار پھر سے حنان شاہ کے ساتھ اسپتال جانا شروع کر دیا تھا۔ راؤنڈ لینے کے بعد وہ حنان بھائی کے کمرے میں آئی تو انہیں غائب پا کر گہرا سانس بھرتے ہوئے کرسی پر بیٹھ کر اخبار دیکھنے لگی تھی؛ جب بدحواس سا میل نرس تیزی سے اندر آیا تھا۔

''ڈاکٹر صاحبہ! ایمرجنسی کا کیس آیا ہے۔ مریض کی حالت بہت تشویش ناک ہے، بہت شدید ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس وقت اسپتال سے باہر ہیں۔ پلیز، آپ انہیں دیکھ لیں۔''

''او کے۔'' وہ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ میل نرس کے ساتھ تیز تیز قدموں سے وہ جیسے ہی آپریشن تھیٹر میں آئی تو خون میں لت پت زوار شاہ کے چہرے پہ پہلی نگاہ ڈالتے ہی اس کا دل پوری قوت سے دھڑکا اور پورے وجود میں برقی لہر دوڑ گئی۔ وہ ایک سکتے کے عالم میں اس کے لمبے چوڑے سراپا کو اسٹریچر سے بیڈ پہ منتقل ہوتے ہوئے دیکھتی رہی۔

''ڈاکٹر الوینہ! پلیز جلدی کریں۔ مریض کا خون بہت تیزی سے ضائع ہو رہا ہے۔'' ڈاکٹر شہلا ہاتھوں پہ دستانے چڑھاتے ہوئے یوں خوف سے آنکھیں پھاڑے یک ٹک اسے دیکھتے پا کر قدرے حیرانی سے بولی تھیں۔ الوینہ کی متوحش نظریں زوار شاہ سے ہٹ کر ڈاکٹر شہلا کی جانب اٹھی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں اتنا ہراس تھا کہ ایک لمحے کو ڈاکٹر شہلا بھی حیران رہ گئی۔

''الوینہ! تم ٹھیک تو ہو؟'' وہ قدرے متفکر سی ہوئی تھی۔ الوینہ منہ پر ہاتھ رکھے سسکیوں کا گلا گھونٹتی وہیں سے پلٹ کر بھاگ نکلی تھی۔ حنان شاہ کے آفس میں بیٹھی وہ کب تک یونہی گھٹ گھٹ کر روتی رہی تھی۔

''بھائی پلیز! بھائی زوار کے لیے کچھ کریں۔ اسے مرنا نہیں چاہیے بھائی! ورنہ میں بھی زندہ نہیں رہ پاؤں گی۔'' حنان کو اندر آتے دیکھ کر بھاگ کر اس کے سینے پہ سر رکھ کر وہ اس وحشت سے روئی تھی کہ حنان شاہ اپنی جگہ سے حرکت تک نہ کر سکے۔ انہیں ڈاکٹر شہلا نے ایمرجنسی کال کر کے بلایا تھا۔

زوار شاہ کو اس زخمی حالت میں دیکھ کر انہیں بھی دکھ ہوا تھا مگر الوینہ کی یہ دیوانگی اور خود فراموشی کی یہ کیفیت تو کسی اور ہی جذبے کی گواہ تھی! انہوں نے اپنا مضبوط ہاتھ اس کے سر پہ رکھا اور آہستگی سے اسے خود سے الگ کرنے کے بعد گال صاف کر دیئے مگر صورت حال یہ تھی کہ اس کی آنکھوں سے آنسو موتیوں کی طرح ٹوٹ کر بکھر رہے تھے۔

''آپریشن کامیاب رہا ہے الوینہ! سو پلیز اطمینان رکھو۔ جب تک تم خود کو نہیں سنبھالو گی اس کے لیے دعا کیسے کرو گی۔'' اس کا گال نرمی سے سہلاتے ہوئے وہ بردباری سے بولا تو الوینہ نے نم پلکیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''تب بھائی......'' اس کے لب کچھ کہنے کی کوشش میں محض پھڑ پھڑا کر رہ گئے۔

''ہاں! اسے دعاؤں کی اشد ضرورت ہے۔'' اس کی نگاہوں کے خوف زدہ سوال سے نظر چراتے ہوئے وہ بہت دھیمے مگر ٹھہرے ہوئے لہجے میں گویا ہوئے تھے۔ الوینہ ہچکی بھرتے ہوئے ان سے کچھ فاصلے پہ چلی گئی۔

''بھائی! میں اسے دیکھ سکتی ہوں؟''

''جب تم اس کا آپریشن نہیں کر سکیں تو پھر ابھی اسے دیکھو بھی مت۔ اس کی حالت ابھی ٹھیک نہیں ہے۔ خدا سے دعا کرو۔'' اس کا سر تھپک کر کہتے وہ ایک بار پھر باہر نکل گئے تو الوینہ وہیں جیسے گر سی گئی تھی۔

''اگر تمہیں کچھ ہوا نا زوار شاہ! تو میں کبھی بھی خود کو معاف نہیں کر پاؤں گی۔'' آنسو ایک تواتر سے اس کے گالوں پہ بکھرنے لگے۔ وہ ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپے اس مالک کل کے حضور گڑگڑانے لگی تھی۔

❀......❀......❀

بسا اوقات صدیوں کی بنی ایک لمحے میں بگڑتی ہے تو کبھی حالات وواقعات اس انداز میں وقوع پذیر ہوتے ہیں کہ برس ہا برس کی دشمنی ونفرت کسی ایک حادثے سے اپنی موت آپ مر جاتی ہے مگر شرط دلوں میں محبت کا زندہ ہونا ہے۔ یہاں بھی دلوں میں محبت زندہ تھی۔ وقتی نفرت مٹ ضرور گئی تھی مگر ختم نہیں ہوئی تھی۔ زوار شاہ اگر اسحاق شاہ کا بیٹا تھا تو وہاب شاہ کا بھتیجا تھا اور یہ حقیقت بھی تھی کہ بھائی کی اولاد میں سب سے زیادہ بھی انہوں نے اسے ہی چاہا تھا مگر بعد میں جہاں سب کچھ چھوٹا یہ ایک رشتہ بھی آپس کی دشمنی کی بھینٹ چڑھ گیا تھا اور یہ حقیقت

بھی تھی کہ جب وہ الوینہ کا تقاضا لے کر ان کے سامنے آیا تو ان کے دل سے بہت شدت سے دعا نکلی تھی اگر وہ سدھرا ہوا انسان ہوتا تو الوینہ کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھماتے وہ بہت فخر محسوس کرتے اسے مایوس لوٹا کر وہ کتنے ہی دن دل برداشتہ سے رہے تھے پھر یہ سوچ کر خود کو بہلا لیا تھا کہ جب الوینہ ہی اسے نہیں چاہتی تو صرف ان کا چاہنا اتنا اہم نہیں تھا مگر حنان شاہ کے منہ سے سب کچھ سن کر وہ جیسے ڈھے سے گئے تھے۔ شیر جیسی جسامت اور غضب کی خوب صورتی رکھنے والا وہ بھرپور نوجوان منٹوں میں زندگی ہار جائے یہ تو انہوں نے کبھی نہیں چاہا تھا۔ وہ تڑپ سے گئے تھے اور کسی طرح بھی خود کو زوار شاہ کو اسپتال جا کر دیکھنے سے نہیں روک پائے تھے۔ وہیں غم سے نڈھال متفکر اور بے حال سے اسحاق شاہ کو دیکھ کر انہیں لگا تھا وہ نام نہاد نفرت اسی ایک پل میں اپنا وجود کھو بیٹھی ہے۔

"ادا.....!" ان کے پاس جا کر صرف ایک لفظ ان کے لبوں سے نکلا تھا اور وہ ٹوٹے ہوئے شہتیر کی مانند ان کی بانہوں میں آسمائے تھے۔

"اسے روک لو وہاب شاہ! اسے مت جانے دو۔ وہ مجھ سے خفا تھا، مجھے چھوڑ کر چلا گیا تھا، اسے اس دنیا سے جانے سے روک لو۔ یہ اس کے نہیں اس کے باپ کے جانے کی عمر ہے۔ اسے منالو وہاب شاہ! میں اس کی ہر بات ماننے کو تیار ہوں۔" ان سے لپٹ کر خزاں رسیدہ پتے کی مانند کپکپاتے وجود سمیت وہ اس وحشت بھرے انداز میں بلک کر روئے تھے کہ وہاب شاہ سے انہیں سنبھالنا دشوار ہو گیا تھا۔ ان کے اپنے اندر ٹوٹ پھوٹ جاری تھی۔ بمشکل انہیں ڈھارس دے سکے۔ چوبیس گھنٹے زندگی اور موت کی جنگ لڑنے کے بعد اس نے خدا کے حضور گڑگڑا کر مانگی گئی دعاؤں کی قبولیت کو سند ملنے پر اس نے آنکھیں کھولیں تو اسحاق شاہ یہ خبر سنتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے تھے جبکہ وہاب شاہ سجدے میں گر گئے تھے۔

❀ ❀ ❀
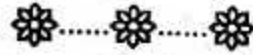
زوار شاہ کل اسپتال سے ڈسچارج ہو رہا ہے اور بابا سائیں اسے یہیں لا رہے ہیں۔" لائبہ کو چائے کی ٹرے سمیت آتے دیکھ کر عثمان شاہ نے بہت خاص انداز میں الوینہ کو دیکھتے ہوئے اطلاع بہم پہنچائی، الوینہ کا رنگ جانے کس جذبے سے بے تحاشا سرخ پڑا تھا۔ زوار شاہ کے ایکسیڈنٹ کے بعد وقوع پذیر ہونے والے اہم واقعات میں ایک خاص واقعہ حویلی کے مکینوں کا "شاہ ہاؤس" میں جمع ہونا تھا کہ زوار کی وجہ سے بار بار گاؤں اور شہر کے چکر لگنا دشوار امر تھا۔ سو وہاب شاہ کے اصرار پر یاور کے علاوہ لائبہ بھی وہیں آ گئی تھی۔ عثمان شاہ نے پہلی بار جھکی ہوئی پلکوں اور گوری شفاف رنگت کی اس بیلے کی کلیوں سی نازک لڑکی کو دیکھ کر دل میں گہرا اطمینان محسوس کیا تھا۔

"صد شکر کہ یہ لڑکی حسین ہے ورنہ ساری عمر نبھانا تو پڑتا مگر دل میں ایک خلش سی ضرور رہ جاتی۔" اس نے منیب کے کان میں جھک کر سرگوشی کی تھی۔ جس نے بھانڈوں کے انداز میں سب سے یہ راز کی بات شیئر کی تھی۔

"بیٹھو نا! چائے پیو ہمارے ساتھ۔" الوینہ کو تیزی سے اٹھتے دیکھ کر عثمان نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے ٹوکا۔ اب تک زوار شاہ کی حالت خطرے سے باہر نہیں تھی، الوینہ کی سراسیمگی اور بے تابی ہر کسی پہ اس راز کو آشکار کر چکی تھی جس کے دل میں پنپنے سے وہ خود بھی لاعلم ہی رہی تھی مگر اب اسے پتا چلا تھا کہ یہ وہ محبت تھی جو خدائی تحفہ بن کر دلوں کو ودیعت ہوئی ہے اور یہ جان کر وہ بہت مطمئن ہو چکی تھی۔

"مجھے لگ رہا ہے مما جان بلا رہی ہیں۔" وہ سٹپٹا کر بولی تھی۔ عثمان شاہ کی شوخ نگاہیں اس کے یونہی چھکے چھڑا لیا کرتی تھی۔

"اچھا چلو ٹھیک ہے چلی جاؤ یوں بھی ہمیں بھی تو تمہاری ہونے والی بھابی سے کچھ انڈر اسٹینڈنگ پیدا کرنی چاہئے ورنہ ہمارے سسر صاحب اور پاپا جان نے تو فوری شادی کا مژدہ سنا کر اس کا امکان بھی ختم کر دیا ہے۔" مصنوعی آہ بھر کے کہتے ہوئے وہ اب گھبرائی بوکھلائی ہوئی سی لائبہ کو دیکھنے لگا جو کانپتے ہاتھوں سے ٹرے میز پر رکھ کر الٹے قدموں بھاگی تھی۔

"یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا....." وہ ٹھنڈی آہیں لیتا ہوا چائے کے گھونٹ بھرنے لگا تو الوینہ مسکراہٹ دباتی ہوئی لائبہ کے پیچھے اندر چلی گئی۔

❀ ❀ ❀
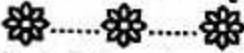
تم اگر سامنے آ بھی جایا کرو لازمی ہے کہ میں تم سے پردہ کروں
اپنی شادی کے دن اب نہیں دور ہیں تم بھی تڑپا کروں میں بھی تڑپا کروں

شادی کی نہ صرف تاریخ مقرر ہوئی تھی بلکہ تیاریاں بھی تقریباً مکمل کر کے وہ لوگ کل رات ہی حویلی پہنچے تھے۔ کل مایوں کی رسم ادا ہونا تھی۔ الوینہ منیب کی فرمائش پر کافی بنا کر لائی

تو عثمان شاہ کو میز بجا کر گاتے دیکھ کر اس کے لبوں پہ مدھر مسکان بکھر گئی۔ لائبہ بھابی کے نرغے میں پھنسی فرار کی راہ مسدود پا کر خاصی جھینپی ہوئی نظر آ رہی تھی' اصل حیرت تو اسے کچھ فاصلے پہ قدرے الگ تھلگ ٹی وی میں مگن زوار شاہ کو دیکھ کر ہوئی' وہ جیسے سب کے درمیان موجود ہو کر بھی نہیں تھا۔ الوینہ نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا مگر وہ مکمل طور پر غافل تھا۔ الوینہ کا دل ایکا ایک بوجھل ہوا تھا۔ اس کا یہ گم صم اور لاتعلق سا انداز اب اسے بہت محسوس ہونے لگا تھا۔ شاید یہ اس کی بدلتی ہوئی کیفیات تھیں یا کچھ اور کہ بہر حال وہ اس کی توجہ کی طالب رہنے لگی تھی مگر ستم یہ تھا کہ جب وہ یہ خواہش کر رہی تھی تو اس کی محبتوں کا تند خود دریا بہت سکوت سمیٹ لایا تھا۔

''کافی پلیز۔'' اس نے لائبہ کو اشارہ کیا کہ وہ زوار کو کافی دے دے مگر وہ بھی کچھ کم نہ تھی۔ بھرپور انداز میں نفی کرتے ہوئے اسے دھکیل گئی تھی۔

''کچھ تو ہمارے بھائی کا بھی خوشیوں پہ حق ہے نا' پلیز تم خود دو۔'' وہ خاصی جھجکتی ہوئی آگے بڑھی۔

''کافی پلیز۔'' اس کی توجہ حاصل کرنے کو اسے باقاعدہ مخاطب کرنا پڑا تھا۔ ٹی وی اسکرین سے نظریں ہٹاتا ہوا وہ یوں چونکا جیسے واقعی ابھی ابھی اس کی موجودگی سے آگاہ ہوا ہو۔ الوینہ کو عجیب سی خجالت اور سبکی کا احساس ہوا۔

''شکریہ......!'' بے تاثر سے انداز میں کپ تھام کر اپنے سامنے میز پہ رکھتے ہوئے وہ ایک بار پھر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ پیشانی پہ پٹی ابھی بھی بندھی ہوئی تھی' وہ دھندلی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے تیزی سے پلٹ گئی۔ اعصاب پہ چھایا بوجھ مزید بڑھ گیا۔ اس کا جی شدتوں سے رونے کی خواہش کرنے لگا تھا۔

❁.....❁.....❁
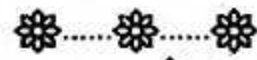
زوار شاہ اس شادی پہ آمادہ نہیں تھا۔ یہ بات اسے شادی کی رات پتا چلی تو اعصاب پہ جیسے کوئی بم آ گرا تھا۔ کتنا لاتعلق سا انداز تھا اس کا۔ مہندی مایوں کے علاوہ شادی کے دن کی ہر رسم کے موقع پر الوینہ نے اس کی ایسی ہی گمبھیر خاموشی اور بے گانگی محسوس کرتے ہوئے اپنے اندر سرد لہریں اٹھتی محسوس کی تھیں مگر تب ہر موقع پہ وہ یہ سوچ کر خود کو مطمئن کرتی رہی تھی کہ وہ اس سے خفا ہے وہ منالے گی مگر شادی کی رات اس پہ یہ ادراک ہوا کہ وہ اس سے خفا نہیں' بےزار ہے اگر یہ خفگی ہوتی تو وہ مان بھی جاتا اور وہ محبت سے اسے منالیتی مگر وہ تو اس سے معذرت کرتا رہا تھا۔

''سوری! مجھے بہت افسوس ہے کہ میں بابا سائیں کو کسی طور بھی روک نہیں پایا۔ حیرت ہے۔ زندگی میں پہلی بار وہ میری بات نہیں سمجھ پائے۔ ان کا خیال ہے آپ میری آج بھی محبت اور شدت کی خواہش ہیں۔'' وہ ہنسا تھا' کیسی ہنسی تھی' مضحکہ اڑاتی ہوئی تمسخرانہ سی اور ایسی بے گانگی تھی اس لہجے میں کہ الوینہ سن بیٹھی رہ گئی تھی۔ زوار شاہ کی نگاہوں کی اجنبیت اور سرد پن اس کے مجتمع حوصلوں کو پل بھر میں مسمار کر گیا تھا۔ حالانکہ جتنی اچھی لگ رہی تھی وہ دلہناپے کے اس روپ میں اس کی بے تحاشا تعریفیں ہوئی تھیں پھر کیسے ممکن تھا کہ وہ شخص جس کی نگاہیں اس کے سادہ عام سے روپ کو پا کر بھی والہانہ انداز میں اٹھ کر ہٹنا بھول جاتی تھیں' اب ان ہی نگاہوں میں وہ جو رنگ دیکھ رہی تھی وہ اس قدر غیر شناسا تھے کہ وہ ساکت سی رہ گئی تھی۔ ساری رات اس نے گھٹ گھٹ کر روتے گزاری تھی' اگلے روز اس کا ولیمہ جبکہ عثمان شاہ کی بارات تھی۔ عثمان شاہ کا ولیمہ شہر کے ہوٹل میں ہونا تھا۔ اگلی صبح اس کے لیے بہت بھاری تھی' زوار شاہ کی کزنز کی شوخ قسم کی چھیڑ چھاڑ اس کے زخموں پر نمک پاشی کرتی رہی تھی وہ چونکہ خود بھی دلہن تھی اور دوسرے تقریب کے دلہا کی بہن بھی تو اسے دلہن کا کردار نبھانے کے ساتھ کچھ رسموں کی ادائیگی کے لیے بھی آگے آگے ہونا پڑا۔ میرون بھاری کامدانی غرارہ سوٹ میں اپنی شفاف دمکتی ہوئی رنگت لیے اس کا سوگوار اداس روپ گویا پورے وجود پر چھا رہا تھا۔ زوار شاہ بلیک پینٹ کوٹ میں سرخ ٹائی لگائے اپنی مردانہ وجاہتوں سمیت کل کی نسبت آج خاصا مصروف نظر آ رہا تھا۔ شیروانی اور پگڑی میں عثمان پہ نظر نہیں ٹھہر رہی تھی۔ ترچھے زاویے سے صوفے پہ بیٹھا جھک کر دلہن بنی لائبہ کے کان میں کچھ کہتے ہوئے وہ کسی ریاست کا شہزادہ نظر آ رہا تھا۔ تقریب کے اختتام تک وہ تھک کے نڈھال ہو کر بے دم سے انداز میں کمرے میں آئی تو زوار شاہ ابھی وہاں نہیں آیا تھا۔ چینج کرنے کے بعد وہ سر تک کمبل اوڑھ کر سوتی بن گئی۔ اگلا دن کل سے بھی زیادہ افراتفری اور ہڑبونگ ساتھ لایا تھا کہ صبح ہی سے ناشتے کے بعد ہر کوئی اپنی اپنی گاڑی میں شہر روانہ ہو رہا تھا۔ لائبہ اور بھابی تو منیب اور عثمان کے ساتھ ناشتے کے فوراً بعد ہی شہر روانہ ہو گئی تھیں۔ لائبہ کو آج وہیں کے پارلر سے تیار ہونا تھا۔

''تم نہیں چل رہے بیٹے؟'' اسے کسلمندی سے بستر پہ دراز دیکھ کر اماں جو کسی کام کی غرض سے اندر آئی تھیں خاصی چونکتے ہوئے استفسار کر گئیں تب ایک پل کو سہی زوار شاہ کی نگاہ بھی اس پہ اٹھی تھی۔ الوینہ کا دل بہت بے ہنگم سے انداز میں دھڑک اٹھا۔ اتنے کم عرصے میں ایسی ایسی تبدیلیاں اس کے اندر رونما ہوئی تھیں کہ وہ بس حیران ہوتی رہ گئی تھی۔ اماں اور مما جان کے اسرار کے سامنے اسے پنک کامدانی پشواز اور چوڑی دار پجامہ نہ چاہتے ہوئے بھی زیب تن کرنا پڑا۔ اس کی مناسبت سے میرون میک اپ' میچنگ جیولری اور پھولوں کے گہنوں سمیت تیار ہو کر جب اس نے اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا تو ایک پل کو خود بھی نہ پہچان پائی۔ اس لباس میں وہ بالکل مغلیہ دور کی کوئی نازک اندام بے انتہا حسین شہزادی کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ تقریب کے دوران وہ زوار شاہ کی پرتپش نگاہوں کی حدت سے خود کو پگھلتا محسوس کرتی رہی تھی۔ واپسی پر اس کا موڈ اچھا خاصا آف ہو چکا تھا کہ دور دور سے اسے دیکھنے والا زوار شاہ قریب آتے ہی ایسا لاتعلق بن جاتا تھا کہ اسے تاؤ آنے لگا تھا۔ تقریب چونکہ رات گئے ختم ہوئی تھی یہی وجہ تھی کہ وہ لوگ گاؤں جانے کی بجائے ''شاہ ہاؤس'' میں آ گئے تھے۔

اپنے کمرے میں آتے ہی وہ سخت غصے کے عالم میں وارڈروب سے کپڑے نکالنے لگی تھی جب بہت عجلت بھرے انداز میں زوار شاہ اندر آیا تو اس نے دیکھ کر بھی جیسے نظر انداز کر گیا۔

''اگر بہت تھک گئی ہو تو میں کچھ مدد کراؤں۔'' اس کی پشت پہ رک کر وہ بھاری لہجے میں بولا۔ الوینہ کا جھمکا اتارتے ہوئے الوینہ کا ہاتھ اسی زاویے پہ ساکن ہوا تھا۔ وہ سخت طیش کے عالم میں پلٹی۔

''اچھا! کل اور پرسوں بھی میں نے یہ کام بے تحاشا تھکن کے باوجود کیا تھا' تب تو آپ کو خیال نہیں آیا۔'' اس کا لہجہ جتنا طنزیہ تھا' اس سے بڑھ کر سلگا ہوا تھا۔

''اوہو' لگتا ہے محترمہ خفا ہو گئی ہیں؟'' کان کا جھمکا چھیڑتے ہوئے وہ بہت دوستانہ انداز میں مسکرایا گویا درمیان میں کوئی خفگی تھی ہی نہیں۔

''مجھے کیا ضرورت ہے ایرے غیروں سے خفا ہونے کی؟'' اس نے نخوت سے ناک چڑھا کر اس کا ہاتھ جھٹکا۔

''ہاں بھئی! ایرے غیرے سے خفا ہونے کی ضرورت نہیں لیکن اس ایرے غیرے کے لیے رات بھر آپ رو ضرور سکتی ہیں۔'' اس کا انداز یکسر بدلا ہوا تھا۔ چوری پکڑے جانے پہ الوینہ خفت سے سرخ پڑتی کچھ بولنے کے قابل نہ رہی۔

یہ رونا سسکنا تڑپنا بلکنا
کہیں راز تیرا بتا دے نہ سب کو
جو ہے تیرا اپنا بہت پیارا سجنا
نہیں رہا تیرا بتا دے نہ سب کو

گھوم کر اس کے سامنے آتا ہوا جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکتا وہ بہت مزے سے گنگنایا تو الوینہ کو جانے ایک دم کیا ہوا' اپنے ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر بے قراری سے رو پڑی۔

'اونہہ.....اب اور نہیں میری جان!'' اس کے ہاتھ ہٹاتے ہوئے وہ اس کا صبیح چہرہ ہاتھ کی پشت سے نرمی سے صاف کرتا ہوا پھر سے گنگنایا۔

لے کے صاف اکھیاں جو چھم چھم وہ میاں
بھگو دیں گی ورنہ آنچل یہ تیرا
کہاں اور کیسے بتاؤ گی سب کو
جو پوچھیں گے جاناں لوگ سب آنسوؤں کا
ہے بے وفائی میاں کی کیا بتاؤ گی سب کو؟

اسے شانوں سے تھام کر نرمی سے خود میں سمیٹتا ہوا وہ بہت جذب سے بولا تھا۔

''کچھ بھی نہیں تھا محض ذرا سی شرارت کے سوا جب تم نے اتنا ستایا تو اتنا حق تو میرا بھی تھا نا۔''

ہر کسی پہ نظریں تو نہیں اٹھتیں ہر کسی پہ دل تو نہیں مچلتا
اس شہر میں روپ کا کال نہیں کچھ اور ہے اپنے ساجن میں

''یقین آیا۔'' اس نے مسکرا کر اسے گدگدایا تو الوینہ کی مدھر ہنسی کی جھنکار ہر سو بکھر گئی تھی۔

دلِ مضطرب

اقبال بانو

یادیں کتنی حسین ہوتی ہیں اچھے لوگوں سے وابستہ یادیں جن پر گزراوقت بھی اثر انداز نہیں ہوتا اور جب یادوں کی پٹاری کھولی جائے تو اچھے اور پیارے پیارے لوگ ایک ایک کر کے اپنی پوری خوب صورتی کے ساتھ سامنے آجاتے ہیں اور ان کی طرف سے کسی خاص خبر کا انتظار بھی رہتا ہے بالکل اسی طرح جیسے رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہوتے ہی مجھے شیبا ناصر کے عید کارڈ کا انتظار رہنے لگتا ہے۔

میں پہلے روزے ہی سے اپنے گیٹ کے ساتھ لگے لیٹر بکس کو صبح شام دیکھتا ہوں کہ کوئی ڈاک...... حالانکہ جب سے موبائل اور نیٹ آیا ہے میرے بچے میرا مذاق اڑاتے ہیں کہ میں اس دور میں بھی لیٹر بکس میں جھانکتا پھرتا ہوں۔ انہیں کیا پتہ کہ مجھے کس قدر تسکین ملتی ہے۔ میں نے خود کو اس قدر مصروف کرلیا ہے کہ کبھی اتنی فرصت ہی نہیں ملی کہ کسی کو دل سے یاد کروں مگر شیبا ناصر وہ واحد شخصیت ہے جو مجھے یاد آتی ہے اور شدت سے آتی ہے اور خصوصاً وہ عید کے روز تو میری رگ رگ میں اترتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ پہلے جب عید کارڈز ملتے تھے تو بہت خوشی ہوتی تھی۔ عید کے دن میں بیڈ پر عید کارڈز پھیلا کر بیٹھ جاتا تھا اور دوستوں کے کارڈ بھائیوں بیرون ملک سے آئے بہنوں کے کارڈز میرے دل میں توانائیاں بھر دیتے پھر جو کارڈ میرے اندر کے رنگوں کا کارڈ ہوتا اسے میں آخر میں دیکھتا میری آنکھوں میں نمی اتر آتی۔ اب تو کوئی عید کارڈ بھیجتا ہی نہیں۔

فون پر فیس بک پر ہی عید مبارک کہہ کر فرض نباہ لیا جاتا ہے مگر شیبا ناصر آج بھی مجھے کارڈز بھیجتی ہیں۔ میرے پاس پورے تیس کارڈز جمع ہیں جو صرف شیبا ناصر کے ہیں جب بھی مجھے نیا عید کارڈ ملتا ہے میں لاشعوری طور پر محفوظ کارڈز کو بھی نکال لیتا ہوں جو میں نے سینت سینت کر رکھے ہوئے ہیں۔ میں عید کا سارا دن اپنے کمرے میں گزارتا ہوں عید کے دن میری بیوی بچوں کی اپنی مصروفیات ہوتی ہیں بیگم گھر کے کاموں میں مصروف رہتی ہے اور بچے اپنی ایکٹیویز میں مست' میری بیوی نے آج تک نہیں پوچھا کہ عید کے روز میں اپنے کمرے میں کیوں بند ہوجاتا ہوں؟

میں آرمی میں بریگیڈیئر ہوں اور بنجاروں جیسی زندگی ہے۔ ٹرانسفر ہوتے رہتے ہیں مگر مجھے حیرت ہے کہ میں جہاں بھی جاتا ہوں شیبا کا عید کارڈ مجھے ضرور ملتا ہے اس کا مطلب ہے۔ وہ مجھے نہیں بھولی۔ میرے بارے میں اسے ساری معلومات ہیں۔ مگر میں نے اسے کبھی نہیں کھوجا۔ ویسے بھی کھوجا تو انہیں جاتا ہے جو دور ہو مگر شیبا تو میرے پاس ہی ہے۔ آنکھوں میں تصویر بن کر دل میں دھڑکن بن کر دھڑکتی ہے۔ رگ رگ میں خون بن کر دوڑتی ہے۔ اب بھلا وہ میرے اتنے قریب ہے تو میں اسے کیوں کھوجوں۔

❀......❀......❀
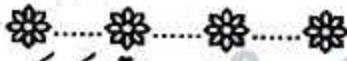
وہ موسم بہار کی بہت خوش گوار شام تھی ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی اور گیلی مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو روح تک کو سرشار کر رہی تھی جب میری بائیک سرخ روشنی کو روندتی ہوئی آگے بڑھی تو میں نے پورچ میں پہنچ کر بریک لگا دیئے اگر ایسا نہ کرتا تو وہ یقیناً ٹکرا جاتی۔

''سوری مس۔'' میں جلدی سے بولا۔ وہ مجھے نہایت غصہ سے گھور رہی تھی۔ مارے خوف کے اس کا چہرہ الماس کے پھولوں کی طرح زرد ہوگیا تھا مگر آنکھوں میں شعلے لپک رہے تھے۔ وہ بلیک اور پنک پھولوں والے سوٹ میں بہت اچھی لگ رہی تھی بالکل دل میں اترتی ہوئی۔

''اب کیا پٹر پٹر گھور رہے ہیں؟''

''کیا آپ کو دیکھنا جرم ہے۔'' میں نے نہایت سادگی سے پوچھا۔

''دل چاہتا ہے سب مردوں کی آنکھیں نکال کر ان کی

ہتھیلی پر رکھ دوں۔'' وہ ہونٹ چبا کر بولی۔

''آپ میری ہی آنکھیں نکال دیں مجھ سے ابتدا کریں تو بہتر ہے۔'' میں شرارت سے باز نہ آیا۔

''اسٹوپڈ۔'' وہ غصے سے بل کھا کر رہ گئی اور تیزی سے برآمدے کی سیڑھیاں عبور کرکے اندر چلی گئی۔ اس کی سینڈل کی ٹھک ٹھک کے ساتھ میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ میں نے بائیک کی چابی نکالی اور اندر آ گیا۔

مجھے حیرت تھی کہ یہ کون لڑکی ہے اور کہاں سے آئی ہے پہلے تو میں نے اسے نہیں دیکھا۔ میں اپنی سوچوں میں غرق تھا کہ بھابی ثمینہ لاؤنج میں آئیں اور مجھے دیکھ کر محبت سے لبریز آواز میں سوال کیا۔

''ارے عبدالہادی تم کب آئے۔''

''ابھی اور اسی وقت۔'' میں نے سر ہلا کر کہا۔

''تم ہمیشہ ہی بغیر اطلاع کے آتے ہو۔'' انہوں نے سرزنش کی۔

''آپ تو مجھے یاد ہی نہیں کرتیں کبھی کوئی خط ہی لکھ دیں۔''

''سوری عبدالہادی کیا کروں میرے بچے بہت کھپاتے ہیں۔''

''تو نہیں پیدا کرنے تھے۔''

''شرم کرو۔'' ثمینہ بھابی بلش ہوگئیں۔ تبھی وہ آ گئی۔ میری دھڑکن ایک دم سے تیز ہوگئی۔ مجھے دیکھ کر وہ ایک دم پلٹی کہ بھابی کی نظر پڑ گئی۔

''ارے شیبا ادھر آؤ بھئی۔ میرے دیور عبدالہادی سے ملو۔ غائبانہ تعارف تو ہے نا؟ آرمی میں کیپٹن ہے آج کل اس کی پوسٹنگ کوئٹہ میں ہے۔''

''آداب۔'' اس نے اپنا ہاتھ ماتھے پر لے جا کر کہا۔

''جیتی رہو۔'' میں نے بزرگانہ انداز میں کہا تو بھابی زور سے ہنس دیں اور بولیں۔ ''برا نہ ماننا یہ بہت نٹ کھٹ ہے۔'' اور وہ کوئی جواب دیئے بغیر چلی گئی۔

''یہ ہیرا کہاں سے آیا؟''

''ارے یہ میری خالہ زاد ہے اور میاں چنوں سے آئی ہے۔ بچپن میں والدین فوت ہوگئے گریجویشن کیا ہے اور اب بھابی کو یہ کھٹکتی تھی اس لیے ساجد نے میرے ہاں بھیج دیا کہ کوئی اچھا سا لڑکا دیکھ کر شادی کر دوں۔''

''پھر اس لڑکے کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' میں نے خوشی سے کہا۔

''عبدالہادی۔'' بھابی حیرت سے بولیں۔

''اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ میں نے بھی تو شادی کرنی ہے کہیں نہ کہیں۔''

''عبدالہادی اتنی جلدی زندگی کے فیصلے نہیں کیے جاتے۔'' بھابی کی آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی۔

''بھابی فیصلے تو ایک دم ہی کیے جاتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''زندگی کے فیصلے کرنے کے لیے کوئی باقاعدہ پلان نہیں بنایا جاتا۔ کوئی بھی کہیں بھی دل کو بھا سکتا ہے اور دل اس کا ہمیشہ کا ساتھ چاہتا ہے ویسے بھی آف دی ریکارڈ بات ہے امی میرے لیے لڑکیاں دیکھتی پھر رہی ہیں۔''

"پھر......"

"پھر یہ کہ میں شیبا کا نام لے دوں۔"

"تم اچھی طرح سوچ لو۔"

"میں نے سوچ لیا۔ مجھے آپ کی کزن بہت پسند آئی ہے۔"

"تمہیں علم ہے عبدالہادی۔ تائی جان کبھی بھی نہیں مانیں گی۔ پتہ ہے ناوہ تو عاطف اور میری شادی کی بھی سخت مخالف تھیں۔ تایا جان اور عاطف کی ضد کے آگے مان گئیں مگر مجھے آج تک بہو کا رتبہ نہیں دیا حالانکہ میرا وجود چار حصوں میں بٹ چکا ہے۔"

"آپ پرانی باتیں چھوڑیں۔ آپ کے بچوں کو تو چاہتی ہیں نا اور یوں بھی جب میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی۔" میں نے نہایت بے پروائی سے کہا تو وہ زور سے ہنس دیں۔

"کوئٹہ سے کب آئے؟"

"رات ہی آیا تھا اب میری پوسٹنگ کھاریاں میں ہوگئی ہے۔"

"ارے واہ۔" وہ خوش ہوگئیں۔

"جی اور اب ایک ہفتہ تک آپ کا دماغ چاٹوں گا۔" میں نے بتایا۔

"جگ جگ آؤ.....آخر تمہارا ہی گھر ہے۔" بھابی محبت سے بولیں۔

"آپ کے چہار درویش کہاں ہیں۔" میں ان کے بچوں کو چہار درویش ہی کہتا تھا۔

"تارہ کی سہیلی کی برتھ ڈے ہے تو چاروں وہیں گئے ہیں۔" بھابی نے بتایا۔ تبھی شیبا ٹرالی دھکیلتی ہوئی اندر آ گئی۔

"بہت اچھا کیا تم چائے لے آئیں میں نوری کو کہنے ہی والی تھی۔" بھابی صوفے پر سیدھے ہوتے ہوئے بولیں۔

"اور میں سوچنے لگا کہ اس لڑکی کو الہام بھی ہوتے ہیں میرا کس قدر دل چاہ رہا تھا چائے کے لیے۔" شیبا پلٹی تو بھابی نے کہا۔

"یار چائے بنا دو۔" پھر میری جانب دیکھ کر بھابی ہنسنے لگیں۔ "شیبا بہت اچھی چائے بناتی ہے۔"

"دیکھتے ہیں۔" میں نے بے پروائی سے شانے اچکائے تبھی ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ بھابی اٹھ گئیں فون سننے اور میں نے آنکھیں موند لیں۔ مگر آنکھوں کی جھری سے میں اسے چائے بناتا دیکھ رہا تھا۔

اس نے سپرٹ چائے بنائی تھی قہوہ اور دودھ ڈالنے کے بعد اس نے شوگر پاٹ اٹھائی اور پھر میری جانب دیکھا وہ مجھے مخاطب ہی نہ کرنا چاہ رہی تھی میں بھی اس کی کشش وپنج کا مزا لے رہا تھا۔ پھر اس نے ایک چمچ کپ میں ڈالا اور میرے سامنے کپ رکھ کر بولی۔

"چائے پی لیجیے۔"

"شکریہ۔" ثمینہ بھابی ابھی تک فون پر مصروف تھی۔

"بیٹھیے نا؟ آخر میں آپ کا مہمان ہوں۔"

"آپ میرے نہیں باجی کے مہمان ہیں۔"

"کہیں تو میں آپ کا بھی مہمان بن سکتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" اس کی آنکھوں میں حیرانی تھی۔

"ارے صاحب ہم آپ کے مہمان بن سکتے ہیں آپ ہمارے دل کی مہمان ہوسکتی ہیں۔"

"شٹ اپ۔" شیبا اتنی زور سے گرجی کہ بھابی نے پلٹ کر دیکھا ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں آپ بات کریں ہمارا آپس کا معاملہ ہے۔" میں نے یوں کہا جیسے کہ بھابی کا شیبا سے کوئی تعلق ہی نہ ہو بھابی نے بھی کوئی توجہ نہ دی اور شیبا بھی تیزی سے لاؤنج سے نکل گئی میں نے چائے کی پیالی لبوں سے لگالی۔

بھابی نے رات کے کھانے کے لیے روکنا چاہا مگر میں امی کو بتا کر نہیں آیا تھا اور ویسے بھی میں جب آتا تو امی میرے بغیر کھانا نہ کھاتیں آج بھی انہوں نے میری فرمائش پر قیمہ کریلے بنائے تھے میں چاہتا بھی تو نہ رکتا۔ بھابی مجھے باہر تک چھوڑنے آئیں تو میں نے کہا۔

"کل کا لنچ آپ کے ساتھ۔"

"تم بہت کمینے ہو۔" جب مجھ پر پیار آتا تو یونہی کہتیں۔

''یار میں یہ القاب سن سن کر پریشان ہوگیا ہوں اب جلدی اس کمینے کے لیے کوئی کمینی ڈھونڈیں۔''

''زیادہ بکواس مت کرو۔'' بھابی نے میری پیٹھ پر دھپ ماری میں نے کہا۔

''میری آخری بات یاد رکھیے گا۔'' اور ان کا جواب سنے بغیر ہی میں لوٹ آیا۔ البتہ سارا راستہ شیبا ناصر میرے حواسوں پر چھائی رہی۔ گھر پہنچا تو عذرا بھابی اور امی میرا انتظار کررہی تھیں۔

''کھانا لگواؤں تمہارے ابا بھی آگئے ہیں۔''

''ہاں ضرور۔''

''جاؤ عذرا کھانا لگاؤ مل آئے دوست سے؟'' عذرا بھابی کے جانے کے بعد امی نے کہا۔

''جی آنے ہی نہیں دے رہا تھا۔ کہنے لگا کھانا کھا کر جاؤ بڑی مشکل سے کل کے لنچ کے وعدے پر چھوڑا۔ میں بھلا رک سکتا تھا آپ کی اجازت کے بغیر۔'' میں نے لاڈ سے کہا۔

''میں صدقے۔'' امی نہال ہوگئیں۔ کس قدر آسان ہے ماؤں کو بہلانا لیکن نہیں اگر میں بتا دیتا کہ بڑے بھائی کی طرف گیا تھا تو سو عیب وہ ثمینہ بھابی کے نکالتیں اور مجھ سے خفا الگ ہوتیں۔ حالانکہ ثمینہ بھابی بہت اچھی ہیں مگر امی کو تو ان سے بیر ہے وہی روایتی دیورانی جیٹھانیوں کے جھگڑے جو جوائنٹ فیملی میں ہوتے ہیں پھر دادا نے ثمینہ بھابی اور عاطف بھائی کی بچپن میں ہی منگنی کردی تاکہ دونوں بھائی ایک دوسرے سے جڑے رہیں والدین تو یہی چاہتے ہیں کہ اپنے بچے آپس میں ہمیشہ ایک دوسرے کے نزدیک رہیں مگر امی کی مخالفت ختم نہ ہوئی۔

❁.......❁ ❁.......❁

یونہی وقت گزرتا رہا اور میں کھاریاں سے ہر ہفتہ پنڈی آتا تو ثمینہ بھابی کے ہاں چکر ضرور لگاتا مگر وہ لڑکی...... شیبا ناصر جوامرت بن کر قطرہ قطرہ میرے دل میں اتر گئی تھی اس کی سرد مہری میں فرق نہ آیا۔ میں پورا ہفتہ سوچتا کہ اب جاؤں گا تو اس سے یہ کہوں گا وہ کہوں گا مگر وہ تو ایسی چھپتی کہ نظر نہ آتی اور میں ہر آہٹ پر اس کا منتظر رہتا پتہ نہیں وہ کیوں مجھ سے چھپتی

تھی۔اس روز میں اچانک پہنچا تو وہ تارہ اور عبید کے ساتھ لیڈو کھیل رہی تھی۔قریب ہی جنید اور مونا بھی بیٹھے تھے۔

”ہیلو ایوری باڈی۔“

”ہیلو چاچو۔“ عبید اور جنید مجھ سے لپٹ گئے۔

”بس تارہ پھر کھیلیں گے۔“ شیبا اٹھتے ہوئے بولی۔

”ارے واہ آپ نے مجھے اتنی مرتبہ ہرایا ہے اب ہارنے والی ہیں تو ڈر رہی ہیں۔“ تارہ نے ہاتھ پکڑ کر اسے واپس اس کی جگہ پر بیٹھا دیا۔

”نہیں بھئی اب موڈ نہیں ہو رہا۔“ وہ منمنائی۔

”موڈ ہو یا نہ ہو آپ نے کھیلنا ہے اب میں جیتوں گی کیوں چاچو؟“

”ہاں یقیناً تم ہی جیتو گی۔“ میں جنید اور عبید کو دونوں گھٹنوں سے لگا کر قالین پر ہی بیٹھ گیا اور پھر تارہ اور شیبا کھیلنے لگی۔

اب کے شیبا بری طرح ہار گئی۔ وہ بالکل میری نظروں کی رینج میں تھی اور اسے میں اپنی آنکھوں کے راستے دل میں اتار رہا تھا بازی ختم ہوئی تو تارہ بولی۔

”آپ چاچو کے ساتھ کھیلیں ناشی آنٹی۔“

”مجھے کام ہے۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”تمہاری آنٹی ہار سے ڈر رہی ہیں۔“ میں نے تارہ سے کہا۔

”ہیں آنٹی۔“

”خوش فہمی ہے تمہارے چاچو کو۔“ وہ نہایت بے پروائی سے بولی۔تو میں اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔

”آپ ان ڈائریکٹ بات کیوں نہیں کر رہی ہیں؟“

”آپ نے بھی تو ان ڈائریکٹ کہا ہے۔“

”یعنی آپ چاہتی ہیں کہ میں آپ سے ڈائریکٹ بات کروں۔“ میں نے شوخی سے کہا۔

”جی نہیں مجھے ضرورت نہیں آپ سے بات کرنے کی۔“

”مجھے تو ہے۔“ تارہ ہم دونوں کی باتیں بغور سن رہی تھی۔

”تارہ بیٹا نوری سے چائے کا کہہ آؤ۔“

”اچھا چاچو۔“ تارہ بھاگ گئی شیبا نے بھی جانا چاہا مگر میں نے اس کا راستہ روک لیا۔اس نے مجھے گھور کر دیکھا۔

”آپ مجھ سے خفا ہیں۔“

”میں کیوں خفا ہونے لگی۔“

”لگتا تو ہے۔“

”خفا ان سے ہوا جاتا ہے جن سے کوئی تعلق یا رشتہ ہو۔“

”رشتہ ہوتا نہیں بنایا جاتا ہے تعلق جوڑے جاتے ہیں۔“

”کیا مطلب؟“

”آپ بھی مجھ سے کوئی خوب صورت سا رشتہ جوڑ لیں۔جس میں روٹھنے منانے کے تمام حقوق ہم دونوں کو حاصل ہوں۔“

”نہیں۔“ وہ کانپ گئی۔

”کیوں نہیں آپ کو علم ہے میں کھاریاں سے ہر ہفتہ آپ کے لیے آتا ہوں رشتہ جوڑنے آتا ہوں اور آپ غائب ہو جاتی ہیں کیوں؟“

”میں کسی کو یہ حق نہیں دے سکتی ہوں کوئی مجھ سے یہ سوال پوچھے وجہ پوچھے۔“ وہ سخت لہجے میں بولی۔

”مگر میں یہ حق حاصل کرنا چاہتا ہوں۔“ میں زور سے بولا۔اسی وقت ثمینہ بھابی آ گئیں اور وہ جلدی سے چلی گئی۔

”کیا ہوا عبدالہادی۔“

”بھابی مجھے آپ کی یہ کزن ریزہ ریزہ کر رہی ہے۔مجھے اس کا خیال بہت پریشان کرتا ہے میں ٹکڑے ٹکڑے ہوا جا رہا ہوں اور محترمہ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔“ ثمینہ بھابی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

”کیا چاہتے ہو۔“

”شیبا کو چاہتا ہوں۔“

”پھر لے آؤ اس کا پروپوزل۔“

”پھر کیا ہوگا۔“

”میں تمہاری شادی کروا دوں گی۔“

”اگر یہ نہ مانی۔“

”یہ میرا مسئلہ ہے۔“

”ٹھیک ہے میں امی سے بات کرتا ہوں۔“ تارہ فوری چائے لے آئی مگر میں ثمینہ بھابی اور تارہ کے روکنے کے باوجود

بھی نہ رکا اور تیزی سے بائیک اڑاتا ہوا گھر پہنچ گیا۔ میرے جذبوں کی وہ قدر نہیں کررہی تھی اور مارے غصے کے برا حال تھا۔ میرا دل بجھ گیا۔ مجھے دکھ تو یہ تھا کہ زندگی میں پہلی بار ایک لڑکی پسند آئی اور وہ بھی مجھ سے کھنچی کھنچی سی تھی۔ سو بار خود پر لعنت بھیجی کہ یہی حقیقت تھی دنیا کی باقی لڑکیاں مرگئی تھیں اور امی سے بات کرنے کی ہمت نہ تھی اگر شیبا انکار کردیتی تو میری کیا عزت رہ جاتی؟ میں اس سے اظہار کروانا چاہتا تھا پھر امی سے بات کرنی تھی۔

عید کا دن قریب آنے لگا تھا امی چاہتی تھی رمضان کا آخری عشرہ میں ان کے ساتھ گزاروں مگر میں نے صاف انکار کردیا کہ چھٹی نہیں مل رہی۔ عید کے دن بھی میں گھر نہ گیا اور وہیں پڑا رہا۔ وہ میری زندگی کی پہلی عید تھی جو خالی گزر گئی۔ ورنہ عید کے دن شاید ہی کوئی مجھ سے زیادہ انجوائے کرتا ہو مگر یہ جوانی...... جب دل کہیں لگ جائے تو دل لگی امتحان لیتی ہے۔ لنچ کے بعد میں اپنے کمرے میں آیا تو میرے بیٹ مین اشرف نے عید کارڈ دیئے۔ میں پلنگ پر بیٹھ گیا اور بے دلی سے کارڈز دیکھنے لگا۔ عاطف بھائی اور ثمینہ بھابی کارڈ تھا۔ آصف بھائی اور عذرا بھابی کی طرف سے کارڈ تھا۔ بہت دعائیں دی تھیں۔ امی نے پنڈی نہ آنے پر ڈھیروں ڈانٹ پلائی تھی اور پانچواں کارڈ۔ میں پھڑک اٹھا۔ دل پر بڑی نرم نرم پھوار پڑنے لگی اور ساری قنوطیت ایک دم ہی بھاگ گئی۔ دل چاہا میں ابھی اٹھ کر پہنچ جاؤں اور کہوں اس طرح منایا جاتا ہے۔ جی ہاں وہ کارڈ شیبا کی جانب سے تھا اور عید مبارک کے بعد لکھا تھا۔

''آپ مجھ سے خفا ہیں؟ اگر خفا ہیں تو پلیز آج کے دن مان جائیں عبدالہادی۔'' کتنے خوب صورت اور سادہ جملے میں اس نے اپنے اندر کا راز منکشف کیا تھا میرا دل جھوم اٹھا۔ دل چاہا میں شام کو پنڈی چلا جاؤں پھر میں نے ایسا ہی کیا۔

پہلے میں عاطف بھائی کے ہاں گیا اور شیبا کی نرم نرم مسکراہٹ نے میرے اندر اجیارہ بکھیر دیا۔ وہ چاروں بچوں کے ساتھ لان میں کرکٹ کھیل رہی تھی۔ عبید اور جنید مجھ سے لپٹ گئے۔

''آپ نے عید کی نماز بھی ہمارے ساتھ نہیں پڑھی۔''

''تم نے بلایا ہی نہیں۔'' میں نے شیبا کی طرف دیکھا وہ مسکرا رہی تھی۔ گلابی سلک کے سوٹ میں وہ بہت کیوٹ لگ رہی تھی۔ ہلالی پلکیں اس کے سرخ گالوں پر تھرک رہی تھی اور ان تھرکتی پلکوں میں میرا دل اٹک گیا۔

''چاچو آنٹی اچھی لگ رہی ہیں نا۔'' عبید معصومیت سے بولا۔

''یار میں تو گلابی پھول دیکھ رہا ہوں کتنا اچھا لگ رہا ہے۔'' میرے اتنا کہنے پر شیبا سرخ ہوگئی۔

''چلو تم لوگ کھیلو رک کیوں گئے؟'' میں نے عبید سے کہا تو وہ اپنی باری لینے لگا۔

''تمہیں پتا ہے کوئی ناراض ہو تو کیسے منایا جاتا ہے؟''

''نہیں۔'' اس نے سر ہلا کر منفی جنبش دی۔

''گلے ملا جاتا ہے تاکہ تمام شکوے دور ہوجائیں۔'' میں نے اس کی طرف جھک کر سرگوشی کی تو وہ خوف زدہ ہوکر مجھے دیکھنے لگی۔ تبھی ثمینہ بھابی آگئیں اور سارے رومینٹک موڈ کا ستیاناس ہوگیا۔

رات کو میں گھر آیا تو امی بہت خوش ہوئیں شکوہ بھی کیا کہ میں عید گزار کر کیوں آیا ہوں میں نے ماں کو منالیا کہ میں اتنا خوش تھا مجھے امی کی سرزنش بھی بری نہ لگی۔

❀......❀......❀......❀
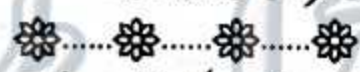
زندگی سے پورے تین ماہ نکل گئے شیبا کی محبت میرے روم روم میں بس گئی تھی۔ ہم روز رات کو فون پر ڈھیروں باتیں کرتے آہستہ آہستہ ہم اتنے قریب آگئے کہ بچھڑنے کا تصور بھی سوہان روح تھا۔ پھر ایک دم میری خوشیوں کے گلشن میں خزاں نے ڈیرے ڈال دیئے۔ امی نے اشرف ماموں کے ہاں میرا رشتہ طے کردیا۔ شہلا مجھے قطعاً پسند نہ تھی اگر شیبا نہ ہوتی شاید میں مان بھی جاتا۔ مگر میں بھی ڈٹ گیا۔ امی نے صاف کہہ دیا کہ شیبا ان کی بہو نہیں بن سکتی۔

لیکن میں نے کہہ دیا کہ شیبا کے علاوہ کوئی نہیں۔

انہیں دنوں میرا ٹرانسفر کراچی ہوگیا اور میں شیبا کو بہت سے دلاسے دے کراچی آگیا۔ میری فون پر بات ہوتی تھی میں شیبا کو مطمئن کرتا کہ تم نہیں تو کوئی نہیں۔ مگر امی نے پتہ نہیں کون سا پزل کھیلا تھا کہ میں ہار گیا اور تو اور مجھے شیبا نے بھی کچھ نہ بتایا۔ مجھے کراچی آئے ایک ماہ ہوا تھا کہ شیبا کی شادی کا کارڈ میری موت کا پروانہ تھا۔ شیبا کی شادی صرف دو روز بعد ہونی تھی۔ میں کیا کرسکتا تھا اگلے دس دن بعد میری بھی شہلا سے شادی طے کردی گئی تھی۔ میں بے بس ہوکر بازوؤں میں سر چھپا کر رو دیا۔

''میں نے گھر فون کرکے بتایا کہ میری شادی کا تو بھول جائیں۔'' اس روز میں ڈیوٹی سے آیا تو ثمینہ بھابی امی اور عاطف بھائی موجود تھے۔ مجھے ان لوگوں کو دیکھ کر کوئی خوشی نہ ہوئی۔ امی نے روایتی ماؤں کی طرح میرے قدموں پر دوپٹہ رکھا تو مجھے لگا آسمان جھک گیا ہو میں گلوگیر آواز میں بولا۔

''امی آپ کی خوشی میری خوشی۔'' اور ان کا جواب سنے بغیر میں اپنے کمرے میں آگیا۔ دل میرے اس فیصلے پر احتجاج کرتا رہا مگر میں کیا کرتا کہ شیبا بھی تو بیاہ دی گئی تھی۔ میں ثمینہ بھابی کی گود میں سر رکھے شکوہ کرتا رہا۔

''آپ نے میری محبت کو مجھ سے چھین لیا۔''

''نہیں میری جان تائی جان ہی زاہد کا رشتہ شیبا کے لیے لائی تھی اور میں اور عاطف انکار ہی نہ کرسکے۔''

''آپ نے میری امانت میں خیانت کی...... کیوں؟''

''کچھ مت پوچھو عبدالہادی۔''

''بھابی آپ مجھے بتاتی تو میں شیبا سے کورٹ میرج کرلیتا۔''

''ایسا نہیں ہوسکتا تھا۔ میں نے عاطف کو بتایا تھا تو عاطف مجھ پر خفا ہوئے کہ شیبا کو میں ان چاہی بہو بناؤں اپنی طرح۔'' وہ رو دیں۔ ''بیٹا ہم مقدر کے تابع ہیں مقدر ہمارا تابع نہیں۔'' میں کچھ بھی نہ بول سکا۔ پھر میری شہلا سے شادی ہوگئی۔

''دیکھو شہلا کو کوئی دکھ نہ ہو۔ اس لیے کہ یہ تمہارے ماموں کی بیٹی اور تائی جی کی پسند ہے۔'' بھابی میرے برابر بیٹھی کہہ رہی تھی۔

''شیبا بھی تو میری پسند تھی کس نے احساس کیا؟''

''تم جو ہو اس کا احساس کرنے والے۔'' وہ زخمی مسکراہٹ لبوں پر لاکر بولیں اور میں ان کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

میں شہلا کو لے کر کراچی آ گیا اور کہہ دیا۔ ''کہ آئندہ وہ پنڈی جائے گی تو اکیلی مجھے ساتھ لے جانے کی ضد نہ کرے۔'' اس نے حیرت سے مجھے دیکھا اور کچھ نہ بولی۔

چند ماہ بیت گئے شہلا کی اپنی ہم عمر عورتوں سے دوستی ہوگئی۔ ہم خوش تھے۔ ہماری شادی کے بعد پہلی عید آئی تو میں نے شہلا کو دل بھر کے شاپنگ کرائی وہ بہت خوش رہتی کہ میں اس کے سارے حقوق پورے کرتا تھا۔ اس کی ہر تکلیف کا احساس کرتا کیوں نہ کرتا وہ میری بیوی تھی۔ مگر میں رات کو اپنی محبت کا لوبان ضرور سلگاتا اور شیبا سے باتیں کرتا۔ اس کا تصور بہت زوردار تھا۔ میں نے شہلا سے کہا بھی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ عید کرے مگر وہ نہ مانی امی نے بہت بلایا لیکن میں نہ گیا۔

شادی کے بعد میری پہلی عید تھی۔ نماز کے بعد میں اپنے کمرے میں آ گیا کہ بیٹ مین ڈاک لے آیا۔ شہلا بھی میرے پاس تھی۔ ڈاک دیکھ کر دل زور سے دھڑکا کہ اس میں شیبا کی طرف سے بھی عید کارڈ تھا۔ میں نے شہلا کی طرف دیکھا جو ٹی وی پر عید شو دیکھ رہی تھی۔ مجھے شدت سے پچھلی عید یاد آئی جو میں نے اکیلے منائی تھی آج تو شہلا ساتھ تھی مگر شیبا کا خیال بھی دل و ذہن میں چٹکیاں لے رہا تھا۔ میں نے شیبا کا کارڈ کھولا۔ بغیر کسی القاب کے لکھا تھا۔

''عید کی خوشیاں مبارک ہوں۔'' اور پھر اس کارڈ کو کتنی دیر میں دیکھتا رہا اور پھر بہت احتیاط سے گزشتہ برس کے کارڈ کے ساتھ رکھ دیا۔ جیسے میری زندگی کا اہم سرمایہ ہو۔

وقت کا دھارہ بہتا رہا اور میں اپنے ملک کے شہر شہر گھومتا رہا۔ میں جہاں بھی ہوتا ہوں مجھے عید کے روز شیبا کا کارڈ ضرور ملتا۔ مجھے اس سے بچھڑے پورے بائیس برس ہوگئے ہیں۔ میرے تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں جبکہ شیبا کی اولاد نہیں ہے۔ یہ بات مجھے بھابی نے بتائی تو مجھے اس روز بہت دکھ ہوا۔ آج مجھے شیبا کی طرف سے تیسواں کارڈ موصول ہوا ہے۔

میرے بچے بہت مذاق اڑاتے ہیں اور میں ہنس دیتا ہوں کہ بیٹا وقت گزر چکا ہے مگر میں آج بھی شیبا ناصر کے قریب کھڑا ہوں میری یادیں بہت نویں نکور ہی ہیں۔

مجھے عید کے دن شیبا کے عید کارڈ کا انتظار رہتا ہے تاکہ مجھے اپنے محبوب کی خبر مل جائے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بھلائے نہیں بھولتے۔ پرائے ہوجانے کے باوجود اپنے اپنے سے لگتے ہیں انہی لوگوں میں شیبا بھی ہے۔ میں آپ کو بتاؤں گزرے ڈیڑھ سال سے میری پوسٹنگ پنڈی میں ہے اور مجھے معلوم ہے کہ شیبا لاہور میں رہتی ہے مگر میں کبھی اس سے ملنے نہیں گیا۔ نہ ملنا چاہتا ہوں کہ مل کر پھر بچھڑنے کا عذاب سہنا محال ہوگا۔ آج بھی میں نے پرانے عید کارڈز کے ساتھ یہ کارڈ بھی سنبھال کر رکھا ہے تو یادوں کی پٹاری کھل گئی اور دل میں عجیب سا درد ہلکورے لے رہا تھا۔

''یہ کیسی کسک ہے؟''

''یہ کیسا درد ہے؟''

آج نجانے کیوں کھونے کا احساس بڑی شدت سے ہو رہا ہے۔ بتائیں اتنے برس گزر جانے کے بعد بھی یہ دل جوان ہے ویسا ہی امنگوں آرزوؤں سے بھرپور کاش خدا دل نہ دیتا۔ یہ دل جو خواہش ایک بار کرلے پھر وہ خواہش پوری نہ ہو تو...... لیس جی میرے بچے آ گئے پانچ مختلف آوازیں۔

''ابو جی...... بابا جانی......'' میری بیٹی کہہ رہی ہے۔

''ابو جی ہماری عیدی۔'' خرم نے میری گردن میں بازو ڈال دیئے اور میرا دل جو چند لمحے پہلے بہت اداس تھا اس پر یہ آوازیں نرم نرم پھوار بن کر گر رہی ہیں اس کا مچلنا بند ہو رہا ہے۔ میرے بچے میرا مستقبل ہیں اور میں نے سوچا ہے کہ میرے بچے جہاں چاہیں گے وہیں ان کی شادیاں کروں گا میں چاہتا ہوں جب میں مروں تو میرے سب بچے موجود ہوں وجہ۔

اس لیے کہ میں اپنی ماں کے مرنے پر بھی نہیں آیا تھا۔ شیبا سے بچھڑنے کا کوئی دکھ تھا بھلا...... جس نے ماں ہی بھلا دی تھی۔ میرا فیصلہ صحیح ہے نا؟

میرے خواب زندہ ہیں

نادیہ فاطمہ رضوی

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

زرمینہ اور زرتاشہ شاپنگ مال میں مہوش سے بچھڑنے پر بے حد متفکر ہوتی ہیں اور اسے ڈھونڈنے میں ناکام رہتی ہیں ایسے میں فراز ان کی مدد کرتے انہیں یونیورسٹی تک چھوڑتا ہے زرتاشہ تمام راستے خوف زدہ رہتی ہے ایک اجنبی پر اس طرح بھروسہ کرنا اسے بالکل بھی ٹھیک نہیں لگتا لیکن فراز اپنے نرم رویے کی بدولت ان دونوں کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ نیلم فرمان باسل کو اپنی محبت کے جال میں الجھانے کی بھرپور کوشش کرتی ہے لیکن باسل بھی اب حقیقت سے آگاہ ہونے کے بعد نہایت محتاط انداز میں نیلم کو اس دھوکے پر سزا دینا چاہتا ہے دونوں ہی ایک دوسرے کو فریب دیتے ہیں اور رطابہ بھی اس سلسلے میں نیلم کی معاون ثابت ہوتی ہے۔ مہرینہ کا باپ مومن اس کا رشتہ گلاب بخش کے بیٹے سے کرنا چاہتا ہے جو نشے باز ہے اسے مہرینہ اور لالہ رخ کی دوستی پر بھی اعتراض ہوتا ہے کہ یہ لڑکی اکیلی اپنے باپ کو کراچی لے جانا چاہتی ہے لالہ رخ کی یہ آزادی وخود مختاری اسے ایک آنکھ نہیں بھاتی اسی لیے مہرینہ کو وہ اس سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ لالہ رخ باپ کی بگڑی حالت دیکھ کر انہیں کراچی لے جانے کا فیصلہ کرتی ہے تاکہ وہاں ان کا مکمل علاج کرایا جاسکے اس سلسلے میں وہ عتیق سے ڈاکٹرز کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتی ہے عتیق اس کی مدد کرنے کی حامی بھرتے اسے ساری انفارمیشن فراہم کرتا ہے لالہ رخ اسے تاکید کرتی ہے کہ زرتاشہ کو ان تمام باتوں سے آگاہ نہ کیا جائے۔ ابرام کو ماریہ کا رویہ سخت اضطراب میں مبتلا کیے رکھتا ہے وہ منگنی کے لیے چپ چاپ رضامندی دے دیتی ہے لیکن ولیم کی گرینی کی وفات کی وجہ سے یہ منگنی چند دن آگے بڑھادی جاتی ہے جیسکا اپنے طور ماریہ سے اس کی پریشانی کی وجہ دریافت کرنا چاہتی ہے تو وہ ٹال جاتی ہے بعد میں ولیم کے ساتھ بھی اس کا رویہ نہایت ہتک آمیز ہوتا ہے جس پر ولیم خائف نظر آتا ہے۔ سونیا اپنی برتھ ڈے پر فراز کو مدعو کرتی ہے مگر وہ آفس کے کام میں الجھا یہ بات بالکل بھول جاتا ہے بعد میں نہایت تاخیر سے وہ وہاں پہنچتا ہے اور حیا آفندی بھی اس کے ہمراہ ہوتی ہے سونیا اسے دیکھ کر فراز کی تاخیر کی وجہ سمجھ جاتی ہے اور حیا کی ذات کی تحقیر کرتی اس کی عزت کو ملیامیٹ کردیتی ہے ایسے میں فراز کے لیے سونیا کا یہ رویہ نہایت شرمندگی کا باعث بنتا ہے جب ہی وہ صبا کے ساتھ وہاں سے نکل آتا ہے بعد میں حیا اپنا استعفیٰ فراز کے سامنے پیش کرتی ہے جس پر وہ ششدر رہ جاتا ہے۔
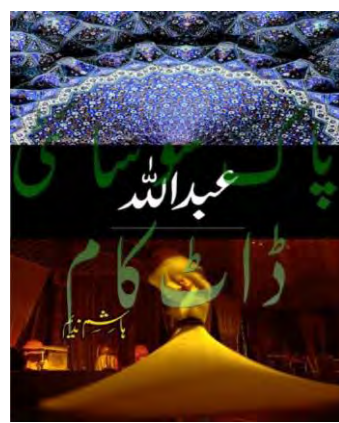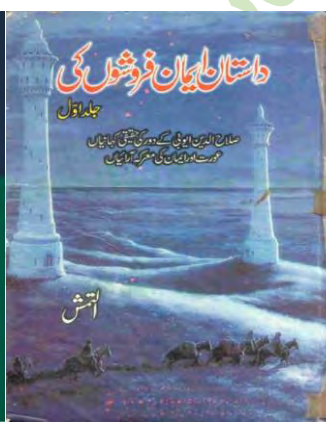
(اب آگے پڑھیے)

❀.......❀.......❀

کشادہ پیشانی میں لاتعداد شکنیں آنکھوں میں ناگواری وسرد مہری کے جھلکتے رنگ اور خوب صورت چہرے کے عضلات تنے ہوئے دیکھ کر سونیا اندر ہی اندر جز بز سی ہوئی۔ فراز شاہ اسے اس پل بہت بدلا بدلا سا دکھائی دیا' اس کا یہ روپ یہ انداز بالکل نیا اور کافی تکلیف دہ تھا۔ سونیا خان نے اپنے دونوں ہاتھوں کو سینے پر فولڈ کرتے ہوئے فراز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر قدرے ترشی سے کہا۔

"یہی میں پوچھنے آئی ہوں فراز کہ یہ کیا بدتمیزی ہے؟" فراز نے سونیا کے استفسار پر قدرے حیران ہوکر اسے دیکھا جس طمطراق اور تمکنت بھرے انداز میں وہ فراز شاہ کے سامنے تھی اور جن نگاہوں سے وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ فراز بخوبی سمجھ گیا تھا کہ وہ اپنے کسی بھی عمل یا لفظوں پر قطعاً شرمندہ نہیں ہے بلکہ الٹا فراز شاہ کے ردعمل کے نتیجے میں مشتعل اور ناراض ہے۔ فراز نے اپنے سامنے میز پر رکھی فائل کو خوامخواہ الٹ پلٹ کیا پھر گردن اٹھا کر ایک سرسری نظر اس پر ڈالتے ہوئے بولا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-
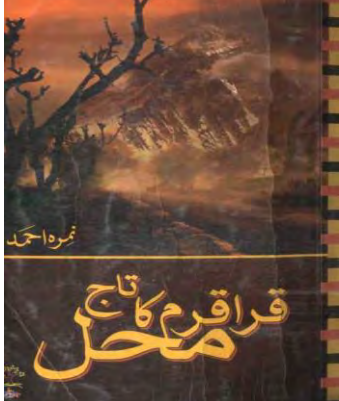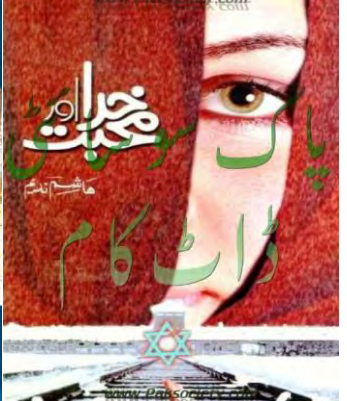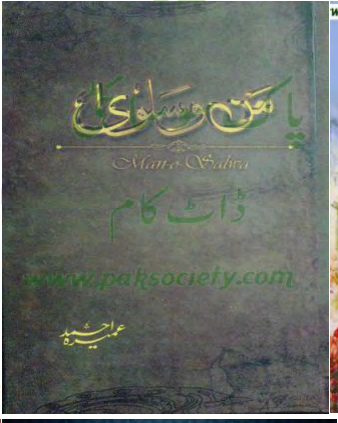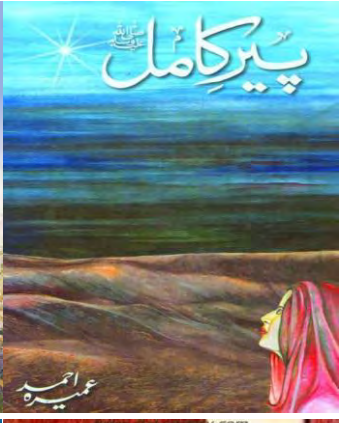
''میں اس وقت تھوڑا بزی ہوں' تمہیں جو کہنا ہے پلیز جلدی کہہ دو تھوڑی ہی دیر میں مجھے میٹنگ کے لیے نکلنا ہے۔''
فراز کے جملوں پر پہلے تو سونیا انتہائی اچنبھے و تحیر کے عالم میں کھڑی ٹکر ٹکر اسے دیکھتی رہی۔ فراز نے آج سے پہلے کبھی بھی اس سے اس لہجے اور انداز میں بات نہیں کی تھی اس کی اجنبیت و بے گانگی سونیا کو حیرت میں مبتلا کرنے کے ساتھ ساتھ اب جراغ پا بھی کر گئی تھی۔

''فراز تمہیں کیا ہو گیا ہے' یہ آج تم مجھ سے کس طرح بات کر رہے ہو؟ میں پچھلے دو دن سے تم سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں مگر تم تو مجھ سے بات تک نہیں کر رہے اور اب میں یہاں تم سے ملنے' بات کرنے آئی ہوں تو تم مجھے ایسے ایٹی ٹیوٹ دکھا رہے ہو۔ وائے فراز شاہ وائے...... آخر تم میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہو؟'' وہ اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو میز کی چکنی سطح پر مضبوطی سے رکھتے ہوئے فراز کے قریب جھک کر آخر میں دبے دبے لہجے میں چیخ ہی پڑی فراز نے نگاہ اٹھا کر بغور سونیا کو دیکھا بلیک جینز پر رائل بلو کرتی پہنے بالوں کی اونچی سی پونی ٹیل بنائے وہ اسے کافی الجھی الجھی اور پریشان لگی۔ فراز شاہ نے ایک گہری سانس کھینچی پھر اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کرتے ہوئے سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''کیا یہ تمہیں نہیں معلوم کہ میں ایسا کیوں کر رہا ہوں۔ سونیا تم نے مجھے بہت ہرٹ کیا ہے اور بہت مایوس بھی کیا' میری بیسٹ فرینڈ ہو کر میرا دل دکھایا ہے۔''

''میں نے تمہارا دل دکھایا ہے تمہیں ہرٹ کیا ہے؟'' سونیا یک دم سیدھی ہو کر اپنی شہادت کی انگلی کا رخ اپنے سینے کی جانب کرتے ہوئے بے حد حیرت سے بولی پھر انتہائی چڑ کر گویا ہوئی۔ ''فراز! ہرٹ تو تم مجھے کر رہے ہو اپنے اس برتاؤ کی وجہ سے مجھے اس طرح اگنور کر کے۔''

''سونیا! جو برتاؤ تم نے مس حیا آفندی کے ساتھ اپنایا جو الفاظ ان کی ذات کے لیے تم نے بلا جھجک اور بلا دریغ استعمال کیے ان سب کے بعد تم کیا چاہتی ہو مجھ سے کہ میں تمہیں اس بناء پر شاباشی دوں گا یا پھر بہت خوش ہوں گا۔'' فراز کو بھی اچھا خاصا غصہ آ گیا وہ بے حد تند و ترش لہجے میں بولا تو سونیا کو ایک خفیف سا جھٹکا لگا اس نے بے حد حیرت سے اسے دیکھا۔

''فراز تم اس دو ٹکے کی لڑکی کو مجھ پر فوقیت دے رہے ہو اس کی خاطر آج مجھے اتنا سنا رہے ہو فراز......! مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔'' آخر میں اس کا لہجہ رندھ گیا' آنکھوں میں تیزی سے نمی اترتی چلی گئی جواباً فراز بھی کوئی سخت جملہ کہنا چاہتا تھا مگر سونیا کو بے حد اپ سیٹ دیکھ کر وہ قدرے ڈھیلا پڑ گیا پھر نرمی سے گویا ہوا۔

''سونیا...... کوئی بھی انسان ٹکے دو ٹکے کا نہیں ہوتا' ہر شخص کا اپنا وقار اس کی توقیر ہوتی ہے اس کی سیلف رسپیکٹ' اس کی انا ہوتی ہے اور ہم میں سے کسی کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم کسی کی ذات پر حملہ کریں یا اس کی عزت نفس کو مجروح کریں۔'' فراز کی بات پر سونیا چند ثانیے خاموش سی رہ گئی پھر سائیڈ پر رکھے صوفے پر بیٹھتے ہوئے سہولت سے گویا ہوئی۔

''فراز میں نے جان بوجھ کر حیا آفندی کو ٹارگٹ نہیں کیا تھا بس تمہارے اتنا لیٹ آنے پر میرا موڈ بہت آف ہو گیا تھا۔'' فراز نے رخ موڑ کر اسے دیکھا پھر اپنی نشست سے اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا۔

''مگر تمہارے جملوں سے مس حیا آفندی کی سیلف رسپیکٹ ان کی ایگو بہت ہرٹ ہوئی ہے سونیا...... تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''اوکے فراز...... آئی ایم سوری' میں اس دن کچھ زیادہ ہی ایموشنل ہو گئی تھی اب بات کو پلیز ختم کرو۔'' سونیا سر جھٹک کر اس کی جانب دیکھتے ہوئے صلح جو انداز میں بولی تو فراز نے اسے چند ثانیے دیکھا۔

''کتنی آسانی اور سہولت سے تم نے صرف سوری کہہ کر بات ختم کر دی سونیا مگر تمہیں یہ نہیں معلوم کہ تمہارے لفظوں سے مس حیا کی روح اور دل پر کتنے گہرے زخم لگے ہیں۔'' فراز دل ہی دل میں بولا پھر ہمیشہ کی طرح مفاہمتی انداز اپناتے ہوئے گویا ہوا۔

''اوکے ڈیئر! اچھا اب تم گھر جاؤ' مجھے ایک ضروری میٹنگ کے لیے فوراً نکلنا ہے۔'' فراز کو اپنی سابقہ ٹون پر واپس آتے

اور عجلت میں کھڑا ہوتے دیکھ کر سونیا نے طمانیت آمیز سانس بھری۔

''اوکے فراز مگر آج رات ڈنر تم میرے گھر کر رہے ہو فائن۔'' سونیا بھی اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے قطعیت بھرے انداز میں بولی تو فراز نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

❀......❀......❀

زرتاشہ اور زرمینہ کا آج تیسرا پرچہ تھا اور یہ پرچہ سر شرجیل لے رہے تھے۔ سر شرجیل کے سبجیکٹ کا پرچہ بھی خلاف توقع کافی آسان تھا' زرمینہ اور زرتاشہ بہت مطمئن ہو کر کمرہ امتحان میں پرچہ دینے میں مگن تھیں جب کہ سب ہی اسٹوڈنٹس یہ بخوبی دیکھ چکے تھے کہ پورے ہال میں چکر لگاتے ہوئے سر شرجیل کئی بار عروبہ عظیم کی سیٹ کے پاس کچھ وقت کے لیے کھڑے ہوئے اور سوالوں کے جواب بھی بتائے' کلاس کے چند ایک چلبلے لڑکوں نے بھی تھوڑا بہت ان سے پوچھنے کی کوشش کی جن کو انہوں نے تھوڑے بہت اشارے بھی دیئے۔ زرتاشہ جو اپنا سر پوری طرح پیپر پر جھکائے تیزی سے قلم چلا رہی تھی کہ اسی پل سر شرجیل کی اپنے پہلو سے آتی دھیمی آواز پر وہ بری طرح ہڑبڑائی تھی۔

''مس زرتاشہ! آپ کو کوئی پرابلم تو نہیں ہو رہی نا؟'' زرتاشہ نے بے اختیار سر اٹھا کر قدرے رخ موڑ کر دیکھا تو سامنے ہی سر شرجیل بڑی دلکشی سے مسکراتے ہوئے دکھائی دیئے۔ زرتاشہ اندر ہی اندر بری طرح خائف ہوگئی' دل کی دھڑکنیں بھی منتشر ہوگئیں' ہاتھ پاؤں میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔

''نو...... نو سر...... کوئی پرابلم نہیں۔'' وہ بڑی دقتوں سے اپنے خشک ہوتے لب پر زبان پھیرتے ہوئے بولی جواباً سر شرجیل نے اسے بے حد معنی خیز نگاہوں سے دیکھا پھر کافی دھیمی آواز میں گویا ہوئے۔

''اگر کسی بھی قسم کی ہیلپ کی ضرورت ہے تو مجھے بتایئے پلیز۔''

''یا اللہ یہ شخص تو میرے پیچھے ہی پڑ گیا۔'' زرتاشہ خائف سی ہو کر اپنے دل میں بولی پھر ہلکا سا مسکرا کر سر نفی میں ہلاتے ہوئے بولی۔

''نو سر کوئی ہیلپ نہیں چاہیے۔'' زرتاشہ کے انکار پر سر شرجیل نے بے حد بھرپور نگاہوں سے اسے دیکھا پنک اور کاسنی امتزاج کے لان کے سوٹ میں آنکھوں میں کاجل کی باریک سی لکیر کھینچے چہرے پر بلا کی ملائمت و نرمی لیے وہ بے حد کیوٹ لگ رہی تھی۔

''اوکے' جیسے تمہاری مرضی۔'' یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئے جب کہ زرتاشہ نے جیسے کب کی رکی ہوئی سانس بحال کی پھر سر جھٹک کر دوبارہ اپنی کاپی کی طرف متوجہ ہوگئی اور جلدی جلدی قلم چلانے لگی۔

❀......❀......❀

جیکولین نے ولیم کے پیرنٹس کے ساتھ بات چیت کر کے اور ولیم کی منگنی کی تاریخ فکس کر دی تھی جو کہ چار دن بعد کی تھی ولیم بہت ایکسائٹڈ ہو رہا تھا۔ ابرام بھی اپنا کام نمٹا کر واپس آ گیا تھا' جیکولین نے ماریہ کو مال لے جا کر کچھ ضروری چیزیں دلوا دی تھیں وہ ایک میکانکی انداز میں جیکولین کے ہمراہ شاپنگ مال میں چلتی رہی اور جو جیکولین کہتی وہ چیزیں خاموشی سے خریدتی رہی جیسکا کو ایک طرف اپنی دوست کی منگنی کی خوشی تھی مگر دوسری جانب ماریہ کے عجیب و غریب رویے اور سپاٹ انداز پر وہ کافی اپ سیٹ بھی ہو رہی تھی۔

''ابرام آئی ایم شیور کہ ماریہ ولیم کے ساتھ رشتہ بنانے میں خوش نہیں ہے وہ ولیم کو شاید اپنے شوہر کے روپ میں قبول نہیں کرنا چاہتی۔'' جیسکا نے ابرام سے اپنے دل کی بات شیئر کی تو وہ محض خاموشی سے دیکھ کر رہ گیا۔

''پتا نہیں کیوں' جیکولین آنٹی کو ماریہ کو اتنی جلدی انگیج کرنے کی کیا ضرورت ہے وہ تو ابھی بہت ینگ ہے اور پھر اس کی پڑھائی بھی تو چل رہی ہے۔'' جیسکا اپنے مخصوص انداز میں بولتی چلی گئی جب کہ ابرام خاموشی سے محض ڈرائیونگ کرتا رہا اس وقت وہ دونوں آؤٹنگ پر نکلے تھے آج کل جیسکا کے ذہن میں صرف ماریہ ایڈم ہی سوار تھی۔

''ولیم اچھا لڑکا ہے اور پھر ماریہ کو بھی وہ دل و جان سے پسند کرتا ہے' بہت خوش بھی ہے مگر میرے خیال میں ولیم کی فیلنگز

یک طرفہ ہیں اور ایسے رشتے بہت جلد ٹوٹ جاتے ہیں۔" بولتے بولتے اچانک جیسکا کو ابرام کی گمبھیر خاموشی کا احساس ہوا تو اس نے گردن موڑ کر کافی حیرت سے اسے دیکھا۔ آج پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ اس کی بہن کا تذکرہ مسلسل کر رہی تھی اور وہ یوں مہر بہ لب خاموشی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

"آر یو او کے ابرام؟" ماریہ نے متعجب آمیز لہجے میں انگریزی میں استفسار کیا تو ابرام اپنے دھیان سے یک دم چونکا پھر جیسکا پر نگاہ ڈال کر سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"ہوں کچھ کہا تم نے مجھ سے؟"

"ابرام......!" جیسکا کا منہ حیرت وتحیر کے عالم میں کھلا کا کھلا رہ گیا' ابرام کی اس قدر غائب دماغی نے جیسکا کو حیران کر دینے کے ساتھ ساتھ اس کو تپا بھی دیا تھا۔

"او مائی گاڈ......! یہ ابرام آج کل تم دونوں بہن بھائی کو نجانے کیا ہوتا جا رہا ہے اور کوئی کچھ بتا کر بھی نہیں دے رہا۔" جیسکا کافی ناراضی سے اپنے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھامتے ہوئے بولی تو ابرام محض گہری سانس بھر کر رہ گیا پھر اسے جیسکا کی حالت زار پر ترس سا آ گیا وہ گمبھیر لہجے میں گویا ہوا۔

"آئی ایم سوری جیسکا......دراصل میں بھی ماریہ کی وجہ سے کافی اپ سیٹ اور ڈپریس ہوں اسی کو لے کر میں کچھ سوچ رہا تھا لہٰذا تمہاری بات پر دھیان نہیں دے سکا۔"

"مجھے اندازہ ہے کہ تم ماریہ کی وجہ سے کافی ڈسٹرب ہو مگر ابرام ہم کس طرح ماریہ کو اس کیفیت سے باہر نکالیں اس نے خود کو ایک خول میں جیسے بند کر لیا ہے اب تو وہ مجھ سے زیادہ بات چیت بھی نہیں کرتی' اپنے اردگرد اس نے اونچی دیواریں کھڑی کر دی ہیں۔ ابرام وہ دن بہ دن اکیلی ہوتی جا رہی ہے۔" جیسکا کافی دکھ سے بولی تو ابرام نے تائیدی انداز میں سر ہلا کر کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو جیسکا ماریہ نے خود کو سب سے الگ تھلگ کر لیا ہے' جان بوجھ کر تنہا اور اکیلا کر لیا ہے۔ تم اندازہ بھی نہیں کر سکتیں کہ میں ماریہ کے اس رویے کی بناء پر کتنا ہرٹ ہوں۔" وہ اس وقت واقعی بہت بکھرا بکھرا سا لگ رہا تھا' جیسکا نے بے حد ہمدردی اور محبت سے اسے دیکھا پھر اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھ کر ہلکا سا دبا کر بولی۔

"تم پلیز اب پریشان مت ہو ابرام! گاڈ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا تم خود کو اس طرح ہرٹ مت کرو ڈیئر۔"

"آئی ہوپ کہ سب کچھ بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا۔" سہولت سے موڑ کاٹتے ہوئے ابرام ہنوز سنجیدگی بھرے لہجے میں بولا تو جیسکا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

❁ ❁ ❁

امی سر دونوں ہاتھوں سے تھامے بیٹھی تھیں جبکہ مہرینہ کی اماں بھی کسی گہری سوچ میں غلطاں سامنے نگاہیں ٹکائے کسی غیر مرئی نقطے کو تکے جا رہی تھیں اس سمے وہ دونوں گھر کے اندر بنے چھوٹے سے صحن میں بیٹھی تھیں۔ موسم میں خاصی تبدیلی آ گئی تھی خوش گوار سی ٹھنڈک اور نرم ملائم سی دھوپ کی کرنیں بے حد بھلی معلوم ہو رہی تھیں' رخصت ہوتی سہ پہر کی حدت اور آہستہ سے اترتی شام کی خنکی نے فضا کو انتہائی روح پرور اور دلکش سا بنا دیا تھا' پرندوں کی سریلی دلنشین چہچہاہٹ اس سمے زندگی کی خوب صورتی اور رعنائیوں کا اعلان کر رہی تھی مگر یہ دونوں خواتین ماحول کی رنگینیوں سے بے نیاز حالات کی تلخیوں اور مسائل کے جال میں پھنسی اپنی اپنی سوچوں میں مستغرق تھیں جب ہی مہرینہ اپنے مخصوص انداز میں مگن سی گنگناتی ہوئی داخلی دروازے سے داخل ہوئی پہلی نگاہ میں ہی وہ ان دونوں کی سنجیدگی کو بخوبی بھانپ گئی لہٰذا وہ خود بھی سنجیدہ ہو گئی پھر دونوں خواتین کو متوجہ کرتے ہوئے سلام کیا تو دونوں اپنے دھیان سے چونک کر حال کی دنیا میں واپس لوٹ آئیں۔

"یہ تم کہاں سے آ رہی ہو میں پوچھتی ہوں بھابی! اس مہرو کے پاؤں میں تو بلیاں بندھی ہوئی ہیں مجال ہے جو یہ لڑکی ایک جگہ ٹک کر سکون سے بیٹھ جائے۔" اماں نے اسے دیکھ کر بے حد ناگواری سے کہا تو مہرینہ لمحے کے ہزارویں حصے میں سمجھ گئی کہ اماں کسی بات کو لے کر بہت پریشان ہیں جب بھی وہ کسی ذہنی دباؤ میں ہوتیں یا بہت زیادہ متفکر ہوتیں اسی طرح مہرینہ پر جھنجھلا جاتی تھیں' مہرو نے ایک نگاہ اماں اور پھر امی کو دیکھا۔

”میں بٹو کے ساتھ نیچے والی سڑک پر گئی تھی کچھ کام تھا۔“
”ہاں ہاں سب کے کاموں کا ٹھیکہ تو تُو نے ہی لے رکھا ہے نا کتنی دفعہ منع کیا ہے تجھے کہ اس طرح دوسروں کے معاملات اور کاموں میں ٹانگ مت اڑایا کر۔“ اماں آج کچھ زیادہ ہی دباؤ کا شکار تھیں جب ہی مہرینہ کی طبیعت اس پل اچھی طرح صاف کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔
”کیوں بچی کو ڈانٹ رہی ہو گڈو یہیں پاس میں ہی تو گئی تھی۔“ امی نے درمیان میں مداخلت کی تو وہ محض انہیں دیکھ کر رہ گئیں پھر بے ساختہ ان کا دل بھر آیا آنکھوں میں آنسوؤں کی یلغار ہوگئی۔
”بھابی تم تو اس کے باپ کو جانتی ہو نا اسی کو لے کر وہ مجھے کتنا کچھ سناتا رہتا ہے اور تو اور اب وہ لالہ رخ کے پیچھے پڑ گیا ہے کہ وہ کیوں بھائی جان کو دوسرے شہر لے جانے پر تلی ہوئی ہے میں کروں بھی تو کیا کروں۔“ آخر میں وہ اپنا چہرہ ڈوپٹے میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں تو مہرینہ بری طرح تڑپ کر بھاگتی ہوئی اماں کے پاس آئی اور ان سے لپٹ گئی۔
”اماں تم بھلا ابا کی باتوں پر کیوں رو رہی ہو اس کی تو ہمیشہ سے یہی عادت ہے کڑوی کسیلی باتیں سنانے کی۔“ مہرو اماں کو اپنے ساتھ لگاتی ہوئی بولی تو لالہ رخ کی امی نے بھی تائیدی انداز میں کہا۔
”مہرو بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے بھائی جی کی باتوں کو کیوں دل سے لگا رہی ہو۔“ بھاوج کی بات پر اماں نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا پھر کافی جھجک کر گویا ہوئیں۔
”مومن اللہ کہتا ہے کہ......“ وہ قدرے رکیں پھر شرمندگی سے بولیں۔ ”مہرو کو لالہ رخ سے ملنے جلنے مت دو لالہ رخ کے اس طرح بغیر کسی مرد کے اکیلے کراچی جانے پر وہ کافی خفا ہو رہا ہے۔ کہہ رہا ہے کہ اس سے خاندان کی بدنامی ہوگی۔“ اماں کے منہ سے یہ پژمردہ سن کر مہرو سلگ گئی انتہائی تلملا کر اماں کے پہلو سے اٹھی۔
”ابا مجھے کبھی بھی لالہ رخ سے ملنے جلنے پر نہیں روک سکتا اور رہی بات لالہ رخ کے تنہا کراچی جانے کی تو ابا خود کیوں نہیں لالہ کے ساتھ چلا جاتا۔“
”مہرو بری بات باپ کے متعلق اس طرح بات نہیں کہتے بیٹا۔“ امی مہرو کے انداز پر اسے ٹوکتے ہوئے بولیں تو مہرو نے انہیں بے بسی سے دیکھا پھر نم لہجے میں بولی۔
”مامی ابا نے ہمیں کون سا پیار کون سی محبت کا احساس بخشا جو ہمارے لہجوں میں ان کے لیے پیار ہوگا ہمیشہ بے حد حقارت تنفر اور بے زاری سے بات کی کبھی مجھے اپنے سینے سے لگا کر ایک بار بھی جو پیار کیا ہو۔“ بولتے بولتے آخر میں اس کی آواز رندھ گئی تھی۔ مہرینہ بظاہر بہت بے پروا من سی لڑکی تھی ہمہ وقت اپنے حال میں مست رہتی تھی دوسروں کے دکھ سکھ میں کام آتی تھی مگر اندر سے اس کا دل اپنے باپ کے حوالے سے کتنا شکستہ اور دکھی تھی۔ یہ بات ان سب کو بخوبی معلوم تھی وہ اپنے باپ کی محبت کو ہمیشہ ترستی تھی یہ تو ماموں کا وجود اس کے لیے باعث شفقت وحلاوت تھا جو وہ ہمیشہ اپنی محبت اور شفقت سے اس کے اندر خلا کو پُر کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ مہرو بھی اپنے ماموں کو بے حد چاہتی تھی ان کا وجود اسے اپنے باپ سے بھی زیادہ عزیز تھا یہی وجہ تھی کہ ان کی بیماری کو لے کر لالہ رخ کے ساتھ ساتھ وہ بھی بے حد پریشان اور الجھی ہوئی تھی۔
”اچھا تُو کیوں دل چھوٹا کرنے لگی پگلی ابھی تو مجھے سمجھا رہی تھی اور اب خود جلنے کڑھنے بیٹھ گئی۔“ اماں اسے یوں بکھرا دیکھ کر جلدی سے بولیں بھلا مہرو کی آنکھوں میں وہ آنسو کیسے دیکھ سکتی تھیں۔
”اچھا بابا اب بس کرو چھوڑو ان فضول باتوں کو......“ امی رسانیت سے بولیں پھر مہرو سے مخاطب ہو کر گویا ہوئیں۔
”مہرو بیٹا...... لالہ آنے والی ہوگی اور میں نے اب تک کھانا نہیں پکایا آج ایسا کرو تم رات کا کھانا پکا لو پھر ہم سب ساتھ کھانا کھائیں گے۔“
”کیوں نہیں مامی بتایئے کیا پکانا ہے۔“ مہرو فوراً رضامندی دیتے ہوئے خوش گواری سے بولی تو دونوں خواتین ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائیں پھر لالہ رخ کی امی نرمی سے بولیں۔
”تمہارا جو دل چاہے پکا لو آج ہم تمہاری مرضی کا کھانا کھائیں گے۔“

"یہ ٹھیک ہے۔" مہر خوشی سے بولی اور وہاں سے اٹھ کر باورچی خانے کی جانب آ گئی جب کہ دونوں خواتین ادھر اُدھر کی باتوں میں مگن ہوگئیں تھیں۔

❀.......❀.......❀
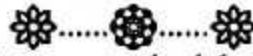
عشاء کی نماز سے فارغ ہوکر زرتاشہ اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس آ کر کھڑی ہوگئی۔ رات کی تاریکی چہار سو پھیل چکی تھی اس سمے ہر چیز اندھیرے کی سیاہی میں ڈوبی دکھائی دے رہی تھی۔ ہاسٹل کے احاطے میں لگیں زرد اور سفید لائٹیں ہاسٹل کے اطراف میں اپنی روشنی بکھیر رہی تھیں، زرتاشہ یونہی خالی الذہن کھڑی بے مقصد یہ نیچے دیکھی جارہی تھی، زرمینہ نے کافی زور لگایا کہ وہ کھانا کھانے نیچے چلے مگر زرتاشہ نے انکار کردیا اس پل وہ اکیلا رہنا چاہتی تھی۔

"افوہ تاشو تم کب سے اتنی اڑیل اور ضدی ہوگئیں۔" جب وہ نیچے جانے کو نہیں مانی تو زرمینہ جھنجھلا کر بولی۔

"ابھی اور اسی وقت سے۔" زرتاشہ نے بڑی سہولت سے جواب دیا پھر زرمینہ اس کے لیے کھانا لانے کا کہہ کر مجبوراً اکیلے ہی نیچے چلی گئی تھی یونہی خالی دماغ کھڑے کھڑے اسے یک دم آج کلاس روم کا واقعہ پوری جزئیات سمیت یاد آ گیا۔ زرتاشہ ہمیشہ پورے تین گھنٹے میں پیپر حل کرتی تھی اگر تین گھنٹے سے پہلے بھی وہ فارغ ہوجاتی تب بھی وہ پرچوں کو الٹ پلٹ کرکے دیکھ کر اس کی نوک پلک سنوارتی رہتی تھی۔ آج کا پیپر خاصا لمبا تھا، زرتاشہ نے شروع سے اپنے لکھنے کی اسپیڈ تیز رکھی تھی مگر پھر بھی ہمیشہ کی طرح اسے پرچہ ختم کرنے میں تین گھنٹے لگ گئے تھے، کلاس روم میں صرف اکا دکا ہی اسٹوڈنٹس رہ گئے تھے۔ زرمینہ بھی اپنا پیپر مکمل کرکے سر شرجیل کے حوالے کرکے باہر چلی گئی تھی جب تین گھنٹے پورے ہوگئے تب ہی زرتاشہ نے اپنا سر اٹھایا تھا اور پھر اپنی سیٹ سے کھڑی ہوکر سر شرجیل کے ڈائس کے قریب جاکر کاپی انہیں تھمائی سر شرجیل اس وقت دوسری کاپیوں کو ترتیب دے رہے تھے جب ہی انہوں نے نگاہ اٹھا کر انتہائی دلنشیں انداز میں اسے دیکھ کر مسکرا کر مخاطب کیا۔

"ایک منٹ مس زرتاشہ! مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" زرتاشہ جو انہیں کاپی پکڑا کر مڑنے ہی والی تھی یک دم ٹھٹک کر رک گئی پھر آنکھوں میں الجھن وناگواری کے رنگ لیے استفہامیہ نظروں سے انہیں دیکھا، دل کی دھڑکنوں میں اس پل بڑی تیزی سے ارتعاش پیدا ہوا تھا۔ ایک اضطرابی کیفیت نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اس نے جونہی کلاس روم پر نگاہ ڈالی اس کا دل دھک سے رہ گیا، اپنی بے خبری اور بے پروائی پر اسے عود کر غصہ آیا پوری کلاس اس وقت خالی تھی وہ آخری اسٹوڈنٹ تھی جو اب بالکل اکیلی اور تنہا سر شرجیل کے سامنے اس پل ان کی نگاہوں کے حصار میں کھڑی تھی۔

"مس زرتاشہ کیا آپ مجھ سے کسی بات پر خفا ہیں؟" سر شرجیل نے زرتاشہ سے اس قدر لگاوٹ اور جذبات سے مخمور لہجے میں پوچھا جیسے ان دونوں کے درمیان کوئی خاص رشتہ انوکھا تعلق ہو، زرتاشہ کو سر شرجیل کے انداز نے سر تا پا سلگا کر رکھ دیا۔

"نہیں سر! میں آپ سے کیوں خفا ہونے لگی۔" اپنی ناگواری اور طیش پر بمشکل قابو پا کر اس نے انتہائی رکھائی سے انہیں جواب دیا۔

"تو پھر آپ نے میرا نمبر بلیک لسٹ میں کیوں ڈال دیا مس زرتاشہ یقیناً آپ مجھ سے خفا ہیں جب ہی......" انہوں نے قصداً جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"یا اللہ انہیں بلیک لسٹ کا بھی معلوم ہوگیا کہیں یہ مجھے اپنے سبجیکٹ میں فیل نہ کردیں۔" وہ انتہائی متوحش ہوکر دل ہی دل میں خود سے بولی۔

"اونہہ بھاڑ میں جائے پیپر اور جہنم میں جائیں سر شرجیل یہ فیصلہ کرتے ہی اسے جیسے غیبی طاقت میسر آ گئی اس نے انتہائی پُراعتماد نظروں سے سر شرجیل کو دیکھ کر بے حد کٹیلے انداز میں کہا۔

"سر میں یہاں صرف پڑھنے آئی ہوں ان فضول کاموں کے لیے نہ میرے پاس وقت ہے اور نہ ہی مجھے میرا ضمیر اجازت دیتا ہے، سو پلیز آپ اس طرح کا بی ہیور میرے ساتھ مت اپنائیں، میں آپ کی ایک استاد کی حیثیت سے بہت عزت کرتی ہوں اور چاہتی ہوں ہمیشہ ایسے ہی کرتی رہوں۔" یہ کہہ کر زرتاشہ بناء سر شرجیل کا ردعمل دیکھے اپنی سیٹ پر گئی اور اپنی چیزیں سمیٹ کر تیزی سے کلاس روم سے باہر نکل آئی جہاں سامنے ہی گارڈن میں زرمینہ ٹہلتے ہوئے اس کی منتظر دکھائی دی۔

''افوہ تاشو! پیپر کی جان بھی چھوڑ دیا کرو اگر تمہیں پانچ گھنٹے بھی ملیں ناتو تم پورے پانچ گھنٹے ہی کاپی سے چمٹی رہو یہاں میرے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں۔'' زرمینہ اسے آتا دیکھ کر نان اسٹاپ بولتی چلی گئی پھر معاً اسے زرتاشہ کی جامد چپ کا احساس ہوا تو اس نے گردن موڑ کر قدرے چونک کر اسے دیکھا۔

''کیا ہوا تاشو! سب ٹھیک تو ہے ناتم اتنی خاموش کیوں ہو کیا پیپر اچھا نہیں ہوا؟'' زرتاشہ کے چہرے پر چھائی سرخی اور خاموشی نے زرمینہ کو متفکر سا کردیا' زرمینہ کے استفسار پر زرتاشہ نے ایک گہری سانس لی پھر زرمینہ کی جانب دیکھ کر دھیمی آواز میں بولی۔

''ہوں پیپر تو اچھا ہوا ہے مگر...... شاید میں اس پرچے میں فیل ہوجاؤں گی۔'' زرتاشہ کی ناسمجھ میں آنے والی بات پر زرمینہ نے اسے خاصی الجھن آمیز نگاہوں سے دیکھا۔

''فیل ہوجاؤں گی' کیا مطلب تاشو میں سمجھی نہیں تم فیل کیسے ہوجاؤ گی؟'' اور پھر زرتاشہ نے زرمینہ کو پوری بات بتائی تو زرمینہ نے اسے انتہائی داد دیتی نظروں سے دیکھا۔

''شاباش تاشو...... ویری گڈ آخر میری بکری شیرنی بن ہی گئی فنٹاسٹک تاشو...... تم نے بہت اچھا کیا۔'' بے تحاشہ خوشی و جوش سے بولتے بولتے یک دم زرمینہ بالکل چپ ہوگئی کیوں کہ سامنے سے سرشرجیل ہاتھوں میں پلندہ اٹھائے کلاس روم سے انتہائی سنجیدہ انداز میں باہر آرہے تھے زرتاشہ نے زرمینہ کے اچانک خاموش ہونے پر اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا تو سرشرجیل اسے اسی جانب آتے دکھائی دیئے۔

''سر پلیز بتایئے ناپیپر کا رزلٹ کب آئے گا۔'' عروبہ عظیم نجانے کہاں سے نکل کر سامنے آ گئی تھی اپنے مخصوص انداز میں اٹھلا کر اس نے پوچھا ایک دو اور اسٹوڈنٹس بھی ان کے قریب آ گئے تھے۔

''سر پلیز مارکس اچھے دیجیے گا ہم پر ذرا ہلکا ہاتھ رکھیے گا۔'' ان کی کلاس کا شوخ سا اسٹوڈنٹ دانیال مسخرے پن سے بولا۔

''سر پیپر تو بہت اچھا بنایا تھا بس مارکس بھی اچھے دیجیے گا دل کھول کر۔'' عروبہ دوبارہ ہنوز انداز میں بولی زرمینہ اور زرتاشہ سے کچھ ہی فاصلے پر اسٹوڈنٹس سرشرجیل کو گھیرے ہوئے کھڑے تھے۔

''راستہ دیجیے مجھے اور رزلٹ نوٹس بورڈ پر جب لگے گا تب آپ لوگ دیکھ لیجیے گا اس وقت میرا دماغ مت کھایئے۔'' بے حد رکھائی اور سختی سے سرشرجیل بولتے اسٹوڈنٹس کے درمیان سے نکل کر چلے گئے جب کہ اسٹوڈنٹس ان کے اس قدر عجیب و غریب انداز پر قدرے متعجب ہوگئے۔

''یہ سرشرجیل کو کیا ہوگیا' ابھی تھوڑی دیر پہلے تو کتنے اچھے موڈ میں تھے۔'' دانیال حیرت سے بولا پھر عروبہ کو چھیڑنے کی غرض سے اس پر طنز کرتے ہوئے گویا ہوا۔

''عروبہ انہوں نے تمہاری بات کا بھی جواب نہیں دیا نا۔''

''اوشٹ اپ دانیال...... تم اپنے کام سے کام رکھا کرو سمجھے۔'' انتہائی ناگواری سے کہہ کر عروبہ وہاں سے چلی گئی تو دانیال زرتاشہ اور زرمینہ کے قریب آ گیا۔

''ہیلو گرلز کیسی ہیں آپ دونوں؟'' زرتاشہ اور زرمینہ دونوں اس کے مسخرے پن سے خوب واقف تھیں لہٰذا دونوں کے چہروں پر بے اختیار مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ کھنکے کی آواز پر یک دم زرتاشہ حال کی دنیا میں لوٹی اس نے مڑ کر دیکھا تو زرمینہ پلیٹ ہاتھ میں تھامے کمرے میں داخل ہورہی تھی۔

''تاشو وارڈن نے مجھے سختی سے کہا ہے کہ آج کے بعد کھانا کوئی بھی کمرے میں نہیں لے کر جائے گا اب چلو کھانا شروع کرو۔'' وہ مگن انداز میں بولی تو زرتاشہ نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا پھر کھانے کی طرف متوجہ ہوگئی۔

❁.........❁.........❁

''آخر تم نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے باسل! کیا میں تمہارے دل کو بہلانے کے لیے محض کھلونا تھی جس سے دو گھڑی کھیل کر تم نے ایک کونے میں ڈال دیا یا پھر وقت گزاری کے لیے کوئی دلچسپ کتاب جسے پڑھ کر تم نے ردی کی نذر کردیا۔ ایسا کیوں کیا

باسل تم نے میرے ساتھ میں تو تم سے سچی محبت کرنے لگی تھی تمہیں دل و جان سے چاہنے لگی تھی اب میں کیا کروں گی باسل میرا دل تو تمہارے قبضے میں ہے اور میری روح بھی صرف تمہاری مٹھی میں ہے۔ ٹھیک ہے اگر تم راستہ بدلنا چاہتے ہو تو بدل ڈالو مگر پلیز فار گاڈ سیک میرا دل تو مجھے واپس کر دو میری روح کو اپنی مٹھی سے آزاد کر دو۔ بھلا دل اور روح کے بناء میں کیسے زندہ رہ پاؤں گی۔ پلیز باسل! پلیز میرے ساتھ ایسا مت کرو۔'' نیلم فرمان جذبات کی شدت میں گھری بڑی بے قراری و لاچاری سے بولتی چلی گئی اور بھل بھل آنسو رخساروں پر بہتے چلے گئے باسل نے قدرے چونک کر اسے دیکھا اس وقت وہ ساحل سمندر سے کچھ دور آگے دو دریا پر ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھے تھے جہاں اطراف میں کافی خاموشی اور سناٹا تھا جب کہ رات کی سیاہی نے پوری طرح سے اپنے پروں کو پھیلا کر ماحول کو خاصا پُر اسرار اور وحشت ناک بنا دیا تھا نیلم کئی دن سے اس سے باہر ملنے پر اصرار کر رہی تھی آج وہ دونوں یہاں آ گئے تھے جس سے وہ یہاں پہنچے تھے شام کے دھند لکے گہرے پڑ چکے تھے۔ نیلم کافی خوش اور ایکسائٹڈ ہو رہی تھی اس پل لائٹ گرین اور ریڈ کنٹراسٹ کے شلوار سوٹ میں ہلکا ہلکا میک اپ کیے وہ کافی معقول لگ رہی تھی ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد باسل نے یونہی نیلم کا ری ایکشن دیکھنے کے لیے اپنی فرضی کزن کا تذکرہ کیا اور یہ بھی بتایا کہ اس کے پیرنٹس اس کے ساتھ باسل کی شادی میں انٹرسٹ ہیں تو ہر لڑکی کی طرح نیلم نے بھی رونا دھونا مچایا اور وہی عام سے جملے استعمال کیے باسل کے لیے نیلم فرمان کا ردعمل حسب توقع ہی تھا مگر کوئی ایسی چیز ضرور تھی جو باسل خاور حیات کے دماغ میں الجھ رہی تھی چبھ رہی تھی باسل نے گہری سانس فضا سے کھینچی پھر سہولت سے گویا ہوا۔

''دیکھو نیلم یہ حقیقت ہے کہ میں تمہیں پسند کرتا ہوں' تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو اور مجھے تم سے محبت بھی ہے مگر......'' وہ قدرے ٹھہرا نیلم نے اپنی سوں سوں کرتی ناک کو ٹشو سے رگڑتے ہوئے ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھا۔

''مگر میں نے تم سے شادی کا وعدہ تو ہرگز نہیں کیا تھا ان فیکٹ ابھی میری شادی کرنے کی عمر بھی نہیں ہے' میری ابھی تو اسٹڈیز بھی کمپلیٹ نہیں ہوئی اور......''

''مگر باسل میں تم سے ابھی شادی کرنے کا تھوڑی کہہ رہی ہوں میں تو بس یہ چاہتی ہوں کہ تم مجھے شیور کر دو کہ میرے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کرو گے۔'' نیلم درمیان میں ہی باسل کی بات قطع کر کے ہموار لہجے میں بولی تو باسل چند ثانیے اسے دیکھتا رہ گیا۔

''اونہہ بہت چالاک اور مکاری لڑکی ہو تم نیلم فرمان مگر میں نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیل رکھیں۔'' باسل دل ہی دل میں انتہائی تنفر بھرے انداز میں خود سے بولا۔

''کیا سوچ رہے ہو باسل؟'' یک دم نیلم کی آواز پر وہ چونکا۔

''آں ہاں' کچھ نہیں...... میں بس یہ سوچ رہا تھا کہ نیلم فی الحال ہمیں اپنی پڑھائی پر توجہ دینی چاہیے اور پھر ہماری فرینڈ شپ بھی تو چل رہی ہے نا میں تمہارے ساتھ تو ہوں پھر تمہیں کس بات کی ٹینشن ہے۔'' آخر میں وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولا تو نیلم نے شکوہ کناں نگاہوں سے اسے دیکھا پھر ایک تھکی ہوئی سانس فضا کے حوالے کرتے ہوئے بولی۔

''ہم مڈل کلاس لڑکیاں جسے پسند کرتی ہیں اس کو ہی دل و جان سے چاہنے لگتی ہیں اسے اپنے من کا دیوتا بنا کر دن و رات پوجا کرتی ہیں ہمہ وقت اسی کے ساتھ کے سپنے اپنی کھلی اور بند آنکھوں سے دیکھتی رہتی ہیں۔ باسل ہماری کلاس میں لڑکوں سے دوستی کی اجازت نہیں ہوتی میں تو سمجھی تھی کہ تم مجھ سے شادی......'' اتنا کہہ کر وہ خود ہی خاموش ہو گئی تو باسل بغور اسے دیکھتا رہ گیا کافی دیر تک دونوں کے درمیان گمبھیر خاموشی کا پردہ حائل رہا پھر باسل کی ٹھہری ہوئی آواز نے اسے چاک کیا۔

''نیلم یہ بات ہرگز نہیں کہ میں محض اپنا وقت رنگین بنانے کی خاطر تمہارے قریب آیا' تم مجھے حقیقت میں پسند آئیں' خاص طور پر تمہارا یہ مشرقی انداز تمہارا گریز تمہاری شرم و جھجک مگر رہا شادی کا سوال تو یہ قبل از وقت ہے اس کا جواب تو فی الحال میرے پاس نہیں ہے۔'' نیلم بغور اس کی بات سنے گئی جب وہ خاموش ہوا تو آہستگی سے گویا ہوئی۔

''باسل مجھے تمہاری صاف گوئی تکلیف دینے کے ساتھ ساتھ اچھی بھی لگی مگر کیا میں تم سے یہ امید کر سکتی ہوں کہ جب بھی تم شادی کا فیصلہ کرو گے تو نگاہ انتخاب میں ٹھہروں گی۔'' نیلم فرمان آس و نراس کی کیفیت میں گھری اس سے استفسار کر رہی

تھی باسل نے بڑی دلکشی سے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''آف کورس نیلم!''

''تھینک یو باسل! تھینک یو سو مچ۔'' نیلم بے تحاشا خوش ہو کر بولی تو باسل محض اسے دیکھتا رہ گیا۔

❀......❀......❀

کام نمٹاتے نمٹاتے جونہی لالہ رخ نے سر اٹھا کر کھڑکی کی جانب دیکھا باہر پھیلے مہیب اندھیرے کو دیکھ کر وہ اچھی خاصی پریشان ہوگئی۔

''اوہ آج مجھے اتنی دیر ہوگئی' ابا کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ خود سے بولتی تیزی سے اپنی کرسی سے اٹھی اور مختلف کاغذات کو اپنی میز کے ایک سائیڈ پر رکھنے کے بعد اپنا ہینڈ بیگ کندھے پر لٹکا کر جونہی گیسٹ ہاؤس کی لابی کی جانب آئی۔ مہرو کو وہاں ایستادہ پایا اسے دیکھ کر لالہ رخ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی' اسی اثناء میں وہ اس کے پاس آچکی تھی۔

''تم آج پھر اکیلی چلی آئیں؟''

''افوہ لالہ رخ میں کوئی بچی نہیں ہوں سمجھ دار' بُردبار لڑکی ہوں سمجھیں۔'' مہرو اسے تادیبی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی تو لالہ رخ بے ساختہ ہنس دی۔

''سمجھ دار اور بُردبار۔'' وہ محظوظ کن نظروں سے مہرینہ کو دیکھتے ہوئے چھیڑنے والے انداز میں بولی۔

''کیا مطلب...... کیا میں سمجھ دار اور بردبار نہیں ہوں؟'' وہ جیسے مرنے مارنے پر تل گئی۔

''اچھا بابا تم نہ صرف سمجھ دار اور بردبار ہو بلکہ ذہین فطین عقل مند اور......''

''بس بس اب زیادہ او ور ہونے کی ضرورت نہیں۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر لالہ رخ کی بات درمیان میں سے کاٹتے ہوئے بولی تو لالہ ہنس دی دونوں سہیلیاں گیسٹ ہاؤس سے باہر آئیں تو خوش گوار ٹھنڈی ہواؤں نے ان کا استقبال کیا' خنک سی فضا کو محسوس کر کے لالہ رخ کے اندر جیسے تازگی سے اتر گئی' اطراف میں جھینگوں اور مینڈکوں کے بولنے کی آوازیں سناٹے میں اس پل دور دور تک گونج رہی تھیں' دونوں خراماں خراماں چلتی ہوئیں گھر کی جانب جارہی تھیں جب ہی مہرو کی پُرسوچ آواز لالہ رخ کی سماعت سے ٹکرائی۔

''لالہ یہ اپنی تاشو کے امتحان کب ختم ہورہے ہیں؟''

''تاشو کے امتحان شاید اس مہینے کی چوبیس تاریخ کو ختم ہوجائیں گے کیوں تم کیوں پوچھ رہی ہو۔'' وہ اپنی جون میں چلتے ہوئے مہرو سے استفہامیہ لہجے میں بولی تو مہرو چلتے چلتے رک گئی پھر بے حد سنجیدگی سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

''میرے خیال میں ہمیں تاشو کو ابا کی طبیعت کے بارے میں بتا دینا چاہیے لالہ مجھے......'' وہ اٹکی۔ ''مجھے لالہ......'' مہرینہ اضطراری انداز میں اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو مروڑتے ہوئے بے حد ہچکچا کر بولی۔

''مجھے ماموں کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی لالہ! اللہ نہ کرے کہ......''

''بس مہرو کوئی بھی غلط بات منہ سے مت نکالنا میں ابا کو جلد ہی کراچی لے جاؤں گی' انہیں کچھ نہیں ہوگا' انہیں کچھ نہیں ہوسکتا وہ ان شاء اللہ ٹھیک ہوجائیں گے۔'' لالہ رخ مہرینہ کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی تڑپ کر بولی جیسے خود کو سمجھا رہی تھی دونوں سہیلیاں پھر سے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتیں راستہ طے کرنے لگیں جب ہی مہرو اپنے ہنوز انداز میں سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

''لالہ تم تو جانتی ہونا کہ تاشو ماموں سے کس قدر محبت کرتی ہے اور ہم نے تاشو سے یہ بات چھپا کر رکھی ہے کہ وہ کافی بیمار ہیں کہیں اس سے یہ بات چھپا کر ہم غلط تو نہیں کررہے۔'' مہرینہ کی بات سن کر لالہ رخ نے ایک مضمحل سی سانس بھری۔

''تو پھر میں کیا کروں مہرو...... اگر میں نے ابا کی بابت اسے تھوڑا سا بھی بتادیا تو وہ اپنے امتحانات چھوڑ چھاڑ کر یہاں آجائے گی اور تم تو جانتی ہونا کہ اعلیٰ تعلیم اس کا واحد خواب ہے جو اسے بے پناہ عزیز ہے۔''

''مگر اپنے ابا سے زیادہ عزیز تو نہیں ہوگا نا۔'' مہرو کی بات پر اچانک لالہ رخ کے قدم بے ساختہ رکے تھے اس نے چونک

کراندھیرے میں مہرو کو دیکھنے کی کوشش کی پھر کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ مہرو کچھ نہیں بولی خاموشی سے لالہ رخ کا ہاتھ پکڑ کر آہستگی سے چلنے لگی چند ثانیے بعد لالہ رخ کی آواز ابھری۔

"مہرو تم صحیح کہہ رہی ہو یقیناً تاشو کے لیے ابا سے زیادہ کوئی چیز اہم نہیں ہے حتیٰ کہ اس کا خواب بھی میں کل ہی تاشو سے بات کرتی ہوں۔" مہرو لالہ رخ کے فیصلے کن انداز پر سر اثبات میں ہلاتے ہوئے اس کے سنگ آگے بڑھتی چلی گئی۔

❀......❀......❀

سمیر شاہ آفس کے کام کے سلسلے میں پانچ دن کے لیے اسلام آباد گئے ہوئے تھے، جب وہ واپس آئے تو انہیں حیا آفندی کے ریزائن کی بابت خبر ہوئی وہ کافی حیران بھی ہوئے۔

"مس حیا نے ریزائن کردیا ایسا کیسے ہوسکتا ہے اگلے ماہ تو ان کی پروموشن ہونے والی تھی جس کی وجہ سے وہ کافی خوش اور ایکسائٹڈ تھیں۔" سمیر شاہ نے اپنے ماتحت معین الدین سے بے پناہ اچنبھے میں گھر کر استفسار کیا۔

"پتا نہیں سر...... مس حیا پہلے تو دو دن ناسازیٔ طبع کے باعث آفس سے غیر حاضر رہیں پھر تیسرے دن انہوں نے فراز سر کو اپنا ریزگنیشن لیٹر پیش کردیا۔" معین الدین صاحب لاعلمی سے کندھے اچکاتے ہوئے بولے تو سمیر شاہ کسی گہری سوچ میں غلطاں ہوگئے۔ حیا آفندی خاصی سینئر ایمپلائی تھیں حیا کا آفس چھوڑ دینا یقیناً ان کے لیے ایک دھچکے کا باعث تھا۔

"سر ہوسکتا ہے کہ انہیں اس سے بھی زیادہ کوئی اچھی آفر مل گئی ہو جس کی بنا پر یہ جاب چھوڑ دی۔" معین الدین صاحب کی آواز سمیر شاہ کی سماعت سے ٹکرائی تو وہ محض ہنکارا بھر کر رہ گئے۔

"ہوں......" پھر کچھ سوچتے ہوئے بولے۔ "او کے معین صاحب آپ جا کر اپنا کام کیجیے اور ذرا مجھے کھتری اینڈ سنز کی فائل لنچ کے بعد بھجوا دیجیے گا۔"

"جی بہتر سر۔" معین صاحب سہولت سے بول کر کمرے سے نکل گئے تو سمیر شاہ نے اپنی میز کے ایک سائیڈ پر رکھے انٹر کام کا ریسیور عجلت میں اٹھایا۔

"ہاں فراز...... ذرا میرے روم میں آنا۔" پھر ریسیور رکھ کر وہ فراز کی آمد کا انتظار کرنے لگے چند ہی لمحوں میں فراز ان کے سامنے آن پہنچا۔

"جی ڈیڈ۔" وہ ان کے سامنے بیٹھ کر بولا تو سمیر شاہ نے اسے الجھن آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے استفہامیہ لہجے میں کہا۔

"فراز یہ مس حیا نے اس طرح اچانک ریزائن کیسے کردیا؟" فراز شاہ کو اندازہ ہوچکا تھا کہ سمیر شاہ یقیناً حیا آفندی کی بابت دریافت کریں گے ان کے سوال پر وہ ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا' فراز کو جانچتی تولتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے وہ ہنوز لہجے میں بولے۔

"فراز ایسی کیا بات ہوئی تھی جس کے سبب مس حیا نے یوں اچانک ریزائن کردیا۔" فراز نے نگاہ اٹھا کر سمیر شاہ کو دیکھا پھر دھیرے سے گویا ہوا۔

"ڈیڈی دراصل ہوا یہ کہ......" پھر فراز انہیں سب کچھ بتاتا چلا گیا اور سمیر شاہ بے حد شاکڈ کیفیت میں وہ سب سنتے چلے گئے۔

"مس حیا کے پندار اور عزت نفس پر اتنی گہری چوٹ پڑی ڈیڈ کہ...... پھر انہوں نے ریزن کردیا۔" سب کچھ بتا کر فراز خاموش ہوا تھا سمیر شاہ نے کافی افسوس سے بیٹے کی جانب دیکھ کر ایک گہری سانس بھری۔

"سونیا شروع سے ہی بہت جذباتی اور پوزیسو لڑکی ہے لیکن وہ مس حیا سے اتنا برا سلوک کرے گی مجھے اس کا اندازہ بالکل نہیں تھا۔" سمیر شاہ کے لہجے اور انداز میں تاسف ہی تاسف تھا۔ فراز بھی نئے سرے سے افسردہ ہوگیا۔

"ڈیڈی مجھے تو اس بات کا بے حد گلٹ ہے کہ سونیا کے جملوں سے مس حیا جیسی باکردار اور نفیس لڑکی کو کس قدر تکلیف پہنچی۔ کاش میں اس دن سونیا کی برتھ ڈے پر حیا کو لے کر ہی نہیں جاتا۔" فراز شاہ کے لہجے میں اس پل پچھتاوے کے رنگ

نمایاں تھے۔ سمیر شاہ نے فراز کو بے حد گہری نظروں سے دیکھا اور پھر اپنے گمبھیر لہجے میں کہا۔

"اگر تم اس دن مس حیا کو اپنے ساتھ نہ بھی لے کر جاتے تب بھی ایک نہ ایک دن ایسا ہی ہونا تھا وہ پھر کسی اور موقع پر مس حیا کو ضرور ٹارگٹ کرتی اور میرے خیال میں تم اتنے ناسمجھ ہرگز نہیں ہو کہ سونیا کے اس رویے کا سبب نہ جانتے ہو۔" سمیر شاہ کی بات پر فراز شاہ بے ساختہ نگاہیں چرا گیا تو سمیر شاہ اپنی کرسی پر سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے گویا ہوئے۔

"فراز بیٹا آئی ایم شیور کے تم یہ بات اچھی طرح جانتے ہو گے کہ سونیا تم میں انٹرسٹڈ ہے بلکہ کافی زیادہ انوالو ہے اور اس بات کا ثبوت تمہیں سونیا کا مس حیا کے ساتھ مس بی ہیو کر کے مل گیا ہے۔" فراز نے بے اختیار ایک گہری سانس کھینچی پھر قدرے تھکے ہوئے لہجے میں گویا ہوا۔

"میں جانتا ہوں ڈیڈ...... بہت اچھی طرح جانتا اور سمجھتا ہوں اور اس بات کا اندازہ مجھے بہت پہلے ہو گیا تھا مگر......" وہ ایک دم رکا۔

"مگر کیا فراز......؟" سمیر شاہ نے بڑی بے چینی سے پہلو بدلا تھا اس سے فراز کے چہرے پر ناقابل فہم تاثرات تھے۔ سمیر شاہ بیٹے کو بغور دیکھ رہے تھے۔

"مگر میں سونیا میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔" فراز کے ادا کیے گئے جملے پر سمیر شاہ نے بے اختیار اطمینان آمیز سانس بھری۔

"یہ حقیقت ہے کہ سونیا میری بہت اچھی دوست ہے میرا بہت خیال رکھتی ہے اس نے اپنی بہت سی منفی عادتیں صرف میرے کہنے پر میری خاطر چھوڑی ہیں اور ابھی بھی وہ اس چیز کا دھیان رکھتی ہے کہ وہ میری ناپسندیدہ باتوں پر قابو پائے مگر...... ڈیڈ میں اسے اپنی لائف پارٹنر کے روپ میں قبول نہیں کر سکتا۔" آخر میں فراز بے بسی سے بولا تو سمیر شاہ نے ایک ہنکارا بھرا پھر کوئی خیال ذہن میں یک دم آیا تو فوراً بول پڑے۔

"مگر فراز وہ تو تمہارے ساتھ بہت انوالو ہے اور پھر تم اس کی نیچر سے بھی واقف ہو کہیں تمہارے انکار پر اس کا ری ایکشن بہت شدید نہ ہو اور تم تو یہ بات بھی جانتے ہو کہ وہ تمہاری مما کی چہیتی بھتیجی ہے۔"

"میں سب کچھ جانتا ہوں ڈیڈ...... مگر میں اپنی زندگی کو ان چیزوں کی وجہ سے داؤ پر نہیں لگا سکتا۔" وہ قطعیت بھرے لہجے میں اٹل انداز اپناتے ہوئے بولا تو سمیر شاہ نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔

"یو آر رائٹ بیٹا...... شادی کا بندھن کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے یہ ہماری زندگی کا بہت سیریس میٹر ہوتا ہے لہٰذا اس کام میں جذباتیت اور جلد بازی سے کام ہرگز نہیں لینا چاہیے، بہت سوچ سمجھ کر اور دل کی بھرپور آمادگی کے ساتھ یہ قدم اٹھانا چاہیے۔"

"ڈیڈ...... اب سونیا کو ہینڈل کرنا ایک الگ اور مشکل ٹاسک ہے۔" فراز اپنی شہادت کی انگلی اپنی کنپٹی پر بجاتے ہوئے بولا تو سمیر شاہ بے اختیار ہنس دیئے۔

"میں جانتا ہوں بیٹا...... لیکن مجھے پورا یقین ہے تم اس ٹاسک کو کامیابی سے مکمل کر لو گے۔" سمیر شاہ کی بات پر فراز نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

❀......❀......❀

"یا خدا یہ نجانے نیلم کی مصیبت کہاں سے نازل ہو گئی ہے میں تو کہتا ہوں کہ اس لڑکی پر دو حرف بھیج اور آگے بڑھ...... بھاڑ میں جائے اس کا پلان اور وہ خود۔ غضب خدا کا ہمارے دماغوں کو تو چکرا کر رکھ دیا اس چھٹانک بھر کی لڑکی نے۔" کیمپس کے گراؤنڈ میں احمر اور باسل کے ہمراہ بیٹھے عدیل نے باسل کی زبانی تمام بات جان کر انتہائی بے زاری و ناگواری سے کہا۔

"یار عدیل! باسل بھلا کیسے اس سے جان چھڑائے؟ تُو دیکھ نہیں رہا حلق کی ہڈی بن گئی ہے یہ لڑکی نہ نگلے چین اور نہ اُگلے۔" احمر کی چڑچڑاہٹ بھی اس پل عروج پر تھی باسل نے دونوں کو دیکھا پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"احمر ٹھیک کہہ رہا ہے عدیل! میں نے صرف نیلم کا ری ایکشن دیکھنے کے لیے اپنی فرضی کزن کا تذکرہ کیا مگر......" باسل بولتے بولتے یک دم خاموش ہوا۔

''مگر کیا......؟'' عدیل اور احمر بیک وقت بولے تو باسل اپنے سر کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے قدرے الجھے ہوئے انداز میں بولا۔

''مگر مجھے اس کے انداز نے کچھ چونکایا اس نے ہر لڑکی کی طرح رونا دھونا مچایا' اپنی محبت و وفاؤں کی دہائیاں دیں مگر کچھ ایسا تھا جو غیر معمولی تھا۔''

''کیا غیر معمولی تھا؟'' عدیل نے استفسار کیا۔

''وہی میری پکڑ میں نہیں آ رہا لیکن کچھ تو تھا جو مجھے کھٹکا تھا۔'' باسل ہنوز لہجے میں الجھتے ہوئے بولا تو عدیل اور احمر دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر کافی دیر تک تینوں دوست خاموش بیٹھے رہے سب اپنی اپنی جگہ اپنا دماغ لڑانے کی کوششوں میں محو تھے پھر باسل نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔

''عدیل تم شاید ٹھیک کہہ رہے تھے نیلم فرمان ہرگز کوئی سیدھی اور معمولی لڑکی نہیں ہے اور نہ ہی اس کا پلان سیدھا سادا ہے یقیناً وہ کسی خطرناک ارادے سے میرے قریب آئی ہے۔'' احمر اور عدیل نے قدرے خائف ہو کر باسل کو دیکھا۔

''میرے خیال میں باسل ہمیں پولیس میں انفارم کر دینا چاہیے ویسے میرے انکل ہیں ڈی ایس پی۔'' عدیل پریشان کن لہجے میں باسل سے بولا تو ایک دم باسل کو ہنسی آ گئی۔

''عدل تُو تو لڑکیوں کی طرح ڈرنے لگا' ارے وہ کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی۔'' باسل کی بات پر عدیل تھوڑا خفیف سا ہو گیا پھر کھسیانا سا ہو کر بولا۔

''پھر بھی یار دشمن سے چوکنا اور ہوشیار رہنا چاہیے۔''

''عدیل ٹھیک کہہ رہا ہے باسل...... ہمیں نیلم سے ہوشیار رہنا چاہیے اور پھر ہمیں یہ بھی تو نہیں معلوم کہ یہ دشمن کس نوعیت کا ہے۔'' احمر نے اپنے خیالات کا اظہار کیا جب ہی دور سے رطابہ کی آواز ان تینوں تک پہنچی۔

''ہائے گائز!'' تینوں نے بیک وقت مڑ کر دیکھا تو رطابہ ہاتھ ہلاتی دکھائی دی ساتھ میں نیلم فرمان بھی تھی تینوں کے اندر ناگواری و بےزاری پھیلتی چلی گئی۔

''اوہ ناٹ اگین یہ دونوں تو اسی طرف آ رہی ہیں۔'' عدیل بے حد برا سا منہ بنا کر بولا تو باسل نے ایک نگاہ عدیل کی جانب دیکھا پھر ان دونوں کی طرف متوجہ ہو گیا جو لحظہ بہ لحظہ ان کے قریب آ رہی تھیں۔

❀......❀......❀

موبائل فون کی بجتی مسلسل بپ نے زرینہ کو ہڑبڑا کر اٹھنے پر مجبور کر دیا اس نے مندی مندی آنکھوں سے زرتاشہ کے بستر کو دیکھا جو اس سمے خالی تھا پھر اس کی نگاہ دونوں بیڈز کے درمیان میں رکھی میز پر دھرے زرتاشہ کے موبائل فون پر پڑی زرتاشہ یقیناً واش روم میں تھی جب ہی وہ فون ریسیو نہیں کر رہی تھی زرینہ نے عجلت بھرے انداز میں ہاتھ بڑھا کر سیل فون اٹھایا تو موبائل کی اسکرین میں لالہ کا نام جگمگاتا دکھائی دیا' زرینہ نے فوراً سے بیشتر سیل فون پر موجود یس کا بٹن دبایا اور کان سے لگا کر بےحد خوش گوار لہجے میں بولی۔

''السلام علیکم! لالہ کیسی ہیں آپ؟ میں زرتاشہ کی سہیلی زرینہ بات کر رہی ہوں۔'' لالہ رخ کے کانوں سے زرینہ کی کھنکتی ہوئی آواز ٹکرائی تو لالہ رخ بےساختہ مسکرا کر نرمی سے بولی۔

''وعلیکم السلام زرینہ! میں ٹھیک ہوں' تم دونوں کیسی ہو؟''

''ایک دم فرسٹ کلاس اور مزے میں۔'' وہ چہک کر بولی پھر مزید گویا ہوئی۔

''لالہ آپی! زرتاشہ شاید باتھ روم میں ہے اور آپ بتائیے گھر میں سب خیریت ہے۔''

''ہوں...... زرینہ تم لوگوں کے سمسٹرز کب تک ختم ہو رہے ہیں۔''

''بس آپی صرف دو پیپرز رہ گئے ہیں پھر راوی چین ہی چین لکھے گا۔'' زرینہ کا جواب سن کر لالہ رخ کسی گہری سوچ میں غلطاں ہو گئی۔ زرینہ نے دوسری جانب خاموشی کو محسوس کیا تو فوراً بولی۔

''ہیلو......ہیلو لالہ آپی! میری آواز آرہی ہے آپ کو؟'' زرمینہ کی آواز پر یک دم وہ حال کی دنیا میں واپس آئی۔

''آ......ہاں ہاں مجھے تمہاری آواز آرہی ہے مگر زرمینہ تاشو تو بتارہی تھی کہ چوبیس تاریخ تک امتحان ختم ہوں گے۔'' لالہ رخ کے لہجے میں کچھ الجھن تھی۔

''ہاں نا آپی چوبیس تاریخ کو ہی ختم ہوں گے دراصل ان دونوں پیپرز میں گیپ بہت دے دیا ہے۔'' وہ منہ بسور کر بولی تو لالہ رخ تذبذب کا شکار ہوگئی وہ اس وقت فیصلہ نہیں کر پارہی تھی کہ زرتاشہ کو ابا کی بیماری کی بابت بتائے یا نہ بتائے صرف دو پیپرز تو رہ گئے ہیں۔ ایک بار پھر دوسری جانب خاموشی محسوس کرکے زرمینہ نے اسے مخاطب کیا۔

''لالہ آپی! کیا ہوا کوئی خاص بات ہے کیا؟'' زرمینہ کافی ذہین لڑکی تھی بار بار لالہ رخ کو خاموش پاکر وہ کچھ پریشان ہوگئی تھی۔ زرمینہ کے استفسار پر لالہ رخ نے ایک گہری سانس بھری پھر دھیرے سے بولی۔

''اچھا زرمینہ ابھی میں فون بند کررہی ہوں مگر جب زرتاشہ تمہارے قریب نہ ہو تو پلیز مجھے کال کرلینا تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔'' زرمینہ لالہ رخ کی بات سن کر حیران ہونے کے ساتھ ساتھ پریشان بھی ہوگئی۔

''سب ٹھیک تو ہے ناں۔''

''ہاں زرمینہ! سب ٹھیک ہے بس کوشش کرنا کہ آج ہی مجھ سے اکیلے میں بات کرلینا' اللہ حافظ۔'' لالہ رخ عجلت میں بولی تو زرمینہ نے بھی خود سے الجھتے ہوئے لالہ رخ سے اجازت چاہی اسی دم زرتاشہ بالوں میں تولیہ لپیٹے باتھ روم کے دروازے سے برآمد ہوئی تو زرمینہ سر جھٹک کر زرتاشہ کی جانب متوجہ ہوگئی تھی۔

❀......❀......❀

سیٹنگ روم میں رکھے آرام دہ کاؤچ پر دراز وہ کتنی ہی دیر ایک ہی پوزیشن میں بیٹھا لامتناہی سوچوں کے بھنور میں ڈوبا ہوا تھا عجیب بات تو یہ تھی کہ وہ جتنا اس مسئلے پر سوچتا اتنا ہی وہ الجھتا چلا جاتا۔ گھنٹوں دماغ لڑانے کے باوجود کوئی حل اس کے ہاتھ نہیں لگتا۔ زندگی میں آج سے پہلے کبھی اس نے خود کو اتنا بے بس اور لاچار محسوس نہیں کیا تھا' بہت دیر بعد بھی جب اس کو کچھ نہیں سوجھا تو کاؤچ پر ڈھے گیا' ابھی اسے یوں لیٹے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ داخلی دروازے کا لاک کھٹ سے کھلا اور کوئی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا بے اختیار ابرام نے دروازے کی جانب دیکھا تو ماریہ کو وہاں ایستادہ پایا اسے سامنے دیکھ کر وہ جیسے بجلی کی تیزی سے اٹھا تھا پھر بے حد خوش گوار لہجے میں بولا۔

''ماریہ تم۔ میں تمہیں بہت مس کررہا تھا یہاں آؤ میرے پاس۔'' ماریہ نے نگاہ اٹھا کر سنجیدگی سے اسے دیکھا پھر سہولت سے چلتی ہوئی اس کے سامنے صوفے پر آ کر ٹک گئی۔

''کہیں باہر گئی تھیں کیا؟'' وہ شفقت بھرے انداز میں بولا تو ماریہ نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔

''ہوں میں قریبی پارک تک گئی تھی۔''

''گڈ اچھی بات ہے' شام کو پارک وغیرہ چلی جایا کرو' طبیعت فریش ہوجاتی ہے۔'' ابرام کی بات پر ماریہ کچھ نہیں بولی محض سامنے رکھی سینٹر میز پر رکھے کرسٹل کے گلدان کو دیکھتی رہی ابرام نے کچھ توقف سے اسے دیکھا پھر سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''میں جانتا ہوں کہ تم ولیم کے ساتھ رشتہ جوڑنے پر خوش نہیں ہو' ولیم تمہاری پسند نہیں ہے اور اس منگنی میں بھی تمہاری مرضی شامل نہیں ہے۔'' ابرام کی بات پر بھی ماریہ کی پوزیشن میں فرق نہیں آیا وہ ہنوز خاموشی سے بیٹھی رہی بناء کسی تاثرات اور ردعمل کے۔

''ہنی میں مام سے بات کروں گا انہیں اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کروں گا کہ وہ تمہاری ولیم کے ساتھ منگنی نہ کریں۔'' اپنے تئیں ابرام نے جیسے ماریہ کو بہت بڑی خوش خبری سنائی تھی مگر ماریہ نے انتہائی نارمل انداز میں اس پوری گفتگو میں پہلی بار نظریں اٹھا کر ابرام کو دیکھا اور پھر بے حد سپاٹ لہجے میں بولی۔

''برو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مام میری منگنی ولیم کے ساتھ کریں یا نہ کریں اس لیے پلیز آپ کو کچھ بھی کہنے یا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' ابرام نے اسے بے حد چونک کر دیکھا وہ اپنی بات کہہ کر صوفے سے اٹھی اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ

گئی جب کہ ابرام وہیں سن سا بیٹھا رہ گیا تھا۔

❀......❀......❀

رات کا پچھلا پہر شروع ہو چکا تھا چہار سو گہری خاموشی و سکوت چھایا ہوا تھا' سناٹے کو چیرتی جھینگروں اور دور سے آتی گیدڑوں کی آوازنے ماحول کو بہت پُر اسرار سا بنا دیا تھا وہ آنکھیں کھولے اپنے بستر پر دراز یک ٹک کمرے کی چھت کو دیکھے جا رہے تھے کچھ نامانوس اور انہونی سی آہٹیں انہیں اپنے اردگرد محسوس ہوئی تھیں جیسے کوئی لمحہ بہ لمحہ ان کے قریب ان کے بہت پاس بس آیا ہی چاہتا ہے' اسی پل اپنے بچپن سے لے کر جوانی تک کے تمام دور ایک فلم کی طرح نگاہوں کے سامنے آتے چلے گئے سخت محنت و مشقت کر کے کس طرح اپنے والدین کو سنبھالا رکھنے کے لیے چھت اور تن ڈھانپنے کے لیے کپڑا فراہم کیا پھر انہیں اپنی محنت کا ثمر ملا ایک معقول تنخواہ کی نوکری ان کے ہاتھ لگ گئی اور گزر بسر عزت کے ساتھ ہونے لگی پھر ان کی شادی ہوئی بہن کو اپنے گھر رخصت کیا اور اپنی شریک حیات گھر لے آئے جنہوں نے ان کے چھوٹے سے گھر میں روشنیاں ہی روشنیاں بکھیر دیں اور پھر ان دونوں کی زندگی میں لالہ رخ آئی جس نے ان کی خوشیوں کو جیسے مکمل کر دیا اور جب زرتاشہ کی آمد ہوئی تو زندگی میں جیسے اب کوئی حسرت باقی نہیں رہی تھی لالہ رخ اور زرتاشہ دونوں ان کی آنکھوں کا تارا تھیں وہ تو جیسے ان دونوں کو دیکھ کر ہی جیتے تھے' اس وقت ان کی نگاہوں میں زرتاشہ اور لالہ رخ کے بچپن کے بہت خاص پل گھومنے لگے بے اختیار ایک مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر در آئی وقت کتنی جلدی کتنی تیز رفتاری سے دبے پاؤں گزر گیا تھا انہیں اس بات کا پتا ہی نہیں چلا جو بڑی سرعت سے ان کی زندگی کے ایام پورے کر کے موت کی دہلیز پر لے آیا۔ واقعی کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ انسان جیتا ایسے ہے جیسے وہ کبھی مرے گا نہیں اور مرتا ایسے ہے جیسے وہ کبھی جیا ہی نہیں۔ نجانے وہ اپنے خیالات کے گھنے جنگل میں کب تک بھٹکتے رہتے کہ ایک دم امی نے کروٹ بدلی اور کسی خیال کے تحت آنکھیں کھولیں تو اپنے رفیق حیات کو رات کے اس پہر جاگتا پا کر چونک گئیں۔ نجانے کیوں آج کل ان کا دل بے تحاشا وسواس و خدشات کا شکار ہو چلا تھا ہر آن واحد انہیں محسوس ہوتا جیسے کوئی بہت انہونی ہونے والی ہو جیسے کچھ برا ہونے والا ہو شاید اپنے شوہر کی بیماری نے انہیں حد سے زیادہ وہمی بنا دیا تھا وہ تیزی سے اپنے پلنگ سے اٹھتے ہوئے بولیں۔

''ارے آپ اس وقت جاگ رہے ہیں' کیا ہوا کیا طبیعت ٹھیک نہیں؟'' پہلے لہجے میں حیرانی کے رنگ لیے اور پھر بے حد پریشانی کے عالم میں گھر کر امی نے ابا سے استفسار کیا تو وہ گردن موڑ کر اپنی باوفا نیک اطوار اور مخلص جیون ساتھی کو دیکھ کر دھیرے سے مسکرا دیئے جنہوں نے زندگی کی شاہراہ میں ان کا ہر گام پر بھرپور ساتھ دیا تھا۔ کبھی کسی تکلیف دکھ یا پریشانی میں اُف تک نہیں کی تھی۔

''سچ کہتے ہیں لوگ کہ ایمان کے بعد اللہ کی سب سے بڑی نعمت نیک عورت ہے۔'' ابا انہیں نرمی سے دیکھتے ہوئے حلاوت بھرے لہجے میں بولے تو امی کے چہرے پر شرمگیں مسکراہٹ در آئی وہ جھینپ کر گویا ہوئیں۔

''کیا یہ میری تعریف کر رہے تھے آپ؟'' ابا ان کی بات سن کر ہولے سے ہنس کر بولے۔

''تو اور کیا تمہارے علاوہ یہاں ہے کون؟'' امی نے ان کا جملہ سنا تو ان کے اندر ایک خوش گوار سا احساس پھیلتا چلا گیا۔ عورت کی فقط یہ تمنا ہوتی ہے کہ اس کی وفاؤں ایثار اور محبت کو اس کا مرد شرف قبولیت بخش کر اسے اپنا مان دے اس کی چاہتوں کی قدر کرے اور اس حوالے سے وہ بہت خوش نصیب ثابت ہوئی تھیں' انہیں ایسا ہی زندگی کا ساتھی ملا تھا جس نے ہمیشہ ان کی محبتوں کی قدر کی تھی انہیں سراہا تھا معاً امی کے ذہن میں کوئی خیال آیا تو فوراً متفکرانہ انداز میں گویا ہوئیں۔

''آپ اس وقت جاگ کیوں رہے ہیں نیند نہیں آ رہی کیا؟'' ان کے سوالات پر ابا ایک تھکی ہوئی سانس خارج کرتے ہوئے گویا ہوئے۔

''نیک بخت مجھے تم پر فخر ہے کہ لالہ رخ اور زرتاشہ کی تربیت تم نے بہت خوب اور اچھے انداز میں کی ہے لالہ میرا مان غرور ہے میں جب یہ سوچتا ہوں کہ خداوند کریم نے مجھے لالہ رخ جیسی بیٹی سے نوازا تو باعث انبساط و تفاخر کے میرا سینہ پھول جاتا ہے یقیناً میری بچیاں تمہارا پرتو ہیں مگر زرتاشہ ابھی چھوٹی اور نا سمجھ ہے تم اور لالہ اس کا بہت خیال رکھنا اگر وہ کوئی غلطی کرے تو

اسے بجائے ڈانٹ ڈپٹ یا ناراض ہونے کے پیار سے سمجھاتا اس کے قصور کو معاف کردیتا۔'' آخر میں وہ ایک مضمحل سی گہری سانس کھینچ کر خاموش ہوگئے ایسا محسوس ہوا جیسے طویل مسافت کے بعد وہ تھک ہار کر ایک درخت کی چھاؤں میں آ کر ڈھے گئے ہوں امی نے انہیں بے حد متوحش نگاہوں سے دیکھا ایک دم ان کا دل کسی انجانے خوف کے تحت کسی پرندے کی مانند پھڑ پھڑا کر رہ گیا۔

''یہ آپ کیسی باتیں کررہے ہیں' زرتاشہ ابھی چھوٹی ہے اور اسے آپ کے ساتھ آپ کے وجود کی ضرورت ہے۔ تاشو اور میرا ساتھ شاید یہیں تک تھا نیک بخت۔'' اپنے سرتاج کی بات پر انہوں نے بے تحاشا تڑپ کر انہیں دیکھا پھر انتہائی شکوہ کن لہجے میں بھیگی آواز میں بولیں۔

''خدا کے واسطے آپ ایسی باتیں مت کریں' میرا دل ہولے جارہا ہے۔'' ابا نے امی کی بات پر ایک تلخ ہنسی ہنس کر کہا۔

''موت سے کسی ذی نفس کو فرار نہیں ہے نیک بخت! اس کا ذائقہ تو ہر جان کو چکھنا ہے اور پھر موت تو اللہ کی طرف سے اس سے ملاقات کا بلاوا ہے ہر انسان ایک مقصد حیات لے کر دنیا میں بھیجا جاتا ہے جب اس کا کام اس کی زیست کا مقصد پورا ہوجاتا ہے تو پھر وہ اپنے خالق حقیقی کے پاس چلا جاتا ہے جہاں سے وہ آتا ہے۔'' وہ بے تحاشا ہراساں ہوکر اپنے مجازی خدا کو دیکھے گئیں پھر بے حد خاموشی سے ان کی آنکھوں میں نمی اترتی چلی گئی' آنسو قطار در قطار گالوں پر پھسلتے چلے گئے وہ سسکی بھر کر رہ گئیں۔

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
زندگی یونہی تمام ہوتی ہے

ابا نے یہ شعر انتہائی کرب کے عالم میں پڑھا جو وہ اکثر و بیشتر پڑھا کرتے تھے جس پر امی ہنس کر بولا کرتی تھیں۔

''بس آپ کو یہی شعر یاد ہے کوئی دوسرا شعر نہیں آتا کیا؟'' جواباً ابا بھی خوش گواری سے کہتے۔

''مجھے یہ شعر بے حد پسند ہے نیک بخت کیوں کہ اس شعر میں پوری زندگی کا فلسفہ پوشیدہ ہے۔'' امی ابا کو یک ٹک دیکھتے ہوئے ماضی کے دھندلکوں میں گم ہوگئیں۔

❀......❀......❀

جب سے لالہ رخ نے زرمینہ سے زرتاشہ کی غیر حاضری میں بات کرنے کی بابت اس سے کہا تھا تب ہی سے زرمینہ اندر ہی اندر الجھ گئی تھی' یقیناً کوئی بہت خاص بات تھی جس کے سبب لالہ رخ نے اس سے اکیلے میں بات کرنے کو کہا تھا مگر باوجود کوشش کہ زرمینہ کو لالہ رخ سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔ زرتاشہ ہمہ وقت اس کی ساتھ رہتی تھی۔

''کیا ہوا زری...... اتنی توجہ سے کیا سوچ رہی ہو؟'' زرتاشہ بہت دیر سے اسے ایک ہی پوز میں سامنے کی جانب کچھ فکری مند سے تکتا پاکر بولی۔

''آں...... کچھ نہیں۔'' وہ یک دم چونکی تو زرتاشہ نے اسے حیران کن نگاہوں سے دیکھا۔

''تو اس میں اتنا گھبرانے والی کون سی بات تھی میں نے تو یونہی پوچھ لیا۔''

''افوہ تم بھی نا' اب تم اچانک مجھے چونکاؤ گی تو میں اسی طرح پزل ہوجاؤں گی نا۔'' وہ زرتاشہ کی بات پر بے پروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے بولی اس پل وہ دونوں اگلے پرچے کی تیاری میں مصروف تھیں' زرمینہ کچھ سوچ کر اپنے لہجے کو سرسری بناتے ہوئے بولی۔

''میں ذرا مہوش کے روم میں جارہی ہوں' پڑھ پڑھ کر بور ہوگئی ہوں۔'' اس دوران وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر موبائل فون اپنے ہاتھ میں دبا کر جانے کو تیار کھڑی تھی۔ زرتاشہ نے مصروف سے انداز میں کتاب سے سر اٹھا کر ایک نگاہ اسے دیکھا پھر دوبارہ کتاب میں سر جھکا دیا جب کہ زرمینہ کمرے سے باہر نکل آئی پھر سہولت سے چلتی ہوئی نیچے سیٹنگ روم میں آ کر ایک جانب آرام سے بیٹھ گئی۔ اس وقت شومئی اتفاق وہاں کوئی نہیں تھا وہ سکون سے یہاں بات کرسکتی تھی اس نے جلدی سے اپنے سیل فون سے لالہ رخ کا نمبر ملایا اور کان سے لگا کر فون پک ہونے کا انتظار کرنے لگی چوتھی بیل پر لالہ رخ نے فون پک کرلیا

اور پھر علیک سلیک کے بعد وہ اصل مدعے پر آ گئی۔

''زرینہ دراصل میں تم سے ایک بہت اہم بات کرنا چاہتی ہوں مگر پلیز اس کا تذکرہ تم تاشو سے فی الحال مت کرنا
منت آمیز انداز میں بولی تو زرینہ جلدی سے گویا ہوئی۔

''آپی آپ اس بات کی بالکل فکر مت کریں کہیے آپ کو کیا بتانا ہے۔'' زرینہ کے جملے پر اس نے ایک اطمینان آ
سانس بھری اور پھر ابا کی دن بہ دن بگڑتی طبیعت کے متعلق بتاتی چلی گئی یہ سب سن کر زرینہ بھی ازحد پریشان ہو گئی۔

''اوہ آپی! اللہ ابا کو صحت و تندرستی عطا کرے تاشو ان کے لیے بے حد متفکر رہتی ہے آپی! وہ بار بار مجھ سے ابا کا ذکر کر
ہے انہیں بے پناہ یاد کرتی ہے، بہت پیار کرتی ہے وہ ان سے۔''

''میں جانتی ہوں زرینہ، تاشو سے بے حد اٹیچڈ ہے مگر میرے لیے پریشانی یہ ہے کہ تم لوگوں کے پیپرز بس چند دنوں
ہی ختم ہونے والے ہیں اگر میں نے تاشو کو ابا کے حوالے سے کچھ بھی بتایا تو وہ فوراً سے بیشتر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر یہا
آ جائے گی۔ اب تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟'' آخر میں لالہ رخ کے لہجے میں بے بسی و بے چارگی کے رنگ جھلک گئے وہ
حد کنفیوژن کا شکار تھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ تاشو سے ابا کی حالت چھپائے یا پھر بتائے۔

''یہ تو واقعی بہت عجیب پچویشن ہے پرسوں ہمارا سیکنڈ لاسٹ پیپر ہے تاشو بہت دلجمعی سے تیاری میں مصروف ہے
زرینہ خود بھی الجھ گئی تھی چند ثانیے خاموش رہنے کے بعد لالہ رخ قدرے ہچکچا کر گویا ہوئی۔

''زرینہ مجھے تم سے ایک کام بھی تھا۔''

''کام...... جی جی کہیے کیا کام تھا؟'' زرینہ فوراً سے بیشتر بولی تو لالہ رخ سہولت سے گویا ہوئی۔

''زرینہ کیا کراچی میں تمہارا کوئی جاننے والا ہے؟ دراصل میں ابا کو کراچی علاج کے سلسلے میں لانا چاہ رہی ہوں ویسے
میں نے یہاں کے ہسپتال کی معلومات کروائی ہے اور نیٹ پر بھی سرچ کیا ہے مگر کوئی جاننے والا وہاں نہیں ہے اگر تمہاری جان
پہچان کا کوئی ہو تو کیا اس حوالے سے تم میری کوئی مدد کر سکتی ہو۔'' لالہ رخ کا مدعا جان کر زرینہ سوچ میں پڑ گئی۔

''یہاں پر کوئی جان پہچان والا......'' وہ دھیرے سے خود سے بول کر اپنے ذہن کے گھوڑے سرعت سے دوڑانے لگی
شومئی قسمت کراچی میں کوئی بھی اس کا عزیز رشتہ دار نہیں تھا اس کا تعلق چونکہ پشاور سے تھا لہٰذا زیادہ تر اس کے خاندان والے
پشاور کے اطراف میں رہتے تھے یا پھر اکا دکا لوگ کوئٹہ اور اسلام آباد میں تھے وہ مایوس کن انداز میں لالہ رخ کو منع کرنے ہی
والی تھی کہ یک دم اس کے ذہن میں جھما کا ہوا۔ اگلے ہی پل وہ بے پناہ جوش و خوشی سے گویا ہوئی۔

''ہے نا آپی بالکل جان پہچان والے ہیں۔'' زرینہ کے دھیان کے پردے پر فراز شاہ کا ڈیسنٹ سا سراپا لہرا گیا جب کہ
دوسری جانب لالہ رخ بھی ایکسائٹڈ ہو گئی۔

''اچھا...... یہ تو بہت اچھی بات ہے زرینہ پلیز تم ان سے وہاں کے مناسب درجے کے ہسپتال کے حوالے سے مجھے
معلومات کر کے بتا دو گی؟ کیوں کہ سرکاری ہسپتالوں میں تو بنا کسی ریفرنس کے وہ مریض کو دیکھیں گے بھی نہیں۔''

''میں آج ہی ان سے بات کر کے آپ کو بتاتی ہوں۔'' لالہ رخ اس کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر ممنون آمیز
لہجے میں بولی۔

''تھینک یو زرینہ! تمہارا بے حد شکریہ۔''

''آپی آپ تو سچ میں مجھے شرمندہ کر رہی ہیں پلیز شکریہ ادا تو مت کریں۔'' وہ واقعی شرمندہ ہو گئی جب ہی جھینپتے ہوئے
بولی لالہ رخ دھیرے سے ہنس دی اور پھر خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا جب کہ زرینہ نے لائن ڈسکنکٹ کرتے ہی اپنے سیل
فون پر فراز شاہ کا نمبر سرچ کرنے لگی۔

❁......❁......❁

''ابرام جو بات میرے پاس کہنے آئے ہو وہ کہو میرا اور اپنا وقت ضائع مت کرو۔'' ابرام نے بے حد سوچ بچار کرنے کے
بعد ایک بار جیکولین ایڈم سے بات کرنے کی ٹھانی تھی۔ ماریہ اس کے دل کی دھڑکن اس کی جان سے زیادہ عزیز بہن تھی یقیناً

وہ ایک کرب ایک تکلیف سے گزر رہی تھی وہ ولیم کو بالکل پسند نہیں کرتی تھی اسے ولیم کی عادات واطوار حتی کہ ہر چیز سے بے زاری تھی اور ایسے شخص کے ساتھ جسے آپ کا دل بالکل بھی پسند نہ کرتا ہو اپنی لائف شیئر کرنا بے حد کٹھن اور نا قابل برداشت عمل ہے جیکولین اپنی اسٹڈی روم میں بیٹھی کتاب بینی میں مصروف تھی جب ہی ابرام دروازہ ناک کرکے اس کی اجازت سے اندر آیا تھا' اپنے فارغ اوقات میں وہ اپنی اسٹڈی روم میں چلی جاتی تھی۔ جیکولین کے مخصوص صاف گو اور دوٹوک انداز پر وہ تھوڑا خفیف ہوا پھر اپنے ذہن میں لفظوں کو ترتیب دیتے ہوئے سہولت سے بولا۔

''مام میرے خیال میں ماریہ کو ولیم کے ساتھ انگیج کرنا درست نہیں ہوگا ان فیکٹ ان دونوں کی عادتوں مزاجوں میں زمین آسمان کا فرق ہے' ولیم ہمہ وقت شور شرابہ ہلا گلا مچائے رکھنے کا شوقین ہے جبکہ ماریہ کافی حد تک تنہائی پسند اور پُرسکون زندگی کی متمنی ہے ولیم کو......''

''ولیم ماریہ کے لیے بالکل پرفیکٹ ہے' یہ درست ہے کہ اس کے اندر کچھ بچپنا اور ناپختگی ہے مگر وقت کے ساتھ ساتھ وہ میچور ہو جائے گا۔'' جیکولین ابرام کی بات درمیان میں ہی قطع کرتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں بولی تو ابرام منہ کھولے بس انہیں دیکھتا رہ گیا' جو اپنی بات کہہ کر دوبارہ کتاب کی جانب مصروف ہوگئی تھی ابرام کچھ پل یونہی بیٹھا رہا پھر خاموشی سے اپنی نشست سے اٹھ گیا۔

❁......❁......❁

گرمی کی شدت میں دن بہ دن اضافہ ہو رہا تھا دوپہر کے وقت سورج جیسے سوا نیزے پر سوار ہو کر زمین پر اپنی پُرحدت اور تیز گرم شعاعیں اگل کر اس کو جھلساتا تھا ہر ذی نفس گرمی کی ستم ظریفی سے پریشان و بے زار تھا البتہ اس پل شام قدرے ٹھنڈی اور پُرسکون تھی کبھی کبھی مہربان ہوائیں سبک خرامی سے چل کر ماحول کو خوش گوار کر دیتیں تو کبھی روٹھی محبوبہ کی طرح کسی کونے میں جا کر چھپ جاتیں۔ اس وقت بھی ہوا نرمی اور خنکی لیے اپنے دوش پر چلتی ہوئی جسم و جان کو معطر کر رہی تھی فراز شاہ اپنے گھر کے لان میں بیٹھا دیر سے سونیا کی بابت سوچے جا رہا تھا۔

''مجھے سونیا سے صاف بات کر لینی چاہیے۔'' فراز خود سے بولا پھر کرسی کی پشت گاہ سے سر ٹکا کر مزید کچھ سوچنے لگا اسی اثناء میں اس کا موبائل فون گنگنا اٹھا۔ فراز نے ترچھی نظروں سے میز پر دھرے اپنے فون کو دیکھا جو تھر کتے ہوئے زور و شور سے بج رہا تھا۔

''اوہ کہیں سونیا کی کال نہ ہو۔'' وہ قدرے بے زاری سے خود سے بولا اس وقت وہ سونیا سے بات کرنے کے قطعاً موڈ میں نہیں تھا پھر نا چاہتے بھی اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنا فون اٹھایا۔

''ہیلو فراز شاہ اسپیکنگ۔''

''ہیلو فراز بھائی السلام علیکم! میں زرینہ بات کر رہی ہوں وہی یونیورسٹی والی لڑکی جسے ایک بار آپ نے اپنی گاڑی میں لفٹ......'' فراز زرینہ کے نان اسٹاپ بولنے پر بے اختیار ہنستے ہوئے بولا۔

''وعلیکم السلام! بھئی میں پہچان گیا ہوں تمہیں اتنی لمبی چوڑی تمہید باندھنے کی ضرورت نہیں۔'' جواباً زرینہ تھوڑی سی خفیف ہوگئی پھر اچانک استفہامیہ لہجے میں گویا ہوئی۔

''فراز بھائی میں نے آپ کو دوپہر میں بھی کال کی تھی مگر آپ کا سیل آف تھا۔''

''ہاں دراصل میں میٹنگ میں تھا تو سائلنٹ پر کرنے کے بجائے جلدی میں آف کر دیا تھا۔'' وہ نرمی سے بولا پھر ایک دو ادھر اُدھر کی بات کے بعد اس نے لالہ رخ کا معاملہ اس کے گوش گزار کر دیا۔

''فراز بھائی کیا آپ اس سلسلے میں ان کی کوئی مدد کر سکتے ہیں؟ دراصل ان کا کوئی بڑا بھائی ہے نہیں اور کراچی میں آپ کے علاوہ ہم کسی کو یہاں جانتے بھی نہیں ہیں۔ سنا ہے یہاں علاج بہت اچھا ہوتا ہے۔'' آخر میں زرینہ کافی الجھتے ہوئے بولی تو فراز نے فوراً سے پیشتر جواب دیا۔

''ارے گڑیا ایسی کوئی بات نہیں ہے میں پہلی فرصت میں یہ کام کرتا ہوں۔ اچھا ایسا کرو تم زرتاشہ کی بہن سے کہو کہ اپنے

والد صاحب کی تمام رپورٹس مجھے میل کردیں ان فیکٹ کچھ اچھے ڈاکٹرز میرے جاننے والے ہیں۔'' فراز شاہ کی بات سن کر زرمینہ بے تحاشا خوش ہوئی اس نے ایک لمحہ بھی ضائع کیے بناء ان کی مدد کرنے کی حامی بھرلی تھی۔

''او تھینک یو سو مچ فراز بھائی! آپ بہت گریٹ ہیں' اچھا میں ایسا کرتی ہوں آپ کو لالہ آپی کا نمبر دے دیتی ہوں آپ یا پھر وہ خود آپ سے بات کرلیں گی تو زیادہ بہتر رہے گا۔'' زرمینہ سمجھداری سے بولی تو فراز شاہ نے تائیدی انداز میں سر ہلا کر کہا۔

''ہاں یہ ٹھیک رہے گا تم ان کو میرا نمبر دے دو' میں خود ان سے تفصیلاً بات کرلوں گا۔''

''اوکے فراز بھائی اللہ حافظ۔''

''اللہ حافظ۔'' اس نے زیرلب مسکرا کر بولتے ہوئے فون بند کیا اور پھر کچھ دیر سوچنے کے بعد ڈاکٹر سلیم مبین کا نمبر ملانے لگا' لائن ملنے پر فراز ان سے گفتگو میں مصروف ہوگیا جبکہ دوسری جانب فراز شاہ کے نمبر پر کال کرتی سونیا دوسری لائن پر مصرف ہونے کا میسج سن کر یک دم جھنجھلا گئی تھی۔

❀......❀......❀

حورین نے ڈرائنگ روم کی نئے سرے سے سیٹنگ کی تھی وہ کچھ دنوں سے ڈرائنگ روم کی سجاوٹ میں کافی مصروف رہی تھی ہلکے نیلے اور آف وائٹ امتزاج میں گولڈن رنگ کی ٹون میں اس نے صوفے اور پردوں کو تیار کروایا تھا آج کہیں جاکر اس کا کام مکمل ہوا تو اس نے ایک طائرانہ نگاہ پورے ڈرائنگ روم میں ڈالی پھر قدرے مطمئن سی ہوکر اس نے ایک گہری سانس بھری شیشم کی لکڑی سے بنا بے حد اسٹائلش سا آف وائٹ صوفہ سیٹ جس کے بارڈر پر گولڈن رنگ سے بہترین کشیدہ کاری کی گئی تھی آف وائٹ اور ہلکے نیلے رنگ کے دبیز بیش قیمت جدید طرز کے پردے اور ڈرائنگ روم کے بالکل سینٹر پر خوب صورت ترکی قالین اور اطراف کی بے حد اسٹائلش میزوں پر رکھے غیر ملکی ڈیکوریشن پیسز جب کہ چھت پر جھولتا فرانسیسی فانوس ڈرائنگ روم کی خوب صورتی کو چار چاند لگا رہا تھا۔

''ہوں تو تمہارا ٹاسک کمپلیٹ ہوگیا۔'' عقب سے خاور حیات کی آواز ابھری تو حورین نے مسکراتے ہوئے پلٹ کر اسے دیکھا۔

''جی جناب بالکل کمپلیٹ ہوگیا' آپ بتائیے کیسا لگ رہا ہے۔''

''ظاہر ہے تمہاری پسند ہے تو پھر بری ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔'' وہ متبسم لہجے میں اسے والہانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا پھر کافی مسکین سی صورت بنا کر گویا ہوا۔

''ڈیئر وائف کچھ ٹائم اور توجہ آپ اپنے شریک حیات کو بھی دے دیجیے۔'' لیمن اور پنک رنگ کے امتزاج کے لان کے سوٹ میں وہ نفاست سے بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹے دھلے ہوئے چہرے میں بھی بے حد دلکش اور خوب صورت لگ رہی تھی۔ خاور حیات کی بات پر وہ اسے تادیبی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''اچھا کیا میں آپ کو ٹائم اور توجہ نہیں دیتی؟'' خاور حیات حورین خاور کے چہرے پر مصنوعی غصے کے رنگوں کو دیکھ کر قہقہہ لگا کر ہنس دیا پھر محظوظ کن نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے دلنشیں انداز میں بولا۔

''بھئی ان صوفوں اور پردوں کو پچھلے دنوں تم نے جتنی توجہ اور دھیان دیا ہے اتنا تو تم نے ہمیں اب تک نہیں دیا۔''

''خاور آپ بھی حد کرتے ہیں۔'' وہ ہنس کر بولتے ہوئے ڈرائنگ روم کے دروازے کی جانب بڑھی تو خاور بھی اس کے پیچھے پیچھے باہر آگیا دونوں ٹی وی لاؤنج پر وہاں رکھے صوفے پر آکر آمنے سامنے بیٹھ گئے پھر اچانک کچھ یاد آنے پر خاور نے حورین سے استفسار کیا۔

''حورین یہ باسل آج کل کچھ زیادہ ہی باہر نہیں رہنے لگا؟ دو دن سے تو وہ ڈنر ٹیبل پر بھی غائب پایا جاتا ہے کیا مصروفیات چل رہی ہیں صاحب زادے کی تم نے پوچھا اس سے؟''

''جی میں نے پوچھا تھا وہ بتا رہا تھا کہ اس کے سمسٹرز اسٹارٹ ہونے والے ہیں لہٰذا آج کل وہ کمبائن اسٹڈی میں بزی

ہے۔'' حورین نے سہولت سے جواب دیا۔ چند ثانیے دونوں کے درمیان خاموشی طاری رہی پھر قدرے توقف کے بعد خاور حیات گویا ہوا۔

''ہوں موصوف آج گھر آئیں تو میرے کمرے میں بھیجنا انہیں۔'' حورین نے جواباً اثبات میں سر ہلا کر ''جی'' کہا پھر دوبارہ گویا ہوئی۔

''میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کچن کی جانب چل دی جب کہ خاور ریموٹ کنٹرول ہاتھ میں لے کر ٹی وی آن کرنے لگا۔

❁.......❁.......❁

نیلم فرمان انتہائی بگڑے ہوئے تیوروں سمیت کمرے میں داخل ہوئی اور اپنا بیگ بستر پر زور سے پٹخا پھر قدرے مضطرب سی ہو کر کمرے کی کھڑکی کے پاس جا کر کھڑی ہوئی فرسٹ فلور پر بنے کمرے کی کھڑکی سے نیچے کا لان صاف دکھائی دے رہا تھا جہاں مالی پودوں کی گوڈی کرنے میں مصروف تھا یہ شہر کا پوش علاقہ تھا جہاں پورشنز میں گھر بنے ہوئے تھے جبکہ رطابہ اور نیلم یہاں دو کمروں کے چھوٹے سے پورشن میں سکونت پذیر تھیں وہ خالی الذہن نجانے کتنی دیر تک خاموشی سے باہر تکتی رہی جب ہی رطابہ نے قدم رنجہ فرمایا۔

''اوہ گاڈ آج تو بہت زیادہ گرمی ہے ایک تو سورج سوا نیزے پر ہے اوپر سے اس لوڈ شیڈنگ نے تو جان ہی نکال دی ہے بس یار ایک بار میرے ہاتھ میں رقم آ جائے تو کسی ٹھنڈے ملک میں جا کر یہ گرمیاں گزاروں اور خوب عیش کروں۔'' رطابہ اپنے خیالوں میں مگن سی ہو کر نیلم کی پشت کو دیکھتے ہوئے لہک کر بولی تو نیلم نے پورا گھوم کر اسے انتہائی استہزائیہ انداز میں دیکھا پھر بے حد طنز و حقارت بھرے لہجے میں گویا ہوئی۔

''بلی کو خواب میں چھیچھڑے ہی دکھائی دیتے ہیں ویسے انسان کو اپنی اوقات میں رہ کر ہی اتنے اونچے خواب دیکھنے چاہیے۔'' نیلم فرمان کے تحقیر بھرے رویے کو محسوس کر کے اس کا چہرہ ناگواری واشتعال سے سرخ پڑ گیا' نیلم بات بے بات اسے یونہی ڈیل کیا کرتی تھی رطابہ کو نیلم کے تحقیرانہ انداز پر بے حد طیش آتا تھا مگر انتہائی دقتوں سے خود پر کنٹرول کر کے وہ نیلم کی باتوں کو نظر انداز کر دیا کرتی تھی کیوں کہ ایسا کرنا اس کی مجبوری تھی اسے پیسوں کی بے حد ضرورت تھی اور وہ صرف اسے نیلم کا ساتھ دینے پر ہی مل سکتے تھے اس وقت بھی اسے نیلم کی بات پر سخت غصہ آیا مگر ضبط کرتے ہوئے نارمل لہجے میں بولی۔

''کیا ہوا نیلم آج تم کچھ پریشان سی لگ رہی ہو؟ باسل نے کچھ کہا ہے کیا؟''

''اونہہ باسل حیات میں اتنا دم نہیں ہے کہ وہ نیلم فرمان کو پریشان کر سکے۔'' وہ تنفر سے سر جھٹکتے ہوئے بولی جب کہ رطابہ نے اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

''پھر......'' رطابہ کو چند ثانیے نیلم نے بغور دیکھا پھر کچھ سوچ کر بولی۔

''مجھے کچھ دنوں بعد دبئی جانا ہے ایک ضروری کام آ گیا ہے مگر اس سے پہلے میں باسل حیات والا کنسائنمنٹ کمپلیٹ کر کے جانا چاہتی ہوں۔'' رطابہ نیلم کی بات سن کر ایکسائٹڈ سی ہو گئی۔

''اچھا تو اس کا مطلب ہے کہ ہمارا عیش کرنے کا وقت بس آنے ہی والا ہے۔'' رطابہ کو بس پیسوں سے غرض تھی وہ دل سے چاہتی تھی کہ جلد از جلد باسل حیات سے رقم ہتھے لگے اور پھر اسے بھی حصہ ملے۔

''میڈم رطابہ! ہمیں عیش کرنے سے پہلے اور بھی بہت سے ضروری کام کرنے ہیں اتنی آسانی سے حلوہ تمہارے منہ میں آنے والا نہیں۔'' اس نے پھر طنزیہ جملہ اس پر اچھالا تو رطابہ نے بھی خاصی ترشی سے کہا۔

''ہاں تو میں نے کب کہا ہے کہ یہ کام بہت آسان ہے تم تو مجھ سے اس طرح برتاؤ کرتی ہو جیسے اس پلان میں میرا کوئی حصہ ہی نہیں ہے۔''

''رطابہ یہ وقت ایک دوسرے سے لڑنے بھڑنے کا نہیں بلکہ یہ سوچنے کا ہے کہ کس طرح باسل حیات کو ٹریپ کیا جائے؟'' نیلم کی بات پر رطابہ نے قدرے پریشان ہو کر کہا۔

"لیکن ہمارا پلان تو کامیاب جارہا تھا نا؟"

"ہوں...... مگر باسل میرے ساتھ کوئی نیا کھیل کھیلنے کے موڈ میں ہے۔" وہ اپنے دونوں بازو سینے پر فولڈ کرتے ہوئے بے مزہ سی ہوکر بولی۔

"مطلب کیسا کھیل کھیل رہا ہے؟"

"مطلب یہ کہ وہ میرے ساتھ چوہا بلی کا کھیل کھیل رہا ہے۔" نیلم سہولت سے قدم اٹھاتے ہوئے اس کے پاس آ کر رک کر بولی تو رطابہ نے اسے ناسمجھی والے انداز میں دیکھا۔

❀......❀......❀

ابا کی طبیعت پچھلی رات اچانک کافی بگڑ گئی تھی لالہ رخ اور امی دونوں انہیں ہسپتال لے کر بھاگے تھے ایمرجنسی میں موجود ڈاکٹر نے بمشکل ان کی طبیعت کو سنبھالا تھا امی تو ان کو اس حالت میں دیکھ کر خود پر ضبط نہیں کرسکی تھیں بے حد متوحش و ہراساں ہوکر رونے لگی تھیں۔ لالہ رخ نے انہیں بڑی دقتوں سے خاموش کرایا تھا دن میں جب سینئر ڈاکٹر آیا تو ابا کا مکمل چیک اپ کرنے کے بعد کوئی امید افزا بات نہیں کی تھی جس کے سبب لالہ رخ بھی بے حد پریشان ہوگئی تھی۔ دوپہر تک مہرینہ اپنی ماں کے ہمراہ ہسپتال آ گئی تھی مہرینہ لالہ رخ کو بے حد حوصلہ دے رہی تھی جس کی بدولت لالہ رخ کو کافی ڈھارس ہوئی تھی ورنہ رات سے لے کر اب تک اس کے اعصاب بری طرح شل ہوچکے تھے۔

"مہرو! ابا ٹھیک تو ہوجائیں گے نا' انہیں کچھ نہیں ہوگا نا۔" لالہ رخ مہرینہ کا ہاتھ پکڑ کر لجاجت سے بولی تو بے اختیار مہرو نے اسے اپنے گلے سے لگالیا۔

"کیوں نہیں لالہ! اگر اللہ نے چاہا تو ان شاء اللہ ماموں جلد صحت یاب ہوجائیں گے۔" بولتے بولتے مہرو کی پلکیں بھی بھیگ گئی تھیں وہ اس کی پشت سہلاتے ہوئے اسے ڈھیروں تسلیاں دے رہی تھی۔

"مگر مہرو ڈاکٹر تو کچھ اور ہی کہہ رہے ہیں کیا ابا ہم سب کو چھوڑ کر چلے جائیں گے۔" وہ مہرو سے الگ ہوتے ہوئے بے حد معصومیت سے بولی تو مہرو کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر مسل ڈالا۔

"اللہ سے اچھی امید رکھو لالہ اور ماموں کے لیے دعا کرو' دعا سے بڑی کوئی طاقت نہیں ہوتی۔" وہ بے حد محبت سے اسے خود سے لپٹاتے ہوئے بولی تو لالہ رخ بھیگی پلکوں سے دیکھتی رہ گئی۔

❀......❀......❀

ساحرہ آج کافی دنوں بعد اپنی بہن کے گھر آئی تھی جب کہ سارا بیگم اور سونیا اس کے آگے بچھی جارہی تھیں۔

"آنٹی آج تو ہمارے نصیب جاگ گئے ہمارے گھر جو آئی ہیں آپ۔" سونیا ساحرہ کے گلے میں بازو حمائل کرتے ہوئے چہک کر بولی تو ساحرہ دلکشی سے ہنس کر بولی۔

"ارے میری چندا! تمہاری آنٹی اتنا بزی جو رہتی ہیں ورنہ میرا تو بہت دل چاہتا ہے تم لوگوں کے پاس آنے کا۔" سارا بیگم نے مسکراتے ہوئے بھانجی کو دیکھا اور پھر بڑی خوش مزاجی سے گویا ہوئیں۔

"ساحرہ تم اتنے دنوں بعد آئی ہو تو ہمارے ساتھ ڈنر کرکے ہی جانا' تم مجھے اپنی فیورٹ ڈش بتادو میں کک کو ابھی آرڈر دیتی ہوں۔" بہن کی بات پر ساحرہ نے اسے دیکھ کر جلدی سے کہا۔

"ارے نہیں سارا! آج میری فرینڈ کے گھر ڈنر ہے دراصل اس کی......"

"اوہ آنٹی تو اپنی ایکسکیوز! آپ آج بس ہمارے ساتھ ڈنر کررہی ہیں' دیٹس اٹ اوکے۔" سونیا ساحرہ کی بات درمیان میں ہی اچک کر اس کا جملہ مکمل کیے بغیر سرعت سے قطعیت بھرے انداز میں بولی تو ساحرہ نے مسکرا کر اسے دیکھا پھر چند ثانیے بعد ہنستے ہوئے کہا۔

"اوکے ڈن' جیسا سونیا کہے گی ویسا ہی ہوگا۔"

"اوہ آنٹی یو آر گریٹ' آئی لو یو سو مچ ریئلی۔" وہ ایک بار پھر فرط جذبات سے ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی تو ساحرہ

نے ہنستے ہوئے اس کے گال پر نزاکت سے پیار کرتے ہوئے کہا۔
"آئی لو یو ٹو مائی بیوٹی فل کوئین!" پھر ساحرہ اور سارا دونوں ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگیں تو سونیا "میں ابھی آئی" کہہ کر وہاں سے نکل کر دوسری جانب آ کر فراز کا نمبر ڈائل کرنے لگی مگر دوسری جانب انگیج کی ٹون سن کر وہ جی بھر کر بے مزہ ہوگئی۔
"اُف فراز یہ تمہارا فون اتنا بزی کیوں جانے لگا ہے جب دیکھو انگیج کی ٹون سنائی دیتی ہے۔" وہ بے حد بےزاری سے خود سے بولی پھر ایک میسج ٹائپ کر کے اسے بھیج کر دوبارہ ساحرہ کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

❁........❁........❁
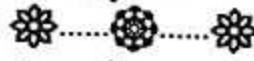
سفید اور لال رنگ کے امتزاج کے میکسی گاؤن میں سر پر لال اور سفید ہی رنگ کے اصل پھولوں سے بنے تاج کو پہنے بے حد نفاست سے کیے گئے میک اپ میں ماریہ بے حد حسین لگ رہی تھی جب کہ اس کے پہلو میں کھڑا ولیم بلیک اینڈ وائٹ ڈنر سوٹ میں ریڈ رنگ کی بو لگائے کافی ہینڈسم دکھائی دے رہا تھا ان کی مخصوص عبادت گاہ میں صرف ولیم اور ماریہ کے گھر والے تھے البتہ ماریہ کے فرینڈز کے طور پر جیسکا اور ابرام تقریب میں شامل تھی اور کافی چہک رہی تھی آج کل اسے ابرام کی قربت جو مل رہی تھی وہ زیادہ تر وقت جیسکا کے ساتھ ہی گزار رہا تھا ولیم ماریہ کو دیکھ دیکھ کر جیسے اس پر لٹو ہوئے جا رہا تھا جس کی خاموش اداس نگاہیں اس کی آنکھوں کو اور بھی زیادہ خوب صورت اور دلکش بنا رہی تھیں تھوڑی دیر بعد انگوٹھیاں پہنائی گئیں تو سب نے بے حد خوش ہو کر تالیاں بجا کر اپنے جذبوں کا اظہار کیا اس سمے دھیمی سی مسکراہٹ جیکولین کے چہرے پر بھی نمودار ہوئی جو دوسرے ہی پل معدوم بھی ہوگئی۔ منگنی کی رسم کے بعد سب ایک دوسرے کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف ہوگئے جیسکا نے ولیم کو جا لیا جب کہ ابرام ماریہ کے پاس چلا آیا وہ آج اتنی خوب صورت اور معصوم لگ رہی تھی کہ ابرام نے بے اختیار اس خیال کے تحت اپنی نگاہیں چرالیں کہ مبادا اس کی بہن کو اس کی پیار بھری نظر ہی نہ لگ جائے وہ مسکراتا ہوا بے اختیار بول اٹھا۔
"مبارک ہو ماریہ ڈیئر! میری طرف سے تمہارے لیے ڈھیر ساری دعائیں۔" ماریہ نے اپنی گھنیری پلکیں اٹھا کر اسے ایک نظر دیکھتے ہوئے مختصراً کہا۔
"تھینک یو۔" ابرام محبت بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے دوبارہ گویا ہوا۔
"آج تم بہت پیاری لگ رہی ہو ان فیکٹ پری اور حور لگ رہی ہو ولیم اور تم......" بولتے بولتے وہ اچانک یوں رکا جیسے چلتے چلتے اسپیڈ بریکر آگیا ہو ولیم کے نام پر ماریہ نے جن نگاہوں سے اسے دیکھا ابرام کو بے حد شرمندہ کر گیا۔ اگلے پل وہ بے حد ندامت اور بے چارگی سے اتنا ہی بولا۔
"ماریہ میں......" پھر یک لخت وہ خاموش ہوا اور انتہائی سختی سے لبوں کو بھینچ کر اسے دیکھا اسے ماریہ کی خوب صورت آنکھوں میں استہزائیہ اور طنزیہ رنگ جھلکتے ہوئے محسوس ہوئے۔ عجیب ہوتی ہے یہ آنکھوں کی خاموش زبان لفظ زبان سے کہیں زیادہ پُراثر اور معنویت سے لبریز جو صرف ایک نگاہ میں ہی حکایت دل کو بیان کر دیتی ہے ایک ہی پل میں داستان الم سنا دیتی ہے ایک ہی لمحے میں اپنے احساسات محسوسات کو عیاں کر دیتی ہے اس وقت بھی کچھ ایسا ہی ماریہ کی نظر میں تھا ابرام بولنے کی چاہ رکھتے ہوئے بھی کچھ بول ہی نہیں سکا تھا جب ہی وہاں جیسکا آدھمکی تھی۔
"اوہ ماریہ تم اس میکسی گاؤن میں اتنی حسین اور پیاری لگ رہی ہو کہ میرا دل چاہ رہا ہے کہ کاش میں لڑکا ہوتی اور تم سے ابھی اور اسی وقت شادی کر لیتی۔" جیسکا شوخی و شرارت بھرے لہجے میں بولی تو ماریہ اور ابرام دونوں ہنوز خاموش ہی کھڑے رہے جبکہ جیسکا اپنی جون میں ان دونوں کی خاموشی کو محسوس کیے بناء اپنے سابقہ انداز میں بولتی چلی گئی۔
"تمہارا یہ ڈریس اتنا زبردست ہے کہ کیا بتاؤں بس میں نے تو ڈیسائیڈ کر لیا ہے کہ اپنی منگنی میں، میں ایسا ہی میکسی گاؤن سلواؤں گی، ٹھیک ہے ابرام!" آخری جملہ بولتے ہوئے جیسکا نے ابرام کا بازو بے تکلفی سے اپنی جانب کھینچا تو وہ جیسے ہڑبڑا کر رہ گیا۔
"آ...... ہاں کیا ہوا جیسکا۔" جیسکا نے ابرام کی کیفیت پر چونک کر اسے دیکھا۔
"ابرام کیا ہوا بھئی؟ تم کہاں گم ہوگئے تھے۔"

''میں کہیں گم نہیں ہوں تمہارے سامنے کھڑا ہوں بس اپنی بہن کو دیکھ کر سب کچھ بھول گیا ہوں۔'' آخر میں وہ ماریہ کو نثار ہوتی نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولا تو جیسکا نے بھی تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

''واقعی آج تو ماریہ کو دیکھ کر کوئی بھی اپنے ہوش وخرد بھلا سکتا ہے۔'' وہ شستہ انگریزی میں بولی کہ اسی پل ولیم نے بھی اپنی انٹری دی۔

''ایکسکیوزمی گائز! آپ لوگ شاید مجھے بھول رہے ہیں یادرہے گروم کے بناء برائیڈ بالکل نامکمل ہوتی ہے۔'' وہ شوخی سے ماریہ کو والہانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا تو ماریہ کے چہرے پر یک دم ناگواری کا آیا رنگ ابرام نے واضح طور پر دیکھا۔

''میرے خیال میں ابرام ہمیں کباب میں ہڈی نہیں بننا چاہیے ان دونوں کو اکیلے چھوڑ دینا چاہیے۔'' جیسکا ابرام کا بازو اپنی بانہوں میں لپیٹتے ہوئے بولی تو ولیم نے جیسکا کو تشکرانہ آمیز نظروں سے دیکھا جب کہ جیسکا کی بات پر ماریہ کے چہرے کے عضلات تن سے گئے۔

''اوہ ابرام آؤ نا ہم ذرا باہر کا چکر لگا کر آتے ہیں۔'' جیسکا اسے اپنے سنگ تقریباً کھینچتے ہوئے اٹھلا کر بولی تو جیسے ابرام نے اس کی بات کو سنا ہی نہیں وہ ایک جھٹکے سے اپنا بازو جیسکا سے چھڑا کر بے اختیار ماریہ سے لپٹ گیا اور بڑی زور سے اپنی بانہوں میں بھینچ لیا ایسے جیسے وہ سب کی نظروں سے چھپا کر اسے اپنے دل میں رکھنا چاہتا ہو ابرام کی اس حرکت پر جیسکا اور ولیم نے ٹھٹک کر ابرام کی پشت کو دیکھا جس کا بے اختیارانہ انداز انہیں یک دم ساکن سا کر گیا تھا پھر جیسکا دھیرے سے مسکرا کر ولیم سے گویا ہوئی۔

''ابرام اپنی بہن سے بے حد پیار کرتا ہے ولیم! اس دنیا میں ماریہ سے زیادہ قیمتی چیز اور کوئی نہیں ہے اس کے لیے۔'' ولیم نے جیسکا کی بات کو غور سے سنا پھر اثبات میں سر ہلا کر کہا۔

''میں جانتا ہوں۔'' نجانے کتنی ہی دیر وہ ماریہ کو خود سے لپٹائے یونہی کھڑا رہا اور ماریہ اس پل اس کا دل چاہا کہ وہ اپنے جان سے زیادہ عزیز بھائی کے سینے سے لگ کر اتنا روئے کہ سارے آنسو ہی ختم ہوجائیں کس قدر انوکھا انمول اور بے پناہ خوب صورت رشتہ ہوتا ہے، بہن بھائی کا جیسے کائنات کا اس کے رنگوں کی طرح جس کے بناء کائنات پھیکی وادھوری ہے۔ دنیا کی ہر بہن اپنے بھائی کے لیے صدقے واری رہتی ہے، راتوں کو اٹھ اٹھ کر اس کی صحت وسلامتی کے لیے دعائیں کرتی ہے اسے مسرور اور مطمئن دیکھ کر اندر سے جی اٹھتی ہے اس کی خوشیوں پر ایک لمحے میں اپنا سب کچھ تیاگنے والی اور بھائی، اپنی گڑیا جیسی بہنا کی پلکوں پر آسمان کے تارے سجانے کی کوشش کرتا ہے اسے زندگی کی ہر خوشی دینے کی ہر آرزو پوری کرنے کا عزم کرتا ہے اس کے لیے ہمہ وقت مرمٹ جانے والا بھائی جو ٹھنڈی چھاؤں اور تحفظ دینے والے باپ کا دوسرا روپ اور بہن...... ہر تکلیف ودکھ کو اپنے آنچل میں سمیٹنے والی ہر پل دعاؤں کے حصار میں رکھنے والی ماں کی دوسری پرچھائی' ماریہ ابرام کے سینے سے لگی بس پگھلنے ہی لگی تھی کہ اسی پل جیسکا نے نرمی سے ابرام کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

''ابرام تمہاری بہن کی آج صرف منگنی ہوئی ہے ڈیئر! وہ ولیم کے ساتھ رخصت نہیں ہورہی۔ ابھی تمہارے پاس ہی رہے گی۔'' جیسکا کی آواز پر دونوں جیسے ہوش میں آئے تھے پھر ابرام تیزی سے ماریہ سے الگ ہوکر بناء کسی کی جانب دیکھے وہاں سے تیزی سے نکلتا چلا گیا۔

❀......❀......❀

اماں کی حالت کچھ سنبھل گئی تھی اس وقت وہ دواؤں کے زیر اثر پُرسکون نیند سو رہے تھے جبکہ امی آئی سی یو کے باہر بچھی بنچ پر بیٹھیں مسلسل تسبیح کے دانے پڑھ رہی تھیں۔ مہرؔ، لالہ رخ اور مہرو کی اماں نے بہت سمجھایا کہ اب حالت کافی بہتر ہے وہ گھر جاکر کچھ دیر آرام کرلیں نگران کی تو بس ایک ہی ضد تھی کہ میں ان کے ساتھ ہی گھر جاؤں گی نتیجتاً وہ لوگ ان کی ضد کے سامنے مجبور ہوگئے تھے۔ لالہ رخ منتشر اعصاب اور تھکن زدہ وجود سمیت ہسپتال کے باہر خوب صورت باغیچے میں نسبتاً تنہا گوشے میں آکر بیٹھی اور جلدی سے اپنا سیل فون نکال کر زرمینہ کا دیا ہوا نمبر ڈائل کرنے لگی تیسری بیل پر اسپیکر سے بے حد دلکش وگمبھیر مردانہ آواز ابھری۔

''ہیلو فراز شاہ اسپیکنگ۔'' لالہ رخ کی سماعت سے فراز کی آواز ٹکرائی تو لالہ رخ فوراً اسے پیشتر جلدی سے بولی۔
''ہیلو مسٹر فراز شاہ میں زرمینہ کے ریفرنس سے بات کررہی ہوں لالہ رخ مری سے۔'' فراز جو اپنے کمرے میں ریلیکس انداز میں بیٹھا ٹی وی کے چینل سرچ کررہا تھا یک دم چوکنا سا ہوا پھر تیزی سے سیدھے بیٹھتے ہوئے گویا ہوا۔
''جی مس لالہ رخ..... کیسی ہیں آپ؟'' اس کا انداز رسمی تھا۔ لالہ رخ نے بھی رسماً جواب دیا۔
''جی اللہ کا شکر ہے میں بالکل ٹھیک ہوں۔ وہ فراز صاحب زرمینہ نے آپ کو میرے والد کے بارے میں بتایا ہوگا ان فیکٹ وہ اس وقت بھی ہسپتال میں ایڈمٹ ہیں۔''
''اوہ.....!'' بے ساختہ فراز شاہ کے لبوں سے نکلا پھر توجہ سے لالہ رخ کی بات سننے لگا وہ کراچی لانے اور یہاں علاج کروانے کی بابت اسے تفصیلات بتارہی تھی اس کی آواز سے بے حد پریشانی مترشح تھی مگر پھر بھی وہ بہت ہمت و حوصلے سے فراز سے بات کررہی تھی۔
''دیکھئے مس لالہ رخ..... آپ لوگ بالکل بھی پریشان مت ہوں میں نے یہاں کے بہت اچھے ڈاکٹر سے بات کی ہے آپ بس مجھے ان کی رپورٹس میل کردیجیے پھر میں ان سے ڈسکس کرکے آپ کو بتاتا ہوں۔'' فراز شاہ نے بڑے کوآپریٹو انداز میں لالہ رخ سے کہا تو وہ حیران ہوئے بنا نہیں رہ سکی۔ ایک بالکل اجنبی اور غیر انسان کتنی نرمی اور اخلاق سے اس سے محو گفتگو تھا اور تو اور اس کی اتنی بڑی مدد کرنے کو بھی تیار تھا۔ وہ فراز شاہ کے حسن سلوک سے بہت متاثر ہوئی تھی۔
''فراز صاحب..... میں آپ کا کن لفظوں میں شکریہ ادا کروں آپ نے میری کتنی بڑی مشکل آسان کردی ہے شاید آپ کو اس کا اندازہ نہ ہو آپ یقیناً ایک اچھے انسان ہیں۔'' بے حد دلکش و دلنشیں آواز موبائل فون کے اسپیکر کے ذریعے فراز شاہ کی سماعت سے ٹکرائی تو وہ ہولے سے مسکرادیا پھر اپنے مخصوص انداز میں بولا۔
''مس لالہ رخ آخر انسان ہی انسان کے کام آتا ہے اور اسے کام بھی آنا چاہیے اور رہا میری مدد کا سوال تو یہ تو زرمینہ نے مجھے ایک نیکی کرنے کا موقع دیا ہے۔'' لالہ رخ اس کا جواب سن کر مزید متاثر ہوگئی پھر بے حد ممنون لہجے میں بولی۔
''تھینک یو تھینک سوچ فراز صاحب۔''
''اٹس او کے مس لالہ رخ..... اچھا میں ابھی آپ کو اسی نمبر پر اپنی ای میل آئی ڈی سینڈ کررہا ہوں' آپ جلد سے جلد اپنے فادر کی رپورٹس مجھے میل کردیں۔'' فراز کا پژمردہ سن کر لالہ رخ اسی وقت بنچ سے تیزی سے اٹھی تھی۔
''ٹھیک ہے فراز صاحب' میں آپ کو جلد سے جلد ابا کی رپورٹس میل کرتی ہوں۔'' پھر فراز نے اللہ حافظ کہہ کر فون بند کردیا تو لالہ رخ بھی تیزی سے آگے بڑھ گئی جبکہ فراز لالہ رخ کو میسج ٹائپ کرنے لگا۔

❁.......❁.......❁

اس پل رات کا کھانا بے حد خوش گوار ماحول میں کھایا جارہا تھا' سوئے اتفاق آج اعظم شیرازی بھی ڈنر کے وقت پہنچ گئے تھے۔ سارا بیگم کے برابر کی کرسی پر براجمان ساحرہ بہت خوشی سے اعظم شیرازی کو مخاطب کرکے بولی۔
''بھیا آج کتنے عرصے بعد ہم سب یوں اکٹھے ہوکر کھانا کھارہے ہیں نا۔'' جواباً اعظم شیرازی نے بھی مسکرا کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔
''تم بالکل صحیح کہہ رہی ہو بہت ٹائم کے بعد ہم یوں بیٹھے ہیں۔'' جبکہ سونیا نے اپنے ڈیڈ اور پھوپی کو دیکھتے ہوئے خوش گواری سے کہا۔
''آپ دونوں بہن بھائی ہر وقت اتنا مصروف جو رہتے ہیں اور ہم لوگوں کے لیے بھی ٹائم نہیں نکالتے۔'' آخر میں اس کا لہجہ شکوہ کناں ہوا تو ساحرہ نے اسے معذرت خواہانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بے حد شیریں لہجے میں جواب دیا۔
''اوہ آئی ایم سو سوری بے بی ڈول۔'' اسی اثناء میں اعظم شیرازی کھانے سے ہاتھ کھینچ چکے تھے وہ نیپکن سے اپنے ہونٹوں کو صاف کرتے ہوئے اپنی نشست چھوڑ کر ڈائننگ ہال سے نکل گئے تو تینوں خواتین ادھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے کھانے میں مگن ہوگئیں۔

''ممی میں کک سے گرین ٹی کا کہہ کر آتی ہوں۔'' یہ کہہ کر سونیا قصداً ڈرٹیبل سے اٹھ کر ان دونوں کو تنہا چھوڑ کر وہاں سے چلی گئی تو سارا بیگم ہلکے سے گلا کھنکھار کر اپنی اکلوتی نند کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بڑے سبھاؤ سے گویا ہوئیں۔

''ساحرہ تم تو جانتی ہونا کہ سونیا میری اکلوتی اولاد ہے میرے جگر کا ٹکڑا ہے یوں سمجھو سونیا کے اندر تمہارے بھیا کی اور میری جان بستی ہے۔'' سارا بیگم کی بات پر ساحرہ نے نزاکت سے گلاس میں سے پانی کا گھونٹ بھرنے کے بعد فوراً کہا۔

''آف کورس! سارا بھلا کیوں نہ ہوگی سونیا میں تم دونوں کی جان آخر کو وہ تم دونوں کی اکلوتی بیٹی ہے۔''

''ہاں ساحرہ! وہ ہماری بیٹی ہے اور تم تو جانتی ہونا کہ بیٹی کے معاملے میں والدین کافی حد تک مجبور رہتے ہیں وہ اپنی بیٹی کا مستقبل کسی محفوظ اور بھروسے مند ہاتھوں میں سونپنے کا متمنی ہوتے ہیں تاکہ ان کی بیٹی خوش رہے مگر اس معاملے میں وہ اتنے زیادہ بااختیار بھی تو نہیں ہوتے نا۔'' سارا بیگم سہولت سے بات کرتے ہوئے اپنے اصل مدعے کی جانب آنے کی تمہید باندھ رہی تھیں جب ہی ساحرہ نے بے پروائی سے کہا۔

''ارے سارا یہ تو پرانے وقتوں کی دقیانوسی باتیں تھیں کہ لڑکیوں کے اچھے پرپوزلز کے لیے لڑکی کے والدین انتظار کرتے تھے اب تو وہ خود بھی لڑکی کا پروپوزل پیش کردیتے ہیں اس بات میں کوئی مضائقہ تو نہیں ہے۔''

''ہاں کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو ویسے اللہ کا بہت کرم ہے سونیا کے بے حد اچھے اور اونچے گھرانوں سے رشتے آرہے ہیں مگر کسی کو اپنی بیٹی سونپنے کے خیال سے ہی میرا دل لرز جاتا ہے۔'' ساحرہ سارا بیگم کی بات سن کر بے ساختہ ہنسی پھر ان کی جانب دیکھتے ہوئے تائیدی انداز میں بولی۔

''ہاں یہ بات تو ہے یقیناً اس معاملے میں تمہارا دل بہت حساس ہوگا اور تمہاری فیلنگز میں کبھی نہیں سمجھ پاؤں گی کیوں کہ میرے دو بیٹے ہیں بیٹی کوئی نہیں ہے۔'' آخری جملہ وہ کندھے اچکا کر بولی تو سارا بیگم نے فوراً اپنی زبان کو حرکت دیتے ہوئے کہا۔

''ہاں ساحرہ یہی بات میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کررہی تھی، ساحرہ کتنا اچھا ہونا کہ میری بیٹی تمہارے گھر جائے۔ کسی غیر گھرانے میں اس کی شادی کرنے کے بجائے تمہارے بیٹے سے شادی ہو کر وہ اپنی پھوپی کے گھر کیوں نہ جائے۔'' ساحرہ نے اپنی بھاوج کی بات پر کافی چونک کر انہیں دیکھا پھر قدرے توقف کے بعد بے حد خوش گوار انداز میں بولی۔

''ارے میرا تو اس جانب خیال ہی نہیں گیا' کیوں نہیں سارا! سونیا پر تو پہلا حق میرا ہے اور میرے بچوں پر تمہارا۔ کمال ہے میرا دھیان پہلے کبھی اس طرف کیوں نہیں گیا۔'' آخری جملہ وہ کافی حیرت سے خود سے بولی تو سارا بیگم کی تو باچھیں کھل گئیں پھر بے حد خوشی و انبساط بھرے لہجے میں بولیں۔

''چلو پہلے نہیں گیا مگر اب تو چلا گیا نا۔''

''تھینکس سارا! یہ دھیان بھی مجھے تم نے دلایا ورنہ تو میرے سر پر ہر وقت اپنی این جی او کا بھوت سوار رہتا ہے۔'' ساحرہ خود کو سرزنش کرنے والے انداز میں بولی تو سارا بیگم کھل کر ہنس دیں جب کہ ساحرہ نے بھی ان کی ہنسی میں ان کا ساتھ دیا۔

❁ ❁ ❁
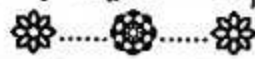
باسل حیات کے سمسٹرز اسٹارٹ ہونے والے تھے وہ اپنا ذہن اور توجہ اپنی اسٹڈی میں لگانے کی کوشش کررہا تھا مگر بار بار اس کا دھیان نیلم فرمان اپنی جانب مبذول کررہی تھی۔ آج کیمپس میں بھی ہمہ وقت وہ اس کے ساتھ ساتھ ہی تھی۔

''باسل کبھی کبھی مجھے ایسا لگتا ہے کہ تم مجھے اچانک چھوڑ کر کہیں دور چلے جاؤ گے اور میں تمہیں ڈھونڈتی رہ جاؤں گی۔'' اس پل وہ دونوں لائبریری میں بیٹھے تھے باسل کسی کتاب کی ورق گردانی میں مصروف تھا۔ نیلم فرمان کی بات پر اس نے جیسے کوئی توجہ ہی نہیں دی اور ہنوز اپنے کام میں مگن رہا۔ نیلم نے اسے چند ثانیے دیکھا پھر باسل کو اپنی جانب بے پروا پا کر وہ کافی چڑ گئی۔

''باسل تم سن بھی رہے ہو کہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔'' نیلم بے حد جھنجھلا کر بولی تو باسل نے لامحالہ نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا اس پل اسے نیلم کی قربت سخت زہر لگ رہی تھی اندر ہی اندر بے پناہ بے زاری لیے وہ طوعاً کرہاً اس کے ساتھ بیٹھا تھا جب

ہی کافی روڈ انداز میں گویا ہوا۔

''نیلم! میرے پاس اس وقت تمہاری بے سروپا باتیں سننے کا بالکل ٹائم نہیں ہے۔ تمہیں معلوم ہے نا کہ ہمارے ایگزامز اسٹارٹ ہونے والے ہیں اور میں کسی بھی قیمت پر اپنی پوزیشن خراب نہیں کرنا چاہتا' انڈرسٹینڈ۔ تم اگر یہاں بور ہورہی ہو تو پلیز باہر چلی جاؤ۔'' باسل اپنی اسٹڈیز کے معاملے میں کوئی کمپرومائز نہیں کرتا تھا وہ ایک بریلیئیٹ اسٹوڈنٹ ہونے کے ساتھ ساتھ پوزیشن ہولڈر بھی تھا اور اس بار بھی وہ اپنے مارکس مین ٹین رکھنا چاہتا تھا سو ہر جانب سے دھیان ہٹا کر وہ صرف اپنی پڑھائی پر توجہ مرکوز رکھنا چاہتا تھا مگر نیلم فرمان تو جیسے اس کے اعصاب پر سوار ہوئے جارہی تھی۔ باسل کی حد درجہ بے زاری محسوس کرکے نیلم چند ثانیے کے لیے چپ سی ہوگئی پھر معذرت خواہانہ انداز میں بولی۔

''سوری باسل! میں تمہیں بار بار ڈسٹرب کررہی ہوں نا اوکے میں باہر ہی چلی جاتی ہوں۔'' نیلم کا منہ لٹک گیا تھا' اس نے خاموشی سے اپنی کتابیں سمیٹ کر دھیرے سے اٹھتے ہوئے باسل کی طرف نگاہیں اٹھائیں مگر وہ ہنوز کتابوں میں سر دیئے بیٹھا رہا چند ثانیے وہ یونہی کھڑی رہی پھر خاموشی سے چلی گئی۔ باسل نے صرف ایک سرسری نگاہ اسے دروازے سے نکلتے دیکھا پھر سر جھٹک کر اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔

❀......❀......❀

فراز شاہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو تھکن کے مارے اس کا برا حال تھا' وہ صبح سے ہی بے حد مصروف رہا تھا۔ حیا آفندی کے اچانک یوں چلے جانے سے اسے آفس میں بھی کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ کئی دن سے وہ حیا آفندی کی سیٹ کے لیے آنے والے لڑکے اور لڑکیوں کا انٹرویو خود لے رہا تھا مگر ابھی تک اسے حیا آفندی کے ٹکر کا تو کیا اس کا پاسنگ بھی نہیں ملا تھا وہ حیا آفندی کے چلے جانے سے بہت مشکل میں آ گیا تھا۔ فریش ہوجانے کے بعد وہ اپنے بستر پر گرنے والے انداز میں بیٹھا اس وقت اس کا سر بھی کافی درد کررہا تھا اس نے سامنے دیوار پر لگی گھڑی پر نظر ڈالی جو رات گیارہ بجے کا اعلان کررہی تھی۔ فراز نے ایک گہری سانس کھینچی ابھی وہ اپنے بستر پر دراز ہونے ہی والا تھا کہ ہلکا سا دروازہ ناک ہوا اور پھر دروازے کا ہینڈل گھما کر سمیر شاہ اندر داخل ہوئے' فراز انہیں دیکھ کر تھوڑا حیران ہوا کیوں کہ سمیر شاہ جلدی سونے کے عادی تھے اور رات دس بجے تک وہ سوجاتے تھے۔

''ارے ڈیڈ آپ...... خیریت تو ہے نا آپ ابھی تک سوئے نہیں؟'' وہ حیرت کا اظہار کرتے ہوئے سیدھا ہو کر بیٹھا جب کہ سمیر شاہ سہولت سے چلتے ہوئے اس کے بیڈ کے قریب رکھے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''ہوں بس آج نیند نہیں آرہی تھی تو سوچا تم سے کچھ باتیں کرلوں۔''

''یہ نیند آپ کی کہاں چلی گئی جو آج آپ کے پاس نہیں آرہی۔'' فراز شاہ باپ کو شوخی سے دیکھتے ہوئے قدرے شرارت سے گویا ہوا تو سمیر شاہ بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنس دیئے پھر استفہامیہ لہجے میں بولے۔

''تم آج کافی لیٹ ہوگئے اور چہرے سے بھی کافی تھکے ہوئے لگ رہے ہو' آج کام بہت زیادہ تھا کیا؟'' جواباً فراز قدرے بے زار لہجے میں گویا ہوا۔

''بس ڈیڈ...... وہ دراصل آج کل مس حیا آفندی کی سیٹ پر انٹرویوز چل رہے ہیں سو اسی سلسلے میں کچھ مصروف ہوں۔''

''ابھی تک تمہیں اپنے معیار کا کوئی بندہ نہیں ملا۔'' انہوں نے استفسار کیا تو فراز شاہ مایوس کن لہجے میں بولا۔

''نہیں ڈیڈ...... مس حیا آفندی جیسے قابل اور ایکٹو ور کر اتنی آسانی سے کہاں ملتے ہیں۔'' فراز شاہ کی بات پر سمیر شاہ نے تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''یہ بات تو درست ہے۔'' پھر قدرے توقف کے بعد گویا ہوئے۔ ''فراز تم نے سونیا سے بات کی۔''

''کس سلسلے میں ڈیڈ؟'' فراز نے نا سمجھنے والے انداز میں دریافت کیا تو انہوں نے گہری سانس بھری پھر سہولت سے بولے۔

''یہی کہ سونیا جو تم سے ایکسپیکٹ کررہی ہے اس کے لیے تم ایگری نہیں ہو۔'' فراز نے یہ سن کر بے چینی سے پہلو بدلا پھر

ان کی جانب دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلا کر کہا۔
"نہیں ڈیڈ! ابھی تو میں نے سونیا سے کچھ نہیں کہا ان فیکٹ سونیا نے جو سلوک مس جیا کے ساتھ کیا اسے سوچ کر مجھے ابھی بھی سونیا پر غصہ آ جاتا ہے۔"
"وہ تو ٹھیک ہے فراز مگر میرے خیال میں تمہیں جلد سے جلد سونیا سے بات کر لینی چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بات سیریس ہو جائے۔" سمیر شاہ کے دل میں عجیب سے خدشات نے سر ابھارا تھا' وہ سونیا کی ضدی اور ہٹیلے انداز سے کافی حد تک واقف تھے اور بہت سی چیزوں میں وہ ساحرہ کی مشابہہ تھی لہٰذا وہ کبھی بھی سونیا اعظم خان کو اپنے سلجھے ہوئے بیٹے فراز کے لیے اس کے لائف پارٹنر کے روپ میں نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔
"او کے ڈیڈ! میں وقت نکال کر بس ایک دو دن میں اس سے بات کرتا ہوں۔" فراز نے کچھ سوچ کر سمیر شاہ سے کہا تو سمیر شاہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے شفقت سے بولے۔
"او کے مائی سن اب تم آرام کرو کافی تھک گئے ہو ان شاء اللہ صبح تم سے ملاقات ہو گی۔"
"او کے ڈیڈ...... گڈ نائٹ۔"
"گڈ نائٹ۔" یہ کہہ کر سمیر شاہ فراز کے کمرے سے باہر چلے گئے جبکہ فراز کافی دیر ایک ہی پوزیشن میں یونہی خالی الذہنی کیفیت میں گھرا بیٹھا رہا۔

❁......❁......❁

زرتاشہ اور زرینہ کا آج سیکنڈ لاسٹ پیپر تھا دونوں نے خوب اچھی طرح تیاری کر رکھی تھی مگر پیپر اچھا خاصا مشکل آیا تھا۔ پیپر ختم کر کے وہ دونوں منہ لٹکا کر باہر آئی تھیں۔
"ہائے اللہ تاشو مجھے تو لگتا ہے کہ میں اس پیپر میں فیل ہو جاؤں گی' اُف کتنی بے عزتی ہو گی نا میری۔" زرینہ جیسے رو دینے کو تھی وہ دہائی دینے والے انداز میں بولی۔
"اللہ نہ کرے زری...... کم از کم منہ اچھا نہ ہو تو بات تو اچھی کر لیا کرو' چلو نمبر بہت اچھے نہیں آئیں گے مگر پاس تو ہو جائیں گے نا۔" آخر میں زرتاشہ زری سے زیادہ خود کو تسلی دیتے ہوئے بولی تو زرینہ نے انتہائی مایوس کن نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے مزید ہولایا۔
"محترمہ تاشو صاحبہ...... آپ کسی خوش فہمی میں مت رہیے گا۔ میڈم ممتاز بہت اسٹریک مارکنگ کرتی ہیں سنا ہے پاس بھی بہت مشکل سے کرتی ہیں۔" زرینہ کی بات سن کر زرتاشہ بھی پریشان ہو گئی۔
"ہائے اللہ سچی میں تو سمجھی تھی کہ پاسنگ مارکس تو آرام سے آ جائیں گے' اب کیا ہو گا زری؟" وہ اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں مروڑتے ہوئے متوحش سی ہو کر بولی جب کہ زرینہ صاحبہ اب کافی ریلیکس ہو چکی تھیں۔
"کیا ہو گا بھئی وہی ہو گا جو منظور خدا ہو گا۔"
"اچھا یہ بتاؤ کہ......" زرینہ ابھی اتنا ہی بولی تھی کہ ایک دم اس کا موبائل فون گنگنا اٹھا۔ زرینہ نے سیل فون جو ہاتھ میں ہی تھام رکھا تھا تیزی سے اپنی نگاہوں کے سامنے کیا تو موبائل اسکرین پر فراز بھائی کا جگمگاتا ہوا نام نظر آیا اس نے فوراً سے بیشتر ریجیکٹ کا بٹن دبا کر موبائل بپ کا گلا گھونٹا اور پھر مسکرا کر زرتاشہ کی طرف متوجہ ہوئی جب کہ زرتاشہ نے اسے کافی الجھن بھری نگاہوں سے دیکھا وہ بغور نوٹ کر رہی تھی کہ پچھلے چند دنوں سے زرینہ اکیلے میں جا کر کسی سے بات کرتی ہے یا پھر جونہی وہ اِدھر اُدھر ہوتی ہے وہ سرعت سے نمبر ملا کر اپنا سیل فون کان سے لگا کر کسی سے آہستہ آواز میں گفتگو کرنے لگتی ہے۔ زرینہ کی یہ حرکات وسکنات اسے خاصی مشکوک لگ رہی تھیں کیونکہ آج سے پہلے زرینہ کی کوئی بھی کال اس کے سیل فون پر آتی تو وہ زرتاشہ کے سامنے ہی ساری بات کیا کرتی تھی جب کہ زرینہ نے ابھی بھی کسی کی آتی کال کو بناء اٹینڈ کیے ہی کاٹ دیا تھا اور ایسا اس نے پہلے بھی کئی بار کیا تھا۔
"یار مجھے تو اس وقت بہت زبردست بھوک لگ رہی ہے' ایسا کرتے ہیں بریانی کھاتے ہیں بہت دن ہو گئے بریانی نہیں

کھائی۔'' وہ مگن سے انداز میں اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولی جب کہ زرتاشہ کا ذہن ابھی بھی زرینہ کے فون کاٹنے کے عمل پر اٹکا ہوا تھا' زرینہ اِدھر اُدھر کی باتیں مسلسل کر رہی تھی مگر زرتاشہ خاموشی سے بس چلے جا رہی تھی۔ زرینہ نے کافی دیر بعد اس کی خاموشی کو محسوس کیا تو یک دم رک کر اسے حیران کن نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''تاشو! تمہیں کیا ہوا ہے میں اتنی دیر سے تم سے باتیں کیے جا رہی ہوں اور تم ہو کہ چپ چاپ چلتی چلی جا رہی ہو۔'' زرینہ کے رکنے پر تاشو بھی چند قدم چل کر رک گئی پھر مڑ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بے حد سنجیدگی سے استفہامیہ لہجے میں بولی۔

''زری ابھی جو تھوڑی دیر پہلے تمہارے سیل فون پر کال آئی تھی وہ تم نے کاٹ کیوں دی' تم نے بات کیوں نہیں کی؟'' زرتاشہ کے اچانک پوچھنے پر زرینہ پل بھر کو گڑبڑائی پھر اگلے پل خود کو سرعت سے سنبھال کر ہنستے ہوئے کہا۔

''اچھا وہ...... دراصل میرے گھر سے فون آ رہا تھا تو میں نے سوچا کہ فی الحال میں پیٹ پوجا کر لوں پھر ہوسٹل جا کر آرام سے اماں سے بات کرلوں گی۔'' اس پل زرتاشہ زرینہ کو بے حد کھوجتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ زرینہ کا جواب سن کر اس نے اپنے دونوں بازو سینے پر فولڈ کرتے ہوئے قدرے بے یقین لہجے میں کہا۔

''اوہ اچھا' مگر زری تم تو اس سے پہلے بھی بہت سی کالز کو منقطع کر چکی ہو اور جہاں تک میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے تم یہ حرکت کبھی نہیں کرتی تھیں۔'' زرتاشہ کی بات پر زرینہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا جواب دے تو خوامخواہ اس پر جھنجھلاتے ہوئے بولی۔

''اچھا بابا اب گھر سے فون آئے گا تو میں پک کرلوں گی بس۔'' پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر روش پر چلتے ہوئے ہنس کر گویا ہوئی۔

''توبہ ہے تاشو! یہ تم اتنی شکی کب سے ہوگئیں۔'' اسی دوران وہ کینٹین میں پہنچ چکی تھیں۔

''تاشو تم جلدی سے جاؤ اور فٹافٹ دو پلیٹیں بریانی لے کر آؤ' میں وہاں سامنے درخت کے نیچے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔'' زرینہ زرتاشہ کو ہدایت دیتی ہوئی بولی تو زرتاشہ نے سر اثبات میں ہلایا اور جونہی وہ آگے کی جانب بڑھی یک دم زرینہ کا سیل فون پھر بج اٹھا۔ زرتاشہ اس کی آواز پر بے ساختہ مڑی تھی جبکہ زرینہ کے چہرے پر بھی بے اختیار گھبراہٹ کے رنگ در آئے تھے اس نے قدرے ٹپٹا کر زرتاشہ کو دیکھا جو بالکل اس کے سامنے کھڑی تھی اس نے دزدیدہ نگاہوں سے اپنے سیل فون کی اسکرین کی جانب دیکھا' اسکرین پر لالہ آپی کا نام جگمگاتا دیکھ کر اس کا دل جیسے اچھل کر حلق میں آ گیا۔

''اب کس کی کال ہے۔'' زرتاشہ کے استفسار پر وہ پھیکی سی ہنسی ہنس کر گویا ہوئی۔

''اماں کی کال ہے۔''

''اچھا تو میرے سامنے پک کرو۔'' اس وقت اس نے خود کو بے حد بے بس محسوس کیا' زرینہ نے انتہائی لاچاری سے زرتاشہ کو دیکھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

دکھوں کی فصل

اریشہ غزل

"کیا ہے میرل، کب سے دماغ کھا رہا ہے" کہہ جو دیا ہے رب نواز سے بات کروں گی، پہلے تو کوئی کام تو ڈھونڈ ابھی تو اپنے لائق کماتا، دھماتا نہیں ہے چلا ہے گھر بسانے۔" نذیراں نے بیزاری سے میرل کو جھڑکا۔

"اماں میں نہیں کماتا پر...... ابا تو کماتا ہے ناں۔" وہ عاجزی سے بولا۔

"بے شرم ذرا غیرت پکڑ اس بڈھے کی حالت پر رحم کھا اکیلا اس عمر میں بھی تین بیٹیوں اور تیرے پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لیے صبح کا نکلا شام کو گھر آتا ہے اور تو اس کی مصیبتیں اور بڑھانے کی بات کرتا ہے۔ سوچا تھا بیٹا ہوگا تو کچھ دلدر دور ہوں گے، دکھ تو کیا دور ہوتے اور بڑھ گئے ہمارے تو۔" وہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"اکلوتا بیٹا ہوں اماں پر تمہیں اور ابا دونوں کو میری قدر نہیں ہے۔" وہ خفگی سے منہ پھلاتا پلنگ پر جا بیٹھا۔

"ہوں قدر بھی ان کی ہوتی ہے جو چار پیسے ہاتھ پر دھرتے ہیں تیری طرح کاہل وکام چور کی کوئی قدر نہیں کرتا۔ چلا ہے گھر بسانے، کون دے گا تجھ نکمے کو بیٹی اپنے قابل تو کماتا نہیں ہے بات کرتا ہے رب نواز کی بیٹی کی ارے چریا...... اتنی حور سی بیٹی ہے اس کی کچھ دیکھ کر دے گا وہ بھی، اور تجھ میں ایسا ہے ہی کیا جس کی کوئی تمنا کرے۔" وہ تاسف سے اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

"اس طرح تو نہ کہو اماں...... میرے دوست کہتے ہیں شکل سے بڑا خاص لگتا ہوں پورے گاؤں میں کوئی بھی مجھ جیسا سوہنا نہیں ہے۔" اس نے فرضی کالر اکڑائے۔

"جیسا تو ہے ویسے ہی کمبخت ناکارہ تیرے دوست ویلے ہیں۔ موئے کوئی پاگل ہی ہوگا جو تجھ جیسے نشئی کو اپنی بیٹی دے گا یہ خواب دیکھنا چھوڑ دے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے رضیہ (بیٹی) کو آوازدینے لگی۔

"تیرا ابا آتا ہوگا روٹیاں پکالے۔" اس کو دیکھتے ہی وہ شروع ہوگئی۔

"اماں...... میری پیاری اماں تو ہی میرے دل کا حال نہیں سمجھے گی تو میں کس سے کہوں گا۔ تو ایک بار میری شادی ماروی سے کروادے پھر تو جو کہے گی میں وہی کروں گا۔" وہ اسے پلنگ پر لیٹتے دیکھ کر اس کے قریب آ بیٹھا اور اس کے پاؤں دباتے ہوئے بولا۔

"سچ کہتا ہے۔" وہ متعجب ہوئی۔

"اماں اس کی باتوں میں نہ آ...... یہ تو یونہی شگوفے چھوڑتا ہے کرنا کرانا کچھ نہیں ہے اس نے۔" رضیہ نے آٹے کے پیڑے بناتے ہوئے طنزیہ کہا۔

"بک بک نہ کر مجھے اماں سے بات کرنے دے۔" میرل کو اس کی مداخلت اچھی نہیں لگی۔

"اماں وہ مجھے بہت اچھی لگتی ہے، کسی شہزادی کی طرح۔" وہ حسرت سے بولا۔

"تو نے اسے کہاں اور کب دیکھ لیا؟" میرل کی ماں مشکوک ہوئی۔

"وہ اپنے ابا کو اکثر کھانا دینے کھیتوں کی طرف جاتی ہے، وہیں دیکھا تھا۔" وہ مسکراتے ہوئے سچ بتا رہا تھا۔

"کمبخت تو گاؤں کی چھوریوں کا پیچھا کرنے لگا ہے اب۔ کیا یہی کسر باقی تھی اگر...... اگر اس نے رب نواز سے شکایت کردی یا گاؤں کے کسی بڑے نے تجھے اس کا پیچھا کرتے پکڑ لیا تو ٹکڑے کرکے ڈال دے گا تیرے...... کیوں اس بڑھاپے میں رسوا کرنے پر تلا ہوا ہے چھوڑ دے اس کا خیال۔" وہ چیخ چیخ کرتی اٹھ بیٹھی۔

"تبھی تو کہتا ہوں عزت سے بات کرلو کل کلاں کچھ ہوگیا پھر نہ کہنا......" وہ بگڑتے ہوئے بولا۔

"کیا...... کرنے پر تلا ہوا ہے تو...... کیوں میری زندگی خراب کررکھی ہے چریا تیرے بجائے اللہ ایک اور بیٹی دے دیتا کم از کم سکون تو ہوتا۔ تو تو نرا عذاب ہے بس۔" اس نے بڑبڑاتے ہوئے غصے سے اس بے مہار کو گھورا اور سر پکڑ لیا۔

"اگر وہ مجھے نہ ملی تو...... تو میں اپنے آپ کو مار لوں گا اور

اسے بھی ماردوں گا۔" وہ دھمکی دیتے ہوئے اسے خوف زدہ کر گیا تھا۔

"رب نواز جبھی اپنی دھی دے گا جب تو کوئی نوکری ڈھونڈے گا وہ اس کی اکلوتی بیٹی ہے وہ اسے یونہی تیرے حوالے تھوڑی کرے گا' اپنے آپ کو اس کے قابل بنا پھر اس کی بات کر۔" اس نے نرمی سے اسے ٹھنڈا کرنا چاہا۔

"اماں تیری قسم...... میں نوکری ڈھونڈ لوں گا اگر ماروی کو پانے کی یہی شرط ہے تو میں یہ بھی کرلوں گا۔" وہ تیار بیٹھا تھا۔

"مگر تجھے نوکری کون دے گا تو...... تو نشہ بھی کرتا ہے......" وہ اس کی ضد پر پریشان ہوگئی۔

"چاچا کرم دین کے پاس حویلی جاؤں گا وہی کہیں دلوادیں گے وڈیرے کے پاس۔" وہ ٹھانے ہوئے تھا۔

"سچ کہہ رہا ہے۔" نذیراں کو یقین نہیں آرہا تھا وہ اتنی جلدی رام ہوجائے گا۔

"ہاں اماں میں اس کی خاطر اپنے آپ کو سدھار لوں گا اسے بس میرا بنادے' مجھے اس کے علاوہ کچھ نہیں سوجھتا۔" وہ اپنی بے قراریاں بتارہا تھا۔

"اماں...... تیرا بیٹا تو گیا ہاتھوں سے۔" رضیہ تندور سے روٹیاں نکالتے ہوئے طنزیہ بولی۔

"جھلی وہ آجائے گی تو تمہیں ہی آرام ہوگا' تمہارے ساتھ مل کر کتنے ہی کام نبٹا دیا کرے گی۔" میرل مسکراتے ہوئے بولا۔

"ہونہہ تو بڑا کام کرتا ہے جو وہ کیا کرے گی۔" رضیہ نے ماتھے سے بہتے پسینے کو دوپٹے میں جذب کیا۔

"دیکھ لو اماں۔ اس گھر میں کسی کو مجھ سے محبت نہیں۔" وہ تپ گیا۔

"تیرے کرم اچھے ہوتے تو سبھی تیری قدر کررہے ہوتے ناقدرے۔" وہ بیزار ہوئی۔

ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے گرمی کے زور کو توڑ دیا تھا۔ اسے نیند آنے لگی وہ سونے کی نیت سے دوبارہ پلنگ پر پڑ گئی اور دوپٹہ منہ پر ڈال لیا۔

"اماں تمہیں سونے کی پڑی ہوئی ہے یہاں نہ دن کٹتے ہیں نہ راتیں۔" وہ اسے سوتے دیکھ کر خفا ہونے لگا۔

"دفع ہو کمبخت یہاں منہ اندھیرے اٹھتے ہی کاموں سے لگ جاتے ہیں' رات آرام کرنے کے لیے ہی ہوتی ہے اس پر بھی تو کل کل ڈال رہا ہے۔ تیری طرح آوارہ گردی نہیں کرتے' چل جا یہاں سے آرام کرنے دے مجھے۔" وہ کروٹ لے کر لیٹ گئی۔

"اور میرے رشتے کی بات۔" وہ اس کے جھڑکنے پر جھینپ گیا رضیہ دوپٹہ منہ پر رکھے ہنس رہی تھی۔

"کہہ جو دیا پہلے نوکری ڈھونڈ تاکہ عزت کے ساتھ تیرا رشتہ ڈالا جاسکے۔ ناکارہ آدمی اپنوں پر بھی بھاری ہوتا ہے اسے کوئی نہیں قبول کرتا۔" کہتے کہتے وہ نیند کی وادیوں میں کھو گئی تو وہ مایوس ہوگیا۔

"اماں تو سوگئیں تمہارا قصہ محبت سنے بغیر۔ باقی مجھے سنادو۔" رضیہ روٹی پکا چکی تھی ہاتھ دھوتے ہوئے اسے چھیڑتے ہوئے بولی۔

"جا...... جا اپنا کام کر' روٹیاں بھی جلی بھنی پکاتی ہے۔" میرل اسے ڈانٹتے ہوئے دوسرے پلنگ پر لیٹ گیا۔ وہ اس سے دو سال چھوٹی تھی مگر اس کے ناکارہ پھرنے اور نشہ کرنے کی وجہ سے کوئی بھی اسے عزت نہیں دیتا تھا۔

"نوکری تو تم کرلو گے مگر یہ نشہ بھی چھوڑ دو یہ انسان کو کہی کا نہیں رکھتا۔" رضیہ نے اسے صلح دی۔

"یہ چھوٹنے والی چیز نہیں ہے جو کرسکتا ہوں میں وہی کروں گا۔" وہ ڈھٹائی کے ساتھ سگریٹ کا دھواں چھوڑتے ہوئے بولا۔

"اگر رب نواز چاچا نے انکار کردیا پھر......" رضیہ نے اسے ڈرایا۔

"تو پھر جان سے ماردوں گا اسے' وہ میری نہیں تو پھر کسی کی بھی نہیں ہوگی' یہ بتا دینا انہیں۔" وہ دھمکی دیتے ہوئے سرخ آنکھوں سے اسے گھورتے ہوئے بولا۔ نشہ سر چڑھ کر بول رہا تھا۔

"تو تو پورا چریا ہوگیا ہے محبت بھی کوئی زبردستی حاصل کرتا ہے۔" رضیہ نے تاسف سے کہا۔

"مجھے نہیں معلوم...... میرل بس اتنا جانتا ہے ماروی اس کے لیے بنی ہے اس کے پیارے پیارے نازک ہاتھ اس کے لیے ہیں ورنہ کسی کے نہیں۔" وہ خود کلامی کرتے کرتے ہنسنے لگا خود سے باتیں کرنے لگا' نشہ اس پر قبضہ جما چکا تھا۔ اب وہ اپنا بھی نہیں رہا تھا' اسے نہ اپنا ہوش تھا نہ اپنی باتوں کا۔ رضیہ نے اس کی حرکتوں کو ناگواری سے دیکھا اور گہری ہوتی

رات کو ابا ابھی تک دوسرے گاؤں سے نہیں آیا تھا' وہاں اس نے اپنی بڑی دونوں بیٹیوں کی بات طے کر رکھی تھی فصل کی کٹائی سے جو رقم حاصل ہوتی اس سے اس سال وہ اپنی دونوں بیٹیوں کو بیاہنے کا ارادہ رکھتا تھا' اسی سلسلے میں بات کرنے گیا تھا تا کہ تاریخیں رکھی جاسکیں' ایک فرض تو ادا ہو۔

❀......❀......❀

''مراد تو کچھ کرتا کیوں نہیں۔'' ماروی فکر مندی سے بولی۔

''مثلاً کیا کروں؟'' وہ مسکراتے ہوئے اسے پیار سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''یہ بھی میں بتاؤں...... '' میرل کی بے ہودگیاں روز بروز بڑھتی جارہی ہیں میں جب بھی ابا کو روٹی دینے کھیت میں جاتی ہوں نجانے کہاں سے چھلاوا بن کر چلا آتا ہے اور رستہ روک کر کھڑا ہو جاتا ہے بے غیرت......'' اس کے خوب صورت چہرے پر نفرت ہی نفرت بکھری ہوئی تھی۔

''تمہاری جیسی شہزادی کا رستہ کون نہیں روکے گا' اتنی پیاری جو ہو باہر کیوں آتی ہو۔'' وہ شرارت سے اسے چھیڑ رہا تھا۔

''ابا کو روٹی دینے کون جائے گا' اماں جوڑوں کی تکلیف کے باعث اتنی دور کھیتوں میں آ' جا نہیں سکتیں' تم جانتے تو ہو۔'' وہ خفا ہوئی۔

''تو بابا نے اسے کچھ ڈانٹ پھٹکار سنا دینی تھی' آپ ہی بھاگ جاتا۔'' وہ ہنستے ہوئے ماروی کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔

''ہا......یہ کوئی کہنے والی بات ہے بے شرم کو سب کہہ چکی ڈھٹائی سے ہنس رہا تھا میری باتیں تو وہ سنجیدہ لیتا ہی نہیں ہے خدا جانے کس مٹی سے بنا ہے۔ ڈھیٹ بنا ہنستا رہتا ہے۔ جتنا برا بھلا کہنا ہے کہہ لو مجھے تو اس کی بے باکیوں سے ڈر لگنے لگا ہے اب۔'' وہ اپنی تشویش ظاہر کر رہی تھی۔

''ارے جھلی وہ نشہ کرتا ہے ایسے لوگ اندر سے بڑے کمزور اور بزدل ہوتے ہیں۔ اس نے کچھ نہیں کرنا تو اپنے ابا سے کہہ کر اس کی شکایت نذیراں خالہ تک پہنچا دے وہ خود ہی اسے سمجھا لیں گی۔'' مراد نے اسے مشورہ دیا۔

''اور تم نے کچھ نہیں کرنا...... کرانا۔'' ماروی نے خفگی سے اسے گھورا۔

''وہی تو پوچھ رہا ہوں' شہزادی آخر کیا کروں؟'' وہ نہر کے پانی میں پتھر پھینکتے ہوئے شوخی سے بولا۔

''تم......اپنے اماں' ابا کو بھیجو رشتے کے لیے یہ بات طے ہو جائے گی تو وہ بھی راستے میں آنا چھوڑ دے گا۔'' وہ شرم سے لال گلنار ہوتے ہوئے دھیمے سے بولی اس کے چہرے پر اترتے رنگوں کو مراد نے دلچسپی سے دیکھا۔

''دل تو یہی چاہتا ہے کہ تجھے میرے علاوہ کوئی اور نہ دیکھے مگر......کیا کروں گریجویشن ہوگا تبھی اماں' ابا سے بات کرنی مناسب لگتی ہے وگرنہ وہ کیا سوچیں گے پڑھائی پوری ہونے سے پہلے ہی شادی کی فکر ہوگئی۔'' وہ سوچتے ہوئے بولا۔

''رشتہ تو ڈالا جاسکتا ہے ناں شادی خیر سے دو سال بعد بھی ہو جائے تو اتنی جلدی نہیں ہے تیرا نام میرے نام کے ساتھ جڑ جائے گا تو میری ساری فکریں دور ہو جائیں گی۔ یہ اندیشے' عجیب وہم ڈالتے رہتے ہیں' کہیں کوئی ہمیں جدا نہ کردے۔'' وہ ٹھوڑی گھٹنے سے ٹکتے ہوئے اپنے دل کے حال سنا رہی تھی۔

''چل ٹھیک ہے اس بار ناز واپنے سسرال سے آئے گی تو یہ بات میں اس کے کان میں ڈال دوں وہ اماں سے خود ہی بات کرلے گی خوش۔'' مراد نے اسے تسلی دی۔

''تم کب تک گاؤں میں ہو؟'' ماروی نے اسے نظروں میں بھرتے ہوئے پوچھا' جب جب اسے دیکھتی تھی دل سیر ہی نہیں ہوتا تھا اور خواہش بڑھتی تھی اسے دیکھنے اس سے ملنے اس سے باتیں کرنے کی۔

''یہی دو ہفتے تک کیوں......؟'' مراد نے اسے یک ٹک دیکھتے پاکر پوچھا۔

''تمہارے یہاں ہونے سے دل کو اطمینان رہتا ہے ساری فکریں دور ہو جاتی ہیں تم شہر چلے جاتے ہو تو سارا دھیان وہیں لگا رہتا ہے اماں کہتی ہیں ماروی تو جھلی ہوگئی ہے ہر وقت خیالوں میں ہی ڈوبی رہتی ہے' اماں کو کیا معلوم تیرا خیال دل کو کتنی خوشی دیتا ہے۔'' اس کے لفظوں سے مہکتی محبت مراد کے دل تک پہنچ کر اس کی خوشی اور مان بڑھا رہی تھی۔

''تم مجھ سے کتنی محبت کرتی ہو ماروی؟'' مراد نے اس کی شہد رنگ آنکھوں کو تکتے ہوئے کہا۔

''جتنا دریا میں پانی ہے اس سے بھی زیادہ۔'' وہ ہنسی تھی

اس کی نقرئی ہنسی نے ایک جلترنگ سا بجایا تھا۔ ''اور...... تم......'' وہ جواباً پوچھ رہی تھی۔

''اتنی کہ اگر تم مجھے نہیں ملیں تو میں مرجاؤں گا۔'' وہ اداسی سے بولا۔

''اللہ سائیں نہ کرے کیسی باتیں کرتے ہو۔'' وہ اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے ناراض ہوئی۔

''سچ کہتا ہوں تم مجھے اتنی ہی عزیز ہو۔'' وہ اس کا ہاتھ چومتے ہوئے دلگیری سے بولا تو وہ شرما گئی۔

''ایسا کیا ہے مجھ میں۔ مجھ سے بہتر اور اچھی لڑکیاں ہیں گاؤں میں۔'' اس کی دراز پلکیں عارض پر سایہ فگن ہوگئیں وہ زیادہ دیر اس کے جذبے لٹاتی آنکھوں کو دیکھ نہ سکی۔

''معلوم نہیں مگر تمہارے بغیر یہ زندگی ادھوری ہے جب پہلی بار تم نازو کے ساتھ ہمارے گھر آئی تھیں اور میں شہر سے گھر آیا ہوا تھا تو یاد ہے مجھے دیکھ کر تم گھبرا گئی تھیں' تمہارے چہرے کے حیا آمیز رنگ مجھے یاد ہیں میری آنکھوں میں بسے ہوئے ہیں۔ عورت وہی اچھی ہوتی ہے جس میں حیا ہو شرم ہو خوب صورتی اور لحاظ ہو۔'' وہ محبت سے بتا رہا تھا۔

''مراد وہاں شہر میں یہ رنگ نہیں ہوتے کیا؟'' وہ شہر کے ماحول کا پوچھنے لگی۔

''ہوتے ہیں' مگر فیشن اور آزادی کے بدنما رنگوں نے انہیں ماند کر ڈالا ہے۔ ہم سبھی کو نہیں کہہ سکتے مگر اکثریت ایسی ہی ہے۔'' وہ وضاحت کرنے لگا۔

''میں جھلی یہی سوچتی رہتی تھی کہ کہیں شہر کا حسن تمہیں مجھ سے چھین نہ لے تم کھو نہ جاؤ۔''

''اگر میری زندگی میں تم نہیں آتیں تو شاید...... مگر اب تو مجھے گاؤں آنے کی دن رات فکر رہتی ہے دن گن' گن کر کاٹتا ہوں اور یہاں ملاقات میں تم اتنے دن لگا دیتی ہو' کبھی اماں کا بہانہ تو کبھی ابا کی فکر...... کبھی گاؤں والوں کا احساس نجانے تم اتنے وسوسوں' میں کیوں گھری رہتی ہو۔'' وہ اسے شرمندہ کر رہا تھا۔

''مجھے ڈر لگتا ہے کہیں ہماری ملاقاتوں کو کوئی دیکھ نہ لے بات کا بتنگڑ بن جائے گا' تمہیں معلوم تو ہے یہاں سب کیسے ہیں' کس قسم کی سوچ رکھتے ہیں۔'' وہ فکرانگیزی سے بولی۔

''ہوں رات کے اس پہر کون آئے گا جھلی سب جلدی پڑ کر سوتے ہیں۔ رات کی چاندنی میں محبت کے دیوانے ہی جاگ رہے ہوتے ہیں۔ محبت کی تجدید کرنے کے لیے۔'' اس نے ماروی کے اندیشوں کو مذاق میں اڑایا تھا۔

''پھر بھی مراد مجھے برے وقت سے ڈر لگتا ہے' جو دبے پاؤں اچانک ہی سامنے آن کھڑا ہوتا ہے۔'' وہ سہم کر بولی۔

''پگلی رات کے اس پہر عشق کے مارے ہی خوار ہو رہے ہوتے ہیں' تمہارا گھر تو وہاں سامنے ہی ہے نہر کے دوسری طرف' مجھے دور جانا ہوتا ہے تجھ سے مل کر جاتا ہوں تو نیند ہی نہیں آتی رات آنکھوں میں کٹتی ہے۔'' وہ اپنا حال سنا رہا تھا' رات کی چاندنی میں نہر کے کنارے بیٹھے وہ ایک دوسرے میں کھوئے ہوئے تھے۔

''تم میرل سے ڈرتی ہو؟'' ماروی کی چوڑیوں سے کھیلتے ہوئے وہ بولا۔

''پھر اس کمبخت کا ذکر کر دیا' مجھے تو اس کی آنکھوں سے ڈر لگتا ہے' اس کے ارادوں سے خوف آتا ہے' نفرت ہوتی ہے اسے دیکھ کر۔'' وہ جھرجھری لیتے ہوئے کہنے لگی۔

''اور مجھ سے خوف نہیں آتا' مجھ سے ڈر نہیں لگتا؟'' وہ مسکرا رہا تھا۔

''کوئی اپنے آپ سے بھی ڈرتا ہے' تم تو مجھ میں ہو' سر سے پاؤں تک۔'' وہ اس کے کندھے سے سر ٹکاتے ہوئے بولی تو مراد نے محبت سے اپنے لب اس کے ماتھے پر رکھ دیئے تھے۔

❀❀❀

''راستہ کیوں روکا ہے...... ہٹو سامنے سے۔'' میرل کو دیکھ کر اس کے چہرے پر ناگواری سی چھا گئی تھی۔ آج کتنے ہی دنوں بعد وہ باہر نکلی تھی اور وہ سانپ بنا راستے میں آ گیا تھا۔

''اتنی جلتی دھوپ میں تو کیوں روٹی دینے جاتی ہے لا...... میں دے آتا ہوں چاچا کو۔'' آگے بڑھ کر اس کی مدد کے خیال سے اس نے ہاتھ بڑھائے تھے' ماروی بدک کر پیچھے ہٹی تھی۔

''دور رہو اپنے ناپاک ہاتھ پرے رکھو۔ میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا میرل میرے رستے نہ آیا کر اتنی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔'' وہ سختی سے گویا ہوئی۔

''میں کب پیچھے آتا ہوں تیری محبت مجھے آنے پر مجبور کرتی ہے۔ کتنے دنوں کے بعد نظر آئی ہے پتہ ہے میں کتنا اداس تھا۔'' وہ درخت سے پتے نوچتے ہوئے

حال دل سنا رہا تھا۔

"بک بک بند کرو اپنی شکل دیکھی ہے چلا ہے محبت کرنے کوئی اندھی کانی ہی ہوگی جو تیرے جیسے سے محبت کرے گی۔" وہ نفرت سے سر جھٹکتے ہوئے بیزاری سے بولی۔

"تیری تو گالیاں بھی مجھے پھول لگتی ہیں جتنا دل چاہے برا کہہ سن لے مگر میں تیرے پیچھے آنے اور تجھ سے محبت کرنے سے رک نہیں سکتا۔" وہ ڈھٹائی سے مسکرایا۔

"کیوں مجھے اور خود کو رسوا کرنے پر تلے ہوئے ہو میں تمہیں پسند نہیں کرتی کیا لکھ کر دوں اللہ سائیں کے واسطے میرا پیچھا کرنا چھوڑ دو ورنہ......" وہ بے بسی سے ہونٹ چبا کر رہ گئی۔

"ورنہ کیا......" وہ اس کی بے بسی سے مزہ لیتا ہوا بولا۔

"ورنہ میں بابا سے تمہاری شکایت کردوں گی وہ یہ بات پنچائیت کے سامنے رکھیں گے پھر سوچ لو۔ وہ لوگ تمہیں گاؤں سے بھی نکال سکتے ہیں۔" اس نے اپنے طور پر اسے ڈرانا چاہا۔

"شاواہ بھئی شاواہ میں ڈر گیا بالکل......" وہ ہنستے ہوئے اس کا آنچل پکڑتے ہوئے بولا تو اس کا پور پور غصے سے جلنے لگا وہ تیز تیز قدم اٹھاتی پگڈنڈیوں کو پھلانگتی اپنی راہ پر ہولی اب اس نے مڑ کر میرل سے کوئی بات نہیں کرنی تھی کچھ بھی کہنا بیکار تھا۔ کھیتوں کا یہ سلسلہ آبادی سے ذرا دور تھا اس لیے میرل بے خوفی سے اس کے آگے پیچھے آ کر اسے ڈراتا ستاتا رہتا تھا اب بھی اس کی بے خوفی اور ڈھٹائی اسے خوف اور غصے میں مبتلا کر رہی تھی۔ وہ اس کے پیچھے ہی گنگنا تا رہا تھا۔

"ماروی...... او میری شہزادی میری بات تو سن۔" دو ہی قدموں میں وہ اس کے سر پر تھا۔

"تو جانتی ہے مجھ سے تیز نہیں بھاگ سکتی پھر بھی دوڑنے کی کوشش کرتی ہے میں کیا تجھے کھا جاؤں گا۔" وہ اس کے سر پر کھڑا مذاق اڑا رہا تھا اس کی آنکھوں میں بے بسی سے آنسو آ گئے۔ وہ کس طرح اس کی بے بسی سے حظ اٹھاتا تھا کوئی نہیں تھا جو اس موئے بے غیرت کو روکتا...... ٹوکتا۔

"ارے پگلی تو رو رہی ہے نا بابا میں تیری ان خوب صورت آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔" اس نے جذباتی ہو کر اس کے آنسو پونچھنے کی سعی کرنی چاہی تو ماروی نے اسے ایک ہاتھ سے پیچھے کو دھکا دیا اور تیز بھاگی تھی چند لمحوں کے لیے میرل کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ کیا ہوا ہے وہ کھڑی فصل کے پانی میں جا گرا تھا اس کے ہاتھ پاؤں اور سارے کپڑے کیچڑ میں ہوگئے تھے۔

"پگلی ہے مجھ سے ڈر گئی۔ میں بھلا اسے کیا نقصان پہنچا سکتا تھا۔" اس نے خود کلامی کی اور دور نظر آتے ٹیوب ویل کے پانی سے اپنے ہاتھ پاؤں دھونے کا سوچتا قدم اٹھانے لگا۔ دوسری طرف ماروی اسے دھکا دے کر بھاگی تو دور تک کھیتوں کے سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔ میرل کو دھکا دینے کے خیال سے وہ اس طرف آ نکلی تھی تاکہ وہ اسے تلاش نہ کر سکے مگر ابھی اس نے زیادہ فاصلہ طے بھی نہیں کیا تھا کہ ایک جیپ اس کے قریب آ کر رک گئی۔ دھول مٹی کے غول میں اسے سہراب سائیں اپنے گارڈز اور بندوں کے ساتھ جیپ میں شان و شوکت سے بیٹھا نظر آیا تو اس کی سانسیں لمحہ بھر کو رک سی گئیں۔ اس نے چادر کو آدھے چہرے پر پھیلایا تھا۔

"اے لڑکی...... یہاں...... کہاں جا رہی ہو؟" جیپ سے اتر کر ایک بندے نے اسے گھر کا تھا۔

"وہ بابا کو روٹی دینے جا رہی تھی۔" اس نے مرے مرے لہجے میں کہا۔ اس کے چہرے کا چھپا ہوا آدھا حصہ ان کی نظروں کے سامنے تھا۔ سہراب شاہ کی نظریں باز کی طرح اس پر گڑی ہوئی تھیں۔ حسین چہروں کا وہ شوقین ہی نہیں شیدائی تھا۔ لڑکی کے ہاتھ اور چہرے کے آدھے نقوش اس کی خوب صورتی کے گواہ تھے۔

"کہاں رہتی ہو؟" اس بار وہ جیپ سے باہر آ چکا تھا اور ٹھنڈے میٹھے لہجے میں اس سے پوچھ رہا تھا۔ اسے آتے دیکھ کر وہ بندہ پیچھے ہوا اور ماروی کو اپنی جان رخصت ہوتی نظر آنے لگی۔

"جی...... وہ گاؤں میں نہر کے پاس جو گھر بنے ہیں وہیں۔" اس نے اضطراری کیفیت میں کہتے ہوئے قدم بڑھائے تھے۔

"آؤ...... ہم تمہیں چھوڑ دیتے ہیں۔" وہ حکم سنا رہا تھا۔

"نہیں...... نہیں سائیں میں چلی جاؤں گی ابھی تو بابا کو روٹی دینے جانا ہے۔ وہ راہ دیکھ رہا ہوگا۔" وہ گھبرائی اور تیز تیز بولتے ہوئے مڑی اور لمحوں میں اس کے سامنے کھیتوں میں اوجھل ہوگئی تھی۔ سہراب شاہ کی نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

"کون تھی یہ لڑکی...... کیا تم لوگ جانتے ہو؟" اس کے بیٹھتے ہی ڈرائیور نے جیپ اسٹارٹ کی تھی۔

"نہیں سائیں...... مگر ہوگی اپنے ہی گاؤں کی۔ آپ کہیں تو پتہ کریں۔" ملازم تابعداری سے پوچھ رہا تھا۔

"ہوں۔" وہ سر ہلاتے ہوئے رضامندی دے رہا تھا۔

"بابا...... میں کل سے تمہیں روٹی دینے نہیں آؤں گی۔" وہ رب نواز سے کہہ رہی تھی۔ وڈیرے سائیں سے ملاقات نے اسے ہراساں کردیا تھا۔

"کیوں...... کیا ہوا؟" رب نواز نے پوچھا۔

"گھر سے کھیتوں کا یہ فاصلہ خاصا دور پڑتا ہے۔ میں تھک جاتی ہوں۔ اگر آپ کہیں تو کل سے میں پچل (نازو کا چھوٹا بھائی) سے کہہ دیا کروں وہ آپ کو کھانا دے جایا کرے گا۔" اس نے کہا۔

"جس میں تیری مرضی ہو ویسا ہی کر میں تو خود نہیں چاہتا تو اتنی جلتی دھوپ میں یہاں آیا کرے سارا رنگ جل جائے گا تیرا۔" وہ پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ گھر آ کر بھی وہ اضطراب کا شکار رہی۔ شہر جانے سے پہلے مراد نے ہی کہا تھا کہ وہ اماں سے کہہ دے گا وہ روز پچل کو تمہاری طرف بھیج دیا کرے گی تم اس کے ہاتھ بابا کو کھانا بھجوادیا کرنا۔ آج اتنے دنوں میں پچل آیا نہیں تھا تو اسے ازخود آنا پڑا اور یہ سب ہوگیا تھا۔ ایک طرف میرل کی طرف سے پریشانی تھی دوسرے آج وڈے سائیں نے بھی دیکھ لیا تھا وہ شاہ بی بی کے پاس اماں کے ساتھ کئی بار حویلی گئی تھی مگر گھونگھٹ نکالنے کا رواج تھا' اس لیے کبھی یوں انہوں نے اسے روبرو دیکھا نہیں تھا مگر آج...... سرِراہ ان سے ہونے والی ملاقات نے اسے ہراساں کردیا تھا' کیوں کہ لوگ وڈے سائیں کے بارے میں اچھا نہیں بولتے تھے۔ اس کے وجود میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں' ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ وہ پلنگ پر گری سوچوں میں غلطاں تھی۔

"مراد نجانے کیا سوچ بیٹھا تھا گریجویشن ہوگا تب شادی کی بات ہوگی اس سے پہلے وہ کچھ کہتے ہوئے ڈرتا ہے اور یہاں' گدھ ہیں کہ اس کی راہ تاک رہے ہیں' کبھی بھی کچھ بھی ہوسکتا ہے۔" اس کا دل اندر ہی اندر تیز تیز دھڑک رہا تھا۔

"ماروی...... کیا ہوا یوں کیوں لیٹی ہے کھانا دے آئی اپنے ابا کو۔" ماروی کی ماں اندر کمرے سے آئی تو اسے صحن میں پلنگ پر پڑے دیکھ کر چونک گئی۔

وہ تو بولتے ہوئے جاتی تھی اور اس کی آواز سے ہی اس کی آمد کا پتہ چل جاتا تھا مگر آج وہ گم صم کیوں تھی؟ اس کے سامنے آ کر اس کا شانہ ہلاتے ہوئے اس نے ماروی کو چونکایا تھا۔

"اماں آج وڈے سائیں راستے میں ملے تھے۔" اس نے ٹھہر کر کہتے ہوئے ماں کو دہلایا۔

"تیرا بیڑا غرق...... تو کیا بڑی سڑک سے کھیتوں کی طرف گئی تھی۔" وہ سنتے ہی اسے جھڑکنے لگی۔

"وہ راستے میں کتے بیٹھے ہوئے تھے' تمہیں تو پتہ ہے مجھے ان سے ڈر لگتا ہے۔" ماروی نے میرل کا ذکر کرنا مناسب نہ سمجھا۔

"ان بڑے لوگوں کے سائے سے جتنی دور رہو اچھا ہے۔ اب نجانے کیا طوفان آئے گا تجھ سے تیرا نام پوچھا تھا۔ تیرے ابا کا۔" وہ اس کا بازو ہلاتے ہوئے تشویش سے کہنے لگی۔

"نام نہیں' گھر پوچھا تھا' میں نے کہہ دیا نہر کے پاس جو گھر بنے ہیں وہی رہتی ہوں۔" اس نے سچ بتایا۔

"اچھا کیا...... گھر کا بھی سہی پتہ نہ بتانا۔ نجانے کیا ارادہ ہو کیا وقت ہو تیری بھری جوانی سے اسی لیے مجھے ڈر لگتا ہے تیری اس خوب صورتی سے خوف آتا ہے بیٹی جتنی عام صورت ہو ماں باپ کا دل تسلی رکھتا ہے۔ بیٹی تیری طرح پری صورت ہو اور غریب بھی ہو تو جانتی ہے زمانہ دشمن ہوجاتا ہے۔ عزت سے شادی کرنا ایک خواب ہی دکھتا ہے۔ بس آج سے تیرا باہر جانا بند' کوئی ضرورت نہیں کسی بھی کام کے سلسلے میں نکلنے کی' میں خود ہی مرلوں گی...... کرلوگی۔" وہ اسے بکتے ہوئے چولہے کے پاس بیٹھ کر برتن پٹخنے لگی۔ ماروی ایک بار پھر پریشانی سے پلنگ پر بیٹھ گئی۔ اسے ماں کے لفظوں سے خوف آنے لگا۔ آنے والے وقت سے دل دہلنے لگا' اس کی آنکھیں بھرآئیں۔

"اری...... روتی کیوں ہے' خدا کا شکر ادا کر اس نے تیرے ابا کا نام نہیں پوچھا' ورنہ اب تک اس کے بندے یہاں آگئے ہوتے۔ ہمارے تو مالک ہی چادر اتارنے والے ہیں' ہم کہاں جا کر انصاف مانگیں گے۔" وہ اسے ڈپٹتے

ہوئے ملال سے بول رہی تھی کہ کتنی ہی گاؤں کی خوب صورت چھوریاں وڈے سائیں کی حویلی میں ملازم تھیں اور حکم نہ ماننے کی صورت میں اس کی ذاتی جیل میں قید تھیں۔ نہ ان کے گھر والے ان سے مل سکتے تھے اور نہ ہی انہیں گھر آنے کی اجازت تھی۔ ایک طرح سے وہ ان کے لیے مر ہی چکی تھیں۔

''اماں تم ایسی ڈراؤنی باتیں تو نہ کرو اگر تمہاری ٹانگوں میں تکلیف نہ ہوتی تو کیا میں یوں خوار ہوتی پھرتی۔'' وہ شکوہ کرتے ہوئے بولی۔

''کہتی تو ٹھیک ہی ہے مگر میں اب تیرے ابا سے کہوں گی برادری میں اچھا سا کوئی بھی لڑکا دیکھ کر تجھے تیرے گھر کا کرے' تجھے دیکھتی ہوں تو دل ہولتا ہے میرا۔'' وہ اپنے ارادے بتا رہی تھی ماروی پریشان ہو کر اس کی صورت دیکھنے لگی' اس کے وہم سچ ہو رہے تھے۔

''مگر اماں...... اس میں میرا کیا قصور ہے؟''

''قصور تو کوئی نہیں مگر...... بیٹی جتنی جلد اپنے گھر کی ہو جائے ماں باپ کا فرض ادا ہو جاتا ہے ان کی فکر ختم ہو جاتی ہے۔ مگر مصیبت تو یہی ہے تیرے ابا کو تو بڑی لگتی ہی نہیں' اس کا بس چلے تو ہمیشہ تجھے گھر میں سجا کر رکھے۔'' وہ رب نواز کی محبت پر جھنجلا کر سر پیٹ رہی تھی۔

''تمہیں تو مجھ سے پیار ہی نہیں ہے اماں...... شکر ہے ابا میرا احساس کر لیتا ہے۔'' ماروی کا دل باپ کی محبت پر سرشار ہو گیا۔

''محبت کا مطلب...... تیرے ساتھ دشمنی کرنا نہیں ہے' کیا فائدہ ایسی محبت کا۔ لوگ کل ہمیں طعنہ دیں دیوانہ کہیں۔'' وہ برا مانتے ہوئے بڑبڑائی تبھی دروازے پر زوردار دستک نے ان دونوں کو چونکایا تھا۔ ماروی نے خوف زدہ نظروں سے ماں کو دیکھا۔ یہ وقت رب نواز کے آنے کا نہیں تھا اگر وہ نہیں تھا تو پھر...... اس بھری دوپہر میں کون آ گیا تھا ماں نے اسے دوسرے کمرے میں جانے کا اشارہ کیا اور دروازہ کھولنے چل دی۔ دوسری طرف نذیراں اور اس کی دونوں بیٹیاں کھڑی تھیں۔ شکر کا سانس بھرتے ہوئے اس نے انہیں اندر بلایا اور پلنگ پر بٹھایا۔

''اور...... نذیراں آج کہاں ہماری یاد آ گئی۔'' وہ اس کی آمد کا سبب پوچھتے ہوئے بولی اس کا آنا یوں بے سبب نہیں تھا۔

''ماروی...... کی ماں میں آج تم سے کچھ مانگنے آئی ہوں۔'' جھجکتے ہوئے اس نے اس کے تاثرات دیکھے تھے۔

''ہم غریبوں کے پاس سوائے عزت کے اور کیا ہے جو تو مانگنے آئی ہے نذیراں' کھل کر بول کیا کہنا چاہتی ہے۔''

''ماروی کو مانگنے آئی ہوں اس کی روشنی سے میرے گھر کے اندھیرے دور ہو جائیں گے۔ میرا میرل راہ راست پر آ جائے گا۔ تجھے رب کا واسطہ انکار نہ کرنا' تو نے مجھے دیکھ رکھا ہے اتنے سالوں کا ساتھ ہے پڑوسی ہیں دکھ' سکھ کے ساتھی ہیں۔ میری خالی جھولی میں اپنے ہیرے جیسی بیٹی ڈال دے میرے گھر کے دلدر بھی دور ہو جائیں گے...... ناں' مت کرنا۔'' وہ اپنا دوپٹہ پھیلاتے ہوئے گڑگڑائی۔

اس کے مدعا نے ماروی کی ماں کے ماتھے کی تیوریاں گہری کر دی تھیں وہ اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔

''نذیراں اپنی مراد لے کر میرے در تک آنے سے پہلے کم از کم اپنے بیٹے کو تو دیکھ لیا ہوتا' کوئی ایک کرم اس کا اچھا ہو تو کوئی اسے بیٹی دے نشہ وہ کرتا ہے' نرا نکما' نکھٹو وہ ہے' کوئی تو خوبی ہو کہ میں اپنی ماروی تجھے دے دوں۔'' وہ ناراض ہوئی۔

''میں جانتی ہوں' ہم کم نصیب کہاں اس لائق کہ اس کی تمنا کر سکیں مگر تو...... تو اولاد والی ہے جانتی ہے انسان کسی کے آگے اتنا مجبور و بے بس نہیں ہوتا جتنا اولاد کے آگے بے بس ہوتا ہے۔ میں اس کی ضد سے مجبور ہو کر یہاں تک آئی ہوں' یقین کرو میں تیری ماروی کو پلکوں پر رکھوں گی بھی اسے کسی چیز کی تکلیف نہیں ہونے دوں گی' اپنی بیٹیوں سے بڑھ کر اس کا خیال رکھوں گی تجھے ہماری طرف سے بھی شکایت نہیں ہوگی بھروسہ کر میرا۔'' وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے دلگیری سے بولی۔

''نذیراں شرم کر اس نکھٹو کے لیے تو مجھے سمجھا رہی ہے اگر اتنی ہی بیٹے سے محبت تھی تو اسے سمجھایا ہوتا تاکہ وہ اپنے کرتوت اچھے کرتا ایک تو وہ موا نشہ کرتا ہے پورا گاؤں جانتا ہے دوسرے کچھ کرتا' کراتا بھی نہیں ایک طرح سے بیٹی کو کنویں میں دھکا دینے والی بات ہے الٹا تو اس کے گیت گا رہی ہے۔ اپنی مجبوری اور بے بسی بتا رہی ہے تو...... تو میری بیٹی کا خیال رکھ لے گی مگر جس سے زندگی کا بندھن ہو وہی صحیح

نہ ہوتو عورت کی عزت دو ٹکے کی نہیں ہوتی مجھے معاف کر...... تیرے آگے بھی تین بیٹیاں ہیں کیا تو کسی ایسے کو اپنی بیٹی دے دے گی دل پر ہاتھ رکھ کر بتا کیا تو انہیں اس شخص سے بیاہ دے گی......" اس نے نذیراں کے ساتھ آئی اس کی دونوں بیٹیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ رضیہ اور سکینہ دونوں ماں کو شرمندہ ہوتے دیکھ رہی تھیں۔ خالہ منہ بھر بھر کر ماں کو ذلیل کررہی تھی اور ان کی اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اسے روک سکتیں تبھی سکینہ آگے بڑھی تھی۔ وہ مزید ماں کی بے عزتی نہیں سہہ سکتی تھی۔

"چلو اماں...... اٹھو میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا میرل کے پاگل پن میں اس کا ساتھ نہ دو دیکھا ذلیل کروادیا ناں اس نے ہمیں۔" اس کے لفظوں پر نذیراں نے آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو دوپٹے میں جذب کیا تھا۔ یہ تو وہ بھی جانتی تھی کہ ماروی کی ماں انکار کردے گی مگر اس نے سوچا تھا شاید کسی معجزے کی صورت یہ رشتہ ہوجائے اور میرل کام پر لگ جائے۔ وہ ماروی کی خاطر سب کرنے کو تیار تھا۔

اگر وہ ٹھیک ہوجاتا' نشہ چھوڑ دیتا اور کام سے لگ جاتا تو انہیں اور کیا چاہئے تھا' سبھی ماں باپ یہی چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد سدھر جائے اس نے بھی اپنے طور پر ایک کوشش کی تھی مگر ہوا وہی تھا جو سوچا تھا' ماروی کی ماں ناراض ہوگئی تھی اور اس نے اسے منہ بھر بھر کر باتیں سنائی تھیں جس سے اس کا دل دکھ رہا تھا اور آنکھیں آنسوؤں سے تر ہورہی تھیں۔ وہ بیٹیوں کے ساتھ بڑی مایوس کیفیت میں وہاں سے نکلی تھی۔ اسے میرل کا غصہ اس کے الفاظ یاد آرہے تھے جس نے کہا تھا۔

"ماروی اس کی نہیں تو کسی کی بھی نہیں ہوگی۔" اب وہ گھر بیٹھا اس کا منتظر تھا۔ اس کے جواب کا انتظار کررہا تھا وہ اس سے کیا کہتی...... کیا خبر سناتی' اس کا دل گھر جانے کے خیال سے پاتال میں ڈوبا جارہا تھا۔ اس نے بیٹیوں کی طرف دیکھا' جو ستے چہرے کے ساتھ اس کی بے عزتی پر اداس و غمگین تھیں۔

"دیکھو ابھی میرل سے کچھ نہ کہنا کہ ماروی کی ماں نے انکار کردیا ہے۔ وہ کسی کام سے لگ جائے گا تب کی تب دیکھی جائے گی۔"

"مگر اماں! ابھی میرل سے کیا کہو گی جو گھر بیٹھا انتظار کررہا ہے۔" رضیہ تشویش سے بولی تھی۔

"کہہ دوں گی ماروی کی ماں گھر پر نہیں تھی اپنے رشتے داروں کی طرف گئی ہے اس لیے بات نہ ہوسکی۔" وہ سوچتے ہوئے بولی تو دونوں سر ہلانے لگیں۔

❀ ...... ❀ ...... ❀

"اماں اب تو اتنے بہت سارے دن ہوگئے ہیں۔ وعدے کے مطابق میں بھی بڑے مالک کی حویلی میں کام پر لگ گیا ہوں' اب تو ماروی کے اماں ابا سے میری بات کرنا۔" وہ نذیراں کے پاؤں دباتے ہوئے خوشامدی لہجے میں بولا تو نذیراں پلنگ پر اٹھ بیٹھی کب سے وہ اس دن کے آنے سے ڈرتی تھی اور آج وہ دن پھر آ گیا تھا جب اسے ایک بار پھر اسے بہلانا تھا' پیار سے سمجھانا تھا۔ تاکہ وہ جذباتی کم عقل ناسمجھ آپے سے باہر نہ ہو۔

"ایسی باتیں اتنی جلدی نہیں ہوا کرتیں ماروی ان کی اکلوتی اولاد ہے وہ بہت سوچ سمجھ کر اس کا بیاہ کریں گے' ابھی تو تیری نوکری لگی ہے سال' چھ مہینے تو ہوجائیں ذرا لوگوں میں مشہور ہوجائے میرا میرل بھی کام والا ہوگیا ہے پھر بات کروں گی۔ کہیں جلدی میں کام خراب نہ ہوجائے۔" اس نے پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"پر اماں کہیں دیری میں وہ کسی اور کی نہ ہوجائے۔ سچ کہتا ہوں میں اسے بھی ماردوں گا خود بھی مرجاؤں گا۔" وہ بگڑ کر مایوسی سے کہہ رہا تھا۔ نذیراں کا دل سینے کے اندر کانپ کررہ گیا۔

"نہ...... نہ ایسے نہیں کہتے ماروی سے زیادہ اچھی لڑکیاں گاؤں میں موجود ہیں تو کیوں اس کا دیوانہ ہوا ہے وہ نہیں ہوگی تو کوئی اور اچھی سی لڑکی تیری قسمت میں لکھی ہوگی۔" اس نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ماروی سے زیادہ حسین تو کوئی بھی نہیں ہے' میری آنکھوں سے دیکھ اماں...... بالکل شہزادی لگتی ہے پر جانے کیوں' آج کل کھانا دینے بھی نہیں جارہی اتنے دن ہوگئے ہیں اسے دیکھے ہوئے۔" وہ اپنی اداسی بتارہا تھا۔

"یہ تو ماروی کے پیچھے بالکل پاگل ہوگیا ہے اسے اپنا بھی ہوش نہیں ہے کتنے دن سے ایک ہی سوٹ چڑھائے ہوئے ہے' رات بھی سوتے میں اسی کا نام لے رہا تھا کسی دن ابا نے سن لیا تو چار چوٹ کی مار پڑنی ہے اسے۔" رضیہ جب سے ماروی کے گھر سے ذلیل ہوکر آئی تھی اس کے نام پر یونہی

جولائی 2016 کے شمارے کی ایک جھلک

چراغ خانہ	رفعت سراج کا سلسلے وار ناول
موم کی محبت	راحت وفا کا سلسلے وار ناول
شب ہجر کی پہلی بارش	نازیہ کنول نازی کا سلسلے وار ناول
سانسوں کی مالا پہ	اقرا صغیر احمد کا مکمل ناول
ع سے عید	فاخرہ گل کا مکمل ناول

ندا حسنین، حیا بخاری، نادیہ احمد، طلعت نظامی، شازیہ مصطفی
نائلہ طارق، صدف آصف، رفاقت جاوید کی خوب صورت تحریریں

مستقل سلسلوں میں پڑھیے

آپ کی صحت، ڈش مقابلہ، بیوٹی گائیڈ، غزلیں نظمیں، بیاض دل، دوست کے پیغام آئے ودیگر

women.magazine
womenmagazine
aanchalpk.com

بھڑک اٹھتی تھی۔ اس دن کی ذلت کے بعد وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ اس کی ماں دیوانے بیٹے کا مدعا لے کر وہاں کا رخ کرے کہاں ماروی اور کہاں میرل؟ دونوں کا جوڑ تو ویسے بھی نہیں بنتا تھا۔

"تجھے کیوں آگ لگتی ہے اس کے ذکر پر میری مرضی اسے یاد کروں یا اس کے لیے گیت گاؤں اپنے کام سے کام رکھا کر......" میرل کا موڈ بگڑا تھا بہن کی تنقید پر۔

"میرل...... وہ بہن ہے تیری تیرا بھلا ہی چاہتی ہے۔" نذیراں نے اسے ٹوکا۔

"اماں اسے بھی اپنے گھر کا کرو خوامخواہ میرے معاملے میں ٹانگ اڑاتی ہے بھلا وہ بھی کوئی زندگی ہے جو ماروی کے بغیر گزرتی ہو۔" وہ بڑے جذب سے کہہ رہا تھا۔ نذیراں نے افسوس بھری نظروں سے اس جھلے کو دیکھا۔

"رشتہ آئے گا تو کروں گی یونہی تو بیٹیوں کو کوئی دھکا نہیں دے دیتا کتنی محنت کرتا ہے تیرا باپ ان کے لیے کچھ جوڑ سکے پر مہینے کے آخر تک سب پیسہ لگ جاتا ہے کبھی کوئی دکھ بیماری آجاتی ہے تو کبھی خاندان میں کسی کو دینا پڑ جاتا ہے کچھ جمع ہو تو ان کے لیے کچھ لے کر ڈالوں پر سوچ پوری ہی نہیں ہو پاتی۔" وہ افسردگی سے کہہ رہی تھی۔

"حویلی والوں سے کہو نا اماں...... وہ تو ہمارے بڑے ہیں تم گزارش لے کر جاؤ گی تو وڈے سائیں تمہیں انکار نہیں کریں گے بڑے من موجی ہیں زیادہ تر ڈیرے پر ہی ہوتے ہیں انہوں نے ہی مجھے گھوڑوں کی دیکھ بھال کے لیے رکھا ہے۔ اپنے تو عیش ہی عیش ہیں کھلا ملتا ہے کھانے کو...... اور زیادہ روک ٹوک بھی نہیں ہے۔" وہ ماں کے اٹھتے ہی اس کی جگہ پر لیٹا تھا۔ جو مغرب کی نماز کا وقت دیکھ کر وضو کرنے صحن میں لگے نل تک آئی تھی۔

"یہ سرکار لوگ بڑے نخرے والے ہوتے ہیں زیادہ لاپروائی نہ دکھانا کبھی نکال باہر کریں۔" رضیہ کی زبان میں ایک بار پھر کھجلی ہوئی۔

"تو نے مجھے اپنی طرح کام چور سمجھ رکھا ہے۔ پورے دھیان سے گھوڑوں کی صفائی کرتا ہوں۔ انہیں چارہ ڈالتا ہوں سائیں کے ایک حکم پر دوڑتا ہوں کیسے نکال باہر کرے گا۔ وہ تو مجھ سے بہت خوش ہے اور تمام ملازم بھی کہتے ہیں میرے آنے سے ڈیرے پر رونق ہوگئی ہے۔" وہ فخر سے بتا رہا تھا۔

"ابھی گھر میں بھی رونق ہونے والی ہے ابا آتا ہوگا اور تو نماز کے وقت پڑا اینڈ رہا ہے۔" وہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ میرل جانتا تھا ابا کو اذان کے وقت لیٹنا کتنا برا لگتا تھا۔ اس بات پر اکثر وہ میرل کو لگا بھی دیا کرتا تھا۔

"اچھا ہوا بتا دیا ورنہ میں یہی پڑ کر سو جاتا اور ابا کا غصہ دیکھنا پڑتا۔" وہ تکیہ لے کر اندر کھولی کی طرف بڑھا تھا پھر ٹھٹک کر دروازے میں ہی رکا اور مڑ کر کام کرتی رضیہ سے بولا۔

"رجو...... یہ ماروی آج کل اپنے ابا کو کھانا دینے کیوں نہیں جا رہی۔" اس کے چہرے کی تشویش و فکر پر رضیہ کا منہ کڑوا ہوا تھا۔

"پھر ماروی نجانے یہ بدنصیب اسے بھولتا کیوں نہیں تھا۔" اس کی تیوریوں کے بل گہرے ہوگئے۔

"تو جو نظر آجاتا تھا اسے...... بیچاری ڈر گئی ہوگی اس لیے گھر بیٹھ گئی ہے۔" وہ جل کر یہی بولی۔

"سچ کہتی ہے میری وجہ سے نہیں آرہی وہ...... مگر میں تو اتنا پیار کرتا ہوں اس جھلی سے اسے دیکھے بغیر دن بھی اداس گزرتا ہے اب تو......" وہ اپنے دل کی حکایتیں سنا رہا تھا۔

"باز آجا میرل اس عشق وشق میں کچھ نہیں رکھا۔ وہ کہاں تو کہاں انسان اپنی اوقات دیکھ کر پاؤں پھیلاتا ہے تو خود تو ذلیل ہوگا ساتھ میں اماں ابے کو بھی ذلیل کرواتا ہے۔" وہ سر جھٹک کر نخوت سے بولی۔

"مرگئے ذلیل کرنے والے...... کوئی کچھ کہہ کر تو دیکھے وڈے سائیں سے کہہ کر اسے غائب نہ کروا دوں تو نام بدل دینا میرا۔" اس کی منتقمانہ سوچ لفظوں سے ظاہر تھی۔

"وڈے سائیں کیوں اس معاملے میں پڑنے لگے۔ وہ بڑے لوگ ہیں نہ تو ان کی دوستی اچھی اور نہ دشمنی اپنی حد میں رہ میرل...... کیوں ماں باپ کی جان کے لیے مسئلے کھڑے کرتا ہے بھول جا اسے۔" وہ تنگ آگئی تھی اس کی بحث سے دال کی پتیلی کو ڈھکتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"صاف بتا رجو اس دن اماں وہاں گئی تھیں تو کیا بات ہوئی تھی تو اس سے پہلے اتنا کڑوا نہیں بولتی تھی جتنا زہر آج تیری زبان میں نظر آرہا ہے۔ وہاں کیا معاملہ ہوا تھا۔" اس نے بازو سے تھام کر رضیہ کو روکا تھا اس کی سرخ سرخ آنکھوں

سے نکلتی غصے کی آنچ سے وہ کانپ کر رہ گئی۔

"تو..... تو ایسے ہی اپنا بھی دماغ خراب کرتا ہے اور دوسروں کا بھی۔ بتایا تو تھا اس دن ماروی کی اماں گھر پر نہیں ملی تھی تو کیا معاملہ ہوتا۔ ہم یونہی آگئے تھے پھر اماں نے سوچا کہ تو کسی کام جوگا ہوگا تو ہی بات ڈالیں گی۔ اتنی سی بات ہے۔" وہ بے نیازسی بنی۔

"نہیں مجھے دال میں کچھ کالا دکھائی دے رہا ہے کہیں اماں اور تم لوگ مل کر مجھے ٹال تو نہیں رہے یونہی دل تو نہیں بہلا رہے۔" وہ بدگمان ہو رہا تھا اور اس کی بدگمانی گھر میں بڑا فساد مچا سکتی تھی رضیہ کو اپنی زبان کی بے لگامی پر سخت غصہ آیا مگر سنبھلتے ہوئے بولی۔

"تجھے تو یونہی فکریں لگ جاتی ہیں چاہتا ہے ہتھیلی پر سرسوں جمالے' بھلے ایسے معاملات میں دیکھنا' بھالنا پڑتا ہے جب رشتے طے ہوتے ہیں' لڑکی ایک بار کسی کے نام ہوجائے تو پھر اسی کے نام پر اس کی ڈولی اٹھتی ہے ورنہ گھر بیٹھے بوڑھی ہوجاتی ہے گاؤں کا تو یہی رواج ہے۔"

"وہ کب میرے نام ہوگی..... کب یہ اندیشوں کے سانپ مجھے ڈسنا چھوڑیں گے دل ہولتا رہتا ہے کہیں کسی اور کا نام اس کے نام کے ساتھ نہ وابستہ ہوجائے' تو اماں سے کہنا کل ہی جائیں ان کی طرف..... بس اب مجھ سے صبر نہیں ہوتا بے شک منگنی کردیں شادی سال بھر بعد ہوجائے' کوئی پروا نہیں۔" وہ اپنا فیصلہ سنا رہا تھا۔ رضیہ نے ہولتے ہوئے اسے جاتے دیکھا تھا۔ اب ایک نئی فکر اس کے سر پر سوار تھی' جو اسے نذیراں (ماں) کے گوش گزار کرنی تھی۔ سونے سے پہلے اس نے بھائی کا مدعا اسے بتایا تو وہ دل پکڑے اٹھ بیٹھی ساری نیند جاتی رہی۔

"اب کیا ہوگا..... کس طرح کہہ دوں کہ اس نے انکار کردیا ہے' کوئی اپنی بیٹی کس طرح دے دے اسے نشہ بھی تو کرتا ہے کوئی خوبی ہو تو..... انسان سوچے بھی۔" ماں کو روتے دیکھ کر دونوں بیٹیاں اس کے پلنگ پر آ بیٹھیں اور فکر سے اسے دیکھنے لگیں۔

"مولا سائیں ہی کوئی کرم کرے تو ہو۔ سوچتی ہوں جھنڈے والے بابا سے تعویذ لے آتی ہوں دل پلٹ جائے گا تو اسے بھول بھی جائے گا۔ ہاں یہ خیال مجھ نامراد کو پہلے کیوں نہیں آیا۔" وہ آنسو پونچھ کر آس باندھ رہی تھی۔

"اگر پھر بھی کچھ نہ ہوا تو۔" رضیہ نے مایوسی سے کہا۔

"نہیں..... نہیں بہت پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔" وہ بڑی عقیدت سے کہہ رہی تھیں' ماں کا احترام اور یقین دیکھ کر وہ دونوں بھی سر ہلانے لگیں۔

"بس دعا کرنا..... کسی طرح میرے میرل کا دل ٹھکانے پر آجائے وہ ماروی کو بھول جائے۔" کہتے کہتے اس کی آواز پھر رندھنے لگی۔ آنکھوں میں آنسو اترنے لگے آخر وہ اس کی اولاد تھا اس کے جگر کا ٹکڑا تھا۔ تین بیٹیوں پر اللہ نے دیا تھا اور کس قدر بدنصیب تھا نہ تو گھر والوں کے دل میں اس نے اپنا کوئی مقام بنایا اور نہ ہی گھر سے باہر والے اسے پسند کرتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو ماروی کی ماں منہ بھر کر انکار نہ کرتی آخر تھے تو وہ ان کی طرح ہی غریب' کسان ہی..... کون سا وہ لوگ محلوں میں رہتے تھے بات صرف اتنی تھی کہ میرل غریب ہونے کے ساتھ ساتھ بیکار اور نشئی بھی تھا اور چاہے ماروی کی ماں ہوتی یا پھر خود نذیراں ہی کیوں نہ ہوتی کوئی اپنی بیٹی کو جان بوجھ کر کنویں میں نہیں ڈالتا' پھانسی نہیں چڑھاتا۔

❀ ❀ ❀
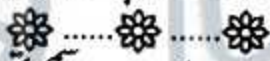
"شکر ہے تم نے چہرہ تو دکھایا میں تو سمجھی تھی اعتکاف میں بیٹھ گئی ہو۔" نازو نے ماروی کو دیکھ کر شکوہ کرتے ہوئے گلے لگایا تھا۔

"میں مصروف تھی تو تم آجاتیں اماں نے کون سا تمہیں دروازے سے واپس بھیج دینا تھا۔ خالی خولی محبت نہ جھاڑا کرو۔" وہ منہ پھلاتے ہوئے خفگی سے بولی تو نازو ہنس دی۔

"واہ ری شہزادی بڑے نخرے ہو رہے ہیں۔ جانتی ہو ناں مہینے بھر بعد میکے آتی ہوں تو اماں کے ہزار کام ہوتے ہیں جو مجھے ہی کرنے ہیں۔ انہیں دیکھوں کہ تیرے ناز اٹھاؤں۔" وہ اسے پلنگ پر بٹھاتے ہوئے خود موڑھا کھینچ کر اس پر بیٹھی تھی۔

"مراد کی کوئی خبر ہے کب آئے گا؟" ماروی افسردگی سے بولی۔

"ابھی تو گئے اسے مہینہ بھر ہوا ہے سنا ہے پیپرز ہو رہے ہیں اس میں بڑا وقت لگتا ہے ہوسکتا ہے اس بار دیر سے آئے۔" نازو نے خبر سنائی تھی۔

"کیا کروں پریشانی ہے کہ بڑھتی ہی جاتی ہے پہلے خالہ نذیراں اپنے میرل کے لیے رشتہ لے کر آگئی تھیں وہ تو اماں

کو پسند نہیں آیا ورنہ وہ تو مجھے کل کی رخصت کرتی آج کردے۔ اب ابا کے پیچھے لگی ہوئی ہے کہ وہ میرے لیے رشتہ تلاش کرے۔ اسے میری فکر کھائے جارہی ہے۔'' ماروی نے اداسی سے پریشانی بیان کی تھی۔

''نذیراں خالہ کو سوجھی کیا۔ پہلے بیٹے میں گن تو تلاش کرلیتیں۔ کوئی خوبی دیکھتیں پھر کہیں بات ڈالنی چاہیے تھی کہاں تو...... کہاں وہ موا کمبخت، دیکھتا بھی کتنی عجیب نظروں سے ہے سنا ہے کہیں کام سے لگ گیا ہے اب تو۔'' نازو اس پر تبصرہ کرتے ہوئے چائے بنانے لگی۔

''اس میں خوبی ہے یا نہیں فکر تو مجھے اس بات کی ہورہی ہے میرل کی ماں کو انکار کردیا' اب اگر ابا کو کوئی مناسب رشتہ مل گیا تو...... کیا ہوگا۔ اماں تو تیار بیٹھی ہے میں کس طرح منع کروں گی تیرا بھائی اور تم ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہو۔'' وہ ناراضگی سے گویا ہوئی۔

''تو فکر نہ کر میں اماں سے آج ہی بات کروں گی وہ خالہ زرینہ کی طرف گئی ہے ان کی طبیعت پوچھنے...... ایسا بھی ہوسکتا ہے میں اپنے بھائی کے دل کی خوشی کو کسی اور کا بننے دوں۔'' وہ اسے تسلی دیتے ہوئے مسکرائی۔

''کہیں کچھ ہو نہ جائے دل ڈرتا رہتا ہے نجانے کون سے وہم ستاتے رہتے ہیں۔'' اس کی آنکھیں آنسوؤں سے جھلملانے لگیں۔

''یوں رو کر میرا دل کمزور نہ کر اور نہ ہی خود کو خوار کر تو اپنے ماں باپ کی اکلوتی دھی ہے وہ تیری رضا کے بغیر کیسے ہاں کرسکتے ہیں۔ خاص طور پر چاچا تو تجھ سے بہت پیار کرتا ہے چاچی نہ بھی مانیں تو چاچا تو تیری بات رکھتا ہے ناں۔ پھر کیوں پریشان ہوتی ہے۔'' نازو نے بڑھ کر اس کے آنسوؤں کو سمیٹا تھا۔

''شادی بھلے سے دو سال بعد ہوتی رہے کم از کم مراد کا نام میرے نام کے ساتھ جڑ جائے۔ میرے لیے یہی کافی ہوگا' پھر مجھے کسی کی پروا نہیں ہوگی اس کمبخت میرل کی بھی نہیں۔ جسے دیکھتے ہی منہ کڑوا ہوجاتا ہے نجانے موا کیوں میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔'' وہ نازو کی تسلی پاکر اس سے کہہ رہی تھی۔

''تو ہے بھی تو اتنی پیاری اس کا دل آ گیا ہوگا تجھ پر۔'' نازو نے اسے چھیڑا۔

''بکواس نہ کر نازو۔ نشہ کرنے والا صرف اپنی ذات' اپنے وجود سے محبت کرتا ہے اسے کسی سے پیار نہیں ہوتا۔'' وہ بیزار ہوئی۔

''اب تو کام کرنے لگا ہے وڈے سائیں کی حویلی میں...... بڑا اکڑ کر چلتا ہے سنا ہے زیادہ تر ڈیرے پر سائیں لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے وہیں گھوڑوں کی صفائی ستھرائی اور حفاظت کے کام پر معمور ہے اس کے بدلے سائیں کی مہربانیاں اس کے گھر والوں کے ساتھ ہوگئی ہیں خالہ نذیراں تو بہت خوش ہیں اس کی اس ترقی سے۔'' نازو نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔ چند ہفتے پہلے ماروی کی ماں نے میرل کی بے روزگاری کو نشانہ بنایا تھا اور نذیراں نے کہا تھا وہ کام سے لگ جائے گا اور اس نے کر دکھایا تھا۔ اب جبکہ وہ وڈے سائیں کی حویلی میں ملازم ہوگیا تھا تو کہیں ان کے اختیارات اور اپنے انتقام کے ہاتھوں اسے نقصان نہ پہنچائے رشتے سے انکار کا بدلہ نہ لے لے کہیں۔'' اسے یہ سوچ کر ہی پسینا آنے لگا دل کی کیفیت عجیب ہوگئی۔ اس کی گم صم کیفیت پر نازو نے اسے ٹوکا تھا۔

''ارے تجھے کیا ہوگیا' بیٹھے بیٹھے خوابوں کا سفر کرنے لگی ہے کیا۔ ادا مراد زیادہ یاد آ رہا ہے۔''

''میں اب گھر چلتی ہوں کافی دیر ہوگئی ہے کہیں شام سر پر نہ آ جائے۔'' وہ چادر سر پر درست کرتی دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

''ابھی تو چائے بھی نہیں پی اور تو بھاگ رہی ہے۔ میں سچل (بھائی) کے ساتھ تجھے گھر چھڑوا دوں گی۔ وہ تھوڑی دیر میں اماں کے ساتھ آتا ہی ہوگا۔'' نازو نے اسے روکنا چاہا۔

''نہیں نازو...... سچل نجانے کب آئے تو میرا یہ کام کردے مراد کو بلادے یا پھر اپنی اماں کو لے کر گھر آ جا رشتے کی بات کرنے مجھے اس پریشانی سے نکال دے میں تیرا یہ احسان زندگی بھر نہ بھولوں گی۔'' وہ اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے دلگیری سے بولی۔

''جھلی ہوئی ہے تو تو میری دوست ہے' سہیلی ہے' بہن ہے' تیرا کام نہیں کروں گی تو کس کا کروں گی تو بے فکر ہوکر جا...... جلد اچھی خبر لے کر تیرے گھر آؤں گی۔'' وہ اس کا حوصلہ بڑھا رہی تھی۔ ماروی سے مسکرایا بھی نہیں گیا۔ اس کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ چھڑاتی وہ وہاں سے نکلی تھی۔ جب سے

میرل اسے کھیتوں کے راستے میں تنگ کرنے لگا تھا اس نے وہ راہ چھوڑ دی تھی ابھی بھی پکی سڑک سے آتے ہوئے اس نے چادر کو اپنے سر اور آدھے چہرے پر سختی سے جمائے ہوئے قدم بڑھائے تھے۔ سورج ڈھلنے کے قریب تھا اور اس کا گھر مراد کے گھر سے دور پڑتا تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی‘ تبھی آگے جیپ کے پاس میرل وڈے سائیں کے بندوں کے ساتھ کھڑا نظر آیا تو اس کے قدم سست پڑنے لگے اس مصیبت سے بچنے کے لیے وہ کھیتوں کے رستے سے نہ آئی تھی اور وہ...... کسی بری خبر کی طرح سامنے نظر آ رہا تھا۔ ماروی کو رکتے دیکھ کر اس کی باچھیں کھل گئیں۔ وہ خوشی کی تصویر بن گیا‘ اپنے بندوں سے اجازت لیتا اس کی طرف آیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں وڈے سائیں کا دیا ہوا اسلحہ نظر آ رہا تھا۔ جسے شان سے اس نے پکڑا ہوا تھا۔

”کہاں تھیں اتنے دنوں سے۔ میں تو اداس ہو گیا تھا تجھے دیکھے بغیر۔“ وہ اس کے تاثرات سے بے خبر اپنی کہانی سنا رہا تھا۔

”شکل دکھانی ضروری تھی کیا؟“ وہ ناگواری سے کہتی رکے بغیر چلتی گئی۔ میرل کا اس کے پاس آنا اسے اچھا نہیں لگا تھا۔

”کیا بات ہے شہزادی...... بڑی جلدی میں ہو دو گھڑی بات کرنے میں کیا حرج ہے۔“ وہ یک دم اس کے سامنے آیا تھا۔ وہ جلدی میں اس سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔ غیض وغضب سے اس کا رواں رواں کانپ اٹھا۔

”یہ کیا بدتمیزی ہے۔ تمہیں کسی نے تمیز نہیں سکھائی یوں رستہ روکتے ہوئے شرم نہیں آتی تمہاری بھی بہنیں ہیں اگر کوئی ان کا یوں رستہ روکے تو......“ وہ اس کو شرم دلاتی اپنے رستے پر ہوئی تھی کھیتوں سے لوٹتے کسان گاؤں والے اسے دور سے ہی آتے نظر آ رہے تھے‘ بات کا بتنگڑ بن جاتا اگر کوئی انہیں یوں ساتھ‘ ساتھ دیکھ لیتا اور اس کمبخت کو احساس تک نہیں تھا۔ وہ یک دم رک کر بولی تھی۔

”مسئلہ کیا ہے پیچھے کیوں آ رہے ہو؟“ اسے چپ چاپ آتے دیکھ کر ماروی نے گھر کا تھا۔

”میری اماں تیرے گھر آنا چاہتی ہیں میرا رشتہ لے کر۔“ اس کے پوچھنے پر وہ گڑبڑاتا ہوا بولا تھا۔

”تو...... پھر میں کیا کروں۔“ ماروی بے رخی سے سر جھٹکتے ہوئے بولی۔

”تو...... بس ہاں کر دینا میں تجھے بہت چاہتا ہوں ماروی۔“ وہ ایک جذب کی کیفیت میں اس سے گویا ہوا تھا۔

”دماغ خراب ہے تیرا...... تیرے جیسے سے کون شادی کرے گا بھلا۔“ وہ اس کی آنکھوں میں اشتیاق ومحبت کا جہان آباد دیکھ کر ناگواری سے چلائی تھی۔

”مجھ میں کیا خامی ہے شہزادی‘ تیری خاطر اب تو نوکری سے بھی لگ گیا ہوں۔“ وہ دوٹوک کہتے ہوئے ماروی کا رستہ روک کر کھڑا ہوا تھا۔

”نوکری کرنے سے کیا شکل بدل جایا کرتی ہے مجھے تو...... تو صورت سے ہی زہر لگتا ہے‘ جس دن دیکھ لوں‘ سارا دن برا گزرتا ہے اور تو ساری عمر کی بات کرتا ہے۔ ہونہہ......“ اس نے نفرت سے کہتے ہوئے اس کے ارمانوں کا خون کیا تھا اور قدم بڑھاتی اپنے رستے پر ہو لی تھی۔ میرل کی آنکھوں میں نمی تیر گئی۔ دل پر جیسے کسی نے گھونسا دے مارا تھا۔ کتنی نفرت وبیزاری تھی اس کے لہجے میں۔ جو پری چہرہ ہوتی ہیں‘ انہیں کوئی کیسے متاثر کرتا ہے؟ نجانے ان کے سینوں میں دل بھی ہوتا ہے یا نازک سراپے میں پتھر کا ٹکڑا دل کی جگہ فٹ ہوتا ہے۔ وہ دھڑکتا بھی ہے یا نہیں‘ اس کے لفظوں نے اس کے ملنے اور دیکھنے کی ساری خوشی کو ملیامیٹ کر دیا تھا۔ اس کا ہاتھ بھاری رائفل پر سخت ہوا تھا۔ وہ دور جاتے اس کے وجود کو اندھیروں میں گم ہوتے دیکھتا رہا۔ وہ جانتا تھا‘ وہ کم صورت تھا‘ ہر لحاظ سے اس سے کم تھا۔ پھر بھی نجانے کب کن کمزور لمحوں میں اس کی صورت کا شیدائی ہو بیٹھا۔ دل اس کا تمنائی ہو گیا اور اب اس کی قید سے آزادی جان لیوا تھی اس نے اپنی گیلی ہوتی آنکھیں آستینوں سے پونچھی تھیں مگر آنکھیں ایک بار پھر گیلی ہو کر اس کا احساس کمتری اور دکھ بڑھا رہی تھیں۔ وہ وہیں قریبی نہر کی طرف چلا آیا اور چھوٹے چھوٹے پتھر اٹھا کر نہر کے پانی میں پھینکنے لگا جیسے اپنی تمام سوچوں کو پانی کی لہروں کے ساتھ بہا دینا چاہتا ہو۔

”میں تیرے بغیر نہیں رہ سکتا ماروی۔ نہیں رہ سکتا اور تجھے اپنے بغیر رہنے نہیں دوں گا۔“ وہ خود سے عہد کر رہا تھا۔

❀ .... ❀ .... ❀

”مراد وہی کرے گا جو میں اور اس کا ابا چاہتے ہیں ابھی تم دونوں اتنے بڑے نہیں ہوئے کہ بڑے بڑے فیصلے کرنے لگو‘

ماروی بھلے اچھی لڑکی ہے شریف اور خوب صورت ہے مگر میں نے ہمیشہ مراد کے لیے مہراں (زرینہ کی بیٹی) کو سوچا ہے اپنی ہے شریف ہے باکردار ہے' سلجھی ہوئی پھر مجھے کیا ضرورت پڑی ہے میں اپنی بچی کو لینے کے بجائے کسی اور کی بیٹی کو گھر کی سلطنت سونپ دوں' نا بابا' اگر تم اور مراد کچھ اور سوچ بیٹھے ہو تو دماغ درست کرلو اپنا۔ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔“ زینت بیگم نے سنتے ہی ناگواری وخفگی کا اظہار کیا تھا' نازو تشویش سے ماں کے تاثرات دیکھنے لگی وہ تو یہی سوچ بیٹھی تھی کہ ماروی کی خوب صورتی ہی اس کا سب سے بڑا ووٹ تھی۔ پھر وہ مراد کی دل کی خوشی تھی اس سے بھی وہ اماں' ابا کو راضی کرنے میں کامیاب ہوجاتی مگر یہاں تو معاملہ ہی اور تھا وہ زرینہ خالہ کی بیٹی کو سوچے بیٹھی تھیں اور اندرون خانہ انہوں نے بہن سے بات بھی کررکھی تھی۔

”پر اماں...... مراد اسے بہت......“ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی زینت بیگم نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ دھرا تھا۔

”خبردار کسی کی بیٹی کے سلسلے میں کوئی بات کی تجھے معلوم نہیں ہے گھر سے نکل کر بات کہاں تک پھیلتی ہے۔ ایک بار لڑکی کسی کے نام سے مشہور ہوجائے تو پھر اس کا کہیں رشتہ نہیں ہوتا۔ اس موضوع کو یہیں دفن کردو۔ رہ گیا مراد تو میں اسے آپ ہی سمجھالوں گی۔ وہ میرا بیٹا ہے سمجھدار' ذمے دار ابھی تو وہ پڑھ رہا ہے پہلے کسی قابل ہوجائے' پھر میں مہراں کو گھر لے آؤں گی اس کی دلہن بنا کر ویسے بھی زرینہ بیمار رہتی ہے۔ اسے اپنی بیٹی کی بڑی فکر ہے اور جب میں ہوں اس کی فکر دور کرنے والی تو پھر...... مہراں کے لیے کسی اور کو کیوں دیکھوں اپنا مراد اس کے ساتھ بہت خوش رہے گا' تو دیکھنا۔“ وہ خواب بن رہی تھیں' نازو کی آنکھوں کے آگے ماروی کا اداس چہرہ پھر گیا وہ کتنی آس وامید لے کر آئی تھی اور اس نے بھی اس کا حوصلہ بڑھایا تھا مگر...... تقدیر کچھ اور سوچے بیٹھی تھی۔

”سانول کب تک تجھے لینے آئے گا۔“ زینت بیگم نے اسے سوچوں میں گم دیکھ کر ٹوکا۔

”آج...... کل میں آجائے گا اماں۔“ وہ اداس تھی اسے ماروی اور مراد کا خیال دلگیر کررہا تھا۔

”دیکھ نازو...... اس معاملے سے دور رہ اگر تو نے اپنی سہیلی کو کچھ خواب دکھا دیے ہیں یا مراد نے اسے کوئی آس دلادی ہے تو گزرتے وقت کے ساتھ وہ آس ختم ہوجاتی ہے کیونکہ ماروی کے ماں باپ اسے بٹھا کر نہیں رکھیں گے جب ہماری طرف سے مکمل خاموشی اختیار کرلی جائے گی تو ماروی بھی اپنی امید چھوڑ دے گی۔ تو اپنا دل پریشان مت کر اور اپنی سسرال میں دل لگا۔ مہینے دو مہینے میں دوڑ دوڑ کر میکے مت آیا کر میں چاہتی ہوں ماروی والا معاملہ ٹھنڈا ہوجائے تاکہ مراد بھی آگے کی طرف سوچ سکے اس بار میں تیرے ابا سے کہوں گی مراد کو گاؤں آنے سے منع کردے۔ جب دیکھو بھاگا چلا آتا ہے۔ مجھے علم ہی نہیں تھا کہ یہ معاملہ ہے۔ اگر تو نے پہلے پھوٹ دیا ہوتا تو میں پرسوں ہی زرینہ کی طرف گئی تھی' کم ازکم بات پکی کرآتی شادی کا کیا ہے آتے سالوں میں ہوجائے گی کم ازکم کوئی مراد کی طرف سے خالی خولی امید تو نہ باندھے۔“ وہ بڑبڑاتے ہوئے نازو اور مراد دونوں پر غصہ کررہی تھیں۔ نازو نے ماں کی ناراضگی وغصیلے چہرے کو افسوس ودکھ سے دیکھا نجانے ہمارے بڑے ہمارے ماں باپ ہمیں دنیا کی سب نعمتیں دینے کے ساتھ دل کی خوشی دینا کیوں بھول جاتے ہیں۔ کیوں اس معاملے میں ان کے دل تنگ ہوجاتے ہیں۔ اب میں ماروی سے کیا کہوں گی ادا مراد...... تمہارا کیا ہوگا؟ اللہ سائیں بہتر کرے...... وہ اٹھ کر اپنا سامان سمیٹنے لگی اسے معلوم تھا کہ اب اماں کی ناراضگی کے بعد اس موضوع پر بات کرنی بیکار تھی۔ ابا تو ویسے بھی اماں کی ہی سنتا تھا۔ وہ آنکھوں میں نمی اور افسردگی لیے اپنا سامان بیگ میں رکھنے لگی۔

”ماروی کاش میں تیرے لیے کچھ کرسکتی۔“ ایک آہ سی اس کے ہونٹوں سے نکلی تھی۔

❀ ❀ ❀

”اماں صاف بتادے تو میرا رشتہ لے کر وہاں جائے گی یا نہیں۔“ آج پھر میرل صبح سے یہ قصہ لیے بیٹھا تھا' اس کے اتنے دنوں کی چپ اور خاموشی کو وہ تعویذ کا کرشمہ سمجھ بیٹھی تھی کہ شاید جھنڈے والے بابا کے تعویذوں نے اس کے دماغ سے ماروی کا بھوت اتار ڈالا ہو مگر......!

”ناشتہ تو کرلے یہ بات تو بعد میں بھی ہوسکتی ہے۔“ نذیراں نے پیالے میں چائے اور پلیٹ میں پراٹھا رکھ کر اس کی طرف بڑھایا۔

”نہیں کھانا مجھے...... کون سے میرے ارمان پورے

ہور ہے ہیں ایک بات کہی تھی ابھی تک اس پر بھی عمل نہیں ہوا کون سا کوسوں دور جانا ہے جو ٹال رہی ہے اب تو وعدے کے مطابق کام بھی کرنے لگا ہوں پھر بھی تجھے خیال نہیں ہے۔'' وہ باقاعدہ روٹھا بیٹھا تھا۔

''اچھا...... آج چلی جاؤں گی اب تو ناشتہ کرلے۔'' نذیراں نے ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

''مجھے علم ہے تو مجھے ٹال رہی ہے ضرور وہاں ایسی کوئی بات ہوئی ہے جو تو جانے سے کترا رہی ہے صاف صاف بتا تیرا بیٹا اتنا کمزور اور معمولی نہیں ہے کہ کوئی اس کے لیے انکار کرسکے۔'' وہ بدگمان تھا۔

''کوئی کہانی نہیں ہوئی لڑکی والے سو بار سوچتے ہیں سب سے صلح مشورے کرتے ہیں کوئی یوں ہاں نہیں کردیتا۔'' وہ اسے ٹوکتے ہوئے نرمی سے بولی۔

''مگر میری بہنوں کے سلسلے میں تو اتنی جلدی ہاں ہوگئی تھی۔'' اسے اپنی دونوں بہنوں کے رشتے یاد آئے جن کے آتے ہی دو ماہ کے اندر اندر ان کی منگنیاں کردی گئی تھیں۔

''رشتہ جتنا اچھا ہوتا ہے اتنی جلدی ہاں ہوتی ہے تو کمانے تو لگا ہے مگر......'' وہ کہتے کہتے رکی میرل کی سوالیہ نظریں اس پر جمی تھیں۔

''مگر...... کیا...... کمانے کے علاوہ بھی کوئی اور خوبی ہونی چاہیے۔'' وہ پوچھ رہا تھا اسے ماروی کے الفاظ یاد آئے جس نے کہا تھا۔ ''نوکری کرنے سے کیا شکل بدل جاتی ہے۔ مجھے تو شکل سے ہی تو برا لگتا ہے۔ جس دن دیکھ لوں سارا دن برا گزرتا ہے اور تو ساری عمر کی بات کرتا ہے۔'' اس کے لفظوں نے اس کے اندر کہیں شور مچایا تھا۔

''تو نشہ چھوڑ دے اسے کوئی بھی پسند نہیں کرتا......'' وہ تفکر سے اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

''کل تو نے کہنا ہے دوستوں کو بھی چھوڑ دوں تو کیا یہ بھی کرتا پھروں گا۔'' وہ ہتھے سے اکھڑا تھا۔

''کیا حرج ہے انہی نکموں اور کمتوں کی صحبت نے تیرا حشر خراب کررکھا ہے' کوئی عقل کی بات سمجھ کے خانے میں بیٹھتی ہی نہیں ہے۔'' وہ بگڑ کر بولی تھی۔

''اماں جس دن ماروی سے میرا رشتہ پکا ہونے کی خبر لے کر آئے گی اس دن یہ بھی چھوڑ دوں گا۔'' اس کے لہجے میں عزم تھا۔ نذیراں نے آس و امید سے سنورتے بیٹے کو دیکھا جس کی ہر کل ماروی کے نام سے سیدھی ہورہی تھی کیا حرج تھا اگر ماروی اس کے نام سے وابستہ ہوجاتی' تھی تو غریب کسان کی بیٹی ہی' کون سا وہ لوگ دولت کے ڈھیر پر بیٹھے تھے صرف میرل کی بے روزگاری اور نشے نے بات بگاڑ دی تھی اب تو وہ کام والا ہوگیا تھا اور نشہ چھوڑنے کی بات بھی کررہا تھا تو کیا...... اسے ایک بار پھر اپنا دامن پھیلا کر وہاں جانا چاہیے ہوسکتا ہے اس بار قسمت یاوری کرجائے۔ ماروی کے بہانے اگر میرل راہ راست پر آتا ہے تو کیا برا ہے کون ماں باپ نہیں چاہتے کہ اولاد کا سکھ دیکھیں اولاد بری بھی ہو تو دل کو عزیز ہوتی ہے اور وہ تو تین بیٹیوں پر ہوا تھا کیونکر عزیز نہ ہوتا۔ پھر کمانے بھی لگا تھا اس کے ہاتھ کے چار پیسے کتنا فخر اور مان دیتے تھے کوئی اس کے دل سے پوچھتا۔ اب اس سے پہلے جیسی شکایتیں بھی نہیں رہی تھیں۔

''اب کیا سوچ رہی ہے اماں...... کیا دوبارہ ان کی چوکھٹ پر جائے گی جہاں سے پہلے بھی ایک بار انکار ہوچکا ہے۔'' رضیہ نے میرل کے جاتے ہی نذیراں کو ٹوکا۔

''پہلے کے میرل اور اب کے میرل میں فرق ہے ان تین مہینوں میں اس کی کایا پلٹ گئی ہے۔ ہر کوئی جانتا ہے وہ کمانے لگا ہے اس نے بیکاری چھوڑ دی ہے۔ کیا معلوم اس بار وہ مان ہی جائیں۔'' وہ آس و امید کا دامن تھامے ہوئے تھی۔

''میری بھولی اماں ایسے خیالات سے نکل آؤ کہ اس بار وہ مان جائیں گے' میری دوست ریشما بتا رہی تھی ماروی کی بات نازو کے بھائی مراد سے چل رہی ہے اور وہ تو یہ بھی بتا رہی تھی کہ شاید وہ ایک دوسرے کو پسند......'' اس سے پہلے وہ الفاظ مکمل کرتی نذیراں نے ہاتھ بڑھا کر اس کے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

''ناں...... ایسے نہیں کہتے' ناحق چھوری کو بدنام کرنے والی بات ہے' اور وہ لڑکا بھی بڑا شریف اور نیک ہے۔ لوگوں کو تو باتیں بنانے کا موقع چاہیے۔'' اس نے اسے گھرکتے ہوئے کہا۔

''اگر وہاں ماروی کی بات پکی ہوگئی جو کہ امید ہے کہ ہوجائے کیونکہ گاؤں میں مراد ہی سب سے پڑھا لکھا اور اچھا نوجوان ہے اور بھی چاہتے ہیں بیٹی خوش رہے تب میرل سے کیا کہو گی بہتر ہے اسے پیار سے سمجھا دو اب اتنا بچہ بھی نہیں

ہے کہ سمجھ نہ سکے کہاں ماروی اور کہاں وہ۔'' رضیہ نے انہیں حقیقت دکھائی تھی۔

''کیوں میرل میں کیا کمی ہے اور مراد کہاں کا راجہ اندر ہے صرف پڑھا لکھا ہونے سے رشتے تھوڑی ہوتے ہیں کیا پتہ کون کس کے نصیب میں لکھا ہو؟'' وہ خوش فہمیوں کے تانے بانے بن رہی تھی۔ رضیہ نے افسوس سے اپنی کم فہم ماں کو دیکھا اور اٹھ کر صحن سے جھاڑو اٹھا کر صفائی میں جت گئی۔ مگر اس کے ذہن میں ریشماں کے الفاظ شور مچا رہے تھے۔

''یہ رشتہ ضرور ہوجائے گا مراد شریف اور پڑھا لکھا ہونے کے علاوہ ماروی کو پسند بھی تو کرتا ہے اور وہ بھی پاگل ہے اس کے لیے۔'' وہ ہنس رہی تھی۔

''تمہیں کیسے پتہ؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''ایسی باتیں کوئی بتاتا ہے بھلا یہ تو چہرے پر صاف پڑھی جاتی ہیں آنکھوں سے ظاہر ہوتی ہیں۔'' وہ شرارت سے آنکھیں نچا رہی تھی۔

''بغیر تصدیق کے ایسی باتیں منہ سے نہیں نکالتے تمہیں معلوم تو ہے یہاں ذرا سی بات فساد سے شروع ہو کر خون خرابے میں تبدیل ہوجاتی ہے۔'' رضیہ نے اسے ٹوکتے ہوئے دل کی گھبراہٹیں سی تھیں۔

''واہ ری نصیحت بی بی جب تیرا (ادا) میرل ماروی ماروی گاتا ہے تب اسے نہیں روکتی ساری آوازیں ہمارے صحن میں سنائی پڑتی ہیں کسی دن میرا بھائی 'رجو...... رجو......' کرنے لگا تو بڑا برا لگے گا اسے۔'' وہ اسے چھیڑتے ہوئے ہنسی تو رضیہ نے شرم سے ہاتھوں میں چہرہ چھپالیا۔ یہ حقیقت تھی وہ ریشماں کے بھائی اکبر سے محبت کرتی تھی وہ محنت کش شریف نوجوان نجانے کب دل کی دھڑکن بن گیا' اسے تو تب خبر ہوئی جب اس کے نام کو سن کر اس کے چہرے پر گلابیاں اترنے لگیں اور اسے ریشماں کے گھر جاتے ہوئے حیا آنے لگی تب دل کی چوری کی خبر ہوئی کہ وہ بھی اسے پسند کرتا ہے اس کی خبر دینے والی بھی ریشماں اس کی ہمراز دوست سب کچھ تھی۔ اکثر اکبر کے تحفے اسے پہنچانے کی وہی ذمے دار ہوتی تھی اکبر سے بڑا فیض محمد تھا اس کی اور ریشماں کی شادی کے بعد ہی اکبر کا نمبر آنا تھا اس لیے بھی وہ دونوں صبر سے بیٹھے تھے اور ایک دوسرے کو دیکھ کر جیتے تھے۔

❀......❀......❀
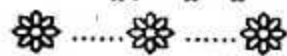
دل بے چین مضطرب تھا یا آج انکشافات کا دن تھا' وہ کام ختم کرکے حویلی سے لوٹا تو اسے نہر کے پاس دو سائے سے محسوس ہوئے اس نے اپنا وہم سمجھ کر ٹالنا چاہا مگر پھر انسانی فطری تجسس سے مجبور ہو کر وہ اس راستے پر دبے قدموں چل پڑا۔ وہ دو سائے کس کے تھے؟ اس نے میرل کے اندر ہلچل مچا ڈالی تھی آج کا سارا دن عجیب بوجھل سا گزرا تھا۔ جب سے رضیہ نے اسے بتایا تھا کہ اماں دو بار ماروی کے گھر گئی تھیں اور اس کی اماں نے اس کے بیروزگاری اور نشے کو جواز بنا کر رشتے سے انکار کردیا تھا۔ تب سے اس کا دل کسی پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ غم و غصے سے پور پور سلگ رہا تھا۔ وہ حویلی سے بھی دیر سے لوٹا تھا راستے بھر خود کلامی کرتے وہ چلا جارہا تھا۔ تب اسے وہاں نہر کے پاس دو سائے نظر آئے تھے گاؤں کے ماحول میں شام گئے سو جانے کا رواج تھا۔ اتنی رات گئے کسی کے وہاں آنے کا تصور ہی محال تھا۔ وہ خاموشی کی چادر لیے سکون کے ساتھ قدم بڑھاتا نہر کے قریب چلا آیا تھا' مگر وہاں وہ دو سائے اس کے لیے اجنبی نہیں تھے' سیاہ شیشوں کی چادر اوڑھے وہ ماروی ہی تھی اس کی ماروی جو جان سے بھی زیادہ اسے عزیز تر تھی جس کے بغیر زندگی دو قدم بھی نہیں چل سکتی تھی۔ وہ مراد کے کندھے سے سر ٹکائے رو رہی تھی۔ اس کی سسکیاں رات کی تاریکی اور خاموشی میں دور کھڑے میرل کو دل پر دھڑکتے محسوس ہو رہی تھیں۔

''مراد کب تک اور کب تک انتظار کی فصل کاٹنی ہوگی ایک بار ہی بتادے تیری ماروی کی راہ میں اتنی آسانیاں نہیں ہیں کہ وہ سماج سے بغاوت کرسکے' میں اماں بابا کے آگے مزید انکار نہیں کرسکوں گی تم اپنی اماں سے کہتے کیوں نہیں ہو؟'' کہانی نئی نہیں تھی ہر لڑکی اس کہانی اور کم و بیش ایسے ہی حالات سے گزرتی ہے۔ مرد کی مجبوریاں اس کے پاؤں کی بیڑیاں بن جاتی ہیں اور محبت دل کا روگ نہ وہ بیڑیاں توڑ پاتی ہے اور نہ اس روگ سے نجات حاصل کرپاتی ہے وہ بھی یہی کررہی تھی اور مراد سکون کے ساتھ اسے تسلی دے رہا تھا۔ پیار کے ساتھ اس کے کندھے پر ہاتھ دھرے کسی قیمتی شے کی طرح اسے خود سے لگائے بیٹھا تھا۔ میرل کا دل چاہا آگے بڑھ کر ماروی کو اس ظالم شخص سے جدا کردے جس کے حسین خوابوں نے ماروی کو اس سے چھین لیا تھا۔ اس نے ماروی کے لیے خود کو بدل لیا تھا۔ رشتے کی امید پر نشہ ترک کرنا شروع کردیا

تھا۔ ان دوستوں کو چھوڑ ڈالا تھا جو اس کے ہم نوالہ ہم پیالہ تھے صرف ایک ماروی کے لیے اور اس کے ہاتھ کیا آیا تھا نارسائی' تشنگی اور ادھوری محبت کے دکھ اور ایک یہ شخص تھا کچھ بھی نہ کر کے سب کچھ حاصل کیے بیٹھا تھا۔ غصے وانتقام نے اسے جیسے لمحہ بھر کو اندھا کر ڈالا وہ آگے بڑھ کر ان کے سروں پر پہنچ چکا تھا۔ اسے دیکھ کر ماروی کے ہونٹوں سے لمحہ بھر کو چیخ نکل گئی۔ خاموشی کی فضا میں نقرئی چیخ دور تک سنائی دی تھی۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' مراد نے بظاہر مضبوط بنتے ہوئے میرل کو گھورا تھا۔

''یہ مجھ سے پوچھتے ہو بے غیرت انسان یہ بتاؤ رات کی اس تاریکی میں تم کون سے کھیل کھیل رہے ہو۔'' اس نے بڑھ کر مراد کا گریبان پکڑا تھا۔

''میرل اسے چھوڑ دو تمہیں خدا کا واسطہ اسے جانے دو۔'' ماروی تڑپ کر اس کے آگے ہاتھ جوڑنے لگی۔

''اسے تو میں سائیں کے پاس لے کر جاؤں گا وہ فیصلہ کریں گے گاؤں کی عزت سے کھیلنے کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ تم دیکھتی جاؤ ماروی میں اس سے کیسا انتقام لیتا ہوں بہت عزیز ہے ناں تمہیں یہ شخص آج کے بعد مجھے تمہاری قسم ہے تمہیں یہ نظر نہیں آئے گا۔'' اس کے لفظوں کی سفاکی نے ماروی کی آنکھوں میں آنسو بھر ڈالے۔

''ایسا مت کرو میرل صرف یہی قصوروار نہیں ہے میں بھی برابر کی شریک ہوں تمہیں سزا دینی ہے تو مجھے دو اسے جانے دو تمہیں اس محبت کا واسطہ جو تم مجھ سے کرتے ہو۔'' وہ اس کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے گڑگڑائی۔

''تمہارے جیسی سے اب کون محبت کرے گا' مرد صرف عورت کی پاکیزگی اس کی حیا اور شرم پر مرتا ہے' اس کی پارسائی سے محبت کرتا ہے۔ کیا تم سمجھتی تھی مجھے تمہاری خوب صورتی نے اسیر کیا تھا تو یہ سچ ہے خوب صورتی کے ساتھ اگر عورت میں یہ خوبیاں بھی ہوں تو مرد ایسی عورت کے لیے جان دینے سے دریغ نہیں کرتا مگر ایسی عورت جو پرائے مرد پر مرتی ہو چھپ چھپ کر ملتی ہو ایسی عورت کو مرد گلے کا ہار نہیں بناتا نہ اسے گھر میں بساتا ہے بلکہ اسے کاری کر کے زمین کے حوالے کر دیتا ہے اور تمہاری اور مراد کی یہی سزا ہے گاؤں والے تمہیں اپنے ہاتھوں سے سنگسار کریں۔'' وہ پتھریلے لہجے میں انہیں سزا سنا رہا تھا۔

''بکواس بند کرو' تم ہوتے کون ہو ہمیں سزا سنانے والے یہ ہماری زندگی ہے ہماری مرضی اسے کس طرح بسر کرنا ہے' اور ماروی تمہیں اس شخص سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ابھی میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' مراد نے بڑی محبت وعزت کے ساتھ اسے اپنے بازو کے گھیرے میں لے کر خود سے لگایا تھا۔

''شاوا بھئی ہیرو داد دیتا ہوں تیری ہمت کی' موت کو سامنے دیکھ کر بھی حوصلہ پانی نہیں ہو رہا' کمال ہو گیا یہ تو۔'' میرل کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے بولا تھا اس نے جیب سے چمکدار ریوالور نکال کر مراد کے سینے پر تان لیا تھا۔ ماروی خوف سے تھر تھر کانپنے لگی اس کی جان جیسے لبوں پر تھی موت سے زیادہ اس کا خوف انسان کو مار دیتا ہے وہ بھی مراد کو موت کی گرفت میں گھرے دیکھ کر خوف زدہ ہو گئی تھی ڈر گئی تھی آنے والے وقت سے۔ میرل نے بڑھ کر ایک جھٹکے سے ماروی کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تھا۔ وہ کمزور نازک تو اں طوفانوں کی زد میں تھی' اس کے زوردار جھٹکے کو سہہ نہ سکی اس کے بازو سے آن لگی۔ میرل کی مضبوط گرفت نے اس کی سانسیں بند کر ڈالی تھیں وہ اپنی زندگی کا سب سے برا وقت دیکھ رہی تھی۔

''اب بول مراد پہلے اسے ختم کروں یا تجھے' کیونکہ یہ تو تجھے بھی اچھی طرح معلوم ہے غیرت کے پیچھے ہونے والے قتل پر پردے ڈال دیئے جاتے ہیں۔ اگر میں رات کی اس تاریکی میں تجھے مار بھی دوں تو مجھے اس کے ابا' اماں اور پنچائیت کے سامنے یہی ظاہر کرنا ہوگا کہ دونوں بے حیائی میں مشغول تھے اور غیرت کی خاطر میں نے مراد کو مار دیا تو کوئی میرا گریبان تھامنے والا نہیں ہوگا' آسانی کے ساتھ میں چھوٹ جاؤں گا۔'' اس کی آنکھوں کی وحشیانہ چمک بتا رہی تھی وہ کسی بھی وقت انتہائی قدم اٹھا سکتا تھا۔ غم وغصے اور انتقام نے اسے اندھا کر ڈالا تھا۔

''اگر تمہیں مارنا ہی ہے تو پھر ہم دونوں کو مار دو کیونکہ اس کے بغیر میں ویسے بھی مر جاؤں گی' میرے جینے کا بھی کوئی مقصد نہیں' ہم اگر مل نہیں سکتے مر تو ساتھ سکتے ہیں۔'' ماروی نے پورا زور لگا کر میرل کو پیچھے دھکا دیتے ہوئے نفرت سے کہا اور مراد کے برابر جا کھڑی ہوئی۔ اس کے چہرے پر پھیلی مراد کی محبت نور بن کر چمک رہی تھی۔ وہ اس سے اتنا پیار کرتی تھی کہ اس کی خاطر اس کے سر پر آنے والی مصیبت اپنے سر

لینے کو تیار تھی۔ اس کی خاطر مر بھی سکتی تھی، وہ بھی تو اس سے اتنا ہی پیار کرتا تھا مگر اس کے ہاتھ کیا آیا تھا۔ نہ ماروی ملی تھی اور نہ ہی اس کی محبت اور مراد کتنا خوش نصیب تھا' اسے وہ بن مانگے مل گئی تھی۔ اس دعا کی طرح جو اچانک قبول ہو جائے۔ اس کی آنکھوں کے آنسو گالوں پر اتر آئے' اپنی بے بسی کا شدت سے احساس ہوا تھا۔ اگر وہ مراد کو مار بھی دیتا تو ماروی کون سا اسے مل جاتی اور اگر وہ غصے اور انتقام میں انہیں گاؤں والوں کے حوالے کر دیتا تب بھی وہ خالی ہاتھ ہی رہتا۔ اس کی جھولی تو خالی ہی رہنی تھی۔ ماروی نہ پہلے اس کی تھی نہ بعد میں اس کی ہونے والی تھی تو پھر کیوں نہ میرل تو اپنا ظرف بڑا کرلے۔ محبت کا مقصد ہمیشہ پانا ہی نہیں ہوتا' محبت تو وہ جذبہ ہے کہ لٹ کر بھی انسان مالا مال رہتا ہے جسے اس وقت وہ اپنے اندر محسوس کر رہا تھا۔ وقتی غم وغصے اور انتقام کی فضا سے نکل کر اس نے سچائی سے سوچا اور تسلیم کیا تو اسے احساس ہوا وہ غلطی پر تھا۔ یہ اس کی کیسی محبت تھی کہ ماروی کو مراد کے ساتھ دیکھ کر دور جا کھڑی ہوئی اور وہ اس کے قتل پر آمادہ ہو گیا' اگر تھوڑی سی دیر اور ہو جاتی تو شاید وہ غم وغصے میں اپنا ہی نقصان کر بیٹھتا کیونکہ غیرت کے نام پر ہونے والے قتل کی بے شک چھوٹ ہو مگر اپنا ضمیر اور احساس بھی کوئی معنی رکھتا ہے ماروی کو مار کر اس سے تمام خوشیاں چھین کر کیا وہ خوش رہ سکتا تھا' شاید نہیں' اس نے شکستگی سے سر ہلایا اور مراد' ماروی کو ساتھ کھڑے ایک نظر دیکھا جو اس کی خاموشی اور چپ کے پیچھے اسرار ڈھونڈ رہے تھے۔ دونوں کے چہروں پر محبت عزم بن کر چمک رہی تھی۔ انہیں اپنے نفع ونقصان کی پروا نہیں تھی۔ وہ ساتھ تھے ان کے لیے یہی کافی تھا۔ میرل نے ریوالور واپس اپنی جیب میں ڈال لیا۔ سائیں نے جب سے اسے حویلی کے خاص ملازمین میں شامل کیا تھا تب سے ریوالور کی عنایت ساتھ کردی تھی۔

''اب کھڑے سوچ کیا رہے ہو اکھٹا کرو لوگوں کو جمع کرو تاکہ ہمیں سزا دلوا سکو۔'' مراد نے نفرت سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ جواب میں وہ اٹھ کر اپنی راہ ہولیا تھا۔ اس کے یوں خاموشی سے اٹھ کر چل دینے پر ماروی اور مراد نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر میرل کے دور ہوتے وجود کو' جو انہیں معمے میں ڈال کر خود وہاں سے چلا گیا تھا۔ اس کی خاموشی اور پیٹھ پھیر کر جانے کا مقصد انہیں سمجھ نہیں آیا تھا۔ فکر تھی تو صرف اتنی کہ ماروی اپنے گھر خیریت کے ساتھ پہنچ جائے اور مراد نے یہی کیا تھا۔ گھر آ کر بھی ماروی اس بھیانک خواب کو سوچ سوچ کر بار بار ڈرتی رہی اسے اب تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ میرل اتنا غصہ کرنے اور انتقامی سوچ رکھنے کے باوجود انہیں وہاں یونہی چھوڑ گیا تھا' کیوں اور کس لیے؟

❀ ...... ❀ ...... ❀

''کتنا سا منہ نکل آیا ہے میرے بیٹے کا۔ کہاں ہوتا ہے سارا دن؟'' نذیراں اسے دیکھ کر فکر انگیزی سے بولی وہ وہیں پلنگ پر آ کر بیٹھا تھا۔

''اب تو سائیں کی حویلی بھی نہیں جاتا پہلے تو یہی بہانہ تھا وہاں کام' وام کرتا ہے پھر کہاں مارا...... مارا پھرتا ہے دیکھ تو کتنا رنگ جل گیا ہے تیرا پہلے جیسی کوئی بات ہی نہیں رہی دن بدن گھلتا ہی چلا جا رہا ہے۔'' نذیراں پریشانی سے اسے تکتے ہوئے بول رہی تھی۔ وہ چپ کا روزہ رکھے گم تھا۔

''اماں یوں لگتا ہے تم میرل سے نہیں اس کے بھوت سے بات کر رہی ہو۔ بولتا ہی نہیں ہے یہ تو۔'' رضیہ نے اسے بات کے لیے اکسایا تھا۔

''بکواس نہ کر جا بھائی کے لیے کھانا لا آج تو میں اسے اپنے ہاتھ سے کھلاؤں گی جب سے وہ کلموہی بیاہ کر گئی ہے اس کا تو سکھ چین ہی چھن گیا ہے جیسے۔'' وہ کلسی تھی۔ اس نے رضیہ کو وہاں سے روانہ کیا۔

''اماں...... اس کا ذکر نہ کیا کر......'' میرل نے گم صم انداز میں رنجیدگی سے کہا تھا۔

''کیوں نہ کروں' اس بدبخت' کلموہی' ڈائن کی وجہ سے اس کے ماں باپ مرے اور تو...... آج تک اس کے دکھ کو رو رہا ہے اس کے چلے جانے کا غم منا رہا ہے اپنے بوڑھے ماں باپ تجھے دکھائی نہیں دیتے جو تیری چپ اور ہار کے پیچھے فکر مند اور پریشان ہیں۔'' نذیراں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے وہ دوپٹے کے پلو سے آنکھیں رگڑتے ہوئے اس سے شکوہ کرنے لگی۔

''میں کیا کروں اماں؟ میرے دل پر بہت بوجھ ہے یوں لگتا ہے میرا دم گھٹ رہا ہے کوئی گلہ دبا رہا ہے میرا۔'' اس نے اضطراری کیفیت میں اپنا سینہ مسلا تھا۔

''اللہ سائیں خیر کرے' صبح ہوتے ہی میں جھنڈے

والے بابا کے پاس جاؤں گی تیرے لیے سکون کا تعویذ لینے مجھے لگتا ہے کہیں کسی نے تجھ پر کچھ کروا تو نہیں دیا۔'' وہ اس کی کیفیت دیکھ کر اس کی کمر سہلانے لگی۔

''دیکھ میرل ہمیں اس بڑھاپے میں اور خوار مت کر تو ہی اکیلا سہارا ہے ہم بڈھے بڈھی کا حوصلہ پکڑ جو ہونا تھا ہوگیا' وہ تو عیش کر رہی ہوگی سائیں کی حویلی میں۔ خوشیاں منا رہی ہوگی اور تو یہاں بیٹھا اس کا غم منا رہا ہے بھول کیوں نہیں جاتا اسے۔'' نذیراں نے اسے پیار سے مناتے' سمجھاتے ہوئے کہا۔

''کیسے بھول جاؤں' مجھے یوں لگتا ہے جیسے دور کہیں وہ بیٹھی روتی ہے' اس کے آنسو یہاں...... یہاں اس دل پر گرتے ہیں تو آبلے سے پڑ جاتے ہیں سویا نہیں جاتا مجھ سے' اس کی آوازیں اس کی چیخیں مجھے سنائی پڑتی ہیں۔'' وہ گم صم ہارے ہوئے لہجے میں بول رہا تھا۔

''تو ایسا کیوں سوچتا ہے پگلے وڈے سائیں سے شادی کا فیصلہ اس کے ماں باپ نے کیا تھا وہ کوئی زبردستی بیاہی تھوڑی گئی ہے۔'' نذیراں نے اسے تسلی دی تھی۔

''تمہیں نہیں معلوم اماں وہ مراد کمبخت اسے میری آنکھوں کے سامنے اپنا بنانے جا رہا تھا' میں کس طرح اسے اس کا ہونے دیتا' کیسے اس کے دل کی خوشی کو پورا کرنے دیتا' میری آنکھوں نے بھی ایک عرصے اس کے خواب بنے تھے' اس کے اپنا ہونے کی تعبیر دیکھنی چاہی تھی اور تجھ سے پوچھتا تھا تو رشتہ ڈالنے ماروی کے گھر گئی یا نہیں اور تیرا ایک ہی جواب ہوتا کہ نوکری سے لگ جا وہ تجھے مل جائے گی' پر...... کہاں سب مرادیں پوری کر کے بھی میں خالی ہاتھ ہی رہا اور وہ مراد سب کچھ پا گیا ماروی کی محبت' اس کا وجود اس کا دل سب اس کا تھا وہ تو میرے نام پر تھوکتی تک نہیں تھی اسے مجھ سے نفرت جو تھی۔ میری شکل اسے اچھی نہیں لگتی تھی اس لیے اماں میں کیا کرتا میں نے بھی اس سے اس کے دل کی خوشی چھین لی اگر وہ میری نہیں تو پھر مراد کی بھی نہیں ہاں اماں...... اس نے کہتے کہتے سکتے میں بیٹھی نذیراں کا ہاتھ ہلایا تھا جو اس کے منہ سے زہر بھرے انکشافات سن رہی تھی۔

''تو نے کیا کیا...... میرل......'' اس نے بیٹھتے دل کے ساتھ سرسراتی آواز میں پوچھا تھا۔

''کیا کرتا اماں...... سائیں کو جوان خوب صورت' حسین عورت کی ضرورت تھی' وہ ہر رات جشن جو مناتا ہے میں نے اسے ماروی دے دی اس کے لوگوں کے ساتھ مل کر رات کی تاریکی میں اسے گھر سے اٹھوالیا اس کے بڈھے ماں باپ کیا کرتے انہیں ماروی کا سودا کرنا پڑا' ورنہ سائیں کے لوگ اسے یوں بھی لے ہی جاتے......'' وہ شکستگی سے ٹوٹے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''بدبخت یہ کیا کر دیا تو نے۔'' نذیراں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے دھاڑی تھی۔

''تجھے اپنی بہنیں یاد نہیں آئیں' تجھے لاج' شرم نہ آئی۔''

''میں اور کیا کرتا اماں۔'' اس نے وحشت سے نذیراں کے دونوں ہاتھوں کو تھامتے ہوئے بے قراری سے کہا۔

''ماروی نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا تھا' میرے خواب' میری محبت' میری خوشیاں' میری زندگی سب اس نے مراد کو دان کر دی تھیں' وہ اسے چاہتی تھی پھر میں اپنی خوشیاں' اپنی زندگی اپنی محبت کیسے اس کے پاس رہنے دیتا' کیوں نہ واپس لیتا؟'' وہ سرخ آنکھوں سے اسے تکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اب نہ میں ہوں نہ مراد اس کی زندگی میں کوئی نہیں ہے پھر بھی...... پھر بھی مجھے صبر نہیں آتا...... میرے دل کو قرار نہیں ملتا نجانے کیوں اس کی طلب مجھے بھٹکائے رکھتی ہے۔ اس کی یاد آنسو بن کر آنکھوں سے بہتی رہتی ہے۔ یوں لگتا ہے وہ دور کہیں روتی۔ ہے یاد کرتی ہے' پکارتی ہے مگر نہیں ملتی' اب وہ تصور میں بھی دکھائی نہیں دیتی۔'' وہ سر پکڑ کر روتے ہوئے اپنا دکھ ڈھو رہا تھا۔ وہ دکھ جس کی فصل اس نے خود ہی بوئی تھی اپنی کم ظرفی کے ہاتھوں اور تمام عمر جیتے جی خود ہی کاٹنی تھی۔

سباس گل

"چاند نظر آ گیا' چاند نظر آ گیا۔" اشہد نے عید کا چاند دیکھتے ہی خوشی کے مارے بچوں کی طرح شور مچا دیا۔ خالہ اور سائرہ بھی چھت پر ہی موجود تھیں۔ عطیہ خالہ نے اس کے یوں شور مچانے پر تیز لہجے میں کہا۔

"تو تجھے کیا رویت ہلال کمیٹی والوں نے اعلان کرنے کا ذمہ سونپ رکھا ہے جو یوں گلا پھاڑ پھاڑ کر بتا رہا ہے؟"

"عید کا چاند ہے تو گلا پھاڑ پھاڑ کر ہی بتانا چاہیے ناں خوشی کی بات ہے۔" وہ انہیں دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولا۔

"کون سی خوشی؟" بائیس سالہ خوش شکل' دلربا سی سائرہ نے خوبرو اشہد کو تنک کر دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"عید کی خوشی مائی ڈیئر وائف!" وہ شوخی سے بولا۔

"عید کی کیا خاک خوشی منائیں گے ہم؟" گھر میں سویاں پکانے کو چینی تک نہیں' دودھ بھی ختم ہوگیا ہے' عید کے دن بھی ہم نمکین ہی رہیں گے۔ عید کا جوڑا سل گیا تو جوتا رہ گیا۔ مہندی آ گئی تو چوڑیاں رہ گئیں۔ کیونکہ چوڑیاں بھی چار پانچ سو روپے کی آئیں گی۔ ہماری بھی کوئی عید ہے بھلا؟"

"عید تو سب کے لیے آتی ہے سائرہ!" وہ بولا۔

"جی نہیں عید صرف پیسے والوں کی ہوتی ہے سال میں دو بار نہیں بار بار ہوتی ہے جب من چاہا' جوتا خرید لیا' کھانا بڑے بڑے فائیو اسٹار ہوٹلوں میں جا کر یا گھر منگوا کے کھالیا اور عید کے دن تو درجنوں پکوان پکتے ہوں گے ان بنگلے گاڑیوں والوں کے گھر میں۔ عید ملن پارٹی کے نام پر لاکھوں خرچ کرتے ہیں یہ لوگ۔ ایک ہم ہیں' عید کے دن بھی سویاں ...... پکانے کو چینی کے محتاج ہوئے بیٹھے ہیں۔" سائرہ روہانسی ہو کر جلے دل کے ساتھ بولتی چلی گئی اور عطیہ اور اشہد اسے تاسف سے دیکھتے رہے۔

"بس اتنی سی بات پر عید کی خوشی نہیں مناؤ گی تم؟ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرو گی کہ اس نے تمہیں رمضان کے بعد عید کا تحفہ دیا' انعام دیا' خوشی دی' رمضان میں تو تم نے خوب جم کے عبادت کی تھی ناں' پھر اس عبادت کا صلہ' ثواب' انعام کچھ نہیں دے گا کیا وہ تمہیں؟" اشہد نے اس کی نرگسی آنکھوں میں اداسی اور احساس محرومی دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا تو وہ ناراض لہجے میں بولی۔

"مجھے کیا پتا؟"

"کیوں؟ کیا تمہیں اپنی عبادات پر بھروسہ نہیں یا اللہ کی رحمتوں اور عنایتوں پر شک ہے؟" اشہد بہت غور سے اس کے چہرے پر پھیلی افسردگی دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"پتا نہیں' آدھی ادھوری زندگی ہے ہماری خوشیاں بھی ہمیں بٹ بٹ کے کٹ کٹ کے ملتی ہیں' کبھی پوری اور مکمل خوشی بھی ملی ہے ہمیں؟ کپڑے نئے مل گئے' سل گئے تو جوتے وہی پرانے' جوتے نئے تو کپڑے پرانے' کچھ کھانے کو دل کرے تو پہلے باورچی خانے میں راشن اور گھر کا بجٹ دیکھنا پڑتا ہے کہ کہیں ذرا سی عیاشی سے چار دن کا کھانا نہ رہ جائے۔ بجلی' گیس کے بل باقاعدگی سے بھرتے رہو چاہے دل خالی ہو جائے' عید کے موقع پر بھی میں اپنے لیے چوڑیاں نہیں خرید سکی جانتے ہو کیوں؟" سائرہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اشہد شرمندہ سا ہو رہا تھا۔

"کیونکہ اگر میں چوڑیاں خرید لیتی تو سویاں رہ جاتیں اور عید کے دن بھی اگر ہمارے گھر میں سویاں نہ پکیں تو تف ہے ہماری اوقات پر۔ پھر تو عید کا بھی نہ پتا چلے۔ آج آخری روزہ تھا ناں' تو اماں نے شربت اور حلوہ بنا کر مسجد اور محلے میں بھیج دیا تو چینی تو ختم ہونی تھی ناں' اب سویوں میں نمک' مرچ ڈال کر پکائیں گے کیا؟ نمکین سویاں میٹھی عید پر کھائیں گے ہم؟"

"ویسے آئیڈیا برا نہیں ہے' نمکین سویاں تو خالہ پکاتی بھی

بہت مزیدار ہیں۔'' اشہد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہونہہ..... میٹھی عید پر نمکین سویاں بہت اچھی لگیں گی ناں۔'' وہ تپ کر بولی۔

''ہاں بالکل۔'' وہ مسکرایا۔

''تم تو بس رہنے دو' تم سے بھی کچھ نہیں ہوتا۔ صبر و قناعت کی گھٹی پی رکھی ہے تم نے تو ہر موقع پر وہی کافی ہے تمہارے لیے اور میں اگر چوڑیوں کے بنا عید مناؤں گی تو تم کو اس سے کیا؟ میری عید نہ ہو کیا فرق پڑتا ہے؟ لعنت ہو ایسی حکومت پر جس نے غریب اور سفید پوش لوگوں سے چوڑیاں اور سویاں خریدنے کی خوشی بھی چھین لی اور استطاعت نہیں رہنے دی۔'' سائرہ کا پارہ ہائی ہو رہا تھا۔ پورا مہینہ بہت خشوع و خضوع سے عبادت کرنے کے بعد اب اس کا پیمانہ صبر لبریز ہوا تھا تو اس خیال سے کہ عید کے دن ان کے گھر میٹھی سویاں نہیں پکیں گی اور اس کی سونی کلائیاں چوڑیوں سے نہیں سجیں گی۔

''ارے کیا ہوا؟ تم پھولوں کے گجرے بنا کر پہن لینا' چنبیلی کی کلیاں اور گلاب کے پھول تم نے اپنے آنگن میں لگا تو رکھے ہیں۔ تمہارے ہاتھوں میں سجتے بھی بہت ہیں۔'' اشہد نے اسے چاہت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں جب انسان مہیا نہ کرسکے یہ چیزیں' پوری نہ کرسکے دوسروں کے لیے تو وہ یونہی باتوں کے خزانے لٹاتا ہے دل کے بہلانے کو یہ خیال اچھا ہے۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''اچھا نہیں' بہت اچھا ہے۔''

''بس رہنے دو۔'' وہ خفگی سے منہ بسورتی نیچے سیڑھیاں اتر گئی۔ وہ بھی اداس ہوگیا تھا اسے اداس دیکھ کر۔

☾.....☆.....☆.....☾

سائرہ' اشہد کی منکوحہ تھی اور خالہ زاد بھی ایک سال پہلے ان دونوں کا نکاح ہوا تھا۔ سائرہ کے والد ساجد شفیق ڈیڑھ برس قبل گردے فیل ہوجانے کے باعث انتقال کر گئے تھے۔ ان کے انتقال نے سائرہ کو چڑچڑا بنا دیا تھا وہ اپنے ابا کی لاڈلی بیٹی تھی۔ ابا کا تحفہ تھا اشہد سے اس کا نکاح۔ کیونکہ وہ دونوں ایک دوجے کو چاہتے تھے اور نکاح کے بندھن میں بندھ کر وہ دونوں ایک ہوگئے تھے۔

ساجد شفیق اسکول ٹیچر تھے ان کی زندگی میں حالات اتنے خراب نہیں تھے۔ گردوں کی بیماری اور علاج کے اخراجات نے ساری جمع پونجی خرچ کرادی تھی۔ ان کا ایک بیٹا تھا راشد شفیق جو بینک میں ملازم تھا۔ اچھی تنخواہ اور سہولیات حاصل تھیں اسے مگر دل میں جگہ نہیں تھی کہ ماں باپ' بہن پر کچھ خرچ کر کے خوش ہوتا۔ شادی کے بعد بیوی نے اسے ماں باپ اور بہن سے بدظن کر دیا تھا اور الگ کروا کے ہی دم لیا تھا۔ وہ دو چار مہینے میں آ کر شکل دکھا جاتا تھا۔ ماں باپ' بہن نے نہ اس سے کبھی پیسے مانگے نہ اسے خیال آیا کہ انہیں کچھ ماہانہ خرچ ہی دے دیا کرے۔ لہٰذا گھر کے حالات تو خراب ہونے ہی تھے۔ سائرہ بھی گھر میں ٹیوشن پڑھانے لگی تھی۔

اشہد کے والد زاہد اور والدہ ثریا میں علیحدگی ہوگئی تھی تب

اشہد گیارہ سال کا تھا۔ ماں باپ نے ایک دوسرے سے علیحدگی کے کچھ عرصے بعد دوسری شادی کر کے اپنا گھر پھر سے بسالیا تھا اور اس دوسرے گھر میں اشہد کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ لہٰذا اشہد نانی کے گھر آ گیا تھا۔ نانا نانی کے انتقال کے بعد وہ خالہ عطیہ یعنی سائرہ کی امی اور ابو ساجد شفیق کے محبت بھرے اصرار پر ان کے گھر آ کر رہنے لگا۔ اس وقت وہ بیس برس کا تھا اور سائرہ اٹھارہ برس کی تھی۔ اوپر والا کمرہ اشہد کو دے دیا گیا تھا۔

سائرہ نے بی اے کے پرچے دیئے اور اشہد نے ریاضی میں ماسٹرز کیا تھا۔ بی ایڈ کی ڈگری بھی تھی اس کے پاس اس نے اکیڈمی میں ٹیوشنز پڑھانا شروع کردی تھی اور ساتھ ہی اسکول کی بینک کی اور کئی سرکاری محکموں میں ملازمت کی کوشش بھی جاری رکھے ہوئے تھا' انٹرویوز بھی دیئے تھے مگر ہر جگہ رشوت اور سفارش کا بول بالا تھا۔ ابھی تک کوئی جاب نہ مل سکی تھی اسے۔ وہ سائرہ کو ایک اچھی خوش حال زندگی دینا چاہتا تھا اس لیے مایوس نہیں ہوا تھا اور دن رات کوشش میں لگا ہوا تھا۔

اس کی یہی کوشش اور محنت بالآخر رنگ لے آئی اور اسے آج نوکری کا پروانہ ملا تھا سرکاری اسکول میں ملازمت مل گئی تھی اور اس نے یہ خوش خبری عید کے لیے بچا رکھی تھی۔ ٹیوشن فیس بھی عید کی وجہ سے مل گئی تھی اور وہ عید کے لیے سویاں' چینی' چاول' گھی' دودھ مٹھائی وغیرہ خرید لایا تھا۔ ساتھ میں سائرہ کے لیے میچنگ چوڑیوں کے چار سیٹ لایا تھا اور اسے بتایا تھا نہ خالہ عطیہ کو علم تھا۔ وہ اسے سرپرائز دینا چاہتا تھا۔ مٹھائی کا ڈبہ فرج میں چوڑیاں سائرہ کی الماری میں اور باقی لوازمات باورچی خانے میں رکھ آیا تھا۔

مسجد میں دو نفل شکرانے کے بھی ادا کیے تھے جو اس کی خوشی کے حساب سے بہت ہی کم تھے اس کا احساس اسے بھی تھا اور وہ تو ہر روز دو رکعت نفل شکرانے کے ادا کرنے کی نیت کر چکا تھا۔

''تو دل برا نہ کر بیٹا' صبح تک ٹھیک ہو جائے گی سائرہ۔'' عطیہ خالہ نے اشہد کو گم صم بیٹھے دیکھ کر کہا تو وہ بولا۔

''ان شاء اللہ! صبح تک سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''ان شاء اللہ۔'' عطیہ خالہ بولیں۔

''خالہ...... عید کے دن ہماری رخصتی کی رسم بھی ادا کردیں۔''

''ہائیں! یہ تجھے ایک دم سے بیٹھے بٹھائے رخصتی کی کیا سوجھی؟'' عطیہ خالہ جو چھت پر ہوا کھانے چارپائی پر لیٹی ہی تھی اس کی بات سنتے ہی یوں اٹھ کر بیٹھیں جیسے ہزار واٹ کا کرنٹ لگ گیا ہو۔

''ہم نے کون سا خاندان' برادری کو اکٹھا کرنا ہے۔ نکاح پر کرلیا تھا سب کو جمع رخصتی کی رسم سادگی سے ادا کرلیں گے اور عید سے اچھا مبارک دن بھی کوئی ہوگا بھلا؟'' وہ اطمینان سے بولا۔

''لو اور سنو' یہاں سوئیاں پکانے کو چینی نہیں ہے اور تجھے رخصتی کی سوجھی ہے باؤلا ہوا ہے کیا؟'' عطیہ خالہ نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے انہیں اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو رہا ہو۔

''خالہ! میں نے تو اس میٹھی عید کو میٹھا کرنے کا سوچا تھا' محلے بھر سے سوئیاں کھیر زردہ شیر خرما آتا ہے ہر عید پر' تو اب کے بھی لازمی آئے گا نا' تو آپ ان کو نمکین سوئیاں چاول دہی بھلے کھلا دینا' مٹھائی میں لے کر آیا ہوں وہ بھی پورے دو کلو کا ڈبہ فرج میں رکھا ہے۔'' اشہد نے مسکرا کر بتایا۔

''ہیں' دو کلو کیوں خریدی بھئی؟ ایک کلو ہی بہت تھی۔''

''ایک کلو عید کی خوشی میں ایک کلو ملازمت ملنے کی خوشی میں لایا ہوں خالہ۔'' اس نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

''ہائے کیا سچ تجھے نوکری مل گئی؟'' وہ خوش گوار حیرت میں گھر کر بولیں۔ تو وہ خوشی خوشی بتانے لگا۔

''جی خالہ...... الحمدللہ...... اللہ کے فضل و کرم سے اس مہینے کی برکت اور آپ کی دعاؤں سے مجھے سرکاری اسکول میں نوکری مل گئی ہے۔ تنخواہ بھی پچیس چھبیس ہزار ہو گی ان شاء اللہ۔''

''ان شاء اللہ! بہت مبارک ہو بیٹا! یہ تو سچ مچ خوشیوں والی عید ہو گی بنا مٹھائی اور سوئیوں کے منہ میٹھا کر دیا اس خبر

نے تو اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے' احسان ہے کرم ہے اس کا وہ انعام سے ضرور نوازتا ہے اس مہینے کے روزے رکھنے کا انعام دیا ہے اس نے تجھے۔'' عطیہ خالہ نے خوش ہو کر اسے گلے لگا کر پیار کرتے ہوئے کہا۔

''جی خالہ......اب ہمارے بھی دن پھر جائیں گے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''ابھی تو اس لڑکی کا دماغ پھر گیا ہے چوڑیاں اور سوئیاں نہ ہونے کے صدمے سے اسے جا کے سنا یہ خوش خبری تا کہ اسے بھی عید کی خوشی محسوس ہو۔''

''نہ خالہ! اسے تو یہ خوش خبری میں صبح ہی سناؤں گا عید کی نماز کے بعد گھر آ کر اس دفعہ عید حقیقی اور سچی خوشی دے گی سائرہ کو۔'' اشہد نے مدھم آواز میں کہا۔

''ان شاء اللہ! تو نے بہت بڑی خوش خبری سنائی ہے بیٹا...... جیتا رہے' سدا سکھی رہے' ترقی پائے' میں ذرا شکرانے کے نفل پڑھ لوں۔'' عطیہ خالہ اس کے سر پر دست شفقت پھیرتیں دعائیں دیتی ہوئیں چارپائی سے اترتے ہوئے بولیں۔

''ضرور خالہ۔'' وہ مسکرایا۔

''تو بھی پڑھ لے نعمت ملنے پر سجدہ شکر لازم ہے۔ نہیں تو نعمت میں برکت نہیں رہتی۔'' عطیہ خالہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''صحیح کہا آپ نے خالہ! میں تو شکرانے کے نفل مسجد میں ہی ادا کر کے آیا ہوں اور اب تو ہر روز ادا کروں گا سجدہ شکرانہ ان شاء اللہ تعالیٰ! آج تو خوشیوں کا چاند نکلا ہے ہمارے گھر میں۔'' اشہد نے انہیں دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ خوشی سے پُر لہجے میں بولیں۔

''شکر الحمدللہ۔''

عید کا دن بہت اجلا' روشن اور نکھرا نکھرا سا تھا۔ مساجد کے لاؤڈ اسپیکر سے قرأت اور عید کی نماز و خطبے کی صدائیں سنائی دے رہی تھیں۔ محلے کے بچے ایک دوسرے کے گھروں میں سوئیاں زردہ' کھیر اور شیر خرمہ دینے جا رہے تھے اور بدلے میں عیدی بھی پا رہے تھے۔ خوشی کے رنگ بچوں کے چہروں پر نمایاں تھے۔

سائرہ نے جھلمل کرتا انگوری رنگ کا سنہری کام والا جارجٹ' سلک مکس کپڑے کا بہت خوب صورت چوڑی دار پاجامہ فراک اور کام دار دوپٹہ زیب تن کیا تھا۔ یہ اس کی شادی کے جوڑوں میں سے ایک تھا جو آج عطیہ خالہ نے خاص طور سے اسے نکال کر دیا تھا عید پر پہننے کو۔ وہ میک اپ کیے' کانوں میں جھمکے پہنے بہت حسین اور دلربا لگ رہی تھی۔ میچنگ جوتے پہنے تھے۔ ہاتھوں پر مہندی کا سرخ رنگ کھلکھلا کر اسے عید مبارک کہہ رہا تھا۔ مگر سونی کلائیاں اسے اداس کر رہی تھیں۔ عطیہ خالہ نے جب اسے اشہد کی لائی چوڑیاں لا کر دیں تو وہ خوش گوار حیرت میں مبتلا ہو کر پوچھنے لگی۔

''یہ چوڑیاں کہاں سے آئیں......کون لایا؟''

''بازار سے اشہد لایا ہے۔'' انہوں نے اس کی نظر اتارتے ہوئے جواب دیا۔

''میرے لیے لایا ہے؟''

''نہیں ہما کے لیے لایا ہے' اتنا تو رونا ڈال رکھا تھا تو نے چوڑیاں نہ ہونے کا تو وہ لے آیا تھا تیرے کہنے سے پہلے ہی۔'' عطیہ خالہ نے اسے خوش دیکھ کر بتایا۔

''لے آیا تھا تو رات کو کیوں نہیں بتایا مجھے میں یونہی جلتی بھنتی سو گئی۔'' وہ شکوہ کرنے لگی۔

''جو خوشی مجھے اب ہو رہی ہے وہ رات کو نہ ہوتی ابھی تو اور بھی خوش خبری ہے تیرے واسطے۔''

''وہ کیا اماں...... جلدی بتائیں ناں؟'' وہ بے تاب ہوئی۔

''وہ تو اشہد ہی تجھے بتائے گا۔''

''اچھا......! کہاں رہ گیا وہ نماز تو ہو چکی ناں۔''

''ہاں تو نماز کے بعد سب سے ملنے ملانے' عید مبارک کہنے میں بھی تو وقت لگے ہے ناں۔'' عطیہ خالہ بولیں۔

''ہاں اماں! راشد بھائی بھابی اور بچوں کو لے کر آئیں گے آج؟'' سائرہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''مرضی ہے اس کی اگر اسے یہ یاد ہوا کہ اس کی ماں' بہن

بھی ہیں زندہ اسی شہر میں رہتی ہیں تو شاید مردہ شکل دکھا جائے آ کے۔" عطیہ خالہ نے افسردگی سے جواب دیا۔

"السلام علیکم! عید مبارک...... عید مبارک۔" اشہد اسی وقت بیرونی دروازے سے اندر داخل ہوا اور انہیں دیکھتے ہی خوشی سے بولا وہ دونوں بھی مسکرانے لگیں۔

"وعلیکم السلام! جیتا رہے، خیر مبارک میرے چاند۔" عطیہ خالہ نے اسے گلے لگا کر دعا دی۔ وہ سفید کرتے شلوار میں بہت جچ رہا تھا۔ سائرہ کو کن انکھیوں سے دیکھ رہا تھا جو اس کے دیکھنے پر ناراضگی کا تاثر دینے کو رخ پھیر گئی تھی۔

"خالہ! آپ کی بیٹی کا موڈ کیوں آف ہے عید مبارک بھی نہیں کہا؟" اشہد دیکھ تو سائرہ کو رہا تھا اور پوچھ عطیہ خالہ سے رہا تھا وہ مسکراتے ہوئے دونوں کو دیکھنے لگیں۔

"یہ تو خود ہی پوچھ لے اپنی جورو سے۔ میں ذرا باورچی خانے میں دیکھ لوں مہمانوں کے کھانے پینے کا بندوبست کروں جا کے۔" وہ یہ کہہ کر باورچی خانے کی طرف چلی گئیں۔

"یہ میٹھی عید پر نمکین سوئیاں کیوں بیگم صاحبہ؟" اشہد نے اس کے قریب آ کر معنی خیز بات کہی تھی۔ اس نے خفگی سے اسے گھورا۔

"چوڑیاں لے آئے تو بتا نہیں سکتے تھے، پہنا نہیں سکتے تھے؟"

"بس اتنی سی بات، لو ابھی پہنا دیتے ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا اور اس کے ہاتھ سے چوڑیاں لے کر ریپر اتارا اور باری باری اس کے دونوں ہاتھوں کی کلائیوں میں پہنا دیں۔

"لو اب خوش۔"

"خوش۔" وہ شرمیلے پن سے مسکراتے ہوئے چوڑیوں پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ اشہد اسے بہت پیار بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"عید مبارک تو کہہ دو وہ کیا پڑوسن کہے گی مجھے؟"

"جان نہیں نکال لوں گی میں پڑوسن کی۔" وہ فوراً حق جتاتے ہوئے خطرناک لہجے میں بولی تو اس نے معنی خیز اور شریر لہجے میں کہا۔

"جان تو اس وقت تم میری نکال رہی ہو جان اشہد!"

"پیچھے ہٹو۔" وہ شرما کر اسے ہاتھوں سے پیچھے دھکیلتے ہوئے بولی وہ ہنس پڑا۔

"پیچھے نہیں ہٹنے والا میں نے خالہ سے کہہ دیا ہے آج تمہاری رخصتی دے دیں مجھے اسی لیے تو خالہ نے تمہیں شادی کا سوٹ پہننے کو دیا تھا۔" اشہد کے انکشاف پر وہ ہکا بکا رہ گئی۔

"یہ چیٹنگ ہے اشہد۔" چند ثانیے بعد وہ سنبھل کر بولی تو اشہد کا جواب بھی خاصا معنی خیز تھا۔

"وہی تو، یہ چیٹنگ ہے سائرہ! اتنی بجی سنوری ہو میری ہو اور مجھ سے دور رہو تو یہ چیٹنگ ہی ہے ناں جان!"

"اشہد۔" اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا وہ بری طرح سٹپٹا گئی تھی۔

اس وقت دروازے پر دستک ہوئی اور راشد شفیق اپنی بیوی اور دو بچوں کے ہمراہ گھر میں داخل ہوا۔ سوائے اشہد کے وہ دونوں ماں بیٹی انہیں وہاں دیکھ کر حیرت ومسرت سے آبدیدہ ہو گئیں۔ وہ یہاں یونہی نہیں چلے آئے تھے۔ راشد شفیق کو والدین سے منہ موڑنے کی کافی سزا مل چکی تھی۔ جس ملازمت پر غرور تھا ان کو ان کی بیوی ثناء کو وہ ملازمت ختم ہو گئی تھی اور وہ آج کل ایک پرائیویٹ جاب کر رہے تھے۔ تنخواہ پہلی ملازمت کے مقابلے میں آدھی تھی۔ ثناء تیسری بار امید سے ہوئی تھی اور اس کا مس کیرج ہو گیا تھا اور وہ دوبارہ ماں نہیں بن سکتی تھی۔ اب اسے ماں کی باپ کی چھت اور اولاد کی قدر واہمیت کا احساس ہو رہا تھا بلکہ ان سب کی وجوہات ان کے والدین سے بدسلوکی اور ان کی طرف سے اپنی ذمہ داریاں ادا نہ کرنا تھا۔ یہ احساس ان دونوں کو وقتاً فوقتاً اشہد ان کے گھر جا کر دلاتا رہا تھا۔ تب بھی ان کو اتنی شدت سے اپنے رویوں کی بدصورتی کا اتنا احساس نہ ہوا تھا بس ٹالتے رہتے تھے۔ جواز ڈھونڈتے رہتے تھے اپنے ساتھ پیش آنے والے حادثات کے لیکن جب راشد شفیق کی موٹر سائیکل دفتر کی پارکنگ ایریا سے چوری ہو گئی اور اس کی ذمہ داری کسی چوکیدار یا چپڑاسی نے قبول نہ کی اور وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا تب اسے شدت سے احساس ہوا کہ یہ سب جو اس کے اور

اس کی فیملی کے ساتھ ہو رہا ہے یہ سب والدین کا دل دکھانے ان کو برا بھلا کہنے ان کی تکلیف اور مشکل میں ان کا خیال نہ رکھنے، خدمت نہ کرنے کا نتیجہ ہے تو وہ اپنے رویوں اپنی باتوں پر بہت شرمسار ہوئے۔ اللہ سے بھی معافی مانگی اور اشہد کے بلانے پر عید کے دن اپنی ماں اور بہن سے معافی مانگنے چلے آئے یہ یقین کرکے کہ عید کے دن تو دشمن بھی آپ کے گھر آجائے تو اسے معاف کرکے گلے لگالینا چاہیے اور ایسا ہی ہوتا ہے۔ ان کے معاملے میں بھی ایسا ہی ہوا تھا یہاں تو ماں اور بہن سامنے تھیں وہ بھلا کیسے نہ معاف کرتیں انہیں، انہوں نے دل سے انہیں معاف کردیا تھا۔

”اتنا کچھ تیرے ساتھ ہوا اور تو نے ہمیں بتایا تک نہیں مشکل پریشانی میں اپنے ہی کام آتے ہیں بیٹا۔“ عطیہ خالہ ان کی آپ بیتی سن کر بولیں تو راشد شفیق نے ندامت سے پُر لہجے میں کہا۔

”آپ کی مشکل اور پریشانی میں، ہم نے آپ کو نہیں پوچھا تھا تو اپنی مشکل اور پریشانی آپ کو کس منہ سے بتاتے اور مدد مانگتے؟“

”بیٹا! میں ماں ہوں اور مائیں ادلے بدلے نہیں کیا کرتیں۔ ماں کا دل تو اپنی اولاد کی ذراسی تکلیف اور پریشانی پر تڑپ اٹھتا ہے۔“

”آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں اماں! ہم نے ہی آپ کی قدر نہیں کی اپنے فرائض ادا نہیں کیے جب ہی تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ سبق دیا اور اتنی بار دیا کہ ہمیں اپنی زیادتیاں اور غلطیاں سمجھ میں آگئیں۔ ہم بہت بے حس ہوگئے تھے اماں، آپ بس ہمیں معاف کردیں۔“ ثناء بھابی نے عطیہ خالہ کے ہاتھ تھام کر دل سے معافی مانگتے ہوئے کہا۔ راشد شفیق بھی فوراً بولا۔

”جی اماں، عید کی خوشی کا موقع ہے ہمیں بھی خوشی دے دیں معافی دے دیں۔“

”راشد اور ثنا بیٹے اگر تو تم دونوں صرف معافی مانگنے آئے ہو تو میں نے دل سے معاف کردیا دونوں کو۔ ہاں اگر یہ خیال تمہیں یہاں کھینچ لایا ہے کہ اس گھر کو اپنے نام کرالو گے یا حصے کا تقاضا کرو گے تو کان کھول کر سن لو دونوں۔ تمہارے ابا مرحوم نے یہ مکان سائرہ کے نام لکھ دیا تھا۔ تیرے لیے وہ جو کرسکتے تھے کیا، پڑھایا لکھایا، اچھی نوکری پر لگوایا۔ شادی کرائی اپنا ہر فرض ادا کیا انہوں نے باقی سائرہ کو اپنی زندگی میں وہ بیاہ تو نہ سکے پر اس کے نام یہ مکان کردیا تھا۔ اس کی شادی کے تحفے کے طور پر اب اگر تجھے اس مکان میں اپنا حصہ چاہیے یا پورا مکان اپنے نام کرانے کی نیت سے آیا ہے تو بیٹا ابھی واپس چلا جا ہمیں تم سب کے بغیر جینے کی عادت پڑ چکی ہے۔ دعائیں دے سکتی ہوں میں تمہیں بیٹی کا حق نہیں دے سکتی۔ بڑا بیٹا اور بھائی ہونے کے ناطے یہ تیرا فرض تھا کہ بہن کی شادی کرتا سارے انتظامات اپنے ہاتھ اور جیب سے کرتا، مگر تو شادی ہوتے ہی پرایا ہوگیا جیسے ماں باپ، بہن تو ہیں ہی نہیں تیرے ماں باپ نے تو اپنے فرض ادا کردیئے تھے تجھے ہی اپنے فرائض یاد نہ رہے۔ رشتوں پر حق جتالے جتنا چاہے پر چیزوں پر حق نہ جتائیو کیونکہ تیری محنت کی کمائی سے اس گھر میں ایک اینٹ تک نہیں لگی نہ اور کوئی سازوسامان تیرا خریدا اور لایا ہوا ہے یہاں۔“ عطیہ خالہ نے بنالحاظ کیے صاف اور دوٹوک لہجے میں بات کی تو وہ دونوں میاں بیوی شرمندگی سے زمین میں گڑھ گئے۔

”خالہ چھوڑیں بھی آپ بھی کیا باتیں لے کر بیٹھ گئیں۔“ اشہد نے نرمی سے کہا۔

”یہ باتیں ضروری ہیں بیٹا! مجھ میں اب اتنا حوصلہ نہیں ہے کہ میں بیٹے کو پھر سے رنگ بدلتے ہوئے دیکھ سکوں اس کے ایک دفعہ کے لالچ اور خود غرضی نے جو دکھ ہمیں دیا تھا اس سے ہم نے بہت کچھ سیکھ لیا ہے جبھی صاف صاف کہہ رہی ہوں کہ اگر دل سے پشیمان ہوکے معافی مانگنے آیا ہے تو دی معافی، لیکن اگر اس مکان میں اپنا حق اور حصہ مانگنے آیا ہے تو ابھی واپس چلا جائے اور دوبارہ اپنی شکل نہ دکھائے ہمیں۔ ہمارا برا، کڑا وقت گزار ہی دیا اللہ تعالیٰ نے ان کا بھی گزر جائے گا۔ پر خود غرضی اور بے حسی کی چادر اوڑھ کے ہم سے ناطے نہ رکھیں یہ بس۔“ عطیہ خالہ نے دل پر پتھر رکھ کر کہا اور ان کا اٹل اور مضبوط لہجہ راشد اور ثناء کو اپنی خود غرضیوں کے

سارے سبق یاد دلا گیا تھا۔ وہ شرمندہ تھے دل سے جب ہی راشد نے ماں کے پاؤں پکڑ لیے اور روتے ہوئے معافی مانگنے لگا۔

''اماں! مجھے معاف کردیں میں دل سے اپنے کیے پر شرمندہ ہوں۔ آپ سب کو چھوڑ کر میں نے بہت نقصان اٹھایا ہے۔ مجھے اندازہ ہوگیا ہے کہ والدین کی نافرمانی کرنے والا انہیں دکھ دینے والا مصیبت اور ضرورت میں انہیں چھوڑ دینے والا کبھی خوش نہیں رہ سکتا۔ ہمیشہ برباد ہوتا ہے۔ بس آپ مجھے معاف کردیں اماں! میں آئندہ سے اپنا ہر فرض ہر ذمہ داری بخوشی ادا کروں گا۔ مجھے کوئی حصہ نہیں چاہئے اس مکان میں۔ مجھے تو آپ کے پیار میں حصہ چاہیے' آپ کی دعاؤں میں اپنا حصہ چاہئے اماں' مجھے اس سے محروم نہ کرنا پلیز۔'' راشد شفیق نے بھیگی آواز میں ندامت سے پُر لہجے میں کہا تو عطیہ خالہ بھی آبدیدہ ہوگئیں اور اسے گلے سے لگالیا۔

''اولاد کتنی ہی نافرمان اور بے حس کیوں نہ ہو۔ ماں باپ کبھی بھی اسے پیار اور دعا دینا نہیں بھولتے یہی فرق ہے ماں باپ کی بے غرض محبت اور اولاد کی خودغرض چاہت میں۔ جا معاف کیا اب جلدی سے منہ ہاتھ دھوکے آ میں سوئیاں لاتی ہوں تیرے لیے۔'' عطیہ خالہ نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''دادو ہمارے لیے بھی۔'' پوتا پوتی کی معصوم آوازوں پر عطیہ خالہ نہال ہوگئیں اور بانہیں پھیلا کر دونوں بچوں کو اپنے سینے سے لگالیا۔

''عید مبارک اماں۔'' ثنا بھی جھجکتی ہوئی ان کے گلے آ لگی۔

''عید مبارک بہو' جیتی رہ' سدا سکھی اور سہاگن رہے۔'' عطیہ خالہ نے گرم جوشی سے اسے اپنا ساتھ بٹھاتے ہوئے دل سے دعا دی۔ اشہد اور سائرہ خاموشی سے یہ سب دیکھ رہے تھے اور مسکرا رہے تھے۔

''معافی تلافی ہوگئی ہو تو میں کچھ کہوں۔'' اشہد مسکراتے ہوئے بولا۔ تو عطیہ خالہ نے فوراً سے باورچی خانے سے باہر جھانکتے ہوئے کہا۔

''بالکل نہیں تو چپ ہی رہ آج تیری شادی ہے اور شادی کے دن دلہا نہیں بولتا۔''

''کیوں خالہ؟ دلہا نہ شادی کے دن بولے نہ ہی شادی کے بعد اسے بولنے دیا جاتا ہے بے چارہ کرے تو کیا کرے؟'' اشہد نے ہنس کر کہا تو سائرہ شادی کی بات سن کر شرما گئی اور مسکراتے ہوئے وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

''تجھے شوق تھا نہ رخصتی کرانے کا اب کاہے گھبراتا ہے سائرہ کے بھائی بھاوج بھی آگئے ہیں اب تو اور دو چار محلے داروں کو بھی کہہ رکھا ہے میں نے آتے ہی ہوں گے۔ خیر سے آج میری سائرہ بھی رخصت ہوجائے گی گھر گرہستی والی ہوجائے گی اور میرا یہ فرض بھی آج ادا ہوجائے گا۔'' عطیہ خالہ نے خوشی سے پُر لہجے میں کہا۔ راشد ثنا اور دونوں بچے جن کی عمریں چار سال تھیں دونوں جڑواں تھے باسط اور حنا وہ بھی بہت خوش ہو رہے تھے ان کی باتیں سن کر۔

''ان شاء اللہ۔'' راشد اور ثناء نے ایک ساتھ کہا۔

''لو سوئیاں کھاؤ۔'' عطیہ خالہ نے ٹرے میں سوئیوں کی پلیٹیں سجا کر ان سب کے سامنے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

''اماں یہ سوئیاں تو نمکین ہیں۔'' ثناء چمچ لیتے ہی ذائقہ محسوس کرتے ہوئے بولی۔

''واقعی اماں! میٹھی عید اور نمکین سوئیاں۔'' راشد نے بھی سوئیاں چکھ کر حیرت سے کہا۔

''وہ اس لیے کہ اتنے میٹھے میٹھے واقعات اور لمحات پیش آرہے ہیں تو بیلنس رکھنے کے لیے نمکین سوئیاں پکائی ہیں خالہ نے۔'' اشہد نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ دونوں ہنس دیے۔

''سائرہ! آجا تو بھی سوئیاں کھالے صبح سے کچھ نہیں کھایا تو نے۔'' عطیہ خالہ نے سائرہ کو آواز دی۔

''اماں دلہن کو بھی نمکین سوئیاں کھلائیں گی کیا؟'' ثناء نے ہنس کر کہا۔ تب تک سائرہ بھی شرمائی لجائی سی کمرے سے باہر چلی آئی۔

''اور نہیں تو کیا' دلہن کا منہ تو سب سے زیادہ میٹھا ہے آج۔'' عطیہ خالہ مسکراتے ہوئے سائرہ کو پکڑ کر بیٹھاتے ہوئے بولیں۔

''ثناء! مٹھائی لائے تھے ہم ڈبہ نکال کے دو اماں کو اور اماں کتنے مہمان آرہے ہیں مجھے بتائیں میں اس حساب سے مٹھائی اور باقی انتظام کرلیتا ہوں۔'' راشد نے بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا پھر ماں سے مخاطب ہوا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ سب انتظام ہے۔'' اشہد رات شیر خورمہ کا سامان' شربت کی بوتل' مٹھائی' چینی سب لے آیا تھا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ سب ہوجائے گا۔ ہم نے کون سا سو پچاس مہمان بلائے ہیں۔ بیس پچیس ہوں گے محلے بھر سے اور ٹھنڈی بوتلیں شام میں کولڈ ڈرنک والا دے جائے گا۔ سادگی سے شادی کا اعلان تو حکومت بہت کرے ہے پر عمل نہ کرا سکے پر ہمارے جیسے سفید پوش تو اپنا بھرم رکھ سکیں ناں۔ اس پر عمل کر کے مٹھائی اور ٹھنڈی بوتلیں کافی ہیں۔ ساتھ میں سویاں اور شیر خورمہ خاص مہمانوں کو پیش کریں گے کیوں ٹھیک ہے نا بہو۔'' عطیہ خالہ نے سنجیدگی سے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے ثناء کو دیکھ کر کہا تو وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''جی اماں...... ٹھیک ہے جو آپ کو صحیح لگے پر کچھ جہیز بھی تو دینا ہوگا نا ہمیں اپنی سائرہ کو یوں خالی ہاتھ کیسے رخصت کریں گے؟'' ثنا سنجیدگی سے بولی۔

''میں نے سائرہ کو جہیز میں تمیز' تہذیب' اخلاقیات اور تعلیم کا محبت سے گھر بسانے اور قربانی دینے کا جذبہ احساس و عمل دیا ہے۔ کوئی ہے اس سے اچھا جہیز؟ میرے اشہد کو تو نہیں چاہیے اس کے سوا کچھ بھی اور ماشاء اللہ اب تو اشہد کی نوکری بھی لگ گئی ہے پچیس ہزار تو کمائے گا ہی مہینے میں اور کیا چاہیے سائرہ کو؟ دونوں مل جل کر زندگی کی گاڑی چلا لیں گے۔'' عطیہ خالہ نے مسکراتے ہوئے بتایا تو ان دونوں سے زیادہ سائرہ کو حیرت بلکہ خوش گوار حیرت ہوئی اس کی نوکری کا سن کر۔

''تمہیں نوکری کب ملی؟'' سائرہ نے بے اختیار پوچھا۔

''کل۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''تو کل کیوں نہیں بتایا؟'' فوراً اگلا سوال آیا۔

''عید کی خوشی دوبالا جو کرنی تھی تمہیں یہ تحفہ دے کر۔''

''نمکین سوئیوں کے ساتھ؟'' سائرہ نے پیار بھری خفگی سے اسے دیکھا تو وہ ہنس کر بولا۔

''میٹھی خوشیوں کے ساتھ نمکین سویاں بھی مزا دیتی ہیں۔''

''سچ تو کہہ رہا ہے اشہد! تمہارے لیے خوشیاں جمع کررہا تھا اور آج عید کے مبارک دن تمہیں اتنی ساری خوشیاں دے رہا ہے۔ ہمیں بھی یہاں آنے کا...... حوصلہ اشہد نے ہی دیا تھا۔ ورنہ سچی بات ہے ہماری ہمت نہیں ہورہی تھی۔ اماں کا سامنا کرنے کی۔ تم بہت خوش نصیب ہو میری بہن کہ تمہیں اشہد جیسا سمجھ دار اور احساس کرنے والا خیال کرنے والا شریک زندگی ملا ہے۔ سچ پوچھو تو پہلے میں اشہد سے تمہارے رشتے کے حق میں نہیں تھا مگر وقت اور حالات نے ثابت کیا کہ ابا اماں کا فیصلہ بہت اچھا تھا۔ اشہد تمہارے لیے بہترین انتخاب ہے۔ اللہ تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے آمین۔'' راشد شفیق نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے سائرہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر سنجیدہ مگر نرم لہجے میں کہا۔

''آمین!'' ان تینوں نے کہا۔

سائرہ خوشی اور حیا سے کھلی جارہی تھی' شرمیلے پن سے مسکرارہی تھی۔ اس عید کی صبح جتنی حسین اور خوش گوار تھی۔ اس کی شام اس سے بھی زیادہ خوش گوار' بہار سراپا پیار تھی۔ سائرہ اور اشہد کی میٹھی عید ان سب کی دعاؤں سے ان کی محبتوں سے اور بھی میٹھی اور خوش گوار ہوگئی تھی۔ نمکین سویوں کے ساتھ اتنی یادگار عید شاید ہی دوبارہ آتی۔

جس میں وہ دونوں ایک نئی زندگی...... نئے سفر کا آغاز کررہے تھے۔ جس میں آنے والی ساری عیدیں انہیں ایک دوجے کے سنگ منانا تھیں۔ یہ خوشی ان دونوں کے لیے روح افزاء تھی۔ ان دونوں کے ساتھ عید بھی مسکرارہی تھی۔

پیامِ عید، روشن سحر

نبیلہ نازش راؤ

رمضان کا آخری عشرہ چل رہا تھا' عید کی آمد آمد تھی اور منیر صاحب کے ہاں میکے جانے کی تیاریاں زور وشور سے جاری تھیں۔ پچھلے ایک ہفتے سے صوفشاں بچوں کے پیچھے پڑی ہوئی تھیں کہ کسی نے بھی اپنا اپنا بیگ تیار نہیں کیا تھا۔ ادھران کے شوہر نامدار غصہ ہورہے تھے آفس سے بمشکل چند چھٹیاں ملی تھیں۔ لگتا تھا وہ بھی ان کی تیاریوں کی نذر ہوجائیں گی۔ منیر صاحب ویسے بھی میکسی جانے سے ہمیشہ الرجک رہتے تھے محض بیوی بچوں کے شدید اصرار پر دل پر پتھر رکھ کر ہامی بھرتے تھے۔

صوفشاں شوہر منیر صاحب کو تسلی دے رہی تھیں' کل روانہ ہوجائیں گے ان شاء اللہ اور عید کے فوراً بعد شادی اور پھر شادی بھی منیر صاحب کی بہن اور صوفشاں کی بھابی کی بیٹی تھی۔ دہرا رشتہ تھا اور رشتہ یہ کہ جس سے شادی ہورہی تھی وہ رشتہ داروں میں سے تھا سو ہر طرف کا خیال رکھنا پڑ رہا تھا۔ بچوں نے کچھ بھی نہ کیا تھا سارا جھنجٹ خود ہی نپٹانا پڑ رہا تھا' اگلے روز افراتفری کا سا سماں تھا ان کو ڈر تھا کچھ رہ نہ جائے۔ دو بجے کی قریب ٹرین روانہ ہوئی طویل سفر کے بعد جب وہ منزل مقصود پر پہنچے تو روزہ کھلنے والا تھا۔

❁ ❁ ❁

"پہلے دادو کے گھر چلنا ہے کہ ماموں کے ہاں؟" منیر نے سب سے مشترکہ دریافت کیا۔ صوفشاں دانستہ چپ رہیں کہ اگر انہوں نے میکے والوں کو ترجیح دی تو خوامخواہ منیر صاحب کو طعنہ زنی کا بہانا ہاتھ آجائے گا کہ سسرالی رشتہ داروں کو عزیز نہیں رکھتی۔ یوں بھی ان کے لیے مسئلہ نہیں تھا میکہ اور سسرال کے درمیان محض ایک چھوٹی سی گلی کا فاصلہ ہی تو حائل تھا بلکہ جس طرح مکان بنے ہوئے تھے اس لحاظ سے سسرالی گھر کی پچھلی دیوار میکے کے چھت سے ملی ہوئی تھی' کون سا کوسوں کا سفر تھا بیچ میں۔

"پہلے دادو سے ملیں گے پھر مامی کے ہاں۔" فسابیہ نے فیصلہ کردیا تھا۔

نذیراں مامی کے ہاں بچوں کا زیادہ دل اس لیے لگتا تھا کہ ان کی ڈھیر ساری اولادیں تھیں جن میں سے کچھ ان تینوں کے ہم عمر بھی تھے' رونق بھی خوب لگتی تھی۔ دادو کے ہاں محبوب چاچا اور حسینہ چاچی ہی تھیں اور ان کے دونوں بچے بہت چھوٹے تھے۔ کچھ عرصہ پہلے ہی تو شادی ہوئی تھی' نذیراں سب سے بڑی تھیں ان کے بعد منیر صاحب اور پھر محبوب چاچا تھے۔

"کون ہے بھئی! اے خشنود ذرا دیکھ تو۔" دستک دینے کی زوردار آواز پر گھر کے وسیع وعریض صحن میں ایک کونے پر جائے نماز بچھائے بیٹھی دادو نے غالباً کام کرنے والی لڑکی کو آواز دے کر کہا تھا۔

"ہائے بی بی جی! پروہنے آئے ہیں شہر سے۔" جونہی خشنود نے پھاٹک کھولا دل پر ہاتھ رکھ کے خوشی سے چیخی تھی۔

"بسم اللہ...... میرے بچے آئے ہیں۔" دادو تسبیح جائے نماز پر چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"دادو...... پیاری دادو......" فسابیہ سعادی اور فاطمہ سفر کی تھکن بھلا کر ان کی گداز آغوش میں سمائے تھے انہیں اپنی دادو سے بہت پیار تھا۔

"کتنے دنوں سے اڈیک رکھی ہوئی تھی میں نے۔ روز راہ تکتی تھی کہ عید سر پر آرہی ہے اور میرے چاند میرے جگر گوشے ابھی تک نہیں آئے۔" دادی جان انہیں لپٹا کر نہال ہورہی تھیں۔

"چاچی اور چاچا کدھر ہیں دادو!" فسابیہ بے چینی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔

"تیرا چاچا تو اعتکاف میں بیٹھا ہوا ہے مسجد میں ہے اور حسینہ تیری پھوپو نذیراں کے ہاں گئی ہے تھوڑی دیر پہلے۔ آج رات مل کر قرآن شریف پڑھنے کا پروگرام تھا ان کا۔ اے خشنود پچھلے کمرے کی کھڑکی سے آواز دے کر بتادو۔" سب سے پچھلے کمرے کی مشترکہ دیوار کے درمیان ایک سلاخ دار کھڑکی بنائی ہوئی تھی رابطہ کے لیے۔

"رہنے دیں دادو! ہم ویسے بھی مامی کے ہاں جارہے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ہیں ان سے ملنے کے لیے اچھا ہے سرپرائز رہے گا۔" سعدی کو ہمیشہ سے سرپرائز دینا پسند رہا تھا۔

"رات کا وقت ہے بچے! کچھ آرام کر لیتے، تھکے ہوئے ہو صبح مل لینا۔"

"بہن بھائیوں سے ملے بغیر کہاں چین پڑے گا۔" ضوفشاں نے محبت سے اپنی اولاد کی بے تاب فطرت پر تبصرہ کیا۔

"اے خشنود! جا بچوں کے ساتھ نذیراں کے گھر چھوڑ آ اور حسینہ کو بولنا جلدی سے گھر آئے، روٹی پانی کا انتظام بھی کرنا ہے۔" چھوٹی سی تنگ گلی سے گزر کر وہ ماموں کے گھر پہنچ گئے۔

"کون ہے بھئی؟" خشنود کے دروازہ کھٹکھٹانے پر اندر سے عبدالصمد نے بھاری آواز میں پوچھا۔

"دروازہ تو کھولیں، عبدالصمد باؤ!" خشنود کو شوخی سوجھنے لگی۔

"کیا بات ہے؟" عبدالصمد نے دروازہ کھول کر متحیر لہجے میں دریافت کیا پھر ان پر نگاہ پڑتے ہی تحیر خوشی میں بدل گیا۔ "ارے......"

"السلام علیکم عبدالصمد بھائی!" تینوں نے کورس کے انداز میں کہا تھا سعدی ان سے گرمجوشی سے گلے ملا۔ انہوں نے فسابیہ کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا البتہ فسابیہ کے سلام کے جواب میں خوشدلی سے مسکرا کر سر ہلایا۔

عبدالصمد بھائی سے مل کر تینوں ہمیشہ سے زیادہ خوش ہوتے تھے، پورے خاندان میں واحد اعلیٰ تعلیم یافتہ مرد تھے جو انجینئرنگ کے آخری سال میں تھے۔ راولپنڈی میں زیر تعلیم تھے اور آج کل چھٹیوں کے سلسلے میں گاؤں آئے ہوئے تھے۔ وہ نام کی عبدالصمد ہی نہیں تھے بلکہ انہیں سچ مچ خاندان کے لڑکوں میں ایک صمد حاصل تھا۔ بچوں بڑوں سب میں پسندیدہ شخصیت کے طور پر جانے جاتے تھے اس میں ان کی نفیس اور شاہانہ عادات و اطوار کا بھی عمل دخل تھا اور شاید یہ

بات بھی تھی کہ پڑھائی کی وجہ سے انہوں نے عمر کا زیادہ حصہ راولپنڈی ہاسٹلوں میں گزارا تھا۔ اس لیے وہاں والوں کے لیے مہمان کی سی حیثیت رکھتے تھے' بہن بھائیوں میں دوسرے نمبر پر تھے ان سے بڑے سرفراز بھائی تھے جو شادی شدہ تھے۔

اندر کمرے میں بھابی' صوفیہ' ناصرہ' حرا' حسینہ چاچی سفید چادریں بچھا کر عبادت میں مصروف تھیں' اطلاع ملتے ہی سب میں کھلبلی مچ گئی ایک میلے کا سماں تھا۔

''مامی کہاں ہیں؟'' ماموں کے بارے میں تو اندازہ تھا کہ مسجد میں ہوں گے مگر نذیراں ممانی دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔

''وہ خالہ صدیقاں کے گھر درود شریف کی محفل میں بیٹھی ہیں۔ عبدالصمد! جاؤ تم انہیں بلا لو میرے ویر (بھائی)۔'' ہنستی مسکراتی طبیعت والی بھابی نے بتا کر دیور کو مخاطب کیا تھا۔

''خرم اور منصور......؟'' سعدی کو اپنے ہم عمر ماموں زادوں سے ملاقات کی بے چینی تھی۔

''وہ دونوں مردانے میں سوتے ہیں' جا راشی جاکے چاچوؤں کو اٹھا لا۔'' راشی چاچوؤں کو بلانے کے لیے دوڑ گیا۔

اطلاع ملنے پر سرفراز بھائی بھی چلے آئے' وہ فوج میں ملازم تھے۔ چھٹی پر آئے ہوئے تھے' پل بھر میں رونقیں جاگ اٹھی تھیں۔ سب ان کی آمد پر کھلے پڑ رہے تھے اور اتنی پذیرائی پر ان کی پچھلی ساری کوفت اور جھنجھلاہٹ جاتی رہی تھی۔ باتوں اور خاطر مدارت میں پتا ہی نہیں چلا کب سحری کا ٹائم ہوگیا۔ روزہ رکھنے کے بعد سب جو پڑ کر سوئے تو دن چڑھے آنکھ کھلی۔

❀......❀......❀
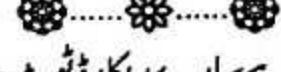
''آج تو لگتا ہے سارے ریکارڈ ٹوٹ جائیں گے بارش کے' حرا تم نے بچپن میں ہانڈی تو نہیں چاٹی تھی؟'' صبح سے مسلسل جھڑی لگی ہوئی تھی' فسابیہ اپنے سے دو سال بڑی حرا سے دوستوں کی طرح بے تکلف تھی۔ حرا سے ایک سال چھوٹی ناصرہ سے تو اس کی خوب گاڑھی چھنتی تھی۔

''چلو بدتمیز......'' حرا اس کی شوخ چھیڑ خانی پر لجا گئی۔

آج انتیسواں روزہ تھا اور عید کے اگلے دن ڈھولک رکھ لی جانی تھی شادی میں بہت کم دن رہ گئے تھے۔ پچھلے دنوں سے سارا گھر مصروف تھا' محلے کی دیگر لڑکیاں اور حرا کی سکھیاں روز آ کر کپڑے لتے کی تیاری میں ہاتھ بٹا دیتی تھیں۔

ماموں اور محبوب چاچا فرنیچر کی خریداری کے سلسلے میں شہر کے چکر لگا رہے تھے۔ عبدالصمد بھائی شادی کے انتظامات کرتے پھر رہے تھے جبکہ سرفراز بھائی اِدھر اُدھر دوست احباب اور دیگر دور دراز کے رشتہ داروں کے ہاں کارڈز پہنچانے کا فریضہ سرانجام دینے کے لیے نکلے ہوئے تھے۔

''فوبی! تم نے شادی کے کپڑے کیسے بنوائے ہیں؟ ویسے پتا ہے امی نے تمہارے لیے اپنی پسند سے دو سوٹ بنوائے ہیں مگر اب یہ نہیں پتا کہ تم پہن بھی لوگی کہ نہیں' شہر والوں کی پسند وکھری ہوتی ہے۔'' بھابی بڑے شوق سے اسے جھلملاتے شوخ کپڑے دکھا رہی تھیں۔

''ارے بھابی! یہ کیا اس قدر بھاری...... یہ تو خوامخواہ زحمت کی مامی نے' بڑے ہلکے پھلکے کپڑوں کے عادی ہوں۔ پلیز مجھے بہت شرمندگی ہو رہی ہے۔'' وہ بڑے تکلف اور ندامت سے کپڑوں کو تہہ کرتی کہہ رہی تھی۔

''تم یہ بتاؤ پسند آئے کہ نہیں' بھلے سے نہ پہنو۔ بعد کے لیے رکھ لیتے ہیں۔'' ناصرہ نے بڑی شوخ معنی خیز مسکراہٹ کے ہمراہ اس کی سمت دیکھا تھا۔ وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

''بھئی آج افطاری کا ارادہ نہیں ہے کیا؟'' اسی لمحے عبدالصمد چلے آئے تھے۔

''کیا آج بہت روزہ لگ رہا ہے عبدالصمد بھائی!'' ان کے عاجلانہ انداز پر فسابیہ خوب صورتی سے چوٹ کرتی ہوئی مسکرائی۔ انہوں نے پہلے حیرانی سے اور پھر ہنس کر دیکھا۔

''میں اپنی بھوک کی وجہ سے نہیں کہہ رہا بلکہ آپ لوگوں کو وقت کا احساس دلا رہا ہوں' پانچ بج رہے ہیں اور ایک گھنٹے بعد روزہ کھل جائے گا۔''

''مارے گئے......'' بھابی حرا کے جہیز کا جوڑا پیک کرتے ہوئے گھبراہٹ کے مارے اٹھ بیٹھیں۔

''اتنا وقت ہوگیا اور پتا ہی نہیں چلا۔'' ناصرہ بھی بوکھلائے ہوئے انداز میں چپل پاؤں میں اڑستے ہوئے اٹھ

بیٹھی۔ حرا تو ہفتہ دس دن کی مہمان تھی جو اس کو چھٹی ملی ہوئی تھی صوفیہ بھابی کے بچوں کو سنبھال رہی تھی۔

"سارا دن جھڑی لگی رہی اس لیے اندازہ نہیں ہوا۔" فسابیہ کمرے سے نکل کر برآمدے میں آ گئی۔ برآمدے کی داہنی سائیڈ پر کچن کا دروازہ نظر آ رہا تھا۔

"بھابی! میں کچھ مدد کروں؟" وہ بھی کچن میں چلی آئی تھی ایک میں لکڑیاں دہک رہی تھیں دوسرے پر ناصرہ ہانڈی بھوننے کی تیاریوں میں تھی۔

"ارے نہیں چندا......" بھابی نے مخصوص شفیق انداز میں کہا۔

"تم بیٹھو ادھر......" انہوں نے ایک چوکی اس کی جانب کھسکا کر پھرتی سے پرات میں آٹا نکالا پانی کا ڈونگا بھر کر آٹا گوندھنے لگیں۔

فسابیہ سے زیادہ دیر تک بے کار نہیں بیٹھا گیا' ناں ناں کرنے کے باوجود اس نے بیسن گھول کر پکوڑے تلنے شروع کردیئے۔

"خبر نہیں آج عید کا چاند نظر آتا ہے یا نہیں۔" افطار کے بعد سب ہی چہ مگوئیاں کررہے تھے' بارش ہلکی ہو چکی تھی مگر شدید دھند میں چاند نظر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

ٹی وی' ریڈیو ہی اطلاع کے ذریعے تھے مگر جب نو بجے تک چاند نظر نہیں آیا تو سب مایوس ہوگئے۔ سب اپنے اپنے بستروں میں چلے گئے' عبدالصمد بھائی کے کمرے مین سعدی کا بستر سیٹ کردیا گیا تھا۔ ڈرائنگ روم میں منیر صاحب اور ضمیر صاحب بستر میں گھسے گپیں ہانک رہے تھے اور زنانہ ہال کمرے میں ناصرہ' حرا' صوفیہ' فاطمہ اور فسابیہ وغیرہ براجمان تھے۔ بارش کے بعد لائٹ گئی ہوئی تھی سو کپڑوں کا کام کل پر ڈال دیا گیا تھا۔ برابر کے کمرے میں بھابی' بچے اور سرفراز بھائی محو خواب تھے۔

"لوگو' اٹھ جاؤ اعلان سن لو۔ چاند نظر آ گیا ہے کل عید ہوگی۔"

کوئی گیارہ بجے کا ٹائم تھا سب سو چکے تھے صرف ناصرہ اور فسابیہ جاگ رہی تھیں جب عبدالصمد بھائی سعدی کے ساتھ اونچے اونچے سروں میں اعلان کرتے ہوئے ہال کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

"ہیں...... واقعی......؟" وہ لوگ اچھل کر بستروں سے نکل آئے' چاروں طرف سے چاند مبارک کی صدائیں آ رہی تھیں۔

"ہائے' ہم نے تو کپڑے بھی استری نہیں کیے۔" لڑکیوں کو بجلی جانے کا اتنا افسوس شاید اس سے قبل نہیں ہوا ہوگا۔

"اور مہندی بھی لگانی ہے......" فسابیہ نے منہ بسورا۔

"فکر نہیں کرو' ابھی انتظام کرتے ہیں۔" عبدالصمد ٹارچ لے آئے تھے۔ اُدھر چھت پر سے خشنود بھی اطلاع دینے آن پہنچی تھی' نذیراں ممانی تو شام سے میکے میں تھیں۔ غرضیکہ رات میں دن کا سماں پیدا ہوگیا' فسابیہ نے سب کے ہاتھوں پر مہندی لگائی اور آخر میں خود صرف ایک ہاتھ پر لگا سکی۔

"لو بھئی مجھے تو اچھا خاصا نقصان ہوگیا۔" وہ افسوس کررہی تھی' بچوں نے خوب میلہ لگا رکھا تھا شور شرابے سے۔

"عبدالصمد بھائی سے لگواؤ انہیں بڑی اچھی ڈیزائننگ آتی ہے۔" ناصرہ نے شرارت سے بھابی کی طرف دیکھا جو فاطمہ کا ڈیزائن نوٹ کررہے تھے۔

"ہاں' یاد ہے پچھلی عید پر اس نے میری کتنی اچھی مہندی لگائی تھی۔ عبدالصمد بھائی! فوبی کے ہاتھ پر لگا دو۔" بھابی نے بھی جھٹ فرمائش داغی تھی۔

"رہنے دیں' صاحب اناڑی لگ رہی ہیں' کہیں میرے ہاتھ پر آرکیٹیکچرنگ کا نمونہ نہ بنا دیں۔" فسابیہ نے ہنس کر ٹال دیا تھا۔

"لاؤ لگا دیتے ہیں' یہ کیا مشکل ہے۔" بہنوں اور بھابی کے مسلسل اصرار پر انہوں نے سادہ سے انداز میں کہتے ہوئے ہاتھ میں لے کر کون مہندی دائیں ہاتھ انگلیوں کے پاس سے تھام کر نقش ونگار بنانا شروع کردیئے۔

"رہنے دیتے عبدالصمد بھائی!" وہ خفت سے کہہ رہی تھی۔

"دکھاؤ تو...... اپنا نام تو نہیں لکھ گئے۔" وہ کام ختم کرکے ہاتھ دھونے کے لیے باہر نکلے تو ناصرہ مسکراتی نظروں سے دیکھتے ہوئے فسابیہ کے پاس کھسک آئی۔

"پاگل ہوگیا' وہ کیوں ایسا کرتے......" فسابیہ نے سخت حیرانی کے عالم میں اسے دیکھا تھا۔ ناصرہ کی مسکراہٹ اس کی سمجھ سے باہر تھی پھر اچانک کچھ یاد آ گیا۔

''بھئی مجھے دادو کے ہاں جانا ہے' محبوب چاچا اعتکاف سے اٹھ چکے ہیں ان سے ملنا ہے۔'' فسابیہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''ارے ہاں بھئی ادھر تو مٹھائیاں وغیرہ بٹ رہی ہوں گی۔'' سدا کی میٹھے کی شوقین صوفیہ بھی جھٹ سے تیار ہوگئی۔

''اتنی رات گئے اکیلے کیسے جاؤ گی؟'' بھابی نے تشویش سے پوچھا۔

''عبدالصمد بھائی بھی جارہے ہیں' ٹھہرو میں انہیں کہتی ہوں ان کے ساتھ چلے جانا۔'' ناصرہ لپک کر بیسن پر ہاتھ دھوتے عبدالصمد کو مطلع کرنے کے لیے باہر چلی گئی تھی۔

❀......❀......❀
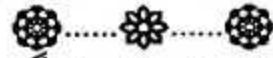
''بھئی عید کا لطف تو تب آئے اگر چاند پر جانے کی اجازت مل جائے۔'' عید کی نماز کے بعد گھروں کو واپسی ہوئی تو ڈھیروں مہمان منتظر تھے جن کے لیے طعام کا بندوبست کرنا تھا اور اسی میں شام گزر گئی۔ فسابیہ تو اس قدر نڈھال تھی کہ منہ ہاتھ دھو کر ان ہی کپڑوں میں پڑ کے سورہی تھی یہ بھی نہ دیکھا کہ کہاں سونے کے لیے لیٹی ہے۔

رات کھانے کے بعد عبدالصمد اپنے کمرے میں آئے تو ٹھٹک کر رہ گئے' سامنے بیڈ پر سرخ کپڑوں میں الجھے بکھرے بالوں سمیت وہ بے خبر سورہی تھی۔

''جانے کتنی تھکن ہوگی' آرام کرنے سے اتر جائے گی۔'' وہ اسے ڈسٹرب نہ کرنے کے خیال سے ڈرائنگ روم میں سونے کے ارادے سے باہر نکل آئی۔

''امی! میرے لیے ڈرائنگ روم میں ابا جی کے ساتھ چارپائی ڈال دیں۔'' وہ برآمدے میں بیٹھی نذیران کے پاس چلے آئے تھے۔

''کیا ہوا' کمرے کا بلب فیوز ہوگیا کیا؟'' نذیراں کو ہمیشہ اپنے لاڈلے کی پڑھائی لکھائی اور آرام کا دھیان رہتا تھا۔

''نہیں......'' وہ مبہم مسکرائے۔ ''دراصل فسابیہ کو نیند کی جھونک میں پتا نہیں چلا' اُدھر بیڈ پر آ کے سوگئی۔ میں نے سوچا اٹھا کر کیوں بے آرام کروں' اسے وہیں سویا رہنے دیں آپ میں سے کوئی ایک ساتھ میں سوجائے' میرا ڈرائنگ روم میں بستر سیٹ کردیں۔'' ان کی بات سب کے لیے حیران کن تھی انہیں اپنے کمرے کے علاوہ کہیں اور نیند نہیں آتی تھی۔ ایمرجنسی میں بھی کمرہ اور بیڈ چھوڑنا انہیں سخت گراں گزرتا تھا مگر اب کے کس درجہ آمادگی اور آرام سے دستبردار ہوگئے تھے۔

''ہائے' میری بچی!'' نذیراں کے دل میں بھانجی اور بھتیجی کی محبت نے جوش مارا' وہ ویسے بھی فسابیہ سے خصوصی محبت رکھتی تھیں۔

''نجمہ! میری بچی نے تو کھانا بھی نہیں کھایا ہوگا۔'' وہ اس کے بھوکا رہ جانے کے خیال سے پریشان ہورہی تھیں۔

''ہاں' میں کھانے کے وقت ڈھونڈتی رہی تھی اسے۔'' بھائی نے جلدی سے بتایا پھر خیال کیا اپنی دادو کے ہاں چلی گئی ہوگی۔

''جانا حرا! بھائی کے لیے بستر لگادے ڈرائنگ روم میں اور پھر بہن کے پاس سوجا عبدالصمد کے کمرے میں۔''

''فوبی نے بھی خوب کیا ابھی سے قبضہ کرلیا۔'' عبدالصمد بھائی مڑے تو ناصرہ نے ذومعنی مسکراہٹ سے ماں کی طرف دیکھ کر کہا۔

بھابی اور حرا ہنس پڑیں' نذیراں کے ہونٹوں پر بھی سرشاری مسکراہٹ در آئی' یہ فیصلہ تو اپنے طور پر وہ بہت پہلے کرچکی تھیں اور دبے لفظوں میں بارہا ضوفشاں کو اشارہ بھی کرچکی تھیں۔ واضح طور پر بھائی کے آگے جھولی دراز کرنے سے پہلے وہ عبدالصمد بھائی کے برسرروزگار ہونے کا انتظار کررہی تھیں پھر اس سے بھی زیادہ ضرور حرا کے بعد ناصرہ کی شادی تھی۔ ناصرہ کا فی الحال خاندان میں کوئی جوڑ نہیں مل رہا تھا اور وہ لوگ باہر کرنے کے حق میں نہیں تھی' اپنا آخر اپنا ہی ہوتا ہے۔

❀......❀......❀

شادی کے ہنگامے پوری طرح جاگ چکے تھے' خاندان برادری کے لوگ تو جو تھے سو تھے اس کے علاوہ بھی ملنے جلنے والے دوست احباب اور تعلق داروں کا ایک ہجوم بیکراں تھا جو مہندی کے دن نقطہ عروج تک پہنچ گیا تھا۔ فسابیہ' فاطمہ کی پیشن گوئی کے عین مطابق ابتدائی کوفت کے بعد اب بالکل فٹ فاٹ ہوکر پوری طرح فارم میں آچکی تھی اور تندہی سے بھابی اور ناصرہ کے ساتھ کام دھندوں میں الجھی ہوئی تھی۔ اس کی کزنز اور دیگر لڑکیاں اس کی سرگرمیوں کو بڑی دلچسپی اور ستائش کی نگاہ سے دیکھ رہی تھیں۔

''تمہارے ماموں کی بیٹی تو بڑی سادہ ہے' کوئی نخرا نہیں۔ دیکھ تو کیسے فکرمندی سے چائے پانی کے انتظامات میں لگی ہوئی ہے۔'' حرا کی کسی دوست نے تعریفی انداز میں کہا۔

''اور کیا۔'' حرا کی گردن فخر سے اکڑنے لگی۔

''مزاج کی اتنی اچھی ہے کہ کیا بتاؤں' خبر ہے اُبٹن مہندی کی رسم میں سب کہہ کر تھک گئے کہ ڈانس کرو مگر آفرین ہے وہ غریب بن کر ہی کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے جان بچانے لگی کہ مجھے تو گانے کا ایک بول بھی یاد نہیں ڈانس کیا کروں گی۔ ذرا بھی چنچل نہیں ہے۔ جس طرح وہ منظور کی چچا کی لڑکی تھی یاد ہے کیسے لہرا لہرا کر منہ بگاڑ کے انگریزیاں مارتی تھی۔''

''ہائے بی بی نے دیکھ لیا تو میری خیر نہیں' مہربانی کر کے کپڑے دو جے پہن لو بی بی!''

''چائے نہیں بنی؟ کچھ مہمان آئے بیٹھے ہیں۔'' اسی لمحے عبدالصمد مصروف سے انداز میں کچن میں داخل ہوئے تھے۔

''ابھی ابھی بھجوائی ہے سعدی اور خرم لے کر گئے ہیں۔'' فسابیہ چائے کے لیے مزید پانی رکھنے کے بعد مڑی تو وہ جانے کے لیے پر تولتے ہوئے ایک لمحے کو رک گئے' غور سے اسے دیکھنے کے بعد بولے۔

''تمہارا تو بُرا حشر ہو گیا ہے کام کر کے' ناصرہ اور بھابی کدھر ہیں اور خشنود تم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے کیوں کھڑی ہو۔'' انہوں نے تیکھی نگاہ خشنود پر ڈالی۔

''خیر ہے بھائی!'' وہ بشاشت سے مسکرائی۔ ''اپنا ہی گھر ہے مجھے بالکل بھی تھکن محسوس نہیں ہو رہی۔'' اس کی بات پر انہوں نے ایک تجزیاتی نگاہ اس پر ڈال کر ہٹالی۔ خشنود دانت نکال رہی تھی۔

''وہ تو آپ کا ہی گھر ہے' اللہ رکھے۔ پر دیکھو ناں مہندی شروع ہونے والی ہے' ساری لڑکیاں سج سنور کے تیار ہو چکی ہیں' آپ بھی کام چھوڑ دو ناں اب۔''

''ہاں' بس اب نکل ہی رہی تھی۔'' وہ چوٹی سے نکلتی لٹ کان کے پیچھے اڑستے ہوئے بولی۔ ''وہ عبدالصمد بھائی...... پلیز کہیں سے استری کا بندوبست کر دیں' مجھے یاد آیا کپڑے بغیر استری کے بیگ میں بند ہوں گے۔'' وہ یاد آ جانے پر بجلت بولی تھی' خشنود کی ذومعنی بات کو دونوں نے اہمیت نہیں دی تھی۔

''ٹھیک ہے۔'' وہ باہر نکل گئے تھے۔

''بڑا خیال رکھتے ہیں جی عبدالصمد باؤ آپ کا۔'' خشنود شوخی سے آنکھیں نچاتے ہوئے خوشامدانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

''وہ سب کا ہی رکھتے ہیں۔'' وہ جھلا کر بولی اور باہر نکل گئی۔

''یہ مہندی کے تھال کس نے سجائے ہیں۔'' مہمانوں میں سے کسی نے اشتیاق سے دریافت کیا۔

''میری بھتیجی اور بھانجی فوبی نے کیا ہے سارا انتظام۔'' نذیراں خوشی خوشی بتا رہی تھیں۔

''ماشاء اللہ بڑی گنوں والی ہے' صبح سے پھرکی کی طرح اِدھر اُدھر گھومتے دیکھ رہے ہیں ہم۔'' کسی بزرگ خاتون نے داد دی تھی۔

شادی کے روز دلہن کو سجانے سنوارنے میں فسابیہ کا بیوٹیشن کا کورس خوب کام آیا تھا۔ رخصتی کے بعد بھی گھر میں اک ہنگامہ برپا تھا۔ مہمان حضرات اور خواتین کا رات صیام کے بعد روانگی کا ارادہ تھا۔

ایک بیٹی کو رخصت کر دینے کے فوراً بعد جانے ضمیر صاحب کے دل میں کیا سمائی کہ ناصرہ کے لیے بے تاب ہو گئے۔ ایک خیال اچانک ذہن میں آیا اور جب منیر صاحب مع فیملی واپس لاہور تیاریوں میں مصروف تھے تو ایک دن پہلے انہوں نے نذیراں کو اپنا ہم خیال بنانے کے بعد ضوفشاں سے بات سنی تو ہکا بکا رہ گئیں' اپنی ساعتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

''دیکھو ضوفشاں! تم مجھ سے چھوٹی ہو پھر میری سگی بہن ہو' تم سے میرا کچھ پردہ نہیں اس لیے براہ راست کہہ رہا ہوں تاکہ منیر کے کان میں یہ بات ڈالو۔ میں دمے کا مریض ہوں' جانے کب اوپر سے بلاوا آ جائے اس سے پہلے بیٹیوں کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں گو مجھے صوفیہ کی بھی فکر ہے مگر وہ ابھی کمسن ہے۔ تیرہ چودہ برس کی ہے سب سے زیادہ فکر ناصرہ کی ہے اس کی عمر نکلی جا رہی ہے خاندان میں کہیں کوئی جوڑ نہیں اور غیروں میں دینے کا جگرا نہیں ہے مجھ میں' جانے کیسے نکلیں...... اس لیے سوچنے کے بعد تمہارا اور

نظر آیا ہے کوئی حرج نہیں ہے۔''

''مگر بھائی صاحب! آپ سوچئے تو سعدی اور ناصرہ کی عمروں میں بڑا فرق ہے۔'' وہ صدمے کی سی کیفیت میں بیٹھی تھیں کہ انہوں نے ایسا بے جوڑ رشتہ باندھنے کا سوچا بھی کیوں۔ ناصرہ تو فسابیہ سے بھی ایک ڈیڑھ سال بڑی تھی جبکہ فسابیہ سعدی سے پوری پانچ سال بڑی تھی اس لحاظ سے ناصرہ کم از کم چھ سال بڑی تھی سعدی سے۔

''عمروں سے کیا ہوتا ہے ضوفشاں! اس سے پہلے بھی تو ہمارے خاندان میں ایسی شادیاں ہوتی رہیں خود تم منیر سے دو سال بڑے ہو۔ تمہاری بھابی نذیراں مجھ سے ڈھائی سال بڑی ہیں۔'' وہ عمروں کے فرق کو چنداں اہمیت نہیں دے رہے تھے۔

''وہ زمانے اور تھے بھائی صاحب بس بن گئی جیسے تیسے۔ آج کل کے زمانے میں ایسے رشتے زیادہ دیر تک نہیں چلتے پھر ماحول کا فرق ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ سعدی نے ابھی کیریئر بنانا ہے۔ وہ انڈر میٹرک ہے ابھی کم از کم چھ سال پڑے ہیں اس کی تعلیم مکمل ہونے میں اس کے بعد جاب ڈھونڈنے گا پھر کہیں عملی زندگی اسٹارٹ کرے گا۔''

''اللہ نے تمہیں اتنا کچھ دے رکھا ہے شہر میں بنگلہ ہے پھر باپ آرمی آفیسر ہے۔ کس چیز کی کمی ہے سعدی شادی کے بعد آرام سے پڑھتا رہے گا۔ ناصرہ تو ویسے بھی بڑی صابرہ وشاکر بچی ہے اس کے کسی معاملے میں دخل نہیں دے گی دیکھو بھئی اپنے ہی وقت آنے پر اپنوں کو ڈھانپتے ہیں۔ بیٹیوں کی فکر نے میری نیندیں اڑا رکھی ہیں بھلے شادی دو تین سال بعد ہو جائے مگر منگنی وغیرہ کی رسم ابھی ادا ہو جائے بلکہ میں تو تجویز دیتا ہوں کہ نکاح کر دیتے ہیں۔'' وہ اس قدر عجلت کا مظاہرہ کر رہے تھے کہ ضوفشاں کے مختل حواس مناسب جوابی کارروائی کرنے کے لیے ان کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

''میں نے سرفراز کے علاوہ عبدالصمد سے بھی بات کی ہی وہ بھی اس رشتے کا حامی ہے۔'' انہوں نے بطور خاص کہتے ہوئے ضوفشاں کے اعصاب پر گویا دوسرا دھماک کیا تھا۔

''میں جواب لینے جلد ہی لاہور آؤں گا' تم منیر سے بات کر لینا۔''

لاہور واپس آ کر کتنا ہی عرصہ وہ بے کل رہی تھیں' کس منہ سے منیر سے بات کریں۔ مگر کرنا بھی ضروری تھی ضمیر بھائی نے ایک ماہ بعد آنے کا کہا تھا وقت گزرتا جا رہا تھا۔ بالآخر یہ عجیب و غریب تجویز انہوں نے منیر صاحب کے سامنے رکھ دی وہ سن کر کتنی ہی دیر بے یقینی کے عالم میں انہیں دیکھتے رہے پھر غصہ کرنے لگے ضوفشاں پریشان سی ہو کر ان کی صورت دیکھ رہی تھی۔

''کس درجہ خود غرض ہیں ضمیر بھائی! اپنی بیٹیاں تو نظر آ گئیں اور دوسروں کی دکھائی نہیں دیتیں' کوئی ان سے پوچھے سعدی بڑا ہے کہ فسابیہ؟ انہیں ناصرہ کی جلدی ہے تو ہمیں بھی اپنی جوان بیٹی کی فکر ہو سکتی ہے وہ اگر حرا اور ناصرہ کی شادیوں کے بعد عبدالصمد کا سوچ ہوئے ہیں تو کیا ہم فسابیہ سے پہلی سعدی کی شادی کا سوچ سکتے ہیں اور بھی اس قدر بے جوڑ شادی۔'' منیر صاحب کی برہمی بالکل صحیح تھی۔

''یہ کوئی گڈے گڑیا کا کھیل تو نہیں ہے ناں' وہ آئیں تو ان سے کہہ دینا کہ ہم ابھی اپنے بچوں کا ان ذمہ داریوں سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ پڑھ لکھ جائیں پھر سوچیں گے' ہمیں بیٹی یا بیٹے کسی کی شادی کی جلدی نہیں ہے اور مجھے بالکل پسند کہ بچوں کے کان میں ایسی بات پڑے۔'' ضمیر صاحب آئے تو پشیمان سی ضوفشاں نے ڈھکے چھپے انداز میں منیر کا پیغام ان تک پہنچایا۔

''بھئی کیا مسئلہ ہے؟'' وہ قدرے ناگواری سے بولے۔

''اگر تم لوگ یہ سوچ رہے ہو کہ وٹہ سٹہ ہو جائے گا تو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہمارا تمہارا کیس سامنے کی بات ہے۔ تمہاری اور نذیراں کی اس طرح شادیاں ہوئی ہیں مگر ایسی کوئی بات نہیں ہوئی' عبدالصمد نے اس بات کی گارنٹی دی ہے ان شاء اللہ ہماری دونوں بچیاں ناصرہ اور فسابیہ خوش رہیں گی اپنے اپنے گھروں میں۔''

''یہ بات نہیں ہے بھائی صاحب! ناصرہ بھی میری بیٹی ہے مجھے فوبی کی طرح عزیز ہے۔ اللہ سب کا مسبب الاسباب ہے اس کا نصیب اچھا کرے ہم خود تلاش کریں گے اس کے لیے کوئی اچھا سا رشتہ۔'' ضوفشاں نے سر جھکا کر شرمندگی سے کہا' بھائی کو انکار کرتے ہوئے بھی شرمساری ہو رہی تھی مگر کیا کرتیں اولاد کا معاملہ تھا۔

"اگر ایک سال کا فرق کی بات ہوتی تو بھی میں کبھی نہ سوچتی مگر اب......"

"بھئی عمروں کا فرق تو محض بہانا ہے۔" ضمیر صاحب خفا ہونے کے موڈ میں نظر آرہے تھے۔ "مجھے واضح جواب دو‘ یہ تو صاف گھر بلا کر ذلیل کرنے والی بات ہے۔" بالآخر منیر صاحب کو براہ راست بات کرنا پڑی۔ ان کا دوٹوک لہجہ سن کر ضمیر صاحب کا چہرہ سرخ ہوگیا وہ بگڑے تیور لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"تم لوگوں کا انداز تو قطع تعلقی والا ہے‘ گویا یہ اشارہ دے رہے ہو کہ آئندہ کے لیے تم سے مزید رشتے داری بڑھانے کا نہ سوچا جائے۔" ان کا اشارہ فسابیہ کی طرف تھا۔

"بھائی صاحب! آپ بات کو سمجھیں‘ یوں ناراض ہو کر نہ جائیں۔" ضوفشاں ان کے سرد لب و لہجے کا پس منظر سمجھ کر نرمی سے انہیں سمجھانے لگیں۔ فسابیہ کے لیے وہ ہمیشہ سے عبدالصمد کو چشم تصور میں داماد کے روپ میں دیکھا کرتی تھیں‘ خودنذیراں بارہا اشارتاً اپنا ارادہ بتا چکی تھیں۔

"دیکھیے ضمیر بھائی! یہ کسی حدیث میں نہیں لکھا کہ صرف خاندان میں ہی رشتے کیے جائیں۔ اگر خاندان سے باہر اچھا رشتہ مل جاتا ہے تو اس میں کیا مضائقہ ہے۔ کیا ضروری ہے محض خاندان میں گھسانے کے چکروں میں بے جوڑ شادیاں کی جائیں‘ ان شاء اللہ خاندان سے باہر ناصرہ کے لیے بڑا اچھا رشتہ مل جائے گا۔" منیر صاحب نے نرم لہجے میں کہا تھا۔ ضمیر صاحب جواب میں کچھ نہیں بولے‘ بگڑے تیور لیے میلسی واپس چلے گئے جہاں بیوی اور دونوں جوان بیٹے سرفراز اور عبدالصمد پوری کارروائی سننے کے لیے بے تاب تھے۔

پھر جانے کیا سوچ کر عبدالصمد اور ضمیر صاحب ناصرہ کے رشتہ کے لیے سرگرم ہوگئے‘ دو ماہ بعد جان پہچان کے لوگوں میں ایک رشتہ مل گیا اور ٹھیک چار ماہ بعد شادی رکھ دی گئی۔

❀......❀......❀

"ارے...... ناصرہ کی شادی کا کارڈ ہے‘ ابھی تو حرا کی شادی کو بمشکل سات آٹھ ماہ ہوئے ہوں گے‘ واؤ زبردست۔ خوب مزہ آئے گا ہم لوگ چلیں گے ناں امی۔" فسابیہ حد درجہ اشتیاق سے گم صم بیٹھی امی سے پوچھ رہی تھی۔ بی اے کے فائنل پیپرز کے بعد وہ بالکل فارغ تھی‘ آج کل میں رزلٹ آنے والا تھا۔ اس کے بعد اس کا ارادہ ماسٹرز میں ایڈمیشن لینے کا تھا۔

"خبر نہیں جاتے ہیں کہ نہیں۔" امی نے پھیکے سے انداز میں کہہ کر ٹالا۔ وہ ٹکر ٹکر ماں کی شکل دیکھنے لگی انہوں نے جو کچھ کہا تھا ناممکن ہی تو لگ رہا تھا بھلا قریبی رشتے دار کی شادی ہو اور ہم نہ جائیں‘ وہ ہماری خالہ بھی ہیں اور پھوپو بھی۔

"امی! کیا بات ہے‘ آپ بہت اداس بلکہ مایوس نظر آرہی ہیں۔" وہ لمحوں میں ان کا متغیر چہرہ بھانپ کر ان کے موڈ کا اندازہ لگانے لگی تھی۔

"کیا بتاؤں بس زمانے کے پھیر پر حیران ہوں۔ خدا کی شان ہے کل جو دل و جان نچھاور کرکے قدموں تلے بچھ بچھ کر یہ رشتہ مانگنے کی جراتیں باندھا کرتے تھے آج اس بے مروتی سے انکاری ہورہے ہیں۔"

"ہوا کیا ہے امی؟" وہ واضح طور پر ہراساں ہوگئی‘ لہجے میں پریشانی جھلک رہی تھی۔

"تمہارے ماموں یہاں سے لوٹے تو خاصے خفا تھے‘ میں خود بیٹی کا رشتہ لے کے اتنی امید سے آیا اور مجھے ذلیل کیا گیا‘ مذاق اڑایا گیا کہ باہر سے ڈھونڈ لو بیٹی کے لیے۔ یہ زمانہ آگیا ہے یہ عزت ہے میری...... جاکر پھر بیٹوں کو سنایا‘ عبدالصمد نے کہا۔ ٹھیک ہے جب ہماری بیٹیاں غیروں میں جاسکتی ہیں تو پھر اب ہم بھی باہر سے ہی لائیں گے۔" حسینہ نے بتایا ہے مجھے‘ وہ اس وقت وہیں موجود تھی جب یہ ساری بات ہوئی۔ ضوفشاں بڑی آزردہ تھیں۔

"تمہارے بابا جان تو شروع سے ہی تمہارے لیے کچھ اور سوچے ہوئے تھے‘ وہ تو میں نے بھائی صاحب اور خاص طور پر نذیراں بھابی کے بار بار اصرار کے بعد منیر سے عبدالصمد کے بارے میں بات کی تھی پہلے تو وہ راضی ہی نہ تھے پھر میرے گاہے بگاہے اصرار پر اور تمہارے رجحان کو دیکھتے ہوئے تقریباً رضا مند ہوگئے تھے کہ ضمیر بھائی اور عبدالصمد کی طرف سے یہ رویہ دیکھنے کو مل گیا۔" فسابیہ کو جیسے بجلی کا شاک لگا تھا‘ وہ بت بن کھڑی دیکھتی رہ گئی۔ کانوں کے پاس سائیں سائیں کی آوازیں آرہی تھیں اس کا چہرہ شدت ضبط سے سرخ پڑنے لگا۔ اس قدر تذلیل و تحقیر۔

"امی! کس قدر غلط سمجھا ہے انہوں نے ہمیں اور خاص طور پر عبدالصمد بھائی نے ایک کزن کے رشتے بڑے بھائی کی حیثیت سے ہم ان کی آؤ بھگت کرتے ہیں یا احترام اور اپنائیت سے پیش آئے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ......" اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دباتے ہوئے انہیں دیکھا۔ "ان سے ہمارا خونی رشتہ ہے، دہرا تعلق ہے۔ وہ اگر ان باتوں کو ہماری خواہش یا رضامندی سمجھ بیٹھے ہیں تو ان کی غلط فہمی ہے میں نے کبھی اس نظریے سے ان کی پذیرائی نہیں کی اور ان کا کیا خیال ہے، ہم ان پر تکیہ کیے بیٹھے ہیں ہمیں خدا کے فضل سے کچھ کمی نہیں، ایک ڈھونڈو ہزاروں مل جائیں گے۔" غم و غصے، احساس توہین اور عزت نفس مجروح ہونے کا احساس سے وہ لال ہورہی تھی گو اس نے عبدالصمد کے بارے میں ابھی ایسا سوچا نہیں تھا مگر اس کے دل میں ان کی بڑی قدر تھی۔ ان کی نفیس عادات اور دھیمے سلجھے ہوئے متین انداز کو پسند کرتی تھی۔ کچھ یہ بھی تھا کہ امی نے کبھی واضح انداز میں متوقع بندھن کا ذکر بھی نہیں کیا تھا (بابا جان کے حکم کی وجہ سے) وگرنہ وہ شاید مثبت انداز میں ان کے بارے میں سوچ چکی ہوتی اور اچھا ہی ہوا وابستگی کا وہ لمحہ پسندانہ طرز عمل سامنے آگیا تھا۔

"خیر...... ہمیں کیا فرق پڑتا ہے بھلے سے لے آئیں باہر سے، شوق پورا کرلیں اپنا۔" ضوفشاں اپنی رنجیدگی مٹانے کو خود کو بہلا رہی تھیں۔

"شکر ہے نہ منگنی ہوئی تھی اور نہ ابھی بات باہر نکلی تھی وگرنہ کتنی بدنامی ہوتی۔ مجھے خبر ہے نذیراں کو باپ بیٹے کی اس انتقامی سوچ سے تکلیف پہنچی ہوگی وہ تو شروع سے اس بندھن کی دلی خواہاں رہی ہے، خیر اب کسی کو کیا الزام دیا جائے آج کل کی نئی نسل کے اپنے فیصلے ہوتے ہیں۔"

"ان کی سوچ ہوگی کہ جس طرح ہم لاچاری اور بے بسی کے عالم میں ان کے پاس بیٹے کے لے گئے تھے اسی طرح یہ لوگ بھی ایک دن خود ہمارے بیٹے کے رشتے کے لیے آئیں گے۔ ہونہہ ماموں اور ان کے صاحبزادے کی یہ حسرت کبھی پوری نہیں ہوگی اور امی! اب آپ سن لیں مجھے وہ شخص مر کر بھی قبول نہ ہوگا چاہے اب وہ سونے کا بن کر ہی کیوں نہ آجائے۔ اتنی سستی نہیں ہوئی ابھی فسابیہ منیر خان بھلے سے اس دہلیز پر کنواری بیٹھی رہ جاؤں مگر ادھر کے لیے نہیں سوچوں گی۔"

ناصرہ کی شادی پر رسم پوری کرنے کے لیے صرف بابا جان اور ضوفشاں گئے تھے میکسی پھر مسلسل دو سال تک نہ ادھر سے کوئی آیا نہ گیا۔ عبدالصمد کو انجینئرنگ کمپنی میں بڑی اچھی جاب مل گئی تھی اب وہ عملی زندگی میں آگیا تھا۔ اس دوران میں فسابیہ نے ایم اے کرلیا پھر یونہی وقت گزاری کے لیے ٹیچنگ کرنے لگی۔ امی اور بابا جان اب اس کی شادی کے لیے سنجیدگی سے سوچ رہے تھے قسمت کی بات تھی کہ اس دوران میں اس کا کوئی خاص ڈھنگ کا پروپوزل بھی نہیں آیا تھا۔ وہ لوگ پریشان تھے بیٹی کی عمر ڈھلتے کون سی دیر لگتی ہے ناصرہ اس دوران ایک بچے کی ماں بھی بن چکی تھی۔

اس روز بابا جان آرمی یونیفارم میں اپنے ایک دوست کے استقبال کرنے کے لیے ایئرپورٹ کی طرف روانہ ہوئے تو واپسی میں ان کا ایکسیڈنٹ ہوگیا اتنا خطرناک کہ وہ جانبر نہ ہوسکے اور اللہ کو پیارے ہوگئے۔ سانحہ اس قدر دل شکن تھا کہ ہفتوں ان کو اپنے گردوپیش کا ہوش نہیں رہا تھا، بے سائبانی اور ویرانی کا عجب عالم تھا۔

وہ لوگ ابھی تک تو آرمی کی طرف سے ملنے والے گھر میں رہتے تھے مگر اچھے وقتوں میں منیر صاحب نے لاہور میں گھر بنالیا تھا نیچے کا پورشن تو مکمل تھا اوپر ان دنوں کام شروع کرایا ہوا تھا کہ یہ حادثہ ہوگیا۔ چالیسویں کے بعد وہ لوگ آرمی کالونی چھوڑ کر لاہور چلے گئے، غنیمت تھا جو منیر صاحب نے رہائش کے لیے انتظام کردیا تھا وگرنہ اس کڑے وقت میں کہاں جاتے۔ ہر چند کہ دادو اور محبوب چاچا نے بہت زور لگایا تھا گاؤں چلنے کے لیے مگر بچے اس حق میں نہیں تھے اور ان حالات میں ایسا ممکن بھی نہیں تھا۔ سعدی بی ایس سی میں تھا، لاہور کے کالج میں زیر تعلیم تھا۔ فاطمہ میٹرک میں تھی پھر فسابیہ کی جاب بھی ادھر ہی تھی ایسے میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گاؤں میں مقیم ہونا گویا بچوں کا مستقبل تاریک کرنے کے مترادف تھا۔ اسی لیے ضوفشاں نے بچوں کا ساتھ دیا تھا۔

"جوان اولاد ہے خصوصاً بچیاں شہر میں عجب لوٹ پڑی ہوئی ہے، پہلے کی بات اور تھی اب تنہا عورت......" ضمیر صاحب پریشانی کے عالم میں بہن کو وقت کی نزاکت کا احساس دلا رہے تھے۔ محبوب چاچا بھی ان کے ہم خیال تھا مگر

ضوفشاں اپنے بچوں کی وجہ سے مجبور تھیں۔

''سب سے زیادہ فکر فسابیہ کی ہے' جوان جہان لڑکی ہے شادی کی عمر ہے اس کا فرض ادا کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے یوں کب تک گھر بٹھائے رکھیں گے اور خصوصاً ایسی صورت حال میں جبکہ باپ بھی سر پر نہیں رہا اور بھی سنگین مسئلہ بن گیا ہے۔'' محبوب چا چا سرپرست ہونے کے ناتے اپنی فکر مندی کا اظہار کرنے میں حق بجانب تھے۔

''فسابیہ کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں' میں نے کہا تھا ناں کہ اپنے ہی اپنوں کا پردہ ہوتے ہیں۔ ہمارا خیال تو نہیں کیا گیا مگر ہم اس نازک وقت میں طوطا چشمی کا مظاہرہ نہیں کریں گے۔ میں جا کر عبدالصمد سے بات کروں گا پھر میں اور نذیراں آئیں گے بات پکی کرنے۔ میرا خیال ہے زیادہ دیر کرنا مناسب نہیں ہوگا' عبدالصمد کی رضا مندی لے کر سادگی سے نکاح کر کے بچی کو گھر لے آئیں گے۔'' ضمیر صاحب نے اپنی طرف سے اعلیٰ ظرفی اور معاملہ فہمی کی مثال قائم کی تھی۔ ضوفشاں سر جھکائے لب بستہ بیٹھی رہ گئیں۔

کیا کہتیں...... مصلحت کا یہی تقاضہ تھا سر کا سائیں سلامت ہوتا تو بھائی کے اس احسان کا خندہ پیشانی سے واپس لوٹا دیتیں مگر اب مجبور تھیں ورنہ ان کی بیٹی اتنی ازراں بھی نہیں تھی اب کہ کوئی ہزار احسان کے بعد قبولنے پر آمادہ ہو' انہیں عبدالصمد کے وہ الفاظ نہیں بھولتے تھے۔

''ٹھیک ہے اگر ہماری غیروں میں جا رہی ہے تو پھر ہم بھی اب غیروں کی ہی بہو لائیں گے۔'' منیر صاحب کو جب یہ حالات اور ضمیر صاحب کے ارادوں کے بارے میں خبر ہوئی تھی تو انہوں نے غصے کی انتہائی حدود چھوتے ہوئے آئندہ سے ضمیر صاحب کی فیملی سے میل ملاپ کے دروازے ہی بند کر لیے تھے۔

''ان کی یہ جرأت کہ وہ ان کی راج دلاری' شہزادیوں کی سی آن بان رکھنے والی' لائق فائق بیٹی کی اس طرح تذلیل کریں۔'' عبدالصمد کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر کے مڑے تو ایک دم چونکے۔

وہ لباس بدل کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی تھی عبدالصمد کے اندر داخل ہونے اور دروازہ بند کرنے کے عمل کا بظاہرہ کوئی نوٹس نہیں لیا تھا وہ اطمینان سے اپنے کام میں مصروف تھی۔

''السلام علیکم!'' وہ اس کے قریب آ کر بولے۔

''وعلیکم السلام!'' نہایت آہستگی سے جواب دیتے ہوئے بولی تھی۔ چہرے پر کسی بھی جذبے کی رمق نہیں تھی' زیور کے بعد اب وہ ٹشو پیپر سے میک اپ اتارنے کا کام شروع کر چکی تھی۔

وہ کچھ دیر الجھی ہوئی نظروں سے اس کی حرکات نوٹ کرتے رہے پھر شیروانی اتار کر الماری میں لٹکانے کے ارادے سے بڑھے' اسی اثناء میں فسابیہ سوٹ کیس سے ہلکا پھلکا گرین کاٹن کا سوٹ نکال کر تبدیل کرنے کے ارادے سے باتھ روم میں بند ہو چکی تھی۔ وہ باہر آئی تو عبدالصمد کپڑے تبدیل کرنے کے لیے چلے گئے جب وہ باتھ روم سے باہر آئے تو اسے بیڈ کے ایک کونے پر رضائی میں لیٹے دیکھ کر قدرے چونکے اور پھر اس سے مخاطب ہوئے۔

''کیا بات ہے فسابیہ! طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' ان کے لہجے میں وہی پرانی اپنائیت آمیز فکر تھی۔ فسابیہ نے چونک کر آنکھوں سے بازو اٹھا کر ان کی طرف دیکھا' جانے کیا ہوا ان سے نظریں نہ ملا پائی دوسرے ہی لمحے نگاہ چرا لی تھی شاید یہ اس بندھن کے نتیجے میں پیدا ہونے والی جھجک تھی۔

''ٹھیک ہوں۔'' اس نے دھیرے سے کہتے ہوئے دوسری سائیڈ بدل لی تھی۔

''کیا سفر کی تھکن ہو رہی ہے؟'' وہ بیڈ کے دوسرے کونے پر آ کر اپنی رضائی سیٹ کر رہے تھے۔

''میں سونا چاہتی ہوں۔'' کچھ دیر کے توقف کے بعد اس نے بھرائے ہوئے سرد مہر انداز میں کہا تھا انہوں نے ایک لمحے کو مڑ کر اس کے کترائے بے مروت انداز ملاحظ کیے پھر یکلخت بے گانہ سے انداز میں رضائی تان کر بولے۔

''او کے جیسے تمہاری مرضی۔'' دوسرے لمحے وہ لائٹ بند کر کے سونے کے لیے لیٹ چکے تھے۔

کمرے میں مکمل اندھیرا تھا' سامنے والی اکلوتی کھڑکی کے لکڑی کے پٹ سردی سے بچنے کے لیے مضبوطی سے بند کر دیئے گئے' روشنی کا کوئی روزن نہیں تھا۔ وہ موصوف تو جانے کب کے سو چکے تھے مگر فسابیہ کی آنکھوں سے بہتا پانی اسی رفتار سے اس کے گال بھگو رہا تھا اس کا دماغ لامتناہی سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

سوچیں جو دل چیر دینے والے روح فرسا حقائق پر مشتمل تھیں، دل و دماغ احساس ذلت سے پھٹے جارہے تھے۔ تذلیل نسائیت کا احساس دل میں چٹکیاں کاٹ رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے دماغ میں بھانبھڑ سے جل رہے ہوں، دہکتے الاؤ کی تپش سے اس کے جسم و جان پگھلتے محسوس ہورہے تھے۔ اتنا روئی تھی اتنا سوچا تھا کہ اب سر پھٹنے کے قریب ہوگیا تھا۔ جب ضوفشاں نے یہ فیصلہ سنایا تو وہ کتنا پڑی تھی، کتنا مچلی تھی۔

"امی خدا کے واسطے میرا تماشا نہ بنائیں، اتنی توہین نہ کریں میری عزت نفس کی کہ مجھے موت آسان لگنے لگے۔ آپ کا یہ فیصلہ میری روح کی موت کے مترادف ہوگا، مجھے اپنی نگاہوں سے نہ گرائیے، کیا بیٹیاں اتنا بوجھ ہوتی ہیں والدین کے لیے کہ زبردستی منت و سماجت سے کسی غرور کی انتہا پر کھڑے شخص کو دان کردی جائیں۔ امی خدا کے لیے کچھ انتظار کرلیں، یہ انتہائی قدم نہ اٹھائیں ورگرنہ ساری زندگی کے لیے ہم لوگ سر اٹھا کر جینے کا انداز بھول جائیں گے، جن لوگوں نے ہماری اتنی تحقیر کی ہم ان کا احسان کیوں لیں پھر ایسا بھی کیا اندھیر ہے۔"

"میں تمہارے جذبات سمجھتی ہوں میری بچی!" ضوفشاں کا کانپتا ہوا ہاتھ اس کے بکھرے الجھے بالوں پر آکر ٹھہر گیا تھا، ان کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔

"یہ سب تو قسمت کے کھیل ہوتے ہیں دیر سویر ہو ہی جاتی ہے اور پھر تمہارے معاملے میں تو ایسی دیر بھی نہیں ہوئی مگر میری جان...... میری چندا! مسئلہ سارا یہ ہے کہ ہماری ڈھال نہیں رہی، ہمارا مضبوط سہارا چھن گیا ہے۔ وہ ہوتا تو میں کبھی اپنی بھائی کی فاتحانہ اور احسان جتاتی نظروں کا بوجھ دل پر نہ لیتی کہ تمہارے باپ نے ساری عمر آن اور انا کے لیے کسی مفاد کی پروا نہیں کی اور اپنی اولاد کو بھی یہی سبق سکھایا ہے مگر میں کیا کروں بچی! ہم پر بہت معاشرتی دباؤ ہوتے ہیں۔"

"امی! زندگی ہماری ہے ہم معاشرے کی پروا کیوں کریں۔" اس کے انداز میں سرکشی تھی۔

"کرنی پڑتی ہے میری بچی۔" ضوفشاں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"جن لوگوں کے درمیان ہمیں رہنا ہوتا ہے ان کی پروا کرنا لازم ہوجاتا ہے ورنہ گزارا ممکن نہیں ہوتا۔ ہمیں اسی معاشرے میں رہنا ہے، انہی لوگوں کے درمیان رہنا ہے ان سے بگاڑ رکھیں گے تو خود ہی کا نقصان ہوگا۔ دنیا سے کٹ کے رہنا بہت مشکل ہوجاتا ہے اگر آج ہم انہیں منہ توڑ جواب دے کر بے پروا ہوجائیں تو وہ ہمارے سامنے کہنے کی بجائے پیٹھ پیچھے فسانے چھیڑا کریں گے۔ ایویں تو نہیں کہتے کہ آدمی کے ایک طرف اور دنیا کے دونوں طرف دندانے ہوتے ہیں فی الحال میری نظر میں کوئی معقول رشتہ نہیں ہے اور تمہارے باپ کی وفات کے بعد اب میں زیادہ تک تمہیں گھر نہیں بٹھا سکتی۔ اب تو یوں بھی مجھے زندگی کا بھروسہ نہیں رہا، تمہارے بعد فاطمہ کا بھی کچھ دیکھنا سوچنا ہے۔ عبدالصمد میں بذات خود ایسی کوئی خامی یا کجی نہیں، بڑا نیک فطرت شریف اور قابل بچہ ہے۔ جانے وہ بات کیونکر منہ سے نکال بیٹھا تھا مگر چندا! مصلحتاً بہت ساری باتیں نظرانداز کرنا پڑتی ہیں۔ تم دل سے غبار نکال دو، بدگمانی جب تک دل میں موجود رہتی ہے۔ مثبت سوچ کا داخلہ روکے رکھتی ہے، یوں سمجھو ایسی کوئی بات تم نے سنی ہی نہیں۔ میری پریشانیاں اور مسائل سمجھو میری بچی! یقین کرو تمہاری ماں بڑی مجبور ہوکر تمہارے پاس آئی ہے۔" اور وہ ان سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ سسکیاں اس کی شکست کا واضح اظہار تھیں، ضوفشاں کے اپنے آنسو قابو میں نہیں رہے تھے۔

"گو کہ میں نے بھی بھائی صاب کی تلخ باتوں کے بعد بڑی مجبوری کے عالم میں یہ رشتہ قبول کیا ہے مگر ایک بات کا اطمینان ضرور ہے کہ عبدالصمد کے روپ میں تمہارے لیے بڑے مناسب اور سمجھ دار جیون ساتھی کا انتخاب کیا ہے۔ وہ لڑکا ہر لحاظ سے تمہارے لیے بہت اچھا شوہر ثابت ہوگا، بس تم پچھلی باتوں کا ملال دل سے نکال دو۔" مگر وہ ایسا کیسے کرسکتی تھی، کہنا بہت آسان تھا اور کرنا نہایت کٹھن۔

ماں نے تو اپنا فرض پورا کردیا تھا بیاہ کر، مگر ہر ہر پل ذہنی اذیت کا شکار تو اسے ہی ہونا تھا۔ لڑکیاں یوں بھی ایسے معاملات میں بہت حساس ہوا کرتی ہیں۔ ہر لڑکی کا یہ خواب ہوتا ہے کہ ایسی جگہ بیاہ کر جائے جہاں اسے دل و جان سے "قبولا" جائے، دلی پذیرائی اور گرم جوشی نصیب ہو۔ بڑی چاہ، خواہش اور دل کی تمام تر آمادگی کے ساتھ اس کو والدین سے مانگا جائے، بڑے اصرار اور شوق سے اپنے آنگن میں بسایا

جائے مگر یہاں تو زور و زبردستی والا معاملہ تھا۔

بہت شروع میں ہی واضح طور پر جتا دیا گیا تھا کہ فسانہ بیہ کے مقابلہ میں خاندان سے باہر لڑکی ان کے لیے قابل قبول ہوگی۔ عبدالصمد دو ٹوک انداز میں اظہار ناپسندیدگی کر چکے تھے اور خود ضمیر ماموں بھی سعدی والے معاملے کے بعد بابا جان سے میل جول ترک کر چکے تھے' وہ کسی طور بھی من چاہی نہیں تھی۔ خاندانی عزت کا حوالہ دے کر ضمیر ماموں نے احسان کے طور پر اس کا رشتہ مانگا تھا اور عبدالصمد نے محض ماں باپ کے اصرار اور خاندانی وقار کے لیے اس کا ساتھ قبول کیا تھا۔

اس کے پس پردہ کوئی دلی جذبہ' کوئی وابستگی نہیں پائی جاتی تھی اور انہوں نے اپنے انداز سے ثابت بھی کر دیا تھا جب ہی تو اتنے آرام سے کروٹ لے کر سو چکے تھا۔ اپنا کوئی بھی حق استعمال کیے بغیر حتیٰ سے رونمائی دینا تک گوارا نہیں کیا تھا۔ وہ کون سا ان کے دل سے نکلنے والی دعاؤں کی قبولیت کے نتیجے میں آنگن میں اتری تھی۔ وہ جانتی تھی یہی ہوگا کسی قسم کی خوش فہمی بھی نہیں تھی اس کی انا اور خودداری نے گوارا نہیں کیا کہ وہ اسے عروسی روپ میں محو انتظار دیکھ کر اس پر نظر اندازی کے پتھر برساتے ہوئے اس کی بلبلاتی انا کو مزید پاؤں تلے روندیں اسی لیے ان کے آنے سے پہلے ہی لباس و آرائش سے نجات پانے کے لیے کھڑی ہوگئی تھی' اسے ان سے ایسے ہی رویے کی توقع تھی۔

''یہ میرا خود سے عہد ہے عبدالصمد ضمیر خان جب تک آپ مجھے بحیثیت ایک انسان کے پوری عزت و تکریم اور اعزاز کے ساتھ تسلیم نہیں کریں گے۔ میں آپ کی پیش قدمی کے جواب میں سپردگی کا مظاہرہ نہیں کروں گی' میں بھی ان کے پیچھے جان دینے والے باپ کی بیٹی ہوں۔'' وہ شب عروسی کے گزرتے ہر لمحے میں خود سے عہد باندھتی رہی تھی یونہی آنکھوں میں رات کٹ رہی تھی۔

❋ ❋ ❋
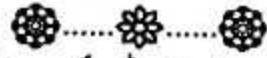
زندگی کی ڈگر بدلی تو روٹین بھی بدل گئی تھی۔ شادی کے دس پندرہ دن بعد جب تکلفات کا دور ختم ہوا تو اس نے نہایت خاموشی سے اپنے حصے کی ذمہ داریاں سنبھال لیں ہر چند کہ نذیراں نے خفگی سے منع کیا۔ بھابی نے پیار سے سمجھایا۔

''چندا! ساری عمر کام ہی کرنا ہے ابھی سے کیوں خود ہلکان کرتی ہو پھر تم عادی بھی نہیں ہو۔ شہروں میں جو سہولتیں ہوتی ہیں اس کے مقابلے میں یہاں کی زندگی تمہیں بہت مشکل اور محنت مشقت والی لگے گی۔ اب ایسی بھی قیامت نہیں آئی کہ ہم تم پر اتنی مصیبت ڈالیں۔ تم اتنی نازک سی ہو' بس آرام سے بیٹھو ایک طرف ہم تمہیں کام کروانے کے لیے تھوڑی لائے ہیں۔'' بھابی پیار سے اس کا نرم چہرہ ہاتھوں میں لے کر بولیں۔

''بس تمہارے کام یہ ہے کہ ہمارے شہزادے ویر عبدالصمد کا دل بہلاؤ اس کے دل پر راج کرو۔'' ان چھیڑ خانی ایک لمحے کو اس محجوب کر گئی تھی۔

''جب ساتھ رہنا ہے تو پھر مل جل کر ذمہ داریاں سنبھالیں گے سب۔'' وہ ٹالنے کو دوبارہ پرانا موضوع لے بیٹھی تھی۔

نذیراں لاکھ منع کرتی رہیں مگر اس نے دنوں میں کام سنبھال لیا' کھانا پکانے میں بھابی کی مدد کرتی۔ برتن دھوتی' کپڑے دھوتے میں مدد کرتی' کمروں کی صفائی ستھرائی کرتی سبھی کام کرنا جانتی تھی اور کرنے میں کوئی نخرا بھی نہ تھا۔ ملنے جلنے والا جو بھی دیکھتا نذیراں کی قسمت پر رشک کرتا جسے اتنی مہذب' پڑھی لکھی خوب صورت' فرماں بردار اور سادہ مزاج بہو ملی تھی۔ جو بھی آتا' اس پر تعریفوں کے ڈونگرے برساتا' وہ جھکا کر سنتی رہتی مگر کسی احساس نے دل کو نہ چھوا تھا۔ وہ کسی ردعمل کا اظہار نہیں کرتی تھی' زیادہ تر چپ رہتی تھی۔ خوشی تو اندر سے ابھرنے والے بے ساختہ خوش گوار جذبے کا نام ہوتی ہے اور اس نے باپ کی موت کے بعد دھنک کے کوئی رنگ نہیں دیکھا تھا۔ اب تو ایک عرصہ ہی بیت چلا تھا بغیر کسی خوش کن خیال کے اور خواب دیکھنے کی وہ کبھی عادی نہیں رہی تھی۔

''تم اتنی خاموشی اور گم صم کیوں ہوگئی ہو فوبی! لڑکیاں تو شادی کے بعد پھول کی طرح کھل جاتی ہیں۔'' ناصرہ کا سسرال پاس کے گاؤں میں تھا ہفتے میں ایک آدھی چار چکر ضرور لگا لیتی تھی اس بار تو آئی تو اس کی غیر معمولی سنجیدگی اور سپاٹ رویے کو دیکھ کر کہے بنا نہ رہ سکی تھی۔

''ہاں اور اس کے ہاں تو پھول کھل بھی چکا بلکہ دوسرا کھلنے والا ہے۔'' حرا بھی آج کل میکے آئی ہوئی تھی' اس نے

ناصرہ کے پھیلے ہوئے وجود پر چوٹ کی تو ناصرہ جھینپ کر رہ گئی پھر بولی۔

''میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس قدر اداس خاموش بلکہ بے زار بے زار کیوں رہتی ہو تم۔'' ناصرہ نے اس کے احساسات کا درست تجزیہ کیا تھا۔

''تمہارا وہم ہے۔'' وہ صاف ٹال گئی مگر ناصرہ مطمئن نہیں ہوئی۔

''وہم نہیں ہے۔'' وہ شد و مد سے سر ہلا کر بولی۔ ''پہلے میں بھی یہی سمجھتی تھی کہ منیر ماموں کے انتقال کی وجہ سے قدرتی سنجیدگی آ گئی ہے تم میں مگر اب تو تمہاری شادی کو بھی تیسرا مہینہ شروع ہو چکا ہے۔ کہیں عبدالصمد بھائی سے کھٹ پھٹ تو نہیں ہو گئی؟'' ناصرہ کے سنجیدہ تیور دیکھ کر فسابیہ کو سنبھلنا پڑا' مصنوعی خوشدلی سے اس کی چوٹی کھینچ کر بولی۔

''دماغ تو نہیں خراب' وہ بے چارے تو راولپنڈی میں بیٹھے ہیں بھلا ان سے کیا ان بن ہو سکتی ہے؟''

''او ہو اب سمجھی کہ اس دوری کا اصل میں دکھ ہے۔'' حرا نے شوخی سے اسے ٹھوکا مارا۔

''ہاں بھئی ہے تو یہ سراسر ظلم نئی نویلی دلہن کو چھوڑ کر وہ ہفتہ بھر غائب رہتے ہیں۔'' ناصرہ نے بختی مسکینی خود پر طاری کر کے اس کی جانب دیکھا تھا۔

''پھر آ کر مداوا بھی تو کر دیتے ہوں گے لڑکیو!'' بھابی کے معنی خیز فقرے پر وہ فطری حیا سے سرخ پڑ گئی' نندوں نے چھت پھاڑ قسم کا قہقہہ لگایا تھا۔

''میرا خیال ہے' بھائی کو سنجیدگی سے اس کے بارے میں سوچنا چاہیے ایسا کب تک چلے گا۔'' ناصرہ اب کے سنجیدہ تھی گو کہ روبینہ بھابی کے ساتھ بھی یہی سلسلہ چلا آ رہا تھا' گزشتہ دس سال سے۔ ان کے میاں آرمی میں تھے کبھی چھٹی پر آتے تو بھابی کے سجنے سنورنے کے دن لوٹتے تھے ورنہ وہی طویل انتظار مگر فسابیہ کے بات دوسری تھی' عبدالصمد بھائی ایک اچھی پوسٹ پر تھے۔

گھر کرائے پر لینا افورڈ کر سکتے تھے' دوسرے سب گھر والے ذہنی طور پر شادی سے پہلے ہی اپنی طرف سے یہ سوچ چکے تھے کہ عبدالصمد شادی کے بعد دلہن کو اپنے ہمراہ پنڈی لے جائیں گے۔ مگر تین ماہ گزر جانے کے باوجود ایسے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ نذیراں نے ایک بار دریافت کیا تو انہوں نے بے نیازی سے بتایا تھا کہ کم از کم آٹھ دس ماہ بعد وہ گھر لینے کی پوزیشن میں ہوں گے۔ فی الحال تو یہی معمول تھا کہ ہفتے کی شام کو آتے تھے اور اتوار کی شام کو روانہ ہو جاتے۔ کبھی نذیراں بہت اصرار کرتیں تو جمعرات کی شام کو دوبارہ واپس لوٹتے تھے' نذیراں کو بڑا قلق تھا کہ ان کی نازک سی شہزادی بہو کو شادی کے ابتدائی رنگین عرصے میں ہی دوریوں کے عذاب سہنے پڑ رہے تھے۔

انہیں کیا خبر یہ عذاب اس کے لیے کتنا سکون تھا' وہ گھر سے دور ہوتے تھے تو فسابیہ کی زخمی انا کو آرام مل جاتا تھا۔ ان کا سامنا کرنا ان کی موجودگی میں کمرے میں بیٹھنا اس کے لیے اک عذاب سے کم نہیں ہوتا تھا۔ ان کے آپس کے تعلق میں روز اول کی سی دوری تھی اور اس دوری کو باٹنے کی عبدالصمد نے بھول کر بھی کوشش نہیں کی تھی اور یہ بات اس کو مزید تذلیل کا احساس دلا گئی تھی اس نے مکمل طور پر اپنے آپ کو خول میں بند کر لیا تھا۔ شادی کے دو ہفتے بعد ایک دن ضمیر صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

''فوبی بیٹی! اپنے آپ کو کبھی بھی اس لحاظ سے کم نہ سمجھنا' پرانی باتوں کو بھول جاؤ بڑوں میں اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ بچوں سے اس کا بدلہ لیا جائے۔ تم مجھے اپنی بچیوں کی طرح ہی عزیز رہی ہو' تمہارے امی ابو سے جو بھی بات رہی ہو مگر تم سے بیٹی کے پیار کا جو رشتہ تھا سو ہے اس پیار میں کبھی کمی نہیں آئی اور نہ آئے گی۔ یہ اب تمہارا اپنا گھر ہے اور اس گھر کے سب لوگ بھی تمہارے اپنے ہیں' تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔ ان سب کو تم شروع سے پسند رہی ہو ہمیں امید ہے تم پچھلی باتوں کی تلخی بھلا کر ہم سب کو اپنا سمجھ کر قبول کرو گی۔ ہنسی خوشی ہمارے ساتھ رہو گی۔'' اور اس کے دل سے ضمیر ماموں کے خلاف میل جاتا رہا تھا۔ ناراض تو وہ اس محبت بھرے ماحول میں سے کسی سے بھی نہیں تھی۔

ہاں مگر وہ ایک شخص جو سب سے قریبی تعلق کا دعویدار تھا وہ اس کا بال بال مقروض تھا' نذیراں اور ضمیر ماموں کے شفقت بھرے انداز اور بچوں بڑوں کے والہانہ انداز پذیرائی نے اس کو پرسکون اور پُر اعتماد تو بنا دیا تھا مگر خوشی کا تصور ابھی تک اس لیے اجنبی تھا کہ وہ جس رشتے سے بندھا تھا وہاں اس تو ہین انسانیت اور تذلیل و تحقیر کے سوا کچھ توقع نہ تھی ملنے کی۔

رمضان المبارک کا آغاز ہو چکا تھا آخری عشرہ چل رہا تھا ان دنوں دادو کی طبیعت کچھ خراب رہنے لگی تھی۔ فسابیہ نذیراں کی رضا مندی سے دادو کے ہاں چلی آئی تھی۔ شام کے بعد ادھر ہی آجاتی تھی۔ رات کو دادو کو وضو کے لیے پانی گرم کر کے دیتی' وضو کروانے میں مدد دیتی اور ان کے آرام کا خیال رکھتی تھی۔

اگلی صبح ہمیشہ سے زیادہ اداس تھی کم از کم فسابیہ کے لیے۔ ہر آنے والا دن بے چینی' اضطراب اور ذہنی اذیت لے کر نمودار ہوتا تھا۔ کتنا عرصہ بیت گیا تھا اسے دل سے ہنسے ہوئے۔ کسی چیز میں کوئی دلچسپی' کشش یا تازگی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

''کیا بات ہے بیٹی...... افسردہ کیوں ہو رہی ہو؟'' نذیراں بہو کے اکھڑے اکھڑے انداز دنوں سے دیکھ رہی تھیں مگر یہ سوچ کے چپ سادھ لیتیں کہ خاوند کی جدائی کے باعث جی اچاٹ ہو گیا ہوگا مگر اب تو عبدالصمد دو تین دن سے گھر پر تھے۔ عید کی چھٹیاں لے کر آئے تھے وہ یوں پھر رہی تھی جیسے خوشی کا منہ دیکھے صدیاں بیت گئی ہوں۔

''بس مامی! یونہی دل اداس ہو رہا ہے۔'' وہ اپنی جھلاہٹ پر قابو پا کر آہستگی سے بولی تھی۔ نذیراں اون سلائیاں چھوڑ کر تشویش سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''میں صدقے میری بچی! بھرا پرا گھر ہے' تمہارا گھر والا تمہارے پاس ہے پھر دل کیوں اداس ہو رہا ہے' کیا عبدالصمد نے کچھ کہہ دیا ہے؟'' وہ بہت پریشان ہو گئی تھیں۔

''انہوں نے کیا کہنا سننا......'' وہ حلق تک بے زار نظر آرہی تھی جی اتنا ماندہ تھا کہ مروتاً بھی اپنی پژمردگی چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کب تک خود پر خوش باشی کی نقابیں ڈالے رہے بندہ۔

''خدانخواستہ......'' اس کے دلگیر انداز ان کی اوسان خطا کرنے لگے۔

''مجھے بتاؤ میری جان! تم اکیلی نہیں ماں کی جگہ ہوں میں' پھوپو کا رشتہ بھی ہے اور مامی کا بھی مگر ان سے بھی پہلے تم میری بیٹی ہو۔'' وہ اٹھ کر اس کے پاس آگئیں اور اس کا سر سہلانے لگیں۔

''اس نے تمہیں کچھ کہا ہے تو مجھے بتاؤ' میں اس سے پہلے تمہاری ماں ہوں۔ دیکھنا ابھی اس کے مزاج درست کر کے رکھ دوں گی مجھے تو ویسے بھی کافی عرصے سے الٹے سیدھے وہم آرہے تھے۔ دیکھ دیکھ کے حیران ہوتی تھی کہ یا الٰہی یہ انوکھے میاں بیوی ہیں نہ تمہارے مان اور ناز و انداز نظر آتے تھے نہ عبدالصمد کی بے قراریاں اور دل کی خوشی۔ بولو بتاؤ مجھے...... کیا بات ہے میری بچی اور اگر عبدالصمد کا قصور ہوا تو بے فکر رہو جب تک تم سے معافی نہیں مانگے گا اس کی صورت نہیں دیکھو گی۔'' جانے کیا ہوا' کب کا رکا ہوا طوفان آن کی آن میں پھٹ پڑا' آنسوؤں سسکیوں' ہچکیوں کسی پر اختیار نہ رہا وہ شدتوں سے ان کی آغوش میں بکھر کر بلک بلک کر رو پڑی۔ نذیراں کے جیسے کلیجے میں ہاتھ پڑا تھا' ان کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔ اسے سنبھالتے ہوئے ان کی بوڑھی بانہوں میں تھرتھری دوڑنے لگی تھی۔

''میری بچی! میری جان...... جاؤ روبیہ اس نا خلف کو ابھی اور اسی وقت میرے سامنے بلاؤ۔'' انہوں نے غم و غصے کی شدت سے لرزتے ہوئے دم بخود بیٹھی روبیہ بھابی کو انگلی سے اشارہ کیا تھا۔ وہ لوگ ڈرائنگ روم میں تھے بھابی جاتے ہوئے دروازہ بند کر گئیں کہ کوئی ادھر نہ آن ٹپکے۔

''کیا ہوا امی...... آپ نے بلایا تھا۔'' عبدالصمد اپنی دھن میں بے پروائی سے اندر آئے تھے مگر اندر کا سین دیکھ کر ان کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ وہ گنگ رُوتی بلکتی فسابیہ اور اسے سنبھالتی غضب ناکی کی حدود چھوتی ہوئی ماں کو دیکھ رہے تھے۔

''آجاؤ...... شاباش ہے میرے بچے' بڑا نام روشن کیا ہے ماں باپ کا' بڑا کارنامہ کیا ہے تم نے۔ میں نے بلایا ہے تمہیں ہار پہنانے کے لیے۔''

''امی! کیا بات ہو گئی ہے؟'' وہ ماں کے اس درجہ اکھڑے ہوئے بلکہ بگڑے ہوئے تیوروں پر ہلکا بکا رہ گئے تھے' تشویش سے کبھی اسے اور کبھی ماں کے برہم چہرے کو دیکھ رہے تھے۔

''یہ مجھ سے پوچھ رہے ہو تم؟'' وہ ان پر الٹ پڑیں۔ ''کیا دیدہ دلیری ہے کن حالوں میں پہنچا دیا ہے میری بچی کو۔ بتاؤ بھلا قیامت کے روز میرے بھائی نے پوچھا تو کیا جواب دوں گی کہ ان کی لاڈلی شہزادی رانی بیٹی کو کتنا سکھ دیا۔''

وہ دوپٹے میں منہ چھپا کر رو دیں۔ الجھن، پریشانی اور اضطراب ایک ساتھ عبدالصمد پر حملہ آور ہوئے تھے۔ ایسی کیا بات ہوگئی، سسکیاں دباتی نڈھال سی فسابیہ پر نگاہ ڈالتے ہوئے وہ الگ امتحان میں پڑے ہوئے اور اب ماں کا رونا اس کے اعصاب ماؤف ہونے لگے تھے۔

''بتاؤ میری بچی! تمہارا مجرم سامنے ہے بالکل بھی ڈرنے کی ضرورت نہیں، کھل کر بتاؤ کیسا سلوک کرتا ہے یہ تمہارے ساتھ؟ کیا شکایت ہے تمہیں اس سے؟'' فسابیہ جو شدت جذبات میں دنیا و مافیا کو بھلا کر جی ہلکا کرنے کو گھٹا کی طرح برس پڑی تھی۔ اب ہوش میں آتے ہی اپنی حماقت کا احساس ہوگیا تھا اسے کیا خبر تھی معاملہ اتنا سیریس ہو جائے گا۔ کمرے میں صرف نذیراں، عبدالصمد اور بھابی تھے۔ اندر سے دروازہ بند کر دیا گیا تھا، سب کے چہروں پر سنجیدگی اور تسویش تھی اس کا جی چاہا خود کو کہیں دفن کرے۔ جس راز کو وہ اتنے عرصے سے کامیابی سے چھپاتی آ رہی تھی آج اپنی اندرونی کمزوری کے سبب سر عام فاش ہوگیا تھا۔

''مجھے ان سے کچھ شکایت نہیں امی! البتہ ان سے پوچھ لیجیے۔'' وہ گھبرا کر انگلیاں مروڑتے ہوئے کہہ گئی، سر جھکا کہا اور دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔

''تم بتاؤ عبدالصمد!'' نذیراں کڑے تیور لیے بیٹے کی طرف مڑی تھیں۔

''مجھ سے کیا پوچھتی ہیں امی! اسی سے پوچھیے، جس نے آپ سے کہا ہے میں تو بالکل بے خبر ہوں۔'' وہ ایک سنجیدہ نگاہ اس پر ڈال کر قدرے ناراض سے انداز میں گویا ہوئے۔

''اس کا مطلب ہے کوئی بات ہے اور تم دونوں مجھے بے وقوف بنا رہے ہو۔'' نذیراں کے حتمی لہجے پر دونوں پریشانی سے انہیں دیکھنے لگے، ان کے انداز میں ناراضگی تھی۔

''ایسی کوئی بات نہیں امی! آپ پریشان نہ ہوں۔'' عبدالصمد لجاجت سے بولے۔

''مجھے پاگل سمجھا ہے ناں، دونوں مجھ سے چھپا رہے ہو۔ ٹھیک ہے میں کیا لگتی ہوں تمہاری، مجھے کوئی بات نہ کرے تم دونوں جا سکتے ہو۔'' وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں فیصلہ کر کے بیڈ پر لیٹ گئیں اور سر پر کھیس تان لیا۔ بھابی نے ساکت بیٹھے عبدالصمد اور فسابیہ کو اشارے سے باہر جانے کو کہا، وہ اپنی ساس کی مزاج آشنا تھیں۔ جانتی تھیں وہ اب کچھ نہیں سنیں گی، وہ متذبذب سے باہر چلے گئے۔

شام تک بات سنگین دوراہے پر جا پہنچی تھی، ضمیر ماموں کو بھی پتا چل چکا تھا اور کچھ نہ کچھ کن سن بچوں کو بھی لگ گئی تھی۔ اندر کی بات تو پتا نہیں چلی تھی البتہ یہ خبر کنفرم ہو چکی تھی کہ نذیراں، عبدالصمد اور فسابیہ سے مشترکہ طور پر خفا ہیں۔

سب دونوں کو طرح طرح کے مشورے دے رہے تھے، عبدالصمد تو کمرہ بند ہوگئے تھے۔ البتہ فسابیہ ہال کے کمرے میں سب کے درمیان غائب دماغی کے عالم میں بیٹھی ہوئی تھی۔

''مجھے خود بارہا محسوس ہوا تھا حتیٰ کہ شادی کے شروع شروع میں بھی مجھے لگا تھا کہ تم دونوں کے درمیان تعلق کی کوئی ڈور نہیں بندھی پھر سوچا دونوں پڑھے لکھے ہیں۔ شہری ماحول میں رہے ہیں شاید وہاں اسے طرح ہوتا ہو۔ شہریوں کی خوشی غمی کے انداز میں فرق بھی تو نہیں ہوتا ہے۔'' بھابی اسے الگ بیٹھے دیکھ کر چپکے چپکے کہہ رہی تھیں۔

''یوں پریشان ہونے سے کیا حاصل کل انتیسواں روزہ ہے، دستور کے مطابق ناصرہ اور حرا بچوں سمیت اپنی سسرال سے ادھر چلی آئیں گی عید منانے کے لیے پھر اور بھی ملنے ملانے والے آجائیں گے۔ تم لوگوں کو وقت نہیں ملے گا، میری مانو تو افطاری کے بعد ڈرائنگ روم میں جا کر دونوں خالہ جی کو منا لو یہ وقت پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔ ناراضگی میں وہ رات کا کھانا بھی نہیں کھائیں گی، مجھے ان کی طبیعت کا اندازہ ہے۔'' بھابی کام کا مشورہ دے رہی تھیں، جا کر دیور کو بھی یہی سمجھایا وہ فطری طور پر بڑی صلح جو مہربان اور ٹھنڈے مزاج کی تھیں۔ انہی کی کوششوں اور خوشامدوں سے نذیراں، عبدالصمد اور فسابیہ کی بات سننے پر آمادہ ہوئی تھیں، عبدالصمد جیسے کچھ ٹھان کے آئے تھے۔

''امی سیدھی اور صاف بات یہ ہے کہ محترمہ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے، یہ رشتہ ان کی پسند سے طے نہیں ہوا تھا، سو انہوں نے کسی قسم کی خیر سگالی کا مظاہرہ نہیں کیا، آج سے نہیں پہلے دن سے ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں۔'' عبدالصمد کو اچھا تو نہیں لگ رہا تھا اس طرح کی باتیں ماں سے کرنا مگر اب افشائے راز کے سوا چارہ بھی نہیں رہا تھا۔ بہت مجبور ہو کے سر جھکا کر بالآخر انہوں نے ترشی سے کہہ ڈالا۔ نذیراں یہ سب سن کر اس طرح بدکی کہ

دونوں کو دیکھنے لگیں جیسے یقین نہ آرہا ہو۔ ان کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا گویا تین ماہ سے دونوں سب کی نظروں میں دھول جھونک رہے تھے۔

''جی چاہ رہا ہے' ساری عمر تم دونوں کی صورت نہ دیکھوں۔'' وہ صدمے کی انتہائی کیفیت سے گزر رہی تھیں۔

''تم لوگ تین ماہ سے ہمیں بے وقوف بناتے رہے ہو' جانتے ہو کتنا بڑا گناہ کر رہے ہو؟ اس بندھن کی توہین کرتے رہے ہو۔ شادی بیاہ مذاق نہیں ہوتا' خدائی فریضہ ہوتا ہے۔ خدا اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے' شرع کا ایک بہت اہم پہلو ہے اس کے متعلق قرآن پاک میں کتنے جامع احکامات اترے ہیں۔ کیا اتنے عرصے میں ایک بار بھی کلام الٰہی کھول کر نہیں پڑھا؟ تم لوگوں کو خوف خدا نہیں آیا' اتنے پڑھے لکھے ہو کیا تمہارے نصابوں میں کہیں بھی خانگی زندگی کے حقوق و فرائض کا سبق درج نہیں ہے؟'' وہ کھری کھری سناتے ہوئے انتہائی برہمی سے دونوں کو گھور رہی تھیں۔

''امی! یہ اول درجے کے دروغ گو ہیں' سارا الزام مجھ پر ڈال دیا' ذرا ان سے پوچھیں ناں خود میرے لیے انہوں نے کیا کیا؟'' خود پر بات آتے دیکھ کر فسابیہ کا خاموش بیٹھے رہنا ممکن نہیں رہا تھا' اس نے بلاکم و کاست سارا افسانہ کہہ ڈالا۔

''میں تو ان کے لیے ان چاہی چیز رہی ہوں' جسے بحالت مجبوری قبول کیا گیا ورنہ ان کا ارادہ تو باہر سے بیوی لانے کا تھا۔ آپ لوگوں کے دباؤ میں اگر مجھ سے ناتا جوڑا' گھر میں لا کر خبر تک نہ لی۔ میرا ہونا نہ ہونا ان کے لیے ایک برابر ہے گویا۔'' اس کا جواب شکوہ سن کر عبدالصمد کو حیرت کا شدید ترین جھٹکا لگا۔

''امی! یہ محترمہ غلط بیانی سے کام لے رہی ہیں' میں نے کبھی بھی اسے رد نہیں کیا بلکہ ہر بار خود سے بلاتا رہا ہوں مگر جب اگلا بندہ ہی رسپانس نہ دے۔ بے نیازی برتے' مزامت سے کام لے تو پھر انا اور خودداری تو سب میں ہی ہوتی ہے۔''

''ادھر آؤ فوبی بیٹی!'' نذیراں نے کچھ سوچ کر نرمی سے اسے پاس بلایا' انہیں کچھ کچھ سمجھ آتی جا رہی تھی بات کی۔

''تم سے کس نے کہا تم ان چاہی ہو؟'' انہوں نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر شفیق لہجے میں پوچھا۔ ''تمہیں تو ہم بڑے ارمانوں سے بڑی چاہت سے بیاہ کر لائے ہیں میری بچی! شروع سے ہی ہم نے تمہیں اس آنگن میں لانے خواب دیکھے تھے صرف میں نے ہی نہیں خود عبدالصمد کے دل کی بھی یہی تمنا تھی تمہیں خبر نہ ہو مگر میں نے عبدالصمد کی خواہش پہچان کر بہت پہلے سے یہ بات تمہاری ماں کے کان میں ڈال دی تھی' کوئی باہر کی لڑکی بھلا تمہاری جگہ لے سکتی تھی۔ ہاں سعدی اور ناصرہ والے معاملے میں شاید ایک بار جذباتی ہو کر عبدالصمد کچھ کہہ بیٹھا مگر وہ صرف وقتی غصہ تھا۔ تمہارے ضمیر ماموں لاہور سے آئے تو بہت غمزدہ اور مضمحل تھے' آ کر جانے کس انداز میں بیٹوں کو بات بتائی کہ عبدالصمد غصہ میں آ کر باہر سے لڑکی والی بات کر گیا۔ ایسا ہو جاتا ہے بندہ غصے میں نہ جانے کیا کچھ بک جاتا ہے' بعد میں بھول بھال جاتا ہے' اس وقت کچھ پتا نہیں چلتا کیا منہ سے نکل رہا ہے اسی لیے تو کہتے ہیں کہ غصہ حرام ہے۔'' نذیراں ساری بات واضح کر رہی تھیں' عبدالصمد بہت غور سے فسابیہ کے چہرے کے تاثرات پڑھ رہے تھے ان پر بھی اس کے گریز اور پہلوتہی کا راز کھل گیا تھا۔

''کمال ہے امی! میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ اس قدر پرانی اور چھوٹی سی بات کو دل پر لے لے گی۔'' ان کے لہجے میں ہمواری اور سکون غالب تھا۔

''مجھے تو ٹھیک سے یاد بھی نہیں آ رہا کہ ایسا کچھ کب کہا تھا ہو سکتا ہے جذباتیت میں منہ سے نکل گیا ہو مگر میرے دل میں ایسی کوئی بات نہیں تھی اگر ایسا ہوتا تو اتنے سال منیر ماموں اور ابا جی کی صلح کا انتظار کیوں کرتا؟ نوکری ملنے کے بعد باہر والی محترمہ بیاہ لاتا' خوامخواہ تین سال تک سولی پر نہ لٹکا رہتا۔'' ان کے شگفتہ لب و لہجے نے فسابیہ کو خود میں سمٹنے پر مجبور کر دیا تھا' اتنے عرصے کی دل میں چبھی پھانس نکل گئی تھی۔ وہ اپنی انا و خودداری بچا لائی تھی' اس کی عزت نفس محفوظ تھی۔ وہ من چاہی ہونے کا یقین حاصل کر چکی تھی' یہ سند پا چکی تھی کہ بڑی خواہش و مناجات کا نتیجہ ہے یہ بندھن۔

''الٹا اس نے میرے ساتھ بے رخی برتی' میرے وجود کی نفی کی۔ سرد مہری اور بے زاری کا اظہار کرتی رہی آپ اس کی خبر لیجیے ناں۔'' وہ ایک ایک کر کے اس کی شکایتیں گنوا رہے تھے۔

''میرا یہاں آنا اس کے لیے عذاب سے کم نہیں ہوتا'

میری آمد سخت ناگوار گزرتی ہے۔'' وہ لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے پوری فہرست سنا رہے تھے اس کے ناروا سلوک کی۔

''یہ غلط ہے ماموں!'' اس نے کمزور سا احتجاج بلند کیا' چاہنے کے باوجود وہ ان کی طرف دیکھ نہیں پا رہی تھی البتہ ان کی نگاہوں کی تپش بڑی اچھی طرح محسوس کر رہی تھی۔

''غلط ہے تو میری آمد پر چھپی کیوں پھرتی تھیں' مجھ سے کتراتی کیوں تھیں' کمرے سے کیوں بھاگا کرتی تھیں؟'' وہ ڈپٹ کر پوچھ رہے تھے۔

''بس اب ان سارے جھگڑوں کا حل یہ ہے کہ تم راولپنڈی میں مکان کرائے پر لے لو پھر جلد از جلد دلہن کو ساتھ لے جاؤ۔'' نذیراں نے حکم سنا دیا تھا۔

''شکر ہے معاملہ نپٹا' اب جاؤ فوبی! میرے لیے کھانا لا دو اور عبدالصمد تم کمرے میں چلو میں تھوڑی دیر بعد فوبی کو تمہارے پاس بھیجتی ہوں۔'' اور فسابیہ کے حواس کوچ کرنے لگے ان کا سامنا کرنے کی اس میں ہمت نہیں پڑ رہی تھی پہلے ان کی بے رخی کے ڈر سے اور اب ان کے بہکے بہکے دیوانہ پن کے خوف سے وہ نذیراں کو کھانا دے کر فارغ ہوئی تھی کہ غلغلہ سا مچ گیا۔

''مبارک ہو فوبی بھابی! ضوفشاں مامی سعدی اور فاطمہ آ گئے ہیں لاہور سے۔'' نعمان پھولے پھولے سانسوں سے بھاگتا ہوا بتانے آیا تھا۔

''کیا......؟'' وہ خوشیوں کی دھنک میں نہا گئی' پانی کا گلاس ہاتھ سے پھسل گیا۔ دیوانہ وار باہر بھاگی تھی' کتنی مدت بعد اپنوں کی شکل دیکھنا نصیب ہوا تھا۔

ساری رات ماں' بہن اور بھائی کے ساتھ باتیں کرتے گزار دی' جوش و خروش کی انتہا پر اس کی نیند آنکھوں سے اڑ گئی تھی۔ سب ہی اپنے اپنے کمروں سے بستر چھوڑ کر ہال کمرے میں آ گئے تھے۔ عبدالصمد بھی سعدی کے ساتھ مصروف ہو گئے تھے۔

❁.........❁.........❁
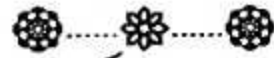
افطاری کے بعد سب چاند دیکھنے چھتوں پر چڑھ گئے۔

''چاند نظر آ گیا......مبارک ہو' مبارک ہو۔'' فضا میں ایک ہلچل سی مچ گئی تھی۔

ہال کمرے میں میلے کا سماں تھا۔ ناصرہ' حرا اور بھابی کے بچوں نے عجب شور شرابا برپا کر رکھا تھا۔ فسابیہ سب کے درمیان بیٹھی ہنسی خوشی سب کے مہندی لگا رہی تھی' بزرگ پارٹی ڈرائنگ روم میں محفل جمائے ہوئے تھی۔ رات کے ساڑھے گیارہ کا ٹائم تھا مگر کسی کو نیند کا احساس نہیں تھا۔

''یہ کیا میلہ لگا رکھا ہے بھئی' سونے کا وقت برباد کر رہے ہو۔'' معاً عبدالصمد برہم موڈ لیے اندر داخل ہوئے تھے اس کی مصروفیت کو نہایت ناپسندیدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے' کل سے وہ ہاتھ نہیں آئی تھی۔

''واقعی بہت رات ہو گئی ہے۔'' بھابی نے دیور کے تیور پہچان کر فوراً سب کو اٹھا دیا۔

''تم جاؤ کل رات بھی پوری جاگ کر گزاری تھی۔ صبح عید ہے اتنا ملنا ملانا' پہلی عید تمہاری تھکن بڑھ جائے گی جا کر کچھ آرام کر لو۔'' بھابی نے بظاہر سادگی سے کہا تھا مگر ان کی نگاہ کی شوخ معنی خیزی فسابیہ کو شرم سے شل کر گئی تھی' عبدالصمد واپس پلٹ چکے تھے۔ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے مگر یہ مرحلہ طے تو بہرحال کرنا ہی تھا۔

''مل گئی آپ کو فرصت۔'' کہنی کے بل نیم دراز میگزین کھنگالتے ہوئے بخوا انتظار عبدالصمد نے اسے اندر آتے دیکھ کر شکایتاً کہا تھا۔

''جی وہ آپ کو پتا ہے ناں' کل عید ہے چاند نظر آ گیا ہے بس وہ اسی کی مصروفیت تھی۔'' وہ اپنی بوکھلاہٹ چھپانے کو خوامخواہ بولنے لگی۔ نگاہ جھکی ہوئی تھی اور وہ ان کی سرکش اداروں کا پتا دیتی نظروں سے بچنے کے لیے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ دل کی دھک دھک صاف سنائی دے رہی تھی۔

''مگر میرا چاند اور میری عید تو تم ہو' تمہیں بھی پتا ہے ناں......'' انہوں نے شوخی سے اس کا ہاتھ تھام کر کہا تھا۔ اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں اور سر جھک گیا' ان کی جسارتوں پر بند باندھنا اس کے لیے اب ممکن نہیں رہا تھا۔

وہ دن میں کسی وقت کمرے میں آئی تو بستر کے ایک سائیڈ پر بڑا سا پیکٹ دیکھ کر حیران رہ گئی' نزدیک جا کر جائزہ لیا خوب صورت گفٹ پیک کے اندر جدید طرز کا جامنی کلر کا خوب صورت سوٹ تھا۔ ساتھ میں جامنی کانچ کی چوڑیاں اور ایک عید کارڈ بھی موجود تھا' اس نے کھول کر پڑھا اس کے نام تھا اور فقط ایک شعر جگمگا رہا تھا۔

نگاہوں میں شوخی لبوں پر تبسم

وہ چوڑی کھنکتی تو جب عید ہوتی
وہ آنچل میں چہرہ چھپاکے جو چلتے
تو شرم و حیا کے سبب عید ہوتی

اس قدر خوب صورت اظہار محبت نے سے نازاں کرڈالا تھا۔ وہ ہواؤں میں اڑنے لگی تھی' اب مزید کسی وضاحت کی ضرورت ہی نہیں رہی تھی۔

''میری عید تم ہو۔'' کتنا جامع اعتراف تھا' وہ اسی حوالے سے اسے چھیڑ رہے تھے۔

''ارے تم نے خود تو مہندی لگائی ہی نہیں۔'' وہ بولے۔

''آپ نے موقع کہاں دیا۔'' اس نے ہنس کران کی جلد بازی پر چوٹ کی۔

''اوہو' یہ تو اچھا نہیں ہوا۔ اچھا ایسا کرو جا کر مہندی کا ساز و سامان لے آؤ میں خود تمہاری مہندی لگاؤں گا اپنے نام کی۔'' ان کا اشتیاق دیدنی تھا۔

''رہنے دیں' صبح اٹھ کر لگالوں گی' آدھے گھنٹے میں رنگ چڑھ جائے گا۔'' وہ مسکرادی۔

''بھئی میں تمہارے نہیں اپنے فائدے کے لیے کہہ رہا ہوں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر ذومعنی انداز میں مسکرائے۔

پہلے تو وہ خاک بھی نہیں سمجھی اور جونہی ان کی نگاہ اور ہونٹوں پر مچلتے شرارتی تبسم کے معانی سمجھ میں آئے حیا سے دوہری ہونے لگی۔ اُف...... کس قدر بے باک ہوئے جارہے تھے اس نے تو انہیں ہمیشہ سے بڑی سنجیدہ' بردبار اور لیے دیے رہنے والے انداز میں دیکھا تھا۔

''جانتی ہو' میں نے اتنا عرصہ پہلے اظہار کیوں نہیں کیا؟'' وہ اس کی لانبی انگلیوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں کی انگلیوں میں پھنسائے ہوئے اسے بغور دیکھتے ہوئے بولے۔ وہ نظر اٹھا کران کی طرف دیکھنے لگی۔

''گھر میں میرے علاوہ جوان بہنیں اور لڑکے بھی تھے' میں نہیں چاہتا تھا کہ کسی بھی لحاظ سے ان کے دلوں میں کوئی ایسی ویسی بات بیٹھ جائے۔ لڑکے زیادہ جلدی جذباتی منازل طے کرکے جوانی کی حدود تک پہنچتے ہیں۔ کم عمری میں ذہنی طور پر بالغ ہوجاتے ہیں' وہ اپنے سے بڑوں میں اس قسم کا کھلا پن محسوس کرلیں تو اسے جائز سمجھتے ہوئے نادانی میں جذباتیت کے ہاتھوں کوئی نقصان کر بیٹھتے ہیں اسی لیے میں ہمیشہ محتاط رہا۔ جب بھی تم یہاں آئیں میں نے پوری کوشش کی کہ تمہارے ساتھ نارمل انداز میں پیش آؤں جیسے کوئی محسوس نہ کرسکے۔ حیرت ہے کہ اس کے باوجود امی' ناصرہ اور بھابی لوگ میرے دل کا راز پا گئے اور جس پر کھلنا چاہیے تھا وہ محترمہ کل تک انجام رہی ہیں۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ مجھے اپنے اور تمہارے ماحول کا فرق کا اندازہ تھا' میں چاہتا تھا کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد برسرروزگار ہوکر تمہارے رہن سہن کے مطابق شہر میں سیٹ ہوکے امی لوگوں کو منیر ماموں کے ہاں بھیجوں تاکہ انکار کا کوئی جواز نہ رہے مگر افسوس سعدی والے معاملے کی وجہ سے وقتی طور پر دونوں گھرانوں کے درمیان تلخی ہوگئی پھر منیر ماموں کی ناگہانی موت کے بعد معاملہ مختلف ہوگیا۔ جب تم نے شادی کی اولین رات میری اہمیت و مقام کی نفی کرکے گریز کی راہ اپنائی تو میں اس غلط فہمی کا شکار ہوگیا کہ تمہاری رضا کے خلاف ایک ناپسندیدہ شخص کے ساتھ تمہیں زبردستی نتھی کردیا گیا ہے شاید تمہارا انتخاب کوئی اور ہو' یہ خبر ہی نہیں تھی کہ...... اچھا چلو چھوڑو ان پرانے قصوں کو...... سنو ایسا کرو وہی عروسی لباس پہنو' زیور اور میک اپ سے آراستہ کرو خود کو تاکہ مجھے یقین آجائے کہ تمہارا ساتھ خواب نہیں حقیقت ہے۔ تصور میں تو بارہا تمہیں اپنی دلہن بنے سیج پر بیٹھے دیکھ چکا ہوں۔''

''منہ دھو رکھیں۔'' وہ جو سرشاری کے عالم میں ان کے اقرار و اعترافات سن رہی تھی ان کی فرمائش پر شرما کران سے ہاتھ چھڑا کر اپنے بستر میں گھس گئی اور رضائی ٹھیک کرنے لگی۔

''کل عید پر پہن لوں گی وعدہ...... ابھی مجھے سخت نیند آرہی ہے۔'' وہ ان کی بولتی نظروں سے بچنے کے لیے نیند کا سہارا لے رہی تھی۔ وہ اپنی جگہ پر آکر اپنی رضائی سیٹ کرنے لگے پھر اس کی جانب دیکھا۔

''اس رقیب کو تو ہٹاؤ یہاں سے۔'' دوسرے ہی لمحے وہ اس کی رضائی ہاتھوں میں سمیٹ کر سامنے کرسی پر پھینک چکے تھے۔

قسط نمبر 9

دل کے دریچے

صدف آصف

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

بہزاد خان بھائی کے علاج کی خاطر ریحانہ بیگم سے پیسے مانگتے ہیں مگر وہ صاف انکار کر دیتی ہیں ایسے میں طیش کے عالم میں بہزاد خان کا ہاتھ ان پر اٹھ جاتا ہے بعد میں اپنے اس عمل پر انہیں پچھتاوا ہوتا ہے لیکن ریحانہ بیگم اس صورت حال پر بھونچکا رہ جاتی ہیں اور قطعی لاتعلقی کا اظہار کرتی ہیں، سفینہ سنبل اور ثوبیہ کو اپنے مسائل سے آگاہ کرتی فائز کی دوری اور اپنی ماں کا اس کے لیے رشتے تلاش کرنے کی بابت بتاتی ہے جبکہ دوسری طرف فائز اس تمام صورت حال سے بے خبر ہوتا ہے وقت اور حالات سے سمجھوتہ کرتے وہ ایک معمولی جاب کے لیے ہامی بھر لیتا ہے جبکہ سائرہ بیگم شوہر کی علالت اور گھریلو حالات کے بدلنے پر متوحش ہوتی ہیں دوسری طرف دلشاد بانو کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ سائرہ ان کے گھر شفٹ ہو جائے تاکہ یہ پورشن کرائے پر دیا جاسکے اور فائز کو بھی سفینہ سے دور کیا جاسکے۔ ریحانہ بیگم بہزاد خان کو معاف کرتے اپنی ناراضگی ختم کر دیتی ہیں مگر سفینہ کے رشتے کے لیے ان کی کوشش جاری رہتی ہے اس سلسلے میں اشرفی خالہ انہیں آفاق احمد کے رشتے سے آگاہ کرتی ہیں آفاق احمد عزت دار گھرانے کا چشم و چراغ ہوتے ہیں اور اپنی ذات کی تنہائیوں میں مقید ہے روشنی اس کی لاڈلی بہن ہے جسے اس نے ماں باپ بن کر پالا ہوتا ہے ان کے گھر کا تمام انتظام عشو بوا کے سپرد ہوتا ہے ریحانہ بیگم ان سے تفصیلی بات کر کے انہیں اصل مقصد سے آگاہ کرتی ہیں۔ نبیل ایک طرف صائمہ سے تعلقات بڑھاتا ہے دوسری طرف شرمیلا کو بھی محبت کے فریب میں الجھائے رکھنا چاہتا ہے لیکن شرمیلا بھی اتنی آسانی سے اس کے ہاتھ آنے والی نہ تھی صائمہ کی بہت سی باتوں کے ذریعے اسے کچھ غلط ہونے کا احساس ہو جاتا ہے جب ہی وہ نبیل سے محتاط انداز میں بات کرتی ہے صائمہ جہاں نبیل پر بھروسہ کرتی شرمیلا سے اس کی محبت کو ایک کھیل سمجھتی ہے وہیں وہ اپنی دوست کے ساتھ کچھ غلط ہو جانے کے خیال سے بھی خائف رہتی ہے اور نبیل کو اس بات سے آگاہ کرتی ہے جبکہ نبیل اسے اپنی باتوں میں الجھانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

اسری اویس کی چمک دار گاڑی جیسے ہی ''شاہ ہاؤس'' کے سامنے رکی۔ اگلے ہی لمحے واچ مین نے گیٹ کھول دیا۔ ڈرائیور نے گاڑی ماربل والے بڑے سے کار پورچ میں لا کر روکی تو وہ ساڑھی کا پلو سنبھالتی ہوئی اتریں۔

''خالہ جانی......!'' روشنی نے ایک زوردار چیخ ماری اور بھاگتے ہوئے ان سے لپٹ گئی۔

''کیسا ہے میرا بچہ۔'' انہوں نے روشنی کو خود سے الگ کیا اور ماتھے پر بکھرے بال پیار سے سنوارتے ہوئے پوچھا۔

''میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔ ایک دم پرفیکٹ۔'' اس نے اوپر سے نیچے تک انگلی سے اپنی جانب اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

''اچھا مگر آفاق کی کال آئی تھی۔ بتا رہا تھا کہ تمہیں کل سے فلو ہو گیا ہے۔'' ان کے لہجے میں فکر اور محبت کے رنگ ابھرے۔

''یہ بھائی بھی نا ایسے ہی فکرمند ہو جاتے ہیں، کل زبردستی میڈیسن دلا کر لائے اور آپ کو بھی کال کر دی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔

''اچھا یعنی اب طبیعت بہتر ہے۔'' اسری نے لاؤنج کے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اطمینان کا اظہار کیا۔

''جی دوا وقت پر کھا رہا تھا اس لیے اب پہلے سے زیادہ فریش فیل کر رہا ہوں۔'' روشنی کا انداز شوخ ہوا۔

''یہ مصیبت پھر آگئی۔'' عائشہ بیگم لاؤنج میں داخل ہوئی تو اسری کو دیکھ کر دل میں سوچا مگر اوپر سے مسکراتی ہوئی ان کی طرف بڑھیں۔

''اوں ہوں پھر وہی بولنے کا انداز کتنی بار سمجھایا ہے۔'' اسری نے بھانجی کو دیکھ کر سر پر ہاتھ مارا۔
''خالہ جانی ٹھیک تو بولتا ہوں۔'' روشنی کا قہقہہ نکلا۔
''روشنی خود کو سدھار لو ورنہ آگے جا کر بہت مشکل ہوگی۔'' اسری نے رسانیت سے سمجھایا۔
''چھوڑیں ان باتوں کو ویسے میرا دل کہہ رہا تھا کہ آپ آج ضرور آئیں گی۔'' روشنی نے ان کی بانہوں میں جھولتے ہوئے بات بدلی۔
''کیا کروں تم دونوں میں میری جان اٹکی رہتی ہے۔ اسی لیے ایک دو دن چھوڑ کر چکر لگانا پڑتا ہے۔'' اسری کا لہجہ محبت سے چور تھا۔
''کیسی ہو اسری؟'' عائشہ نے قریب پہنچ کر پوچھا۔
''جی عشو باجی اللہ کا شکر ہے ویسے آپ کے جوڑوں کا درد کیسا ہے؟'' اسری نے ان کی دکھتی رگ چھیڑی۔
''جوڑوں کا درد نہیں تو میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔'' وہ گھبرا کر بولیں۔
''اچھا مگر آفاق تو بتا رہا تھا......'' انہوں نے مسکرا تفصیل بتانا چاہی۔
''اس کی تو عادت ہے چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہونے کی، ایسی کوئی بات نہیں۔'' عائشہ بیگم نے فوراً بات کاٹ کر کہا۔
''خیر میں نے اسی لیے جلد از جلد آفاق کی شادی کا فیصلہ کیا ہے تاکہ شاہ ہاؤس کے مسئلے مسائل حل ہوسکیں۔'' ان کا انداز کچھ جتاتا سا تھا۔
''تم تو ایسے ہی فکر کرتی ہوں میں ہوں نا ان دونوں کی دیکھ بھال کے لیے۔'' عشو خالہ کے منہ سے جملہ پھسل گیا۔
''یہ دونوں میری بہن کی آخری نشانیاں ہیں ان کی فکر میں نہیں کروں گی تو کیا کوئی غیر کرے گا۔'' اسری کو برا لگا طنزیہ لہجے میں جواب دیا۔
''میرے کہنے کا یہ مقصد نہیں تھا۔'' وہ خفیف سی ہوگئیں جو بھی تھا۔ مقابل خون کا رشتہ تھا جسے جھٹلانا آسان نہیں تھا۔
''آپ دونوں بھی کس بحث میں الجھ گئی ہیں۔'' روشنی نے مصنوعی خفگی سے ہمیشہ کی طرح ان کو ٹوکا۔
''بیٹا میں نے ایک سادہ مگر سچی بات کی ہے۔'' اسری نے روشنی کا ہاتھ پکڑ کر کہا تو عائشہ بیگم کا چہرہ تاریک ہوگیا۔
''عشو اماں پلیز کچھ کھانے کو لے آئیں۔ بہت بھوک لگی ہے۔'' اس کو فوری حل یہی دکھائی دیا۔
''اچھا جان کیا کھانا ہے؟'' وہ مستعدی سے بولیں۔
''کوئی ضرورت نہیں ہے ڈنر میں تھوڑا سا وقت رہ گیا ہے بے وقت کھا کھا کر تم نے اپنا یہ حال بنا لیا ہے۔'' اسری نے فوراً مخالفت کی۔
''اوہ خالہ جانی۔'' اس نے افسردگی سے سر ہلایا۔
''عشو باجی...... آئندہ روشنی کو روٹین کے مطابق کھانا ملے گا۔'' اسری نے گول گپا سی روشنی کو گھورنے کے بات ہدایت دی۔
''ٹھیک ہے۔'' عائشہ بیگم کا انداز روکھا سا تھا۔
''میں ایک دو دن میں ڈاکٹر سے بات کر کے اس کے لیے ڈائٹ پلان بنواتی ہوں۔'' ان کی سوچتی نگاہوں سے بچنے کے لیے روشنی نے پاس آ کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔
''خالہ جانی میرے کمرے میں چلیں مجھے آپ کو اپنی شاپنگ دکھانی ہے؟'' روشنی نے پیار سے کہا۔
''ہاں چلو دیکھوں اب کی بار تم نے کتنی جینز اور ٹی شرٹس خریدی ہیں۔'' اسری نے جل کر کہا اور بھانجی کی ہمراہی میں قدم بڑھا دیئے۔
''جانے یہ عورت امریکا واپس کب جائے گی۔'' عشو نے گہری نظروں سے اپنے اطراف کا جائزہ لیا اور بڑبڑانے لگیں۔

❁ ❁ ❁

جولائی 2016 کے شمارے کی ایک جھلک

عورت زاد: کہانی ہے اس حسینہ کی جسے اِس ظالم معاشرے نے جنم دیا لیکن اُس نے ظلم قبول نہ کیا اور ظالم کے خلاف بغاوت کر دی۔ آہنی ارادوں والی اس ریشم بدن نے زمانے کے بھگنٹ گھوڑے کی لگامیں اپنے ہاتھ میں لے لیں اور اس پر سوار ہو کر وقت کو اپنا قیدی بنالیا۔ اس کا مقصد حقیقی عورت کو آزاد کرنا تھا۔ جس کے لئے وہ خود حالات کی بنائی ہوئی سنگلاخ راہوں چل پڑی۔ آبلہ پائی کے اس سفر میں آگ اور خون سے گذر کر اپنی منزل کی طرف گامزن رہنے والی برق صفت دلربا کو، صنف نازک اپنا مسیحا ماننے لگیں۔ ایک عورت زاد کی سرگذشت، جو پائی دلوں پر حکومت کرنا جانتی تھی۔ قارئین کے پسندیدہ قلم کار محترم امجد جاوید کے قلم سے نئے افق کے قارئین کے لیے ہنگامہ خیز سلسلے وار کہانی۔

پل صراط عشق: الیکٹرونک میڈیا کے ناجائز استعمال سے جنم لینے والے واقعات کا شاخسانہ۔ اس ماں کی کہانی جس نے اپنی محبت کے کھو جانے کا انتقام اپنی بیٹی کی محبت چھین کر لیا۔ اس نوجوان کی داستان الم جس نے محبت کے حصول کی خاطر اپنی زندگی داؤ پر لگا دی تھی۔ معروف ادیب ریاض حسین شاہد کے قلم سے سسپنس سے بھرپور سلسلے وار کہانی۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ

''عجیب زمانہ آگیا ہے کہ ہر کوئی اپنی مرضی کی زندگی جینا چاہتا ہے؟'' بتول کی بڑبڑاہٹ واضح طور پر شرمیلا کے کانوں تک پہنچ رہی تھی مگر وہ ڈھیٹ بنی پلنگ پر دراز پڑی رہی۔

''ماں کا کوئی ادب واحترام ہی نہیں رہا۔'' انہوں نے اس کے کمرے میں داخل ہوکر ترچھی نگاہوں سے گھورا۔

''امی پلیز میرا دل اب سائرہ خالہ کے یہاں جانے کو نہیں کرتا تو......'' وہ دھیرے سے بولی۔

''ہاں پہلے تو ان کے گھر کی طرف تمہاری دوڑیں ہر دوسرے دن لگتی تھی اب جانے ایسا کیا ہوگیا ہے؟'' بتول نے چادر اوڑھتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ نہیں ہوا ہے کوئی بات نہیں ہے آپ بلاوجہ پریشان ہوتی رہتی ہیں۔'' اس نے زچ ہوکر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو پھر چلی چلو نا میرے ہر چکر پر سائرہ بہن اور دلشاد خالہ تمہارا پوچھتی ہیں۔'' بتول نے بیٹی کو پچکارا۔

''افوہ آپ جائیں نا میں پھر کبھی چلی جاؤں گی۔'' اس نے ماں کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''ہاں بھئی میں کوئی احسان فراموش تھوڑی ہوں جو نہ جاؤں خالہ دلشاد کے کتنے احسانات ہیں ہم پر۔'' وہ کھڑی ہوئیں اور ترخ کر بولیں۔

''جی...... جی...... جو انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔'' شرمیلا نے ماں کا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے چھیڑنے کی کوشش کی مگر بے کار۔

''نہ بھئی نہ تم لوگ مانو یا نہ مانو میں تو کسی کی ایک اچھائی بھی نہیں بھولتی۔'' وہ سرہلا کر بیٹی کو باتیں سنائے چلی جارہی تھیں۔

''آج خالہ کا داماد اتنی بری حالت میں پڑا ہے کیا ہمارا فرض نہیں کہ دو گھڑی نکال کر انہیں دیکھنے چلیں جائیں۔'' بتول کی سنجیدگی میں رتی برابر فرق نہیں آیا بڑبڑ کرتی ہوئی، چھوٹی بیٹی کا ہاتھ تھام کر باہر نکل گئیں۔

❁......❁......❁

علی شاہ نے اپنی زندگی میں شہر سے تھوڑا ہٹ کر ایک مشہور اور پرسکون علاقے میں ''شاہ ہاؤس'' بڑی شان وشوکت کے ساتھ بنوایا تھا تاکہ اپنے دونوں بچوں کے ساتھ سکون سے زندگی گزار سکیں مگر عمر نے ان سے وفا نہ کی اور وہ بھی بیوی کے پیچھے دنیا سے چلے گئے۔ پیچھے ان کی یادیں رہ گئیں۔ آفاق شاہ کو تو ماں کی موت کا صدمہ ہی نہیں بھولتا تھا اب باپ بھی نہ رہے۔ جب ماں کا انتقال ہوا تھا تو آفاق شاہ بڑا ہونے کی وجہ سے کافی سمجھدار تھا مگر چھوٹی بہن روشنی ماں کے بعد بہت ضدی ہوگئی، علی شاہ کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس چھوٹی سی بچی کو کیسے سنبھالیں، اس وقت عائشہ جوان کی دور پرے کی غریب رشتے دار تھی، وہ بھاوج کی فوتگی پر آئی ہوئی تھیں، انہوں نے بڑھ کر اس بچی کو اپنی گود میں لے لیا تو علی شاہ نے سکون کا سانس لیا، اس کے بعد سے عشو خالہ اس گھر کا حصہ بن گئیں، ان کی آل اولاد شہر سے دور ایک گاؤں میں رہتی تھیں، شوہر سدا کے نکھٹو، وہ یہاں سے کما کر اور زیادہ گھر کے خرچوں میں سے رقم مار کر گاؤں بھیجتی رہتی، اور وہاں سب عیش کرتے رہتے، شروع میں تو عائشہ بیگم کو اپنا گھر بہت یاد آیا مگر پھر گھر والوں کے آرام کی خاطر انہوں نے خود کو پتھر کا بنالیا، وہ چھوٹا سا کچا مکان جہاں پہلے کھانے کے لالے پڑے ہوئے تھے، اب ہر دوسرے دن مرغی پکنے لگی، حلویے سے مہمانوں کی تواضع کی جاتی تھی، کسی کو بھولے سے بھی عائشہ اماں کا خیال نہ آتا، جوان لوگوں کی خاطر کوسوں دور پڑی تھی، ان کا فون بھی آتا تو ماں کی خیریت پتا کرنے کی جگہ ایک نئے خرچے کی نوید ساتھ لاتا۔ اولاد کی خودغرضی نے ان کے اندر کی ماں کو مار کر سلا دیا تھا۔ یہ ہی وجہ تھی کہ انہیں پیسے سے محبت ہوگئی، انہوں نے آہستہ آہستہ روشنی کو اپنا اتنا عادی بنالیا کہ وہ ان کے سوا کسی سے بہلتی نہ تھی۔ اس کے بدلے میں ان کی ضرورتیں پوری ہوجاتیں، باقی وہ خود سے بھی چار پیسے بچا کر اپنے کمرے میں رکھے باکس میں چھپاتی رہتیں تاکہ جب وہ اس گھر سے لوٹ کر اپنے گاؤں واپس جائیں تو اتنا پیسہ جمع ہوچکا ہو کہ کسی چیز کی کمی نہ رہے۔ اس لیے انہوں نے بڑی چالاکی سے روشنی کو ہاتھ کا چھالا بنا کر پالا مگر یہ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ یہ چھالا زخم کی شکل بھی اختیار کرسکتا ہے۔

❁......❁......❁

''صائمہ کیا بات ہے تم کچھ پریشان رہنے لگی ہو؟'' شرمیلا نے صائمہ کی شکل دیکھی تو پوچھا۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔
''کچھ تو ہے جو تم مجھ سے چھپا رہی ہو۔'' شرمیلا کا اصرار بڑھنے لگا۔
''نہیں کچھ نہیں بس ایسے ہی۔'' صائمہ نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بات بدلی۔
''میں تمہاری اتنی پرانی دوست ہوں مجھے نہیں بتاؤ گی۔'' شرمیلا نے پوچھا۔
''کیا نہیں بتاؤں گی؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔
''وہ ہی جو تم کہہ رہی تھی کون تمہیں ٹارچر کر رہا ہے؟'' شرمیلا نے اسے دوستی کا احساس دلا کر بات اگلوانا چاہی۔
''بس یار کچھ نہیں۔ وہ میرا ایک کزن ہے اس نے تنگ کر رکھا ہے۔'' صائمہ کے کان میں نبیل کی دھمکی گونج اٹھی، تو اس نے جلدی سے بات بدلی۔
''ایسا کون سا کزن پیدا ہو گیا ہے، جس کو میں نہیں جانتی؟'' شرمیلا نے شک بھری نظروں سے دیکھا۔
''تم بھی حد کرتی ہو کیا میرے پورے خاندان کو جانتی ہو ہاں۔'' وہ ایک دم ناراض ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
''ہوا کیا ہے، پوری بات تو بتاؤ نا یار۔'' شرمیلا نے اسے جاتا دیکھا تو پیچھے سے آواز لگائی مگر وہ سنی ان سنی کر کے وہاں سے چلی گئی شرمیلا نے سر تھام لیا۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

جب تک روشنی چھوٹی تھی اپنی ضدیں خوب پوری کرواتی علی شاہ بھی روشنی کو بہت چاہتے تھے۔ اس کی کوئی بات ٹالنا ان کے لیے مشکل ہو جاتا۔ وہ آفاق کی آنکھوں کا تارا تھی۔ اسی وجہ سے اس پر کوئی روک ٹوک نہیں کی گئی عائشہ تو ویسے بھی روشنی کے حکم کی غلام بنی ایک آواز پر حاضر ہو جاتی۔ وہ کون سی سگی ماں تھی جو روشنی کی تربیت کے بارے میں سوچتی اسے تو پیسوں سے مطلب تھا۔ اسی وجہ سے وہ اس کی کسی بات پر ''نہیں'' کا لفظ منہ سے نہ نکالتیں مگر جیسے جیسے وہ بڑی ہوئی اس میں لڑکیوں والی کم اور لڑکوں والی عادتیں زیادہ آتی گئیں۔ وہ بچپن ہی سے اپنے بھائی سے کافی اٹیچ رہی، آفاق شاہ اس کا آئیڈیل تھا، وہ بھائی کی طرح بولتی، اسی کی طرح کے کپڑے پہنتی اور ہر کام میں اپنے بھائی کو کاپی کرتی، اب وہ کسی بھی اینگل سے لڑکی نہیں لگتی تھی اس نے بال بھی بوائے کٹ رکھے ہوئے تھے، جینز پر ڈھیلی سی ٹی شرٹ پہنے جب وہ کسی کے سامنے آتی تو پہلی نگاہ میں لوگ اسے لڑکا ہی سمجھتے۔ اس پر اس نے کھا کھا کر اپنا وزن اس قدر بڑھا لیا تھا کہ حسین نین نقش کہیں کھو گئے تھے۔ پہلے تو سب اس کی شرارتوں پر خوش ہوتے تھے مگر جوان ہونے پر علی شاہ نے بیٹی کو روکنا ٹوکنا شروع کر دیا تو وہ رونے بیٹھ جاتی، ایسے میں عشو خالہ ''بچی ہے'' کہہ کر اس کی مکمل حمایت کرنے لگتیں۔ اس بات پر اسے شہہ مل جاتی اور وہ مزید بگڑتی چلی گئی۔ اسریٰ اویس ان دنوں ملک سے باہر تھیں بھانجے اور بھانجی کی خیریت فون پر پتا کر لیتیں پھر علی شاہ کے انتقال پر اسریٰ پاکستان آئیں تو بھانجی کی ایسی درگت بنی دیکھ کر سر تھام کر رہ گئیں۔ انہوں نے عائشہ بیگم کی خود غرضی کو اچھے طریقے سے بھانپ لیا تھا۔ اب انہوں نے روشنی کو سدھارنے کا ٹھیکا لے لیا مگر یہاں بھی عائشہ بیگم روڑے اٹکانے کی کوشش کرتی تو دونوں میں ٹھن جاتی۔ اس لیے وہ امریکا جانے سے پہلے بھانجے کی شادی کروانے پر بضد ہو گئی تھیں۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

سورج اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا۔ شام کے سائے دھیرے دھیرے گہرے ہونے لگے۔ نبیل کبھی کالج کے گیٹ کی طرف دیکھتا تو کبھی گھڑی پر نظر دوڑاتا مگر ابھی تک شرمیلا کے حسین سراپے کا درشن نہیں ہو پایا تھا۔ وہ ٹائم دینے کے باوجود یہاں نہیں پہنچی تھی۔
''یہ انتظار بھی کتنا جان لیوا ہوتا ہے۔'' وہ زیر لب بڑبڑایا۔
''کہیں اس نے مجھے ٹالنے کے لیے تو نہیں کہا تھا کہ میں آ جاؤں گی۔'' نبیل نے گاڑی سے ٹیک لگا کر سوچا۔
''پتا نہیں اس لڑکی میں ایسا کیا جادو ہے کہ مجھے اس کے علاوہ کچھ اور سوجھتا ہی نہیں۔'' نبیل نے کی چین سے کھیلتے ہوئے سوچا۔

"ایک صائمہ ہے جسے دیکھنے کو اب دل نہیں کرتا۔" اس نے جل کر سوچا۔
"خیر شرمیلا کا صائمہ سے کیا مقابلہ۔" نبیل نے خود کی سرزنش کی جوان دونوں کا مقابلہ کرنے چلا تھا۔
صائمہ کے توسط سے اسے شرمیلا کے بارے میں بہت ساری باتیں پتا چل گئی تھیں، وہ اچھی طرح سے جانتا تھا شرمیلا کا تعلق کسی امیر گھرانے سے نہیں ہے، وہ تو ایک بیوہ عورت کی سب سے بڑی بیٹی ہے مگر کالج اور اپنے دوستوں کے سامنے ہمیشہ خود کو ایسے انداز میں پیش کرتی ہے کہ جیسے وہ کسی بڑے رئیس خاندان کی اکلوتی بیٹی ہو۔ نبیل کو وہ ایک آسان شکار لگی مگر جب اسے قریب سے دیکھا تو دیکھتا رہ گیا ایک بات کا خود سے اعتراف کرنا پڑا، پیسہ ہو نہ ہو مگر وہ حسن کی دولت سے مالا مال ہے۔ شاید اس لیے بہت ساری چلتی زبانیں رعب حسن کے آگے گنگ ہو کر رہ جاتی تھیں۔
بتول نے بیٹی کی بلاوجہ کی خودنمائی پر اسے بہت بار ٹوکا اور سمجھانے کی کوشش بھی کی کہ یہ سب عارضی نمود و نمائش ہے اور ہم اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ مگر اس کے دماغ میں کوئی بات نہیں سمائی۔ اس نے اپنے روش نہیں چھوڑی۔ ویسے بھی شرمیلا جب تک اسکول میں تھی اکثر اپنی محرومیوں پر دل گرفتہ ہو کر رونے بیٹھ جاتی تھی۔ دوسری لڑکیوں سے خود کا موازنہ نہ کرتی، ہمیشہ یہ ہی سوچتی کہ وہ کسی رئیس خاندان میں کیوں پیدا نہیں ہوئی، اس کے پاس عیش و آرام کی ساری چیزیں کیوں نہیں ہیں، جس کا ذکر اس کی کلاس فیلوز کرتی ہیں۔ اسے ماں پر بھی افسوس ہوتا جو دو پیسوں کے لیے اس قدر جان مارا کرتی ہیں، تب جا کر گھر کا چولہا جلتا ہے۔ باپ کا نہ ہونا بھی اسے دل گرفتہ رکھتا، اس طرح کی بہت ساری باتیں اس کے وجود کو بے چین رکھتیں جو آہستہ آہستہ احساس محرومی میں تبدیل ہونے لگیں اور یوں وہ اس معاملے میں اپنے آپ میں مریضہ ہو کر رہ گئی۔ کالج میں آتے ہی اس نے ایک خیالی دنیا تشکیل دے ڈالی تھی، شکل و صورت میں ہزاروں سے بہتر تھی تھوڑا طریقے سے کالج جاتی اور چند جھوٹ بولنے کے بعد تو سب نے اس کی باتوں پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لیا تھا۔ وہ اس معاملے میں پکی ہوتی چلی گئی۔ سوائے صائمہ کے کوئی اس کی حقیقت سے واقف نہیں تھا، اس نے اپنے دوستوں کو کبھی ملنے کے لیے گھر نہیں بلایا۔ وہ ہمیشہ کم کی جگہ اپنی حیثیت سے بڑھ کر خرچ کرتی، اپنے خرچ پورے کرنے کے لیے اس نے گھر میں محلے کے بچوں کو ٹیوشن بھی دینا شروع کر دی تاکہ چہرے پر چڑھایا گیا امیرزادی کا خول اترنے نہ پائے۔ یہ سب کر کے جانے اس کی کون سی حس کی تسکین ہوتی تھی، سب کے ساتھ خود کو دھوکا دینا اسے اچھا لگنے لگا۔ اس وقت بھی وہ بہت تیاری کے ساتھ قدم بڑھاتی ہوئی نبیل کی گاڑی کے پاس پہنچی جو اس کے انتظار میں گھڑیاں گن رہا تھا۔ یہ جانے بناء کے وہ تو اس کی ہر بات سے واقف ہے۔

❁ .... ❁ .... ❁

فائز نئی جاب کی وجہ سے کافی مصروف رہنے لگا تھا بہت دنوں لنچ ٹائم کے بعد اسے کچھ لمحے فرصت کے میسر آئے تو انگلیوں نے خود بخود سفینہ کا نمبر ملایا۔ وہ کالج سے واپس آنے کے بعد کھانا کھا کر اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھی۔ فائز کی کال آنے پر اس کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ دونوں کافی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے اور پھر فائز نے فون بند کر دیا۔ فائز کے لہجے سے خوشی اور سکون کی رمق جھانک رہی تھی، سفینہ بھی خوش ہو گئی، اس کا دل شکرانے کے نفل پڑھنے کو مچل گیا۔ وہ اٹھی اور وضو کرنے کے بعد فوراً ہی مصلیٰ بچھا کر اللہ کے حضور سر بسجود ہو گئی۔
"اے اللہ! تو نے ہمیں پیدا کیا ہماری روزی روٹی کا مالک بھی تو ہی ہے۔ ہم سے بہت خطائیں ہوئیں مگر اے رب تیری رحمت وسیع ہے۔ ہمیں معاف کر دے اور ہم سے ہمارے گناہوں کا سوال نہ کرنا۔ اے مالک ہم کمزور ہیں اور تیری ذات قوی ہے۔ ہم تجھ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ اے میرے پروردگار ہم سے جو بھول چوک ہو گئیں انہیں درگزر فرما۔ ہمارے کسی عمل کی وجہ سے ہم پر اپنے فضل کو تنگ نہیں کرنا۔ آمین یارب العالمین۔" اس کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں۔ وہ بہت دیر تک سب کے لیے دعائیں مانگتی رہی۔ اتنے خلوص سے اس نے آج سے پہلے کبھی دعا نہیں مانگی تھی۔ بھیگی آنکھیں آنچل سے صاف کرتے ہوئے اس نے دوپٹے کو دوبارہ سر پر لپیٹا۔
سفینہ ہمیشہ سے اسی انداز میں دعائیں کرتی تھی مگر آج اس نے جس طرح اپنے رب کے سامنے سر کو جھکایا تھا اس کو دیکھ کر بہزاد خان کا دل بھی پگھلنے لگا تھا۔ سفینہ جونہی مصلے سے اٹھ کر واپسی پلٹی بہزاد خان کو کھڑے پایا تو چونک گئی۔ بہزاد خان نے

بغیر کوئی سوال کیے بیٹی کا ماتھا چوم لیا۔

باپ اور بیٹی کی محبت کا ایک انوکھا ہی منظر ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک الگ سا تعلق جو رب کائنات نے تشکیل دیا ہے ناقابل بیان ہے۔ ایسا انمول رشتہ کہ ساری دنیا بھلے ساتھ چھوڑ جائے مگر ایک بیٹی اپنے باپ کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑتی ہر دکھ درد میں ہمیشہ اس کا ساتھ دیتی ہے۔

❁.......❁.......❁

''عشو باجی یہ سارے پیکٹ ذرا روشنی کے کمرے میں رکھوا دیں۔'' اسری کے شاہ ہاؤس میں قدم رکھتے ہی ہمیشہ کی طرح ہلچل مچ گئی۔

''اچھا'' عائشہ نے اندر ہی اندر تلملاتے ہوئے بظاہر خوش دلی سے کہا۔

''تم کھڑے کھڑے کیا منہ تک رہے ہو لے جا کر بی جی کے کمرے میں رکھو۔'' انہوں نے ڈرائیور کو بھی ڈانٹ پلائی جو شاپرز کے انبار تلے دبا جا رہا تھا۔

''یہ کیا ہے خالہ جانی۔'' روشنی جو تھوڑی دیر پہلے ہی سو کر اٹھی تھی اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔

''روشنی اس دفعہ میں نے خاص طور پر تمہاری شاپنگ کی ہے۔'' اسری نے مسکرا کر بھانجی کو دیکھا۔

''خالہ جانی ابھی لاسٹ ویک تو میں اتنی ساری شاپنگ کر کے آیا میرا مطلب کر کے آئی ہوں۔'' وہ اسری کے آنکھ دکھانے پر گڑبڑا کر بولی۔

''میں نے تمہارے لیے نیو فیشن کی بہت ساری کرتیاں، شرٹس، ٹیولپس شلواریں اور ایک دو انار کلی فراک اور چوڑی دار پائجامہ خریدا ہے۔'' انہوں نے صوفے سے ٹیک لگاتے ہوئے بھانجی کو پیار سے دیکھ کر کہا۔

''ہائے...... میں نہیں پہنوں گا ایسے چھچھوالے کپڑے۔'' وہ اچھل پڑی۔

''شٹ اپ روشنی اب بس تم لڑکیوں والے لباس پہنو گی۔'' اسری نے اسے تنبیہ کی۔

''خالہ جانی کہیں تو آنکھوں میں کاجل کے ڈورے اور ہونٹوں پر سرخ لپ اسٹک بھی لگا لوں۔'' روشنی نے انہیں چڑانے کا ارادہ کیا۔

''تم بس انسانوں والے حلیے میں آجاؤ میرے لیے یہ ہی بہت ہوگا۔'' اسری نے ہنستے ہوئے اس کا ماتھا چوما۔

''خالہ جانی آپ کی ساری محنت بیکار ہے۔ میں ایسے ہی اچھا لگتا ہوں۔'' روشنی نے اپنے بوائے کٹ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے فخر سے کہا تو اسری کا دل چاہا کہ اس کے دو چانٹے لگائیں مگر ضبط کر گئیں۔ انہیں اصل غصہ تو عائشہ بیگم پر تھا۔ جنہوں نے اپنے مفاد کی خاطر ایک بن ماں باپ کی بچی کا یہ حال کر دیا تھا۔ بہن کی یاد آتے ہی ان کی آنکھیں بھر آئیں۔

''کیا ہوا خالہ جانی۔'' روشنی نے انہیں ٹشو سے آنکھ پونچھتے دیکھا تو فوراً قریب آ کر پوچھا۔

''کچھ نہیں بیٹا اب پلیز اپنی ڈریسنگ تبدیل کرو مجھے تو اس جینز اور بھدی سے شرٹ میں تمہیں دیکھ کر بہت وحشت ہوتی ہے۔'' اسری نے روشنی کا نرم ہاتھ تھام کر کہا۔

''ویسے خالہ مجھے لگتا نہیں ہے کہ آپ امریکا سے آئی ہیں۔'' وہ سر ہلا کر ہنستے ہوئے بولی۔

''وہ کیوں بھئی؟'' اسری جانے کس خیال میں تھیں بے دھیانی میں پوچھا۔

''اتنی اولڈ فیشن کی جو ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ ابھی ابھی کسی گاؤں سے سیدھے یہاں لینڈ کیا ہے۔'' اس نے شرارتی انداز میں جواب دیا۔

''بیٹا فیشن کا تعلق گاؤں یا شہر سے نہیں ہوتا بلکہ جو چیز جس پر سوٹ کرے اسے وہ ہی پہننا چاہیے۔'' اسری نے ہمیشہ کی طرح ایک لمبی تقریر شروع کر دی۔ وہ ان کی باتوں پر سر ہلانے لگی۔

''میں بھی دیکھتی ہوں کہ تم کیسے روشنی کو بدل سکتی ہو۔'' ہاتھوں میں ڈرنک کے گلاس لیے عائشہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو خالہ بھانجی کی محبت دیکھ کر دل ہی دل میں بولی۔

❁......❁......❁

بہزاد خان اپنے بھائی کی مسلسل گرتی ہوئی صحت کی طرف سے کافی فکر مند رہنے لگے تھے۔ اس پر ان کے گھر کے حالات کی وجہ سے بھی دل بجھ کر رہ جاتا۔ ایسے میں فائز کی جاب کی خوش خبری سن کر انہیں اندھیرے میں ایک روشنی کا دیا جلتا دکھائی دیا تھا۔ ذہن بہت خوش آئند باتیں سوچنے لگا۔

''میرے خیال سے ہمیں اب کوئی اچھا سا وقت دیکھ کر سادگی سے سفی کی شادی کردینی چاہیے۔'' بہزاد خان نے کھانے کے دوران ریحانہ سے کہا۔ ریحانہ جو اس وقت خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی بہزاد خان کی بات سن کر اچانک چونکی۔

''اچھا ہوا آپ نے خود ہی یہ بات نکال لی مجھے بھی آپ سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' ریحانہ نے کھانے سے ہاتھ روک کر شوہر کو دیکھا۔

''ہاں بولیے کیا بات ہے۔'' بہزاد خان کا موڈ خوش گوار تھا اس لیے مسکرا کر بولے۔

''میں نے سفی کے رشتے کی ایک اور جگہ بات چلائی ہے، کافی امیر لوگ ہیں۔ میں چاہ رہی تھی پہلے اس رشتے کو دیکھ لیتے ہیں۔'' ریحانہ نے ڈرتے ڈرتے بات مکمل کی۔

''ہونہہ تو آپ اپنی ضد پر ابھی تک قائم ہیں۔'' بہزاد نے چمچہ واپس پلیٹ میں رکھا۔

''دیکھیں پہلے کی بات اور تھی مگر اس وقت ہمارے سامنے کوئی مجبوری نہیں ہے۔'' ریحانہ نے صاف گوئی اپنائی۔

''ریحانہ بیگم خونی رشتوں کے بیچ مجبوریاں نہیں محبتیں ہوتی ہے۔'' بہزاد کا دل ہر شے سے اچاٹ ہونے لگا۔ سفینہ جو گرم پھلکا پکا کر اندر لا رہی تھی، ماں کی بات سن کر ششدر سی کھڑی رہ گئی۔

''یہ بات سب کو سوچنی چاہیے خیر اب میں کسی حال میں اپنی بیٹی کو بڑی بھابی کے چنگل میں پھنسنے نہیں دوں گی۔'' ریحانہ نے انکاری لہجے میں جواب دیا۔

''تمہیں معلوم ہے کہ یہ میرے والدین کی خواہش تھی اور پھر جلال بھائی انہیں اس بات سے کتنی تکلیف پہنچے گی۔'' بہزاد خان نے بیوی کے تیور دیکھے تو سمجھایا۔ باپ کی بات سن کر سفینہ کو تھوڑی تسلی ہوئی۔

''ہوں مگر شاید اب وہ موجود نہیں ہیں اور جو ہیں ان کے لیے سوچنا ضروری ہے۔'' ریحانہ نے اپنی بات پوری کی اور مزید کچھ کہنے کی بجائے وہاں سے اٹھنا بہتر جانا۔

''میں کس طرح سے اس عورت کو سمجھاؤں؟ اس پر بھابی کا رویہ۔'' بہزاد کو بیوی کی ضد نے دکھ پہنچایا مگر سائرہ بانو کا رویہ بھی ان کے سامنے تھا۔ وہ عجیب تذبذب کا شکار ہوگئے۔ بہزاد بہت دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔ انھیں اپنی بیٹی کی فکر تو ہو رہی تھی مگر ان حالات میں فائز کو وہ کیسے تنہا چھوڑ سکتے تھے۔

''امی ایسا نہ کریں۔'' سفینہ نے جاتی ہوئی ماں کو رحم طلب نگاہوں سے دیکھا مگر وہ تن فن کرتی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔

❁......❁......❁

وہ آفس میں تھا اور بہت اہم میٹنگ میں مصروف جب اس کے سیل پر اسری کی کال آئی آفاق شاہ نے لائن ڈسکنکٹ کردی۔ میٹنگ سے فراغت کے بعد ریسپشنسٹ سے اس نے اسری سے کانٹیکٹ کرنے کا کہا اور ریوالونگ چیئر سے سر ٹکا دیا۔ اسری کہیں مصروف تھیں اس لیے بات نہ ہوسکی البتہ میسیج چھوڑ دیا گیا۔ اس نے شکر ادا کیا اور اپنے لیپ ٹاپ کی جانب متوجہ ہوگیا۔ آج کل کام کا لوڈ بہت زیادہ تھا، بہت سی ای میلز اس کی توجہ کی منتظر تھیں۔ وہ ان سب کے جوابات دینے میں لگ گیا۔

''اسری خالہ سے بات کرنے کا مطلب ایک لمبی بحث۔'' اس کی انگلیاں کی بورڈ پر تیزی سے چل رہی تھیں، اس کا تیز ذہن دوڑ رہا تھا، اچانک سیل فون مدھر سروں میں بجا اور اس نے اسکرین پر نمبر دیکھا ''اسری کالنگ۔'' ایک سرد آہ بے اختیار نکلی اور کال ریسیو کرلی۔

ہمیشہ کی طرح خالہ کے پاس شکایتوں کا ڈھیر تھا، وہ روشنی کے لیے بہت پریشان تھیں اور ساتھ میں آفاق کو بھی ہولائے رکھتی تھیں۔ پورے پندرہ منٹ کی کال میں انہوں نے دس بار آفاق پر شادی کے لیے زور ڈالا۔ وہ جو اس معاملے پر سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا، اب روشنی کی بھلائی کے لیے مجبوراً راضی ہوگیا تھا۔ فون رکھنے کے بعد بھی اس کا دل بہت تیز رفتاری سے دھڑکتا رہا۔ خالہ کی باتوں سے۔ ایک بار پھر کچھ غلط ہونے کا احساس اسے پوری شدت سے جکڑنے لگا۔ وہ مرد ذات تھا بہت ساری نزاکتوں کو نہیں سمجھتا تھا مگر اسری کے احساس دلانے پر اس نے خود سے اعتراف کیا کہ روشنی کی تربیت میں کوتاہی ہوئی ہے مگر وہ بھی کیا کرتا کم عمری میں ماں کا سایہ چھوٹنے کے بعد مسائل کا انبار اسے تو خود بھی اتنی سمجھ نہیں تھی۔ عائشہ خالہ جو کرتی گئیں وہ باپ بیٹا ان کے احسان مند ہوتے چلے گئے۔ ماں کے بعد باپ کی بیماری اور اچانک دنیا سے چلے جانا۔ اس کی ساری توجہ گھر سے ہٹ کر کاروبار پر مرکوز ہوگئی۔ اس نے ہر احساس کو جھٹک دیا تھا۔ یہ طے تھا کہ اب اسے ہی اس گھر کا بڑا بننا ہے۔ روشنی پر سے توجہ ہٹ گئی مگر اسری نے جن باتوں کی نشاندہی کی وہ حقیقت سے اتنی قریب تھیں کہ وہ دہل کر رہ گیا مگر شاہ ہاؤس کے لیے عشواماں کا وجود لازم و ملزوم سا ہوگیا تھا دماغ کی آگہی کے باوجود اس کے خیال میں اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ فی الحال خاموشی اختیار کی جائے۔ وہ زندگی میں کبھی اتنا بے بس اور لاچار نہیں ہوا جتنا ان دنوں خود کو محسوس کر رہا تھا۔

❋ ❋ ❋

"ابھی یہاں سے رشتہ ختم نہیں ہوا اور تم دوسری جگہ بیٹی کی بات چلا رہی ہو مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا؟" تھوڑی دیر بعد انہوں نے لب کھولے۔

"ہاں تو کیا کروں اب ماشاءاللہ سفینہ شادی کی عمر کو پہنچ گئی ہے۔ بچی نہیں رہی کہ اسے سالوں بٹھا کر رکھا جائے۔" ریحانہ نے چمک کر جواب دیا اور منہ پھلا کر بیٹھ گئیں۔

"بیگم اس طرح سے منہ مت پھلاؤ۔ بھائی جان کی طبیعت بہتر ہو جائے پھر بات کرتا ہوں نا۔" ان کا انداز سمجھانے والا ہوا۔

"ان لوگوں کے گھر کے جو حالات ہوگئے ہیں، اس کے بعد تو بڑی بھابی کے سامنے شادی کا نام لینا بھی گناہ شمار ہوگا۔" ریحانہ نے طنز کیا۔

"تم اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھو اور دعا کرو کہ حالات ٹھیک ہو جائیں۔" بہزاد کسی بھی طرح بیوی کو اس بات سے روکنا چاہتے تھے۔

"اللہ نے سوچنے سمجھنے کو عقل بھی دی ہے۔ بہرحال مجھے سب سے پہلے اپنی بچی کا مفاد عزیز ہے۔ میں اتنا اچھا رشتہ ہاتھ سے جانے نہ دوں گی۔" ریحانہ نے شوہر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نڈر انداز میں کہا۔

"سوچ لو۔ کل کو غیروں میں جا کر سفینہ خوش نہ رہی تو ہم کیا کریں گے، مجھے تو یہ بات بھی پریشان کر رہی ہے۔" بہزاد نے ایک اور پہلو دکھایا۔

"ویسے تو ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ خدانخواستہ ہوا بھی تو وہ میری بیٹی ہے، ہر طرح کے حالات میں گزارا کر لے گی۔" انہوں نے فخر سے گردن اونچی کی۔

"جب تم سارے فیصلے خود کر بیٹھی ہو تو مجھ سے کیوں مشورہ مانگ رہی ہو...... کرتی رہو جو دل چاہے۔" بہزاد ایک دم گرم ہوتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور کمرے سے باہر نکل گئے ریحانہ ہکا بکا رہ گئیں۔

❋ ❋ ❋

سفید رنگت چہرے کی شیشے سی شفاف جلد میں سے جیسے روشنی سی پھوٹ رہی تھی۔ نازک پنکھڑیوں سے مشابہ ہونٹ، آنکھوں پر سایہ فگن گھنیری پلکیں، سرخ اور سیاہ پرنٹڈ سوٹ میں اسے کسی اور آرائش کی جیسے ضرورت ہی نہ رہی تھی۔ اس سادگی میں بھی وہ ایسا حسن رکھتی تھی کہ دیکھنے والا مبہوت ہو جائے اور نبیل جو اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر ساحل سمندر کی گداز ریت پر چہل قدمی کر رہا تھا مبہوت ہونے لگا۔

"نبیل کیا دیکھ رہے ہو؟" شرمیلا نے خود پر اس کی بھرپور نگاہوں کو مرکوز پایا تو حیرت سے پوچھا۔
"کیوں تمہیں دیکھنا منع ہے، مجھے تو آس پاس ایسا کوئی بورڈ لگا ہوا دکھائی نہیں دے رہا۔" نبیل نے بال درست کرتے ہوئے شوخی سے جواب دیا۔
"اگر یہ جوک ہے تو سوری مجھے بالکل بھی ہنسی نہیں آئی۔" شرمیلا کے ناگواری سے منہ بنانے پر اسے نہ صرف محتاط ہونے بلکہ اپنے جذبات پر قابو پانے پر بھی مجبور کیا۔
"کیا ہوا خیریت تمہارا موڈ پھر خراب ہو گیا۔" نبیل کے سوال نے ان دونوں کے بیچ در آنے والی ناگواری کو توڑا۔
"بس میں ایسی ہی ہوں۔ اس میں بتانے والی تو کوئی بات نہیں ہے۔" وہ ناک چڑھا کر بولی۔
"ہونہہ۔" نبیل کو ایسے جواب کی ہرگز توقع نہیں تھی مگر وہ شرمیلا تھی جسے ہر بار اس کے جذبات کو ٹھیس پہنچا کر بڑی تسکین ملتی۔ وہ یہ بات نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ ایک لڑکی کے ہاتھوں خود کو اس طرح سے ڈی گریڈ کرا کر اس کی اپنی ذات کو کیا حاصل ہو رہا ہے شاید وہ مردوں کی اس قسم سے تعلق رکھتا تھا، جنہیں ایسی بھاؤ کھانے والی لڑکیاں ہی متاثر کرتی تھیں۔ صائمہ نے اس کے سامنے بچھ بچھ کر اپنی قدر کھو دی تھی۔ مگر شرمیلا جیسے اپنی عزت کروانا جانتی تھی، ہمیشہ اسے ایک حد تک لا کر پیچھے دھکیل دیتی اور وہ کھسیا کر رہ جاتا، جب بھی محبت کا ذکر نکلتا تو وہ اس کے سوال کا جواب میں ہوں ہاں کرتے ہوئے بات ٹال جاتی یا بحث کا رخ دوسری جانب موڑ دیتی۔ اسے شروع میں نبیل سے نہ تو ایسی کوئی خاص دلچسپی تھی اور نہ ہی وہ اس کی باتوں کو سنجیدگی سے لے رہی تھی بلکہ وہ تو تھپڑ مارنے کے بعد کافی دنوں تک ڈری ڈری سی رہی مگر فائز کے رویے نے اس کے اندر ایک عجیب سی بے قراری پیدا کر دی۔ وہ نبیل کے ساتھ دوستانہ قائم کر بیٹھی شاید لاشعوری طور پر وہ فائز کو دکھانا چاہتی تھی کہ ایک امیر اور ہینڈسم امیر زادہ اس کی توجہ حاصل کرنے لیے کیسے اس کے پیچھے بھاگتا پھرتا ہے۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

"یا اللہ روشنی تم نے سامنے والوں کے لڑکے کے ساتھ کیا کیا؟" اسری نے غصہ سے سامنے کھڑی بھانجی کو گھورا۔
"خالہ جانی لڑائی نہیں ہوئی۔" روشنی نے بڑے مزے سے جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے جواب دیا۔
"اچھا تو پھر کیا دوستی ہوئی ہے، جو انہوں نے کال کر کے تمہاری شکایت کی۔" اسری نے ماتھا پیٹ لیا۔
"اس نے کہا کرکٹ کھیلو تو میں نے ایک شاٹ مارا......" وہ چہکی۔
"ایسا شاٹ مارا کہ لڑکے کا سر پھٹ گیا؟" انھوں نے اسے شرم دلانی چاہی۔
"ہاں تو غلطی سے مار دیا۔" اس نے بیچارگی سے عشو خالہ کو دیکھا۔
"روشنی چلو تمہارا ملک شیک تیار ہے جا کر پی لو۔" وہ بھی اس کے اشارے کی منتظر تھیں فوراً مدد کو پہنچیں۔
"ایک منٹ ابھی میری بات ختم نہیں ہوئی۔" اسری نے اسے رکنے کا آرڈر دیا تو اس کے بڑھتے قدم رک گئے۔
"اچھا پیاری خالہ جانی اب بس بھی کریں ویسے بھی میں صبح سے بھوکا ہوں کچھ کھا لوں؟" روشنی نے مسکہ لگایا۔
"بس روشنی بہت ہو گیا۔" انہوں نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔
"اے اسری چھوڑ بھی بچی سے غلطی ہو گئی۔" عشو خالہ نے انہیں ٹھنڈا کرنا چاہا۔
"عشو باجی آپ ہمارے بیچ میں نہ بولیں۔" عائشہ بھی ان کے غصے کا شکار بن گئیں۔ اپنی بے عزتی پر وہ وہاں سے چلی گئیں۔
"پتہ نہیں تم نے اور کیا کیا کرنا ہے مجھے آج آفاق سے بات کرنی پڑے گی۔" اسری نے پریشانی سے کہا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" صائمہ نے چیخ کر پوچھا۔
"یہ ہی کہ تم نے ٹھیک سمجھا ہے مجھے شرمیلا سے پیار ہو گیا ہے۔" نبیل روز روز کی صفائیاں دینے سے اکتا گیا تھا۔ اس لیے سچ بول دیا۔

''مگر تم تو مجھ سے پیار کرتے تھے۔'' صائمہ نے بے قراری سے اس کی پراثر آنکھوں میں جھانکا۔
''جھوٹ بولا تھا مجھے تم سے کبھی بھی محبت نہیں تھی۔'' اس نے نگاہیں چراتے ہوئے بے مروتی سے جواب دیا۔
''مجھے پہلے ہی اس بات کا شک تھا مگر یہ اندازہ نہ تھا کہ تم اس ڈھٹائی سے اقرار بھی کرلو گے۔'' صائمہ نے نبیل کا گریبان تھاما۔
''بی ہیو یور سیلف۔ ہم پبلک پلیس پر موجود ہیں۔'' اس نے صائمہ کا ہاتھ تھام کر جھٹکا اور تیز لہجے میں کہا۔
''نبیل میرے ساتھ دھوکا کرتے ہوئے تمہارا دل بالکل بھی نہیں ڈرا۔'' اس کی آنکھیں لہولہو ہوگئیں۔
''آئی ایم سوری صائمہ! بٹ تمہارے ذریعے ہی میں شرمیلا تک پہنچ سکتا تھا اس لیے یہ کہانی بنائی۔'' نبیل نے شرمندگی سے جواب دیا۔
''اچھا تو اب اسے دھوکا دینے کا ارادہ ہے۔'' اس نے تکلیف سے لب چبا کر پوچھا۔
''نہیں بخدا پہلے میرا یہ ہی ارادہ تھا مگر اب میں اس کو دل کی گہرائیوں سے چاہنے لگا ہوں۔'' وہ ایک دم تڑپ اٹھا، چہرے پر شرمیلا کے نام کی چمک دوڑی۔
''مجھے کیا پتا کل کو تم اس کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرو تو؟'' صائمہ کی سوالیہ نگاہیں اس کے سپید پڑتے چہرے پر پڑیں۔
''ایسا نہیں ہوگا میں شرمیلا سے فلرٹ نہیں کررہا، مجھے اس سے سچی محبت ہے، میں اسے اپنا جیون ساتھی بناؤں گا۔'' وہ ایک جذب کے عالم میں بولتا گیا۔
''ہونہہ۔'' صائمہ کو لگا کہ اس پر کسی نے گرم لاوا انڈیل دیا ہو وہ کینہ توز نگاہوں سے نبیل کو گھورنے لگی۔
''اگر میں نے شرمیلا کو ساری بات بتادی تو۔'' اس نے دھمکایا۔
''تم ایسا نہیں کرسکتی ورنہ میں بھی شرمیلا کو بتادوں گا کہ تم نے چند ٹکوں کے عوض اپنی دوستی کو بیچ دیا۔'' وہ مکاری سے مسکرایا اور صائمہ کے ہاتھ میں پکڑے قیمتی آئی فون کو دیکھنے لگا۔
''اوہ......!'' ایسے کئی قیمتی تحائف اور وقتاً فوقتاً نبیل سے اینٹھی جانے والی رقم...... صائمہ کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔
''اس لیے میری جان جو کچھ جیسے چل رہا ہے، ویسے ہی چلنے دو ورنہ......'' نبیل گاڑی کی چابی اٹھا کر آئس کریم پارلر سے باہر نکلا صائمہ سر جھکائے اس کے پیچھے چل دی۔

❁ ❁ ❁

ریحانہ نے اپنی بیٹی کا پیچھا لیا ہوا تھا، جب بھی کسی کام سے نیچے جانا ہوتا تو ان کی پوری کوشش ہوتی کہ وہ سفینہ کے ساتھ جائیں اور اگر فائز کا اوپر آنا ہوتا تو سفینہ پر ریحانہ کی پابندی کے احکامات نافذ ہوجاتے تھے۔ وہ ان دونوں کو گھورتی رہتیں، ایسے ماحول میں بھی فائز سب کی نگاہ سے بچ کر کوئی نہ کوئی شرارت کرجاتا، جس کی وجہ سے پورے دن مسکراہٹ سفینہ کے لبوں پر کھیلتی رہتی۔ وہ دونوں اکثر فون پر اپنے بڑوں کے سدھرنے کی دعا کرتے، جو ہنوز قبولیت کا درجہ نہیں پاسکی تھی۔ سائرہ پہلے ہی ان کے بیچ میں ہجر کی اونچی دیوار کھڑی رہنے میں کوشاں رہتی تھیں اب ساتھ دینے کے لیے دلشاد بانو موجود تھیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ پیچھے ہٹ جاتے مگر بیچ کی دوریوں کی وجہ سے ان کی محبت بڑھتی چلی جارہی تھی۔ یہ بات شاید درست ہے کہ دوریاں نزدیکیاں پیدا کردیتی ہیں۔ کسی کا پیار اور خلوص کا تعلق ان کے روز روز کے ملنے سے نہیں ہوتا۔ وہ کہیں بھی ہوں کسی بھی حال میں ہوں وہ ایک دوسرے سے بے خبر نہیں رہتے۔ دل کی دھڑکنیں ہی اشاروں کنایوں میں ایک دوسرے کو بتاتی رہتی تھیں کہ ان کے چاہنے والے کس حال میں جی رہے ہیں۔ دونوں کی ماؤں کے سخت رویے کے باوجود وہ دونوں ایک بار پھر نزدیک آچکے تھے۔ اب اکثر موقع دیکھ کر بات چیت بھی کرلی جاتی۔ سائرہ بانو کے منہ سے شرمیلا کا تذکرہ بھی کئی بار سفینہ کو سننے میں آیا مگر اس نے ہر بار اسے اگنور کیا اور جب وہ اس معاملے پر بات کرنے کے لیے فائز کے سامنے بات نکالتی تو وہ اسے چپ کرادیتا اور پیار سے سمجھاتا کہ ''شرمیلا تو بس نانو کی کرائے داروں کی بیٹی ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔''

ایک طرف معاملات نارمل ہونا شروع ہوئے کہ ریحانہ کے چھوڑے گئے شوشے نے سفینہ کی زندگی مشکل بنادی۔ ماں نے اس کا کہیں اور رشتہ کرنے کا شور ڈالا ہوا تھا، یہ بات سفینہ سے برداشت نہیں ہورہی تھی، وہ ان حالات سے نکلنے کے لیے اپنا دماغ لڑاتی کہ کیا کرے، کیوں کہ جب سے ریحانہ نے اس کی کہیں اور شادی کا عندیہ دیا تھا، سفینہ کا ایسا ہی حال تھا، اضطرار اور بے بسی کے ساتھ الم ناک شکست کے آثار پیدا ہونے لگے تھے۔ فائز کو پالینے کی شدید ترین خواہش رکھنے کے باوجود بیٹی ہونے کی حیثیت سے اسے اپنی ماں کی خواہشات کا پاس رکھنا بھی ضروری تھا۔ کاش وہ بھی ایک غیر مہذب اور خود غرض لڑکی بن سکتی تو اس کے لیے سب کچھ کتنا سہل ہوجاتا۔ وہ اپنی محبت کی خاطر سینہ تان کر میدان عمل میں اتر آتی مگر ایسا ہوتا بھی تو کیسے سفینہ تو روایات کے پنجرے میں قید ایسی مشرقی بیٹی تھی جو ہر قدم پر تذبذب کا شکار رہتی پھونک پھونک کر قدم اٹھاتی کہ کہیں اس کا قدم کسی غلط راہ پر نہ پڑجائے اور ماں باپ کے ناموس اور وقار کو داغ لگ جائے۔ اس کا ظاہر اور باطن ایک سا بے ریا اور شفاف تھا۔ اسی لیے وہ چھپ چھپ کر روتے ہوئے اپنے تکیے تو بھگو سکتی تھی مگر بغاوت کا علم بلند نہیں کرسکتی تھی۔ ایسی باتیں سوچتے ہوئے اس کی آنکھوں کی سطح گیلی ہوگئی اور بے آواز سی فریاد سینہ کوبی کرنے لگی۔ اس نے ٹیڈی کو خود سے چمٹالیا۔ وہ کافی دنوں سے ہر دکھ اپنے اوپر سہتے ہوئے اندر ہی اندر گھٹتی ہوئی اب تھکنے لگی تھی۔ اس نے فائز سے کئی بار فائنل بات کرنے کی ٹھانی مگر یہ سوچ کر ڈر جاتی کہ کہیں اس کے دکھوں میں اضافہ نہ ہوجائے۔ وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوکر پھر سے غم کی کھائی میں گرتا چلا نہ جائے۔

❁......❁......❁

صائمہ بھی آج کل شرمیلا سے بچنے لگی تھی، بہت کم ہی اس کے ساتھ رہتی۔ وہ اکثر کالج سے چھٹی کے وقت نکلتی تو کوئی بہانا بنا کر وہ سے الگ ہوجاتی تھی۔ نبیل نے صائمہ کی مدد حاصل کرکے جب شرمیلا کی جانب قدم بڑھایا تھا تو وہ انتقام کی آگ میں جل رہا تھا۔ بہت جلد شرمیلا کو تھپڑ کی سزا دینا چاہتا تھا۔ پہلی بار کسی لڑکی نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا مگر جانے کیسے اس کے اندر کے منفی جذبوں کو محبت کی شدت نے تھپک تھپک کر سلادیا تھا۔ اب تو نبیل کے دل میں شرمیلا کے حصول اور اس کے ساتھ مسرور و مطمئن زندگی گزارنے کی خواہش انگڑائیاں لینے لگیں تھیں، وہ اسے اپنی جانب راغب کرنے کی کوشش بھی کرتا، ادھر جب بھی بات بڑھنے لگتی تو صائمہ کا وجود ان دونوں کے بیچ ایک جمود پیدا کردیتا شرمیلا تک پہنچنے کی راہ ہموار کرنے کے لیے اس نے صائمہ سے جھوٹے وعدے کرلیے تھے مگر وہ تو ہاتھ دھو کے پیچھے ہی پڑگئی تھی۔ خوف کی ایک تلوار کی طرح اس کے سر پر لٹکتی رہتی۔ نبیل کی زندگی دو متوازی راہوں کے درمیان بٹ کر رہ گئی۔ درمیان میں ایک کھائی تھی جس سے بچ کر نکلنا بھی ضروری تھا۔

نبیل کی سوچ، فکر اس کے جذبات اور خواہشات کی شروعات اور اختتام اب شرمیلا سے منسلک ہوچکے تھے۔ کسی تیسرے کی گنجائش ہی نہیں بچی تھی مگر یہ بات صائمہ کو سمجھانا ناممکن تھا۔ وہ جس طرح سے نبیل کے معاملے میں ری ایکٹ کرتی تھی صاف لگتا تھا کہ اس کے دل کا ہر گوشہ نبیل کے نام سے آباد ہوچکا ہے۔ وہ گاہے بگاہے ملاقاتوں میں اسے یہ بات باور بھی کراتی رہتی۔ کبھی کبھی شک و شبہ میں پڑ کر اسے دھمکانے بھی لگتی تو اس کا دل شدت سے چاہتا تھا کہ وہ صائمہ کو صاف صاف بتادے کہ شرمیلا کے ساتھ اس کا کوئی مقابلہ نہیں مگر شاید صائمہ یہ بات برداشت نہیں کرپاتی۔ اسی لیے جب تک یہ سلسلہ چل رہا تھا، نبیل اسے چلا رہا تھا۔ وہ اس سے ملتا ضرور مگر اس ملاقات کے پس پردہ کوئی محبت، پیار یا عشق کا جذبہ نہیں ہوتا تھا۔ یہ ملاقاتیں مصنوعی اور رسمی باتوں سے لبریز بوجھل اور ناگزیر کیفیت سے بھرپور ہوتی۔

❁......❁......❁

مقدر میں جس کے ستارہ نہیں تھا
وہ سب کا تھا بس اک ہمارا نہیں تھا
گنوائی تھی میں نے بھی یہ جان اپنی
فقط اس نے ہی دل کو ہارا نہیں تھا
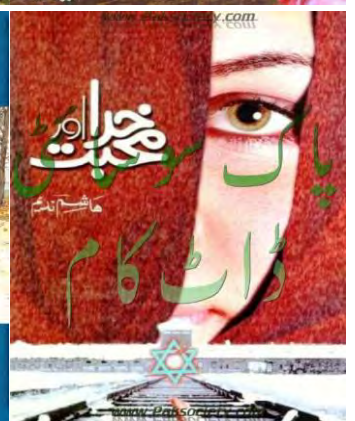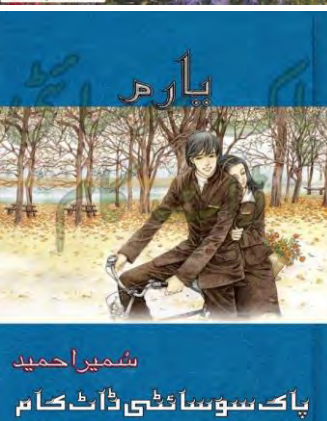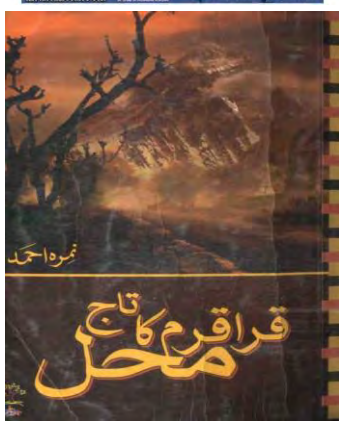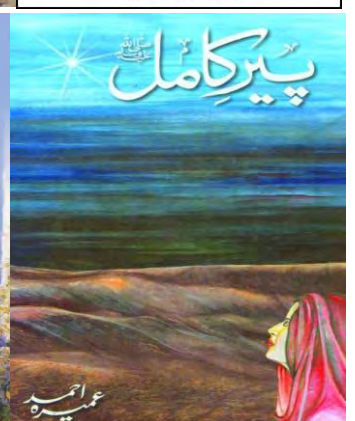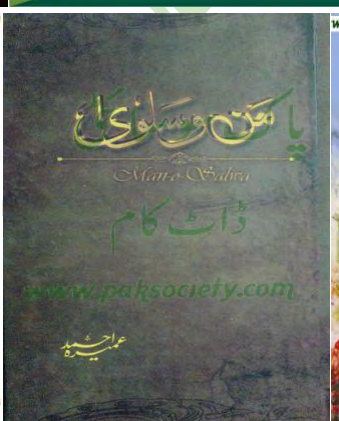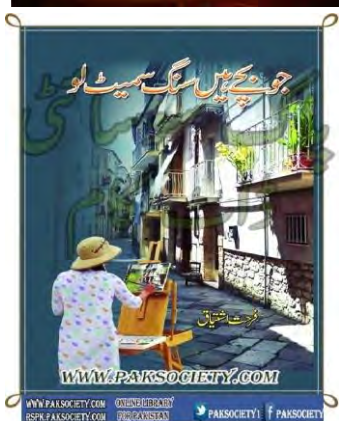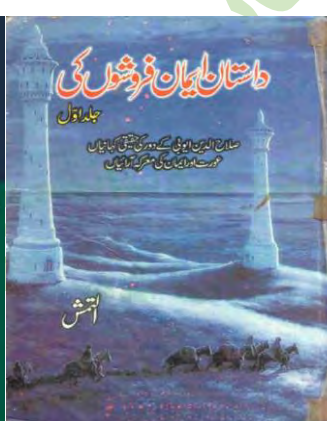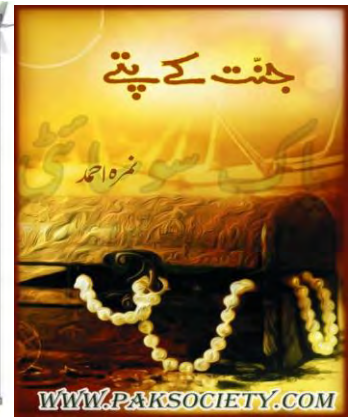
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

اتارا ہے مجھ کو نگاہوں سے اس نے
جسے دل سے میں نے نکالا نہیں تھا
کنارے پہ کیسے بھلا پہنچتے ہم
سمندر کا کوئی کنارہ نہیں تھا
رہا سنگ یوں تو ہر اک شخص میرے
مگر کوئی سنبل کا پیارا نہیں تھا

وہ ایگزامز کی تیاری کرنے کے لیے نوٹس لے کر ٹیرس پر بیٹھ کر پڑھنے لگی اچانک اوراق پلٹتے ہوئے ایک صفحے پر سنبل خان بٹ کی غزل لکھی دکھائی دی' جو اس کی ایک کالج فیلو نے میڈم کے بورنگ لیکچر کے دوران شرارت میں اسے لکھ کر پاس کی تھی، اس وقت تو یہ شاعری اسے حسب حال لگی، سفینہ بڑے جذب کے عالم میں باآواز بلند غزل کا ایک ایک شعر دہراتے ہوئے اس میں اپنا آپ محسوس کرنے لگی۔

''وہ کیا کہتے ہیں''عشق نے غالب نکما کردیا...... ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے۔''

فائز نے اس کے قریب پہنچنے کے بعد غالب کا شعر شرارت سے کانوں میں گنگناتے ہوئے لطیف سا طنز کیا، تو اس نے ایک دم مڑکر پیچھے دیکھا۔

ارے......! آپ...... آپ کب آئے؟'' سفینہ مڑی تو فائز کو دروازے پر ایستادہ پایا۔ حد درجہ حیرت سے بولی۔

''اس وقت جب تم شاید میرے خیالوں میں گم گنگنا رہی تھی۔'' فائز نے اس کے خوبصورت سراپے کو آنکھوں میں بساتے ہوئے چھیڑا۔

''ہونہہ خوش فہمیاں۔'' سفینہ نے زبان چڑائی اور نوٹس سمیٹ کر ماں کے ڈر سے اندر کی جانب قدم بڑھائے۔

''اچھا تو کھاؤ قسم کے میرا خیال تمہارے پاس سے بھی نہیں گزرا۔'' فائز نے اس کی کلائی تھام کر آنکھوں میں جھانکا۔

''مجھے کیا پڑی ہے جو میں قسمیں کھاتی پھروں۔'' سفینہ نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

''اچھا تو میں ایسے ہی خوش ہورہا تھا کہ سفینہ کو مجھ سے کتنا پیار ہے۔'' فائز نے پلر سے ٹیک لگا کر سینے پر ہاتھ باندھے اور محویت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''فائز...... آپ بھی نا کیوں تنگ کررہے ہیں۔'' سفینہ نے ترچھی نظروں سے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

''تنگ تو تم مجھے کررہی ہو سیدھی طرح میری چاہت کا اقرار کرلو۔'' وہ اس کے مقابل آگیا۔

''اس بات سے کب انکار کیا ہے میں نے؟'' وہ ایک دم گلابی پڑتے ہوئے نظریں جھکا کر بولی۔

''تو وعدہ کرو کہ تمہارے خیالوں میں کبھی بھی میرے سوا کوئی دوسرا نہیں آئے گا۔'' فائز نے اس کے کانوں کے قریب ہوکر کہا۔

''ان کو ہو کیا گیا ہے ایسے کیوں ری ایکٹ کررہے ہیں؟'' اس کے ضدی انداز پر سفینہ نے چونک کر سوچا۔

''ایک بار کہو نا سفی کہ میرے سوا تمہارے دل میں کسی اور کا خیال بھی نہیں آئے گا۔'' وہ اس کی بل کھاتی لٹ کو چھو کر بولا۔

''فائز اب اس طرح کھڑے ہو کر تو مت دیکھیں کوئی آگیا تو۔'' سفینہ نے دور ہوتے ہوئے ایک عجیب سے احساس کے تحت کہا۔

''چلو سفی ایک کام کرتا ہوں کہ میں یہاں بیٹھ کر تمہیں دیکھ لیتا ہوں۔'' فائز نے شرارت سے کہا تو وہ ہنس دی۔

''آج آپ کو ہو کیا گیا ہے؟'' سفینہ نے ہنسی پر قابو پانے کے بعد حیرت سے پوچھا۔

''بس ایسے ہی تمہیں تنگ کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔'' فائز نے ہنستے ہوئے اس کی لٹ کھینچی۔

''کیوں تنگ کرنے کے لیے کوئی اور نہیں ملا؟''

''سفی تمہیں پتا ہے کہ میری دنیا تم سے شروع ہوکر تم پر ہی ختم ہوتی ہے۔ اب اگر میں نے کسی اور کو تنگ کیا تو پھر تم ہی

چیخو گی۔" وہ اب تھوڑا مسکرایا۔

"ہاں کر کے تو دیکھیں؟" اس نے آنکھیں دکھائیں تو وہ دلکشی سے ہنستا چلا گیا سفینہ نے ڈر کر خاموش کرایا اور اندر کی جانب اشارہ کیا جہاں ریحانہ موجود تھیں۔

"ویسے بڑے خوش دکھائی دے رہے ہیں؟" وہ بھی اس کی طرف توجہ سے دیکھنے لگی۔

"اصل میں کلائنٹ کو میرا کام بہت پسند آرہا ہے اس لیے ڈائریکٹر صاحب نے خاص طور پر میٹنگ میں آج میری تعریف کی بس یہ ہی بات ہے۔" اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"واؤ یہ تو گڈ نیوز ہے۔" سفینہ ہمیشہ کی طرح اس کی خوشی میں خوش ہوئی۔

"ہاں یہاں کام بھی میرے مطلب کا ہے اور آگے ترقی کے چانسز بھی کافی ہیں۔" فائز نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔ سفینہ نے بے دھیانی میں سر ہلایا۔

"حالات بہتر ہو چلے ہیں تو دل کو بھی سکون میسر آیا اسی لیے میں اپنے دل کے پاس چلا آیا۔" فائز نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی تھام لیا اور دھیمے انداز میں کہا۔

"ایک منٹ زیادہ پھیلنے کی ضرورت نہیں ہے اندر امی اور بابا موجود ہیں۔" سفینہ نے ہاتھ چھڑاتے ہوئے فائز کو وارننگ دی۔

"اچھا میں اندر ہی جا رہا تھا ذرا اپنی ہونے والے ساس سسر سے بھی دو دو ہاتھ کرلوں۔" وہ ایک دم نزدیک ہوتے ہوئے شرارت سے بولا۔

"فائز......" سفینہ اس کی محبتوں سے گھبرا کر اسے دھکیلتے ہوئے چیخی۔

"جی سفی۔" اس کا دلکش قہقہہ فضاؤں میں گونجا اور سفینہ کے بالوں کی لٹ کو چھیڑتے ہوئے اس نے اندر والے پورشن میں قدم رکھا۔

"السلام علیکم چاچی۔" ریحانہ تخت پر بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھیں نگاہ اٹھائی فائز کے دراز سراپے کے پیچھے سے سفینہ کا گلابی چہرہ دکھائی دیا وہ چونک گئیں۔ ان کے منع کرنے کے باوجود سفینہ فائز کے ساتھ دن بہ دن کچھ زیادہ ہی اٹیچ ہو رہی تھی۔ یہ بات ان کے لیے کافی تکلیف دہ تھی۔

❁ ❁ ❁

آج کتنے دن گزر گئے تھے۔ صائمہ اور شرمیلا کی بات چیت نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ شرمیلا نے کئی بار پوچھنے کی کوشش بھی کی مگر صائمہ نے ہر بار اسے اگنور کیا اور مختصر بات کر کے لائن کاٹ دی۔ شرمیلا کو شدید قسم کا فلو ہو گیا تھا اس کے باوجود وہ صرف صائمہ سے بات کرنے کے لیے دو دن کالج آئی مگر وہ خود غائب تھی۔ نبیل سے بھی کافی دنوں سے کوئی رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا اس نے جو نمبر دیا تھا وہ بند مل رہا تھا۔ شرمیلا کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان دونوں کو اچانک سے ہو کیا گیا ہے؟ اسے کبھی کبھی شک گزرتا کہ کوئی ایسی بات ہے جو یہ دونوں چھپا رہے ہیں۔ وہ بات کی تہہ تک پہنچنا چاہتی تھی کوشش بھی کرتی مگر ابھی تک ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ پورا ایک ہفتہ اسی کشمکش و پیچ میں گزر گیا مگر ان دونوں سے کوئی رابطہ نہ ہو سکا، غصے میں تپ کر شرمیلا کا دل چاہنے لگا کہ نبیل اسے کہیں نظر آجائے تو وہ اپنا غصہ آن کی آن میں اس پر نکال دے۔ وہ ایک بار بہن کو لے کر صائمہ کے گھر بھی گئی مگر اس کے چھوٹے بھائی نے دروازے سے یہ کہہ کر لوٹا دیا کہ "باجی کہیں گئی ہوئی ہے۔" وہ حیران و پریشان واپس ہوئی، اب اسے کھل کر بات کرنی تھی مگر دونوں میں سے ایک بھی اس کے ہتھے نہیں چڑھ رہے تھے۔

نبیل نے صائمہ کو دھمکی تو دے دی تھی۔ اس کے باوجود اس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا تھا، وہ منظر سے غائب ہو کر بھی شرمیلا کے حوالے سے باخبر تھا مگر اس نے کالج کی جانب رخ نہیں کیا وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ صائمہ کا اگلا قدم کیا ہوگا۔ اس نے صائمہ سے اس دن کے بعد ایک بار فون پر بات کی۔ وہ بات بھی شرمیلا کے حوالے سے ہی تھی۔ وہ اسے مسلسل کچھ بتانے سے روکنے کی تدبیر کرنے میں لگا ہوا تھا۔ صائمہ کو بھی کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ نبیل کے دھوکے نے جیسے اسے توڑ پھوڑ کر رکھ

دیا تھا۔ وہ بھی اس کی اپنی پیاری دوست شرمیلا کی وجہ سے وہ ماضی کی یادوں کو سینے سے لگائے بستر میں منہ چھپائے پڑی رہتی، اس کی زندگی کا سب سے خوبصورت دن، جب نبیل جیسے ہینڈسم امیرزادے نے اس جیسی عام سی شکل وصورت والی معمولی لڑکی کی جانب خود سے دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور چند ملاقاتوں میں پیار کا اظہار بھی تھا۔ وہ کتنی آسانی سے اس کے ہاتھوں بے وقوف بنتی چلی گئی۔ نبیل شرمیلا کے بارے میں کرید کرید کر معلومات حاصل کرتا رہا اور یہ ہی بولتا رہا کہ اس کے پس پردہ بدلے کی آگ کے سوا کچھ نہیں۔ وہ اس کی ہر بات پر آنکھیں بند کر کے یقین کرتی چلی گئی، یہ بات تو اب جا کر پتا چلی کے وہ اس کے لیے ایک آسان سا راستہ بنی ہوئی تھی، شرمیلا تک پہنچنے کا راستہ۔

سوچوں نے صائمہ کو ایک دم بیمار کر دیا تھا۔ اس کا کھانا پینا کم ہو گیا تھا۔ وہ ایک ہفتے میں ہی میں کمزور دکھائی دینے لگی تھی۔ ایگزام کی ڈیٹ سر پر آ گئی تو اس نے ہمت کر کے کالج جانے کی ٹھانی۔ سوچ لیا تھا کہ اگر شرمیلا سے ملاقات ہو بھی گئی تو وہ اس سے زیادہ بات نہیں کرے گی۔ ویسے بھی آج کل دل دنیا کی ہر شے سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ ایک فیصلہ کیا اور مطمئن ہو گئی کہ آج کے بعد وہ صرف پیپر دینے کے لیے گھر سے نکلے گی مگر کالج کی باؤنڈری میں داخل ہوتے ہی سامنے شرمیلا کھڑی دکھائی دی۔ دل اس سے لپٹ کر رونے کے لیے ہمکا۔

''او صائی یہ تمہیں کیا ہو گیا؟'' شرمیلا دوڑ کر اس کے پاس آئی۔

''بس یار بیمار پڑ گئی تھی۔'' اس نے پھولی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔

''تمہیں پتا ہے کہ میں کتنا یاد کر رہی تھی۔'' شرمیلا نے اسے پورے خلوص سے لپٹا کر کہا تو صائمہ کا ضبط جواب دے گیا، اس کے آنسو نکل پڑے۔

''کیا...... کیا...... ہوا؟'' شرمیلا نے اس کا ہاتھ پکڑا اور سامنے بنچ پر لے جا کر بٹھایا۔

''بس ایسے ہی یار۔'' وہ شرمندگی سے نگاہیں چرا کر بولی۔ شرمیلا اس سے کتنی محبت کرتی تھی مگر اس نے اپنی دوست کے ساتھ کیا کیا۔

''صائمی پلیز کیا ہو گیا ہے؟ بتاؤ کہیں تمہارا وہ کزن تو تمہیں کسی بات پر بلیک میل تو نہیں کر رہا؟'' اس کے یوں پوچھنے پر صائمہ نے گھبرا کر شرمیلا کو دیکھا۔ شدت سے خواہش پیدا ہوئی کہ نبیل کا پول کھول کر رکھ دے۔

❁......❁......❁

''سفینہ بیٹا کہاں ہو ذرا یہاں آنا۔'' بہزاد خان نے گھر میں داخل ہوتے ہی آواز لگائی۔

''جی بابا۔'' سفینہ تیزی سے لاؤنج میں داخل ہوئی اور پانی کا گلاس تھماتے ہوا ادب سے جواب دیا۔

''بیٹا میں یہ مٹھائی لایا ہوں۔ اسے ذرا پلیٹ میں نکال لو۔'' بہزاد خان نے اسے ایک پیک ڈبہ پکڑایا۔

''یہ کس خوشی میں بھئی۔'' ریحانہ جو شوہر کی آواز سن کر اس طرف آئی تھیں، سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''فائز کی جاب کی خوشی میں لایا ہوں۔'' بہزاد خان چہکے۔

''اچھا تو پھر مٹھائی تو بڑی بھابی کو بانٹنی چاہیے۔'' ریحانہ نے ناگواری سے طنز کیا۔

''کبھی کبھی آپ بہت چھوٹی بات کر جاتی ہیں، جانتی بھی ہیں کہ وہ لوگ کتنے کرائسس میں ہیں۔'' بہزاد خان نے بیوی کو گھورا۔

''میرا مطلب یہ نہیں تھا۔'' ریحانہ کو اپنے انداز پر ملامت سی ہوئی۔

''آپ کا جو بھی مطلب ہو مگر یاد کریں اس وقت کو جب ہماری چھوٹی سی خوشی کو جلال بھائی کس طرح سے سیلبریٹ کرتے تھے۔'' بہزاد کی بات پر وہ شرمندہ ہو گئیں۔

''چلو چل کر جلال بھائی کا منہ میٹھا کراتے ہیں۔'' بہزاد خان نے بیٹی کو اشارہ کیا۔

''جی بابا۔'' سفینہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ریحانہ ایسے موقع پر کچھ بول نہیں سکتی تھیں، خاموشی سے شوہر کی تقلید میں نیچے جانے کے لیے اٹھ گئیں تھیں۔

شرمیلا اس دن جہاں کی تہاں رہ گئی، جب سے نبیل نے کال کرکے صائمہ کے بارے میں کچھ عجیب سے انکشافات کیے، اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ اس کی اپنی دوست، نبیل کو اس کے خلاف بھڑکا سکتی ہے۔ وہ پہلے تو نبیل کو جھٹلاتی رہی مگر نبیل نے بہت ساری ایسی باتیں بتائیں جو صرف اس کے اور صائمہ کے بیچ محدود تھیں۔ شرمیلا نے پھر بھی دوستی کا مان رکھتے ہوئے نبیل کو جھاڑ پلا کر لائن کاٹ دی مگر پوری رات جاگتے گزری بہت سوچا تو نبیل کی بات میں سچائی کے سوا کچھ اور دکھائی نہیں دیا۔ صائمہ نے کالج میں بڑی مشکل سے شرمیلا کا شک دور کیا تھا، اس نے نبیل کے ڈر سے کوئی بات نہیں بتائی مگر وہ اس بات سے لاعلم تھی کہ نبیل نے خود سے کال کرکے شرمیلا کو ایسی پٹی پڑھائی ہے کہ اب صائمہ چاہ کر بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔ اس سے پہلے کہ صائمہ سچائی کا پردہ چاک کرتی، نبیل نے الٹا اسے ہی شرمیلا کی نگاہوں سے گرا دیا تھا۔ یہ ہی وجہ تھی کہ شرمیلا نے دوسرے دن صبح ہوتے ہی نبیل کو کال ملائی وہ ابھی نیند میں ہی تھا۔

''ہیلو'' اس کی مخمور آواز شرمیلا کے کانوں سے ٹکرائی۔

''نبیل صائمہ نے بہت غلط کیا۔'' شرمیلا کا نم لہجہ اس کے دل پر بھاری پڑا، نیند ہوا ہوگئی۔

''جان ایسے اداس نہ ہو میں ہوں نا۔'' وہ بیڈ پر بیٹھ گیا اور پاس پڑے پیکٹ میں سے سگریٹ نکال کر سلگائی۔

''اس نے دوستی کا مان توڑا۔'' شرمیلا منہ ہی منہ بڑبڑائی۔

''جو ہوا سو ہوا بس آگے کے لیے محتاط رہنا۔'' اس نے کش لیتے ہوئے سمجھایا۔

''صائمہ میرے ساتھ ایسا کیسے کرسکتی ہے۔ ایک دوست کے ساتھ کاش مجھے اس کی اصلیت پہلے معلوم پڑ جاتی'' وہ بولتے بولتے رو دی۔

''پلیز...... اس طرح سے نہ رو تمہیں پتا ہے کہ میں تمہاری آنکھوں میں آنسو برداشت نہیں کرسکتا۔'' وہ بڑے پیار سے بولا۔

''نبیل کل سے میرا دماغ یہ سب سوچ کر پھٹا جا رہا ہے کہ میں کتنے آرام سے بے وقوف بنادی گئی۔'' شرمیلا کے حلق میں پھندا سا پڑنے لگا۔

''شرمیلا...... مجھ سے تمہارا یہ لہجہ برداشت نہیں ہو رہا وہ بھی ایسی لڑکی کے لیے جو تمہاری دوستی کی قابل ہی نہیں تھی۔'' نبیل نے اس فیز سے نکالنے کے لیے تسلی دینا شروع کی۔

''اب میں کیا کروں؟'' شرمیلا اس کی ہمدردی پر زور سے رو دی۔

''تم فی الحال ریلیکس ہو جاؤ اور میرے اور اپنے بارے میں سوچو۔'' وہ دلکش انداز میں بولا۔

''سنو تمہیں صائمہ کے بارے میں کوئی غلط فہمی تو نہیں ہوئی؟'' اسے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا تھا، دوبارہ کنفرم کرنا چاہا۔

''غلط فہمی کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا میری جان صائمہ نے خود مجھے تمہارے خلاف کرنے کے لیے یہ سب باتیں بتائی تھیں، وہ تو تمہاری غربت کا مذاق اڑاتے نہیں تھکتی تھی۔'' نبیل نے گھبرا کر مزید انکشاف کیا۔

''وہ خود کو میری سب سے اچھی دوست کہتی تھی۔'' یہ سب سن کر شرمیلا کا دل ڈوب مرنے کو چاہنے لگا ایک بار پھر رونے لگی۔

''بس کردو۔'' وہ نرمی سے بولا۔

''کیا کروں یقین ہی نہیں آ رہا کہ صائمہ اس حد تک گرسکتی ہے۔'' اس نے ہچکیوں سے روتے ہوئے کہا۔

''شرمیلا اگر تم نے رونا بند نہیں کیا تو قسم سے میں ابھی گاڑی بھگاتا ہوا تمہارے گھر پہنچ جاؤں گا اور اپنی انگلیوں سے تمہارے آنسو صاف کروں گا۔ وہ بھی تمہارے گھر والوں کے سامنے۔'' وہ دھمکی دینے لگا تو شرمیلا نے اپنے رونے پر قابو پایا یہ حقیقت تھی کہ شرمیلا کے رونے پر نبیل کو افسوس ہو رہا تھا، جو بھی تھا اپنی محبت کو چوٹ تو اس نے خود پہنچائی تھی۔

''اوکے میں ٹھیک ہوں۔'' اسے نبیل کا انداز اچھا لگ رہا تھا یا اس وقت اسے شدت سے کسی غمگسار کی ضرورت تھی سر ہلا کر

اس کی بات مان لی۔

"اصل میں چند دنوں پہلے صائمہ نے مجھ سے ذکر کیا تھا کہ اس کا کوئی کزن اسے بلیک میل کر رہا ہے۔" شرمیلا کے ذہن میں اچانک یہ بات آئی تو تذکرہ کر دیا۔

"وہ تمہیں بے وقوف بنا رہی تھی بس۔" نبیل نے ایش ٹرے میں سگریٹ بجھاتے ہوئے پہلے صائمہ کو دل ہی دل میں موٹی سی گالی دی پھر شرمیلا کو سمجھایا۔

"ہاں شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ مردہ دلی سے بولی۔

نبیل نے پیار بھری باتوں سے شرمیلا کو بہلانا شروع کر دیا پہلی بار اس نے مزاحمت نہیں کی بڑی مشکلوں کے بعد وہ مسکرائی تو نبیل کے دل کو اطمینان حاصل ہوا۔

❁......❁......❁

"کیسی طبیعت ہے بھائی جان کی؟" بہزاد نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"خیال آ گیا تمہیں اپنے بھائی کا۔" دلشاد بانو نے چھالیہ کترتے ہوئے طنز کا تیز پھینکا، ریحانہ نے شوہر کو جتاتی نظروں سے دیکھا۔

"خالہ مجھے تو ہر وقت ہی اپنے بھائی کا خیال رہتا ہے۔" بہزاد نے شگفتہ انداز میں جواب دیا۔

"جی چاچا وہ اب پہلے سے بہتر ہیں، اندر کمرے میں سو رہے ہیں۔" فائز نے مسکرا کر ان تینوں کی پذیرائی کی اور جواب دیا۔

"یہ مٹھائی لو اور سب کو کھلاؤ۔" سفینہ نے اس کے ہاتھ میں پلیٹ تھمائی اور شوخی سے بولی۔

"کیوں بھئی کیا سفی کی شادی طے ہو گئی ہے جو مٹھائی بانٹ رہے ہو۔" سائرہ جو کمرے میں داخل ہو رہی تھیں، فوراً بولیں۔

"نہیں بھابی یہ تو میں فائز کی نوکری کی خوشی میں لایا تھا۔" بہزاد نے بیوی کا ہاتھ دبا کر جلدی سے جواب دیا۔

"ممی پلیز۔" فائز دھیرے سے بولا۔

"ارے میں تو مذاق کر رہی تھی۔" فائز کے گھورنے پر انہوں نے تردید کرنا ضروری جانا۔

"تائی اماں کس طرح کی باتیں کرتی ہیں۔" سفینہ نے سوچا، اس کا چہرہ اتر گیا۔

"بھابی نے میری بیوی کے آگے اب ایک نیا محاذ کھول دیا۔" بہزاد کو بھی بڑی بھاوج کا انداز برا لگا سوچنے لگے۔

"واہ بیٹی جیو۔" دلشاد نے بیٹی کو داد دیتی نظروں سے دیکھا۔

"بھابی آپ کہہ تو ٹھیک رہی ہیں۔ ان شاء اللہ۔ وہ دن دور نہیں جب میں اپنی بیٹی کی بات طے ہونے کی مٹھائی بانٹوں گی۔" ریحانہ نے جٹھانی کی طرف دیکھ کر ایسے فخریہ انداز میں کہا کہ سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ سائرہ نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیورانی کو دیکھا، جو "سونار کی ایک لوہار کی" مثال پر عمل کرتے ہوئے اب بڑی شان سے مسکرا رہی تھیں۔

❁......❁......❁

شرمیلا کالج کینٹین میں اکیلی بیٹھی تھی، اتفاق سے اس وقت وہاں اکا دکا اسٹوڈنٹ کے سوا کوئی بھی نہیں تھا۔ اسے یہاں چپ چاپ بیٹھے، کافی دیر ہو گئی، وہ مسلسل اس دن والی باتوں پر غور کر رہی تھی کہ اچانک صائمہ سامنے سے سیڑھیاں چڑھتی ہوئی کینٹین میں داخل ہوئی۔ وہ دونوں کتنی اچھی سہیلیاں تھیں، جب بھی شرمیلا اس سے دور ہوتی، وہ اس کے لیے پریشان ہو جاتی تھی مگر اب حالات کس نہج تک پہنچ چکے تھے۔ صائمہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتے ہوئے اس کی طرف بڑھ رہی تھی، پہلے صائمہ کی موجودگی ایسے اعتماد بخشتی تھی، اس کا ساتھ سکون کا باعث تھا، مگر آج شرمیلا کو اسے دیکھ وحشت سی ہونے لگی۔ وہ اس وقت اکیلا رہنا چاہتی تھی۔ ویسے بھی جب سے صائمہ نے اس کی دوستی کا مان توڑا تھا لوگوں پر سے اس کا اعتبار ختم ہو گیا تھا۔

"ہیلو شرمیلا۔" صائمہ نے قریب پہنچ کر پیار سے پکارا اور کرسی گھسیٹ کر برابر میں بیٹھ گئی۔ شرمیلا کا دل تو چاہ رہا تھا کہ اٹھ کر اس کا منہ نوچ لے مگر کالج میں تماشہ بننے سے بہتر تھا کہ وہ خاموشی اختیار کر لے۔ اسی لیے کچھ کہنے کی بجائے بس خاموشی

سے منہ پھیر کر بیٹھ گئی۔
"کیا ہوا؟" صائمہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ شرمیلا نے اس کی بات سن کر پلکیں اٹھا کر ایک نظر اسے دیکھا اور پھر خاموشی سے منہ پھیر لیا۔
"ناراض ہو؟" اپنے سوال کا جواب نہ پا کر صائمہ ایک دم پریشان ہوگئی۔ اس لیے پوچھا مگر اسے یاد آیا۔ شرمیلا جب ناراض ہوتی تھی تب بھی وہ خاموش نہیں رہتی تھی لڑ جھگڑ کر بات کرلیتی تھی مگر آج وہ شاید ناراض ہونے کی بجائے اس سے بات تک کرنا نہیں چاہتی تھی۔ صائمہ نے اس کی توجہ حاصل کرنے کے لیے اس کا ہاتھ پکڑا مگر شرمیلا نے قہر بھری نظروں سے دیکھا اور اس سے اپنا ہاتھ چھڑا کر اٹھ کر جانے لگی تو صائمہ ایک دم اس کے سامنے آکر کھڑی ہوگئی۔
"نہیں تم میرے ساتھ اس طرح سے نہیں کرسکتی۔ ہم اچھے دوست ہیں۔" صائمہ نے حق جتایا۔ وہ مزید کچھ کہنے ہی والی تھی کہ شرمیلا کے چہرے پر پھیلے اجنبی سے تاثرات نے زبان پر پہرے بیٹھا دیے۔
"بس کردو، بہت ہوگیا دوستی کا ناٹک نہیں چاہیے مجھے تمہاری دوستی۔" اس نے زہر آلود لہجے میں کہا۔
"شرمیلا۔" وہ حیرت سے اسے تکنے لگی۔
"بھاڑ میں گئی تم اور تمہاری دوستی، شرم آتی ہے مجھے ایسی دوستی پر۔" شرمیلا نجانے آن کی آن میں کیا کچھ بول گئی تھی۔
صائمہ دم سادھے اس کی باتیں سنتی رہی۔ اس کو قدموں تلے سے زمین کھسکتی محسوس ہورہی تھی۔ اس کا دماغ گھومنے لگا تھا۔ وہ کچھ کہتی مگر اس وقت اس کے حواس جواب دے گئے تھے۔ شرمیلا جونہی مزید رکنے کے بجائے وہاں سے جانے لگی۔ اسے پیچھے سے صائمہ کا گڑگڑاتا ہوا لہجہ سنائی دیا۔
"پلیز رک جاؤ میں مرجاؤں گی۔" صائمہ کے منہ سے بس یہ جملے نکلے مگر شرمیلا وہاں سے ہوا کی تیزی کے ساتھ باہر جانے کے لیے لپکی۔ "ایک منٹ سنو سچ بتاؤ تم سے نبیل نے کچھ کہا ہے؟" صائمہ نے پیچھے سے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما اور عجیب سے لہجے میں پوچھا تو وہ ٹھٹک کر رک گئی۔

❁.......❁.......❁

"نہیں بس چلنے پھرنے میں اب سہارے کی ضرورت پڑ رہی ہے۔" فائز نے بہزاد کو ادب سے جواب دیا۔
"ہاں...... اس گھر کی رونقیں تو جیسے ماند پڑ گئی ہیں۔" بہزاد خان نے اداسی سے کہا وہ اور فائز بہت دنوں بعد چھت پر چہل قدمی کررہے تھے۔
"دادا ابا تھے تو سب کچھ ٹھیک تھا۔ گھر میں ہر سو خوشیوں کے پہرے تھے۔ ان کے دنیا سے جانے کے بعد جیسے غموں نے اس گھر کا رخ کرلیا ہے۔" فائز نے اپنی بھرائی ہوئی آواز پر قابو پایا۔
"جلال بھائی کو ابا جان کا بہت سہارا تھا مگر ان کے جانے کے بعد وہ بھی بستر سے لگ گئے۔" بہزاد خان کا لہجہ بھی نم ہوا۔
"چاچا...... آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں اب سب بہتر ہورہا ہے۔" فائز نے ان کو تسلی دی۔
"ہاں بیٹا بہت دن ہوگئے ہیں دل سے مسکرائے ہوئے۔" بہزاد خان نے خالی ذہن کے ساتھ کہا۔
"آپ ٹھیک کہتے ہیں مگر ایک اچھی بات ہوئی ہے۔"
"اچھا وہ کیا؟" بہزاد کا لہجہ پُرتجسس ہوا۔
"پاپا کی طبیعت پہلے سے اب کافی بہتر ہورہی ہے۔ ڈاکٹرز بھی کافی پُرامید ہیں۔" وہ مسکرا کر بولا۔
"سچ...... یہ تو بہت اچھی خبر ہے۔" بہزاد کا چہرہ چمکا۔
"بیٹا...... مہمان آئے ہیں کچھ چائے پانی کا بھی پوچھ لیتے ہیں۔" سفینہ کو اوپر آتا دیکھ کر بہزاد نے شرارت سے کہا۔
"بابا میں جانتی ہوں سب چائے پینے کا آپ کا موڈ ہورہا ہے نا۔" وہ ہنسی۔ اس نے آج کل بہزاد کے میٹھے پر پابندی لگائی ہوئی تھی، چائے بھی کم دیتی تھی، ان کا شوگر لیول باڈر لائن تک آچکا تھا۔
"چلو پھیکی چائے ہی پلادو۔" انہوں نے خوش گوار انداز میں کہا بھائی کی طبیعت کے حوالے سے اچھی خبر نے ان کے اندر

ایک ولولہ سا جگا یا تھا۔

''ویسے بھی سنی کافی موٹی ہوتی جا رہی ہو اس لیے ذرا گھر کے کام بھی کرلیا کرو۔'' فائز نے اسے چھیڑا۔

''موٹے ہوگے تم۔'' اس نے چڑ کر فائز کو گھورا تو وہ ہنستا چلا گیا۔

❁ .... ❁ .... ❁

''دیکھو صائمہ تم نے مجھے جتنا دھوکا دینا تھا دے لیا۔ اب مزید نہیں۔'' شرمیلا نے بلبلا کر اس سے ہاتھ چھڑایا۔

''تم پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ نبیل نے کیا کہا؟'' صائمہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

''کسی نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔'' اسے بروقت نبیل کی ہدایت یاد آگئی، جس نے صائمہ کو کچھ بتانے سے منع کیا تھا، اس لیے صاف مکر گئی۔

''میں بے قصور ہوں تمہیں میری بات سننی پڑے گی۔'' وہ شدت کرب سے چلائی۔

''اب پلیز بس کردو یہ ایکٹنگ، تم اتنی بڑی فراڈ نکلوگی میں نے کبھی سوچا تک نہیں تھا۔'' شرمیلا کی آواز بھرا گئی۔

''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔'' وہ گھبرا کر صفائی دینے لگی۔

''کیا بگاڑا تھا میں نے تمہارا اتنا بڑا دھوکا دے ڈالا دوستی کے نام پر......'' شرمیلا کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

صائمہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر الفاظ اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ اس کی کچھ بھی سمجھ نہیں آرہا تھا۔ وہ جان گئی تھی کہ اب شرمیلا سے کچھ بھی ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ اسے اس دن کا خطرہ تھا کہ اگر شرمیلا کے سامنے بات آگئی تو وہ ضرور معاملے کو سمجھ جائے گی جبھی وہ ہر وقت خوف زدہ اور ڈری ڈری سی رہنے لگی تھی۔ آج یہی ہوا تھا جس کا اسے ڈر رہتا تھا۔ مگر اس انداز میں یہ تو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ آخر کار شرمیلا نے اسے دوستی کا طعنہ دے ڈالا۔ وہ سمجھ گئی کہ نبیل نے بازی پلٹ دی ہے۔ سب کچھ اس کے خلاف ہوگیا ہے۔

''ہاں میں نے دھوکا دیا۔ میں شریک ہوں اس سب میں میرا ہی قصور ہے تمہیں جو سزا دینی ہے مجھے قبول ہے۔'' صائمہ نے اپنی سوچوں کو یکجا کر کے ہمت سے کہا۔

''سزا میں کیا دوں گی سزا تو تمہیں اوپر والا دے گا۔'' شرمیلا نے جیسے فریاد کی۔

صائمہ کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ آخر وہ شرمیلا کو کس طرح سمجھائے کہ وہ تو قصوروار تھی مگر اس سے بڑا دھوکے باز نبیل ہے۔ جس نے ایک ہی وقت میں ان دونوں سے محبت کا ڈھونگ رچایا یا شاید صرف صائمہ سے۔

''تم مجھ پر جتنا بھی گرج لو مگر میری ایک بات سن لو......'' صائمہ نے دوست کو نبیل جیسے شخص کے چنگل سے نکالنے کی ٹھانی۔

''اب تم مجھ سے یقیناً نبیل کی برائیاں کروگی۔'' شرمیلا کے پھول سے لبوں سے انگارے برسے۔

''اف یہ شخص تو میری سوچ سے بڑھ کر چالاک نکلا اس نے تو شرمیلا کو مکمل طور پر شیشے میں اتار لیا ہے۔'' صائمہ کے دماغ کی رگیں پھٹنے لگی اچانک کچھ ہوا اور وہ بے ہوش ہو کر زمین پر دھڑام سے گر گئی۔ شرمیلا اچانک اس کی طبیعت خراب دیکھ کر ایک دم گھبرا سی گئی تھی۔ فوری طور پر اسے کالج کی ڈسپنسری میں لے جایا گیا جہاں اسے ابتدائی طبی امداد دی گئی۔ شرمیلا نے صائمہ کے گھر فون کر کے انہیں بتا دیا۔ اس کی امی رکشہ کر کے آئیں اور صائمہ کو لے گئیں جاتے جاتے صائمہ نے جیسی نگاہوں سے شرمیلا کو دیکھا، وہ ایک نئی سوچ میں پڑ گئی۔

❁ .... ❁ .... ❁

ماہِ رمضان شریف کی آمد کے ساتھ نور سے بھری ساعتوں اور پاکیزہ لمحوں نے ہر مسلمان کے دل کو منور کر دیا۔ ریحانہ بھی رب کے آگے طویل سجدوں میں گڑگڑا کر اپنی بیٹی کی خوشیوں کی طالب ہوئیں جب ہی اچانک ایک دن اسریٰ کا فون آگیا۔ ان کے اندر سکون سا اترتا چلا گیا۔ ورنہ وہ کافی خوف زدہ سی تھیں۔ پانچویں روزے کو وہ کچن میں کھڑی افطاری کے لیے پکوڑوں کا بیسن گھول رہی تھیں، اسی وقت سیل فون بج اٹھا، وہ اس وقت اتنی مصروف تھیں کہ کسی سے بھی بات کرنے کی روادار

نہ تھیں، ویسے بھی نامعلوم نمبر سے کال آرہی تھی اس لیے فی الحال اسے نظر انداز کر کے دلجمی سے بیسن پھینٹنے میں لگی رہیں، ان کی والدہ کہتی تھیں کہ "جتنا بیسن پھینٹو گی پکوڑے اتنے ہی خستہ بنیں گے۔" وہ اب بھی مرحومہ ماں کی بہت ساری باتوں پر حرف بہ حرف عمل کرتی تھیں۔ کام ختم کر کے ہاتھ دھو کر مڑی تو فون ایک بار پھر شور مچانے لگا۔

"السلام علیکم۔" انہوں نے قدرے بیزاری سے فون اٹھا کر کہا۔

"وعلیکم السلام۔ آپ سفینہ کی مدر بات کر رہی ہیں؟" دوسری جانب سے فوراً ہی پوچھا گیا۔

"جی میں ریحانہ بات کر رہی ہوں سفینہ کی امی۔" انہوں نے حیرت زدہ لہجے میں اقرار کیا۔

"شکر ہے کہ آپ نے کال پک کی۔" بڑی خوش اخلاقی سے کہا گیا۔

"معاف کیجیے گا۔ میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" وہ پریشانی سے بولیں۔

"پہچانیں گی کیسے ہماری پہلی دفعہ جو بات ہو رہی ہے۔" اپنائیت سے لبریز لہجہ ان کی سماعتوں کے لیے اب بھی انجان تھا۔

"آپ اگر اپنا تعارف کروا دیتی تو اچھا تھا وقت کم ہے مجھے افطاری بھی بنانی ہے۔" انہوں نے عجلت میں کڑاہی میں تیل ڈالتے ہوئے کہا۔

"اوہ سوری میں اسری بات کر رہی ہوں۔" دوسری جانب سے کہا گیا۔

"اسری......" ریحانہ کو نام جانا پہچانا سا لگا، ذہن پر زور دیا، ایک جھماکا سا ہوا۔

"آفاق شاہ کی خالہ سفینہ کے رشتے کے سلسلے میں میں نے ہی اشرفی بوا کو کہا تھا۔" انہوں نے مکمل تعارف کرایا۔

"جی......جی......کیا حال ہے؟" ریحانہ سنبھل گئیں۔ چولہے کی آنچ ہلکی کر کے باہر نکل آئیں۔

"اللہ کا شکر ہے آپ سنائیں؟" وہ کچھ زیادہ ہی فرصت میں تھیں۔

"اللہ کا کرم ہے۔" ریحانہ نے جواب دیا مگر اندر بے چینی کی لہر جاگی۔

"اصل میں ہم لوگ آپ کے گھر آنا چاہ رہے تھے۔" انہوں نے بڑے طریقے سے کہا۔

"جی ضرور کسی دن ہمارے ساتھ افطاری کریں نا۔" ریحانہ نے کچھ سوچ کر دعوت دی۔

"ارے نہیں یہ تو مشکل ہوگا آپ خود سمجھتی ہیں کہ رمضانوں میں نکلنا آسان نہیں ہم تو افطار کے بعد بس تھوڑی دیر کو آئیں گے۔" انہوں نے بڑے سبھاؤ سے انکار کیا۔

"اچھا تو پھر؟" ریحانہ نے سکھ کا سانس لیتے ہوئے اگلا سوال کیا۔

"ہم لوگ آنے والے اتوار کو آنا چاہ رہے ہیں، دراصل اس دن آفاق میاں کی مصروفیت کچھ کم ہو جاتی ہے۔" اسری نے خوش گوار انداز میں بتایا۔

"یہ بالکل ٹھیک رہے گا۔" ریحانہ نے آمادگی ظاہر کی۔

"میں چاہ رہی تھی کہ لڑکا لڑکی ایک دوسرے کو دیکھ لیں، ویسے بھی زندگی تو ان دونوں نے گزارنی ہے ہم لوگوں کی پسند نہ پسند سے کیا ہوگا اگر وہ دونوں راضی نہ ہوں......" اسری نے گول مول انداز میں اپنا عندیہ دیا۔

"میں سمجھی نہیں؟" ریحانہ جان کر انجان بن گئیں۔

"میں یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو ہمارے ساتھ آفاق بھی آجائے؟" اسری کے کہنے پر ریحانہ لمحے بھر کو خاموش ہو گئیں۔

"میں یہ سب کر کے بڑا رسک لے رہی ہوں، بہزاد گرم نہ ہو جائیں۔" ریحانہ نے ہاتھ ملتے ہوئے سوچا۔

"ہیلو ہیلو۔" ایک دم چھانے والی خاموشی پر اسری نے پکارا۔

"ہاں ہیلو جی......جی۔" ریحانہ نے گڑبڑا کر جواب دیا۔

"تو پھر آپ کا کیا فیصلہ ہے؟" اسری نے پوچھا۔

"بلا لیتی ہوں اسی بہانے اچھا ہے وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ لیں گے باقی بہزاد سے میں نمٹ ہی لوں گی۔" ریحانہ

لمحوں میں کشمکش سے باہر آئیں۔
''ٹھیک ہے اسریٰ بہن جیسی آپ کی مرضی۔'' ریحانہ نے بڑے اعتماد سے جواب دیا اور پھر اجازت طلب کی۔

''ارے بھئی آفاق اس اتوار کو تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہے۔'' اسریٰ نے پاس بیٹھے بھانجے کو دیکھ کر خوشی سے بتایا۔
''کہاں خالہ جانی؟'' اس نے اخبار کے صفحے پلٹتے ہوئے بے دھیانی میں پوچھا۔
''لڑکی دیکھنے اور کہاں۔'' اسریٰ کے منہ سے نکلنے والے الفاظ عشو بیگم کو گولی کی طرح لگے، وہ جو افطاری کے برتن سمیٹ رہی تھیں، ایک دم ان کی باتوں کو غور سے سننے لگ گئیں۔
''ہیں...... بھابی۔'' روشنی کا چہرے کا رنگ کھل گیا۔
''لڑکی دیکھنے اس بات کا کیا مطلب خالہ جانی وہ کوئی بھیڑ بکری ہے جو اسے دیکھنے جایا جائے۔'' آفاق نے برا سا منہ بنایا۔
''میں بھی جاؤں گا بھابی دیکھنے۔'' روشنی ایک دم بیچ میں کودی۔
''ہاں...... ہاں کیوں نہیں چندا بھابی تو میری روشنی کی پسند کی ہی آئے گی بس تم ذرا اپنے بولنے کا انداز ٹھیک کرلو۔'' اسریٰ نے بھانجی کو پیار سے پچکارا۔
''کہاں رہتے ہیں؟'' روشنی شروع ہوگئی۔
''بیٹا جب جائیں گے تو سب پتا چل جائے گا اب آپ ذرا جا کر عشو باجی کا کام میں ہاتھ بٹائیں، مجھے بھائی سے خاص بات کرنی ہے۔'' اسریٰ نے نرمی سے روشنی کو وہاں سے بھگایا۔
''اچھا خالہ جانی مگر یاد رکھیے گا اگر روشنی کو بھابی پسند نہیں آئی تو......'' اس نے شرارت سے انگلی اٹھا کر وارننگ دی۔
''سنا ہے لڑکی اتنی پیاری ہے کہ کوئی اسے دیکھ کر انکار کر ہی نہیں سکتا۔'' اسریٰ نے بھانجے کو دیکھتے ہوئے خاص طور پر کہا۔
''ہونہہ پیاری لڑکی۔'' عائشہ بیگم نے ٹیبل پر کپڑا پھیرتے ہوئے سر جھٹکا۔
''میں تم سے اسی بارے میں بات کرنے آئے ہوں۔'' اسریٰ نے آفاق کے تاثرات دیکھ کر کافی سنجیدگی سے کہا۔
''خالہ جانی! مجھے ان مسئلوں میں نہ ڈالیں۔'' آفاق نے جان چھڑائی۔
''بیٹے جانی شادی آپ کی ہے تو آپ ہی کو جانا ہوگا نا۔'' وہ بھی اسی انداز میں بولیں۔
''ٹھیک ہے آپ سب طے کرلیں پھر مجھے اطلاع دے دیجیے گا۔'' وہ ایک دم کھڑا ہوگیا تو عشو کے دل پر ٹھنڈے چھینٹے پڑے۔
''نہیں میں خود سے کچھ طے نہیں کروں گی تمہیں میرے ساتھ سفینہ کے گھر چلنا پڑے گا۔'' انہوں نے بھی کڑے تیوروں سے کہا۔
''سفینہ۔'' آفاق شاہ نے نام دہرایا۔

(ان شاء اللہ تعالیٰ باقی آئندہ شمارے میں)

مجاحرہ

حرا قریشی

کبھی کبھی میں خود کو رب سوہنے کے خوش بخت بندوں میں شمار کرتی ہوں' ہر اس لمحے کا شکر ادا کرتی ہوں جب مجھے کامیابی ملتی ہے جب کوئی میری تعریف وتوصیف دل کھول کر کرتا ہے جب لوگوں کی رشک بھری نگاہیں اپنے چہرے پر فریفتگی سے تکتے محسوس کرتی ہوں۔ جب میرے رویوں کے گلے میں بہت سارے پیسوں میں سے صرف ایک سکہ بجتا ہے جب میرے پیارے بابا اپنا دست شفقت میری جانب بڑھا دیتے ہیں جب پیاری مما میری پیشانی پر اپنے ہونٹوں کا شیریں لمس رکھ دیتی ہیں۔ لوگوں کی معمولی سی محبت وتوجہ کو بھی بہت سمجھتی ہوں چونکہ میں ہوں ردا یزدان!

وقت صبح کاذب تو یوں لگتا ہے کہ میری سانس کی ساخت بدل گئی ہو حمد وثنا جو کرنے لگتی ہوں مگر میرے ساتھ ایک معاملہ درپیش ہے' میرے دوست بہت سارے ہیں۔ دوستوں کے اس گڑھے میں اکثر خود کو قید محسوس کرتی ہوں جہاں حسن نیکی کی درزیں بھی ہیں تو بدلی کے گہرے سوراخ بھی۔ اس گڑھے کو ڈھانپنے کی کوشش میری شخصیت کو اکثر وبیشتر مضحک بنا دیتی ہے جہاں ہٹیلا پن کہیں ہے تو کہیں کینہ پروری نمایاں ہے۔ کہیں شرطوں جیسی فتوحات ہیں تو کہیں ہچکچاہٹ کے بے لاگ مظاہرے' کہیں موسیقی کی گفتگو ہے تو کہیں شادی موضوع احسن۔ کہیں احترام تو کہیں ذلت کے اسباب' کہیں ورسبر کہیں فیس بک' کہیں واٹس اپ تو کہیں انسٹاگرام میں بھی یہیں کہیں ہوں پر میرا مقصد ہدایت انسانیت ہے بس اور کچھ نہیں۔

❀......❀......❀

میرا آج کا دن بڑا ہی ولولہ انگیز اور پُر جوش تھا وجہ بی ایس سی کے پہلے ہی سال میں میری سرفہرست پہلی پوزیشن نمایاں نمبروں کے ساتھ۔ گھر میں فرداً فرداً ہونے والی لوگوں کی چہل پہل نے میرے دل کے گوشے کو بے حد وسیع کر دیا تھا۔ کتنی ہی بار نماز شکر ادا کرکے میں نے سجدۂ شکر کی لذت کو اپنے باطن میں اتارا تھا۔ میں یعنی ردا اصفہانی شروع سے شاندار طالب علموں کی طرح اپنے تعلیمی ریکارڈ روشن نہیں کرتی آئی تھی ہاں انٹرمیڈیٹ کے بعد میری ایک راہبر سے دوستی ہوگئی جس نے میرے اندر مخفی صلاحیتوں کو یوں بیدار کیا جیسے مقناطیسی میدان میں دائرہ در دائرہ لہروں کی قوت جاگ اٹھی ہو۔ دراصل ہوا کچھ یوں تھا' میرے والد جہانزیب اصفہانی نامور بزنس مین تھے۔ کام کی لگن' روپے پیسے جمع کرنے کی دھن گویا ان کو گھٹی میں ملی تھی۔ مما کا بھی حال کچھ اس سے مختلف نہ تھا جو الہامی خوب صورتی کی مالک تھی اور مصوری کی جنون کی حد تک دلدادہ۔ ان دونوں نے مل کر مجھے ایک مستحکم معاشی زندگی دی تھی ہر طرح کی آزادی وخود مختاری لیکن میری باطنی آنکھ کی رگوں میں کئی چھید کر ڈالے تھے۔ انہیں روپے پیسے کی فراوانی جیسے راحت پہنچاتی تھی۔ یہی وجہ تھی شاید بلکہ یقیناً میرے واحد وجود کے اصفہانی ولا میں کسی اور ذی روح کی آنکھ کھولنے کی ہمت نہ ہوئی تھی۔ اپنے دائیں بائیں' ادھر اُدھر' آگے پیچھے ہمیشہ میں نے تنہائی کو اپنا رفیق خاص پایا تھا۔ شام کو ہونے والی میری قریبی پارک کی سیر مجھے ان چہروں کو مشاہدہ کرنے میں مدد دیتی جو ہنستے' چہکتے' کھیلتے اپنے لمحات کی مہک کا تاثر میری بھیگی پُرکیف ہتھیلیوں پر ثبت کرکے واپس چلے جاتے جیسا کہ میں نے آغاز میں بتایا میرے احباب کی فہرست بڑی لمبی ہے مگر اس فہرست میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جنہوں نے میری ناکامیوں پر کبھی سخت محنت کا سبق نہ پڑھایا۔

میری ہر ہر بات' ہر ہر کام پر اچھائی کے دستخط کرتے چلے گئے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے میٹرک میں میرے دو سال اور انٹر میں ایک سال ایسے ہی ضائع ہوگیا' بابا کہتے۔

''چیئر اپ بیٹا! اگلے سال کرلینا کلیئر۔'' مما کہتی ''چھوڑ دو بیٹا جانی! پڑھائی وڑھائی' کمپیوٹر کورسز کرلو۔'' مگر میں خود کو اس قابل کہاں گردان سکتی تھی کہ میرے دماغ کی کھڑکی میں شعور وفکر کا در کبھی وا کرنے کی کوشش ہی نہ کی گئی تھی۔ اعتماد کا حد درجہ فقدان تو صلاحیتوں پر ''مٹی پاؤ''

کی سند تو لگنی ہی تھی۔ میرا یہ سفر ایسے ہی جاری رہتا کہ اچانک میرے ہاتھ آلہ محبت لگ گیا پھر یہی (لیپ ٹاپ) بھی آ گیا خود پر حیرت بھی ہوئی اتنے سارے احباب جن کے پاس پہلے سے یہ موجود تھیں اشیائے خورد و مسرت...... میرے دل کے عجائب خانے پر ان کی آمد کیوں دیر سے ہوئی تو عام زبان میں اس کی وجہ بتاتی ہوں۔ اصفحانی ولا میں ویسے تو خادموں کی کمی نہ تھی لیکن اس ولا کے من کے مضافات میں جتنی بھی ترتیب تھی وہ ردا بی بی کی ہی کارکردگی تھی۔ ہاں کتابوں سے بس ضرورت کی حد تک لگاؤ تھا' حکم چلانے والے ٹیوٹرز میری برداشت سے باہر تھے سو ایسے ہر تردد سے اجتناب برتنے میں ہی عافیت سمجھی گئی تھی۔

مما سے تھوڑے بہت آرٹ کے جراثیم بھی مستعار لیے گئے تھے۔ ڈرائیونگ باقاعدہ لائسنس مہارت کے ساتھ سیکھی گئی تھی لہٰذا آپ یہ کہہ سکتے ہیں جا بجا آوارہ گردی کرنا (گھومنا پھرنا) ردا بی بی کا محبوب مشغلہ تھا' میوزک بس دوستوں کی کمپنی میں ہی لطف کا باعث تھا۔ ورنہ جہاں یار ید یہ میری زیست کا انمول لمحہ' گراں قدر لمحوں کی گراں قدر کتاب' میری گم گشتہ صلاحیتوں کے اوراق چاک کرنے والا پہلا شخص تھا۔ ہماری پہلی ملاقات پارک میں ہی ہوئی اس نے مجھے بتایا۔

''میں امریکہ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لے کر کچھ دن پہلے ہی تمہارے شہر میں آیا ہوں اور تمہیں دیکھ کر مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے۔ جیسے کئی ستاروں کے جھرمٹ ایک کونے پر جمع ہو گئے ہوں' تمہاری آنکھوں میں ذہانت کی ایک بھرپور چمک ہے۔ تمہارے قدموں میں منزل کو جکڑ لینے کی جستجو ہے۔ تمہاری ساعتیں کسی عام ذی روح جیسی تو ہے ہی نہیں۔ تم خود کو منوا کیوں نہیں لیتی۔ پیاری ذہین لڑکی!'' سن کر اس کی باتیں من کے دیپک میں کئی دیے یک لخت جل بجھ کرنے لگے تھے۔ میری ذات پر پہلی بار میری اہمیت و فوقیت اجاگر ہوئی تھی۔ امتحانات میں بس دو ماہ تو رہ گئے تھے کہ اگلے دن اسی پارک میں جہاں یار ید اور میں ہفتہ بھر سے مل رہے تھے وہ نہ آیا' کافی دیر انتظار کے بعد شدت بے قراری سے میں نے گرد و نواح میں اُگی گھاس پر براجمان بنچ کو چھونا شروع کر دیا وہ کیسے بیٹھتا ہے؟ کیسے بات کرتا ہے؟ فقرے ادا کرتے اس کے ابرو کی حرکات' اس کی زبان کے پیچ و خم اس کے لمس کو گویا تراشنا شروع کر دیا اور وہ ساری شب ردا کی اصفحانی ولا کے ٹیرس پر اپنے کینوس کے ہمراہ جاگتے گزری تھی۔ جہانزیب اور ان کی بیگم اب خود کو پہلے سے بھی زیادہ ذمہ داریوں سے مبرا سمجھتے تھے ان کے ذہن از خود اس قاعدے کو قبول کر چکے تھے کہ ردا اصفحانی اب زیست کے مداروں میں شعور کی سیڑھیاں چڑھنا سیکھ چکی ہے۔

ردا نے اس ہجر کی شب ایک یادگار شاہکار یار ید کی صورت بنا ڈالا تھا۔ تصویر کے کینوس پر یار ید بنچ پر نیم وا لب لیے مخاطب کرنے کے انداز میں اٹھ کر کھڑا ہوتا دکھائی دے رہا تھا اور ایک حسین دوشیزہ چاند کے ہالے میں اپنا عکس لیے اشک بار آنکھیں لیے الوداع کہنے کے انداز میں ہاتھ اٹھائے ہوئے اور ہاتھ بھی ایسے جیسے فضا میں معلق ہو۔

اگلے دن عجیب ہی نور نیت کا لبادہ اوڑھے نمودار ہوا تھا' سورج کی تپتی تمازت میں چلتی ہوائیں ہلکی پھلکی نرمی کا تاثر لیے ہوئے تھیں۔ حسب معمول پارک میں بیٹھے' چلتے پھرتے لوگ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ نونہال فٹ بال کھیلتے اچھلتی بال کے تعاقب میں اب پارک سے باہر کی جانب بھاگ رہے تھے عین اسی لمحے ردا نے دور سے ہی اپنے اس مخصوص بنچ کو خالی پایا تھا' جل تھل کرتے آنسوؤں نے فی البدیہہ رخسار پر لڑھکتے اس کی خمدار گردن پر راستہ بنایا تھا۔ آنسوؤں کو پونچھنے کا تردد کیے بغیر کسی الوہی امید لیے اس کے قدم خود بخود بنچ کی جانب بڑھنے لگے تھے اور اس کے تعاقب میں سبک روی سے چلتے یارید نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لینے کی خواہش کو بڑی شدت سے دل کے طاقچے میں بے دردی سے دبایا تھا۔ وہ بنچ کے پاس آنکھیں بند کیے ساکت کھڑی ہوگئی تھی' لمحوں کے سحر کا فسوں پلک جھپکتے زائل ہوا تھا' وہ اس کے سامنے آیا جانے عرفانِ محبت کا یہ کون سا جذبہ تھا کہ اس نے فٹ سے آنکھیں کھول دیں' اپنے سامنے یارید کو پا کر وہ بے اختیار ہوگئی تھی کہ یارید کے اٹھتے ہاتھ کے اشارے نے اسے یاد دلایا تھا کہ وہ اس وقت کہاں موجود ہے؟ وہ تو سوچ بیٹھی تھی اسے اپنی شب ہجر کی اذیت سنانے کا' پل بھر میں ہی جھاگ بن کر بیٹھ گئی تھی۔ گھنٹہ بھر چپ کی چادر اوڑھے وہ ایک دوسرے کے چہرے کا مشاہدہ ہی کرتے رہے تھے۔

''تمہاری خوب صورتی اور ذہانت کا جو اثر میرے ذہن میں ہے میں اسے دائمی بنانا چاہتا ہوں۔ یہ دیکھو! یہ نوٹس اور یہ بہت ساری کتابیں جو تمہیں تمہارے مضامین میں پہلی پوزیشن پر لاسکتی ہیں۔ ذہین لوگ ہمیشہ سے ہی میری کمزوری رہے ہیں اور بہت سے ایسے لوگوں کے دماغ کو میں نے دیمک لگنے سے بچایا ہے۔ میں چاہتا ہوں تم آل راؤنڈر متعلم کی صورت ابھرو' یہ جو چند دن ہیں نا تمہارے پاس' انہیں کسی صورت رائیگاں نہیں کرنا۔ ڈرائیونگ ختم' موبائل پر نہ ہی بات چیت اور نہ ہی پارک میں تم مجھ سے ملنے کے لیے آؤ گی۔''

''نہیں......'' متواتر بہتے آنسوؤں سمیت ردا کے حلق سے ہلکی سی سسکی نکلی تھی۔ یارید نے فاصلہ برقرار رکھتے اسے ''چپ'' کا اشارہ دیا (اپنے لبوں پر انگلی رکھتے ہوئے) اور وہ تو جیسے پتھر ہی ہوگئی تھی۔

''اب میری بات دھیان سے سنو ذہین لڑکی! ایک رعایت میں تمہیں دے رہا ہوں' پڑھائی کے علاوہ تم روزانہ مجھے صبح بخیر کا ایک پیغام بھیجو گی اور دوستوں کو بھی (اگر چاہو تو)۔'' یارید نے اپنے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کیے اور ردا نے پٹ سے پوری آنکھیں متحیر ہو کر کھول دی تھیں۔

''اور سنو......'' وہ تھوڑا سا آگے غیر ارادی طور پر بات کرتے کھسکا اور ردا تھوڑا سا پیچھے' نا چاہتے ہوئے بھی وہ اس کی اس حرکت پر مسکرا دیا تھا۔

''دیکھو پیارے چہرے والی لڑکی! یہ جو کتابیں میں نے تمہیں دی ہیں' قیمتی ہیں مگر تم سے زیادہ نہیں اور ہاں یہ ادھار دے رہا ہوں۔ ان کتابوں میں سے ہر ایک کتاب کے درمیان میں نے ایک خط رکھا ہے اور یہ خط تم اس وقت پڑھو گی جب پڑھ پڑھ کر بور ہونے لگو گی' ٹھیک۔'' یارید نے سوالیہ انداز اپنایا اور ردا نے جھٹ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اور سنو......'' اب یارید آگے ہونے کی بجائے پیچھے ہوا تھا اور ردا مسکرا دی تھی۔ ''تمہیں کہیں بھی کوئی بھی مشکل درپیش آئے مجھ سے بذریعہ فون بات کرسکتی ہو۔ روز صرف ایک خط پڑھو گی بس' جب پہلی پوزیشن پر آجاؤ گی میں اپنی کتابیں نوٹس واپس لے لوں گا خطوط سمیت' کسی بھی قسم کی بے پروائی قابل قبول نہ ہوگی ورنہ یارید آفندی کے ساتھ تمہاری یہ آخری ملاقات ہوگی' سمجھیں۔'' حکم صادر کرتے شہادت کی انگلی اٹھالی گئی تھی۔ ردا دل ہی دل میں اسے سنگ دل کا لقب دے چکی تھی۔ ابھی تک جتنی بھی ملاقاتیں ہوئی تھیں ان میں یہ ان کی پہلی طویل ملاقات تھی اور شاید آخری بھی۔

موسم گرما کی حدت سے بھرپور صبح کا ذکر ہے' زیر آفتاب نیم برہنہ بے چارے چھوٹے معصوم گرمی کے ستائے ہوئے پسینہ پونچھتے اصفحانی ولا کے عین سامنے چبوترے پر چڑھے بھنگڑا ڈالتے بچے یہ کہتے مگن تھے کہ ''آج لائٹ نہیں جائے گی'' کتابوں میں سر گھسائے ردا نے گھڑی بھر کو روشن دان سے عین پانچ قدم نیچے بنی کھڑکی

سے نظر ڈالی تو سمجھ گئی کہ اتنی دیر سے ذہن کیوں رابرٹ براؤن کے نظریات کو سمجھ نہیں پارہا۔ اس سے قبل کہ وہ کسی خادم کے ہاتھ ان معصوموں کو وہاں سے ہٹانے کا عندیہ دیتی شور مدہم ہوچلا تھا جو اس بات کی نشاندہی کررہا تھا کہ بچے دور جاچکے ہیں' عالی شان چبوترے کو الوداع کہتے۔

ردا نے پھر سے ایک نئی تھیوری کی جانب توجہ مبذول کرنے کی کوشش کی تھی پر توجہ و دھیان کا مرکز بری طرح منتشر ہوچکا تھا۔ سو اس نے علم بقایات کی کتاب کے درمیان سے پہلا خط نکالا تھا جس کے کونوں پر خشک بہت سے پھول چسپاں تھے اور خوب صورتی سے لکھی تحریر کے نیچے بطور واٹر مارک گلاب کا انتہائی لاجواب خاکہ اپنا عکس منعکس کررہا تھا۔ ساری کی ساری سستی اور بے زاری لمحہ بھر میں اڑن چھو ہوئی تھی' آغاز کچھ اس طرح کیا گیا تھا۔

''پیاری ذہین لڑکی! میں نہیں جانتا' ادراک کا وہ کون سا لمحہ تھا جب تم میری ذات پر پرت در پرت سرب کھولتی گئیں۔ جانتی ہو یارید کا مطلب...... اس کا مطلب ہے خواہش' اور پارک میں پڑنے والے میرے پہلے قدم نے ہی مجھ پر یہ باور کردیا تھا کہ بہت پہلے سے میری زیست کی اولین خواہش محض ''تم'' تھی۔'' تم کو نمایاں کرکے بڑے سائز میں گہرا کرکے لکھا گیا تھا۔

''اس قدر مختصر خط۔'' برا سا منہ بناتے خط کو واپس اسی مقام پر رکھ دیا گیا تھا گویا یارید کی ذرا سی بھی حکم عدولی گناہ کبیرہ جیسا امر ہو۔ اس کی لمحے بھر کی خفگی ہی اس کے لیے کے ٹو کا پہاڑ سر کرنے کے مترادف بھی پھر ہوتے ہیں ناں کچھ ایسے لوگ جن کی ملکوتی مسکراہٹ دنیا کی ہر شے سے قیمتی لگتی ہے۔ جن کی منزل' جن کے مقاصد' جن کی ترقی ہمیں بھی اپنی زندگی کا فرض واحد لگتی ہے جنہیں اپنی خواہش' جستجو' تلاش بنا کر ہم اپنے دل کے انتہائی قریب رکھتے ہیں۔ اتنا قریب جیسے باہم ہاتھ کی ایک دوسرے پر بل کھاتی لکیریں۔

''جانتی ہو؟ جب میں تمہیں سنتا ہوں پھر کچھ اور نہیں سنتا' جب میں تمہیں دیکھتا ہوں کچھ اور نہیں دیکھتا اور جب تم میرے سامنے ہوتی ہو میرے سامنے کچھ بھی نہیں ہوتا سوائے ایک تمہاری ذات کے۔ خوب صورت' پیاری' ذہین لڑکی! تم میری ذات کا ایک سریلا محور ہو جسے میں صرف میں سنتا ہوں۔'' سامنے چائے کا خالی کپ رکھتے اسے یارید کی سرگوشیاں سنائی دینے لگی تھیں۔ ردا نے مزید پڑھائی کا ارادہ موقوف کرتے ہوئے سامنے بیڈ پر رکھے کشن پر اپنا سر گرادیا تھا۔

سارا دن وقفہ در وقفہ پڑھنے کے بعد ردا نے بہت ساری چیزیں بطور سوالات اکٹھی کرلی تھیں۔ پیچیدہ لفظوں کے نیچے دو تین سطریں جبکہ کسی بھی عمل کی وضاحت کے لیے مکمل ایک پیراگراف یا ایک مکمل خالی صفحہ چھوڑ دیا گیا تھا۔ قرطاس پر قلم رکھتے اب وہ مکمل طور پر تیار تھی۔ یارید کا نمبر ڈائل کرنے کے لیے بہرکیف یہ تو طے تھا کہ فون پر مضامین کے مشکل مراحل کے علاوہ کوئی اور امر زیر بحث نہ لایا جائے گا۔ نا چاہتے ہوئے بھی اس فعل پر قائم رہنا ردا کی ذمہ داری میں تھا۔

''دیکھو! اوسمو ریگولیشن کا اگر لفظی مفہوم جانیں تو ''اوسمو'' اور ''ریگولیشن'' یہ دو لفظوں کا مجموعہ ہے۔ اوسمو کا مطلب سیم یعنی ایک جیسا اور ریگولیشن کا مطلب کنٹرول ہے۔ اصل میں یہ ہے کیا؟ تو سنو کسی جسم کے مائعات میں پانی اور نمک وغیرہ کی سطح برقرار رکھ کر سرایتی دباؤ کو مستقل رکھنا۔'' یارید کی نہ صرف اردو بلکہ انگریزی بھی بلا کی زرخیز تھی۔ دماغ گویا لغت کی فیکٹری۔ دل نرمی و شائستگی کا چیمبر' آنکھیں ٹیلی اسکوپ اور جسد خاکی یوں گویا ایک اسپیڈی روبوٹ جو پلک جھپکتے کام سرانجام دیتا جائے۔ باٹنی میں جہاں کہیں یہ لفظ آیا تھا وہ ہر ٹاپک ردا کے ذہن پر بخوبی کلیئر ہوگیا تھا۔ یارید نے نہ صرف اردو انگریزی میں بھی اس کی کئی تعریفیں اس کو ذہن نشین کروانے کی کوشش کی تھی۔ ردا جہاں اس کی سنگ دلی کی قائل تھی وہیں وہ اس کے اخلاق کے حسین پیکر کی بھی دل و جاں سے گرویدہ ہوچکی تھی۔

ایک ماہ کے نصف عرصے بعد اس نے کتاب کے درمیان سے دوسرا نفیس خط نکالا تھا جس کے رنرز پر اصفحانی کے حروف کی کشیدہ کاری سے نہایت ہی دیدہ زیب فریم بنایا گیا تھا اور دائیں طرف کے کونے پر نہایت ہی چھوٹے حروف میں صرف ایک فقرہ لکھا تھا۔

''محترمہ اپنے اندر وجوہات اور دلائل پیش کرنے کی صلاحیت پیدا کرو مبادا کسی اور کی ذہنی وفکری استعداد تمہیں

ترقی کی دوڑ میں پیچھے نہ چھوڑ دیں۔'' اس فقرے کے لیے لب لباب کی تہہ میں چھپا پیغام اسے بخوبی سمجھ آ گیا تھا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً یارید کو ٹیکسٹ روانہ کیا تھا۔

''میں اپنے کام دوسروں سے بہتر اور بہت اچھے سے کرسکتی ہوں مسٹر بی کاذ آ ئی کین ڈوا وری تھنگ۔'' یارید سیتھوٹراپسی کے مریض کی فائل ایک طرف رکھتے سیل کی میسج ٹون کی جانب متوجہ ہوا۔ ردا کا ٹیکسٹ پڑھنے کے بعد وہ کافی دیر تک محظوظ ہوتا رہا کہ جو اس نے چاہا تھا بنا کہے وہ کام پل بھر میں عمل کا دائرہ طے کر کے ردعمل کی صورت اختیار کرچکا تھا۔

اگلے نصف ماہ ہارمونز، پینکریاز، گونیڈز، کروموسومز کی کتنی ہی تفصیل وہ خود سے گوگل پر تلاش کرنے کے قابل ہو چکی تھی۔ ایک ایک غدود کی تفصیل لیتے وہ سر درد، آنکھوں میں درد کے کن کن مراحل سے گزری تھی یہ وہی جانتی تھی نہ صرف انگریزی اردو کے بھی کئی مشکل حروف تغزیہ، نزدرقی غدود، رق یاشی ودیگر کو وہ از بر کرچکی تھی۔ اس دوران ایک دفعہ بھی یارید کو اس نے فون نہ کیا تھا اور یارید نے تو گویا ایسا نہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی پھر وہ خود بھی مضبوط ہو کر کمزوری کی داغ بیل ڈالنے سے گریز برتنا چاہتی تھی۔

اگلے دن نمودار ہونے والی صبح کو بادل عجب سی سرمستی میں محو تھے۔ ہوائیں خراماں خراماں کھڑکی کے نیم وا پٹ کو دھکیلتی اس کے چہرے پر پڑی زلفوں سے اٹھکھیلیاں کرتیں، چھیڑ خانی پر آمادہ دکھائی دیتی تھیں۔ یک دم ٹپ ٹپ بارش کی بوندوں نے آخر کو اس کی توجہ منحرف کر ہی لی۔ کچھ ہی دیر پہلے ہی جلیل بابا (خادم) اس کے لیے گرما گرم کافی اور اسنیکس رکھ کر گئے تھے۔ ردا نے نوٹس کے صفحات سمیٹے ایک دوسرے کے اوپر ڈھیر بناتے کتابوں کو شیلف کے قدرے ساتھ رکھی میز پر ٹکا دیا تھا۔ دفعتاً کتابوں کے ڈھیر سے ایک موٹا سا کاغذ نکل کر اس کے قدموں میں آ گرا تھا۔ عجب کپکپاتے ہاتھوں سے ردا نے خوشبو سے لبریز خط کی تہوں کو کھولا تھا۔

''یہ میرا تیسرا اور طویل خط ہے شاید آخری بھی ہوتا مگر کیا کروں۔ جتنی تم سے باتیں کرتا ہوں اتنا ہی دل سیری پر آمادہ نہیں ہوتا۔ تم میری جرأت، میرا حوصلہ ہو تم سے ملنے کے بعد کتنے ہی آپریشنز میں نے کامیابی سے کیے ہیں۔ آر آنیورولوجسٹ میں نے مرگی کی ایک ایسی مریضہ پر کام کیا جو اپنی خواہشات کو ایک خاموش قبر میں رکھ چکی تھی۔ آٹھ برس قبل مرگی کے ماہر ڈاکٹر نے ایک آپریشن کے بارے میں بتایا تھا۔ معلوم ہے؟ اس میں دماغ کے ایک خاص حصے کو آپریٹ کیا جاتا تھا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں سے کنکشن جدا جدا ہوتے تھے مگر ردا یہ وہ مقام بھی تھا جہاں فاسٹی سگنلز پیدا ہونے کا خدشہ رہتا تھا۔ اس آپریشن میں ٹیمپورل لوب کا ایک حصہ ہٹا دیا جاتا تھا اور جو پہلے قدیم آپریشن ہوتے تھے ناں، ان میں پوری لوب ہی کو ہٹا دیا جاتا تھا جو انتہائی خطرناک کام تھا۔ اگر اسکیٹنگ کا عمل کیا جائے، پیش رفت کی راہ نکل آئے تو متاثرہ حصہ پتا چل سکتا تھا اس لیے اسکیٹنگ کی بدولت طریقہ آپریشن کم خطرناک ہو گیا تھا۔ میرے ساتھ جو برطانیہ میں ماہر ڈاکٹر تھے انہوں نے مجھے ایک ماہر سرجن جو شیفیڈ کے رائل ہالمشائر اسپتال میں کام کرتے تھے انہوں نے مریض کی ای ای جی کا مشورہ دیا تاکہ مریض کے دماغ کی برقی حرکت کو کنٹرول کیا جاسکے اور یہ معلوم کیا جاسکے کہ بالاصل کون سی ٹیمپورل لوب مرگی کے دوروں کی جڑ ہے۔ مگر یہ سب بتانے کا مقصد تم پر اپنی بڑائی ظاہر کرنا یا دھاک بٹھانا نہیں ہے بلکہ ایک معمولی سی استدعا ہے جس کو سمجھنے کے بعد تم صحت مند بیمار شخص اور بیمار شخص کی منطق میں فرق کرسکو گی۔ تمہارے جذبے کم طاقت رکھتے ہوئے بھی پہاڑوں سے مسائل سے ٹکرا جائیں گے۔ بہرحال اسکیٹنگ یعنی نشانات کے مقامات کا پتا لگانے کے بعد واڈا ٹسٹ (Wada Test) کیا گیا۔ جانتی ہو اس ٹیکسٹ میں کیا ہوتا ہے؟ اس میں سن کر دینے والی دواؤں کے انجکشن لگا کر دماغ کے دونوں حصوں کو بے حس کر دیا جاتا تھا تاکہ سراغ لگایا جائے کہ مریض کی دماغ کا کون سا حصہ ٹھیک کام کر رہا ہے ایسا احتیاطاً کیا جاتا ہے کیونکہ کبھی کبھار آپریشن دماغ کے دوسرے حصے کو بھی نقصان پہنچ سکتا ہے تقریباً دو گھنٹے کا یہ آپریشن جنرل انستھلیسیا میں کیا جاتا ہے۔ مریض کو میں نے پشت کے بل اس طرح لٹایا کہ اس کا سر دائیں بائیں جھکا رہے، ایک شکنجے سے مریض کے سر کو ایک جگہ ساکت کیا تاکہ ہل نہ سکے۔

❁.........❁.........❁

دستکیں دے رہی ہے پلکوں پر
کوئی برسات کی جھڑے ہوگی
زلف بل کھا رہی ہے ماتھے پر
چاندنی سے صبا لڑی ہوگی

کمرے کی کھڑکی سے نظر آنے والی برسات ہر گزرتے لمحے تیز ہورہی تھیں۔ باہر فلک سے گرنے والے موٹے موٹے قطرے زمین کو بھگوتے رہے اور اندر ردا اصفہانی یارید کے حروف پڑھتے ان کے باطن میں ڈوب چکی تھی۔

''مجھے معلوم ہے اب تم رو رہی ہوگی' دیکھو بہادر لڑکیاں! چھوٹے چھوٹے مسائل پر رویا نہیں کرتیں اور اپنے سارے کے سارے بڑے مسائل رب سوہنے کے سامنے رکھ دیتی ہیں پھر وہ جانے اور اس کی کاریگری' اس کن فیکون سے بڑھ کر بھی کسی کی کاریگری ہوسکتی ہے پھر......'' ردا نے اضطراری انداز میں آنسو پونچھے اور آگے پڑھنا شروع کیا۔ باہر طلسم آب اور اندر طلسم حرف برس رہا تھا۔

''شکنجے میں لگی تین پنیں جلد سے ہوتی ہوئی ہڈی تک چلی جاتی ہیں۔ ہیوکیمپس یاد ہے ناں تمہیں یہ مریض کی ٹیمپل میں آنکھ کے برابر گہرائی میں واضح ہوتا ہے۔ جہاں ایک نشان واضح دکھتا ہے۔ میں نے سرب جائزہ لینے کے بعد سر کے سامنے کے بالوں کی ایک سینٹی میٹر چوڑی پٹی بالکل صاف کردی پھر چودہ سینٹی میٹر کا شگاف ڈالا' کھوپڑی کا پچھلا حصہ چھیل کر اسے کھولا اور عارضی ٹانکے لگادیئے تاکہ اپنی جگہ سے ادھر اُدھر ہونے کا خدشہ نہ رہے۔ ہڈی میں ڈریلنگ کے بعد جب کھوپڑی کے اندر جھانکا تو احتیاط سے کھوپڑی کا گول ٹکڑا کاٹا۔ ٹکڑا ہٹتے ہی سخت جھلی نظر آئی جس نے دماغ کو ڈھک رکھا تھا اس کو ڈُرا کہتے ہیں۔ کھڑے کھڑے تھک گئی ہوگی اب سکون سے بیٹھ کر آگے پڑھو۔'' یارید اس سے ایسے مخاطب تھا گویا سامنے بیٹھ کر اس کی حرکات وسکنات کو ملاحظہ کررہا ہو۔ ردا جو واقعی کھڑی تھی اب اطمینان سے بیٹھنے کا فریضہ سرانجام دے چکی تھی۔

''اگلا مرحلہ ڈُرا میں شگاف ڈالنے کا تھا میں نے اسے عارضی سلائی سے پکڑلیا پھر آپریٹنگ مائیکرواسکوپ کے ذریعے دراصل ٹیمپورل اور فورنکل لوب ایک گہری نالی کے ذریعے منقسم ہوتی ہے سو میں نے ہزاروں فائن فائبرز اس نالی میں تقسیم کردیئے۔ پھر ایک چمٹی کی مدد سے ہیوکیمپس کو چھیلا۔ اس کے اطراف میں لگے ٹشوز صاف کیے۔ اب تم بھی جو اتنی دیر سے آنسو بہانے کا شغل جاری رکھے ہوئے ہو' اسے ختم کردو۔ شاباش!'' ردا نے اگلی سطر پڑھتے' مسکراتے ہوئے ٹشو سے آنسوؤں کو صاف کرنے کا فرض ادا کیا۔

''جانتی ہو ذہین لڑکی! یہ ٹشوز اکثر سخت ہوتے ہیں کیونکہ ان پر ابھار ہوتے ہیں' جھلی کو بند کرنے کے لیے پہلے میں نے چیک کیا' کہیں بلیڈنگ تو نہیں ہورہی پھر اس کی دونوں سطحوں کو ملا کر ٹیٹانیم (Titanium) کے تین اسکریوز لگادیئے اور اس پر پندرہ سے بیس ٹانکے بھی۔ اس کے بعد مریض صحت یاب ہونے لگا' جانتی ہو پیاری لڑکی! اس مریض نے اس بیماری کے 33 برس اذیت میں گزارے اور اب ڈرائیونگ سیکھ کر اپنے قدموں پر بغیر کسی سہارے کے قائم ہے بہرحال یہ شدید مہنگا ترین آپریشن تھا لیکن کسی انسان کی زندگی سے زیادہ نہیں۔ جب بھی تمہارا حوصلہ کم پڑنے لگے' پڑھتے ہوئے آگے بڑھتے ہوئے تم اس نایاب کہانی کو سامنے رکھ لینا اپنا مسئلہ چھوٹا بلکہ بہت چھوٹا لگنے لگے گا۔'' حیران کن امر تھا بارش تواتر سے جاری تھی اور اب ردا کی آنکھیں بالکل خاموش جیسے کسی تفکر کے نقطے پر آکر ٹھہر گئی تھیں۔

بی ایس کے امتحانات بھی ہوگئے اور رزلٹ توقعات سے کہیں بڑھ کر آیا تھا ضلع بھر میں پہلی پوزیشن معنی رکھتی ہے اور ردا کے لیے تو جیسے حقیقتاً کوئی خواب تعبیر کی صورت سامنے آیا تھا۔

ساڈا دل ہے مرکز یادیں دا
تیڈی یاد دے روز ٹرک لہندن

ردا کا ان بکس جا بجا مبارک باد کی وشز' کارڈز' دعاؤں سے بھرا تھا مگر جس کا انتظار تھا وہ تو جیسے کسی کونے میں رکھ کر بھول گیا تھا۔ شاندار بڑے پیمانے پر ہونے والی پارٹی میں جہانزیب نے ردا کے ایم ایس کرنے کی خواہش پر حددرجہ خوشی کا اظہار کیا تھا دونوں نے ہی ردا کے اندر ابھرتی

تبدیلی کو بخوشی قبول کیا تھا پھر سے کسی نادیدہ خواہش کے تحت اس نے روز مقررہ اوقات میں پارک جانا شروع کردیا تھا۔ اب بس ایک آخری کتاب رہ گئی تھی جس میں سے دو خط برآمد ہوئے تھے پورا ہفتہ انتظار کی کوفت' سیل آف ہونے کی اذیت اس کے اعصاب پر ہتھوڑے برسانے لگی تھیں۔

''جب تم یہ خط کھولو گی میری مراد پوری ہوچکی ہوگی یعنی جہانزیب صاحب کی باصلاحیت بیٹی باوقار اور مزید بہادر ہوگئی ہوگی۔ ڈھیروں مبارک باد دل کی اتھاہ گہرائیوں' ذہین لڑکی! میں تمہارا دوست نہیں ہوں اور نہ ہی کبھی بن سکتا ہوں۔ میں بلاشبہ امریکہ سے اسٹڈیز مکمل کرکے آیا ہوں مگر پھر بھی ان دو مخالف پولز کے قریب آنے والے فعل کو مزاحمت' زحمت' ذلت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ پارک میں تمہاری ذات نے کئی دفعہ مجھے اپنی جانب متوجہ کیا لیکن میں دفع کی کشش پر باضد رہا' درست امر بھی یہی ہونا چاہیے تھا چونکہ مثبت اور منفی قطب آپس میں کشش کرتے تھے اور ہیں سو میں نے تمہاری عدم اعتمادی بزدلی اور سست روی کو محبت کے ترازو میں رکھ کر تولا۔ پلڑے بھاری ہوگئے ہیں میں نے امید کا جگنو بن جانا مناسب سمجھا' تمہیں راہ دکھائی اور اپنے راستے پر چل دیا۔

بات بس سے نکل چلی ہے
دل کی حالت سنبھل چلی ہے
اب جنوں حد سے بڑھ چلا ہے
اب طبیعت بہل چلی ہے
اشک جو نقاب ہوچلے ہیں
غم کی رنگت بدل چلی ہے
یا یونہی بجھ رہی ہیں شمعیں
یا شب ہجر ٹل چلی ہے
لاکھ پیغام ہوگئے ہیں
جب صبا ایک پل چلی ہے
جاؤ اب سو رہو ستارو
درد کی رات ڈھل چلی ہے

میں ایک چالیس سال کا بھرپور' خوبرو خوش شکل مسلمان نوجوان ہوں۔ ماسٹر اف ڈاکٹریٹ ہوں' اسکولر وسرجن ہوں' میرے چار بچے ہیں۔ وہ بھی ذہین وفطین اپنی اپنی فیلڈ میں دوسروں کو مات دیتے آگے بڑھ رہے ہیں تم تو ابھی بمشکل بیس سال کی ہوگی اور یہ رب سوہنے کا تم پر خصوصی کرم ہے کہ محفوظ ہاتھوں میں ہو اور اللہ عزوجل کی خصوصی پناہ میں۔ بس محتاط روی اختیار کرو' اپنے والدین سے توجہ کی دولت بٹورنا سیکھو' زندگی کچھ آسان ہوگئی ہے اسے مزید آسان ابھی تم نے بنانا ہے' جس یونیورسٹی سے تم ایم ایس کرو گی وہاں میرے دوست کے ایک قابل بیٹے یزدان آریز رضوی لیکچرار کے عہدے پر فائز ہیں' کسی بھی معاملے میں پیچیدگی کی صورت میں تمہارے مددگار ہوں گے۔ مجھے ابھی بھی لوگ تیس' پینتیس بلکہ کچھ تو پچیس کی عمر سے نیچے نہیں آتے' ایسا کم عمر مانتے ہیں۔ خال وخد اور طبیعت کی شائستگی نے کبھی میری عمر کو بڑھنے نہیں دیا' تمہیں بس ایک آخری بات یہی کہوں گا۔ میرے راہنما لفظ زندگی کی ہر راہ پر تمہارا ساتھ دیں گے۔ روشنی لینا اور دوسروں کی تاریکیوں کو اس سے بھر دینا' ہمیشہ خوش رہو' سلامت رہو' فقط تمہارا راہبر!''

(آج سے یارید نامی باب ہمیشہ کے لیے بند ہوا)

یارید آفندی ایک مشہور ومعروف سرجن ہیں' جو نہ صرف جہانزیب اصفہانی کو بخوبی جانتے ہیں بلکہ ردا کے حوالے سے ہر قسم کی معلومات لے کر اطمینان کرلینے کے بعد وہ اس پیاری لڑکی کے معاون بنے ہیں تو وہ اسکولر سرجن لیکن مختلف ماہرین مختلف فیلڈز میں کام کرتے ہوئے ان سے مشاورت کرنا اپنے کیسز میں کامیابی کی ضمانت سمجھتے ہیں۔ یارید آفندی ہمیشہ سے ہی محتاط روی کے قائل رہے ہیں سو انہوں نے ردا کو انگلی پکڑ کر چلنا تو سکھا دیا مگر آگے جاکر احتیاط سے بھاگنے دوڑنے کے سارے فرائض کو اس کی ذمہ داری بنا دیا۔ نیکی ہمیشہ وہ معتبر جس کا کوئی گواہ نہیں۔ ردا کے معاملے میں بھی انہوں نے ایسا ہی کیا تھا' کامیابی کی چھتری بڑے احسن طریقے سے اس طرح اس کے دائیں ہاتھ میں تھمائی تھی کہ بائیاں ہاتھ اندازہ ہی نہ کرسکا تھا۔

تھیں تو وہ پانچ پر آڈیٹوریم سے نکلتے وقت ان کے زندگی سے بھرپور قہقہوں نے عقب سے آتے جلوس کو مات دے دی تھی۔ حریم نے حبا کے کاندھے سے ہاتھ ہٹا کر

ایک جھٹکے سے ردا کی فائل چھینی اور دھوپ کی حدت سے بچنے کے لیے سر پر کسی خیمے کی طرح تان لی۔ ردا کو کچھ کہنے سننے کو چونکہ موقع ہی نہیں دیا گیا تھا سو وہ خفگی سے اسے بس دیکھ کر ہی رہ گئی۔ ندا اور تحریم جو چلتے ہوئے خاموشی سے ان کی ہم نوا تھیں وہ دونوں حریم کی اس حرکت پر مسکرائی تھیں اور بیک وقت بولی۔

''حرم کی بچی! تم نہیں سدھرنے والی!'' حریم نے معصومانہ شکل بنا کر آداب بجا لانے کی رسم نبھائی جس پر ناچاہتے ہوئے بھی سب کی سب ہنس دی تھیں' اب سب ذولوجی ڈیپارٹمنٹ' ہلکا پھلکا شغل لگاتے سبک روی سے وہ کلاس کی جانب جارہی تھیں۔ راحم نے بندروں کی طرح گھومتے ان کے عین سامنے بریک لگائی تھی' حریم نے حبا کے کان میں فٹ سے سرگوشی کی۔

''اسے تو سچ سرکس میں ہونا چاہیے یا پاگل خانے میں۔''

''بیوٹی گل گرلز' ہماری یونیورسٹی اور ڈیپارٹمنٹ کے محترم و قابل سریزدان صاحب آج نہیں آرہے ہیں ان کی جگہ سر کھوسا کلاس لیں گے۔''

''نہیں...... ای...... ای...... ای......'' ان سب کی حیران کن چیخ نے اردگرد کے طالبات کو بھی اس طرف متوجہ کیا تھا اس سے قبل کہ سر ساجد کھوسا آتے سب نے کوئیک رنرز کی طرح ماس کمیونیکیشن کے گراؤنڈ کی جانب جانے کی ٹھانی تھی۔

''ویسے سریزدان ہمارے تمام اساتذہ میں سے کم عمر ہیں' اس قدر امپریسو پرسنالٹی ہے کہ بس۔'' تحریم گراؤنڈ میں آتے ہی شروع ہو چکی تھی۔

''نامحرم افراد کی تعریف نہیں کرتے لڑکی! تمہیں کب عقل آئے گی۔'' ردا نے دائیں ہاتھ سے دھپ لگاتے اسے ٹوکا۔

''وہ تو ہمارے سر ہیں ناں بہت اچھے سے' ان کی تعریف میں کیا قباحت؟'' حریم نے بڑے ناسمجھی والے انداز میں اس کی جانب دیکھا اور دل ہی دل میں اسے بوڑھی روح کے خطاب سے بھی نواز دیا تھا۔

''کیا وہ مرد نہیں ہیں؟'' ردا نے مدلل انداز سے کہتے اس طرف دیکھا۔

''لڑکیوں لیو دز ٹاپک' کیا فضول بحث میں پڑ گئی ہو۔'' طوالت کے ڈر سے پہلے ہی ندا نے بحث کو سمیٹ لیا تھا۔ احمر کے گروپ نے جو ردا کو دیکھا تو وہیں کچھ فاصلے پر ڈیرہ ڈال کر بیٹھ گئے۔ موضوع بحث ''فیس بک'' تھی۔

''یار عدیم! کل میں نے اسٹیٹس لگایا ''لڑکیاں زیادہ بولتی ہیں یا لڑکے'' مجال ہے جو کسی نے لڑکوں کا نام لیا ہو حتیٰ کہ لڑکیوں نے بھی۔'' ارقم نے آنکھ مارتے ردا کی جانب کن انکھیوں سے دیکھا تھا کیونکہ نہ صرف وہ ایسی پوسٹ کے خلاف تھی بلکہ میوزک سے بھی کتراتی تھی۔ اتنا ہی نہیں غلط کام کرنے والے کو ٹوکنا بھی اپنا فرض واحد سمجھتی تھی۔ حریم نے ارقم کی اس حرکت کا نوٹس لیتے ایکا ایکی سب کو وہاں سے آنکھوں ہی آنکھوں میں اٹھنے کا اشارہ کیا تھا' ابھی وہ لوگ کھڑے ہی ہوئے تھے کہ سریزدان کار سے اترتے دکھائی دیئے۔ احمر کے گروپ کے بوائز یک دم چوکس ہوئے تھے۔ سر کی تشریف آوری کے بعد انہوں نے وہاں سے جلد از جلد کھسک جانے میں ہی عافیت جانی تھی۔ کلاس کی سی آر ہونے کی وجہ سے انہوں نے ردا کو نیکسٹ اسائنمنٹ ٹاپک دیا تھا اور سب کو اطلاع دینے کا کہا تھا۔

تپتے ہوئے گردوں کا زمین کے لوگوں پر ترس کھانے کا کوئی پروگرام نہ تھا۔ اشجار کی ٹہنیوں پر پتے بھی یوں ساکت تھے گویا کے کردیئے گئے ہو۔ ہوا میں سانس روکے حدت بکھیرتی منڈیروں پر محو استراحت تھیں مگر پھر بھی حرارت کے اس بڑھتے ہوئے درجے کے باوجود بھی آنے والے ماہ کی محبت' فضیلت اور لذت ہی اور تھی۔ احباب من کا ہمیشہ سے ہی یہ معمول رہا تھا کہ صبح صبح گڈ مارننگ ضرور کہنا ہے اور دس بجے تک کا دورانیہ تھا جو نہ کرسکا پھر وہ اس کی سزا بطور ٹریٹ دیتا لیکن ردا کا کہنا تھا کہ ہم اپنے اس معمول میں فرق لاتے ہوئے رمضان کو کچھ اور طریقے سے گزاریں مگر کہاں' سب اس بات پر متفق نہ تھے۔

''مٹھی کو اس طرح بند کرو کہ محبتوں کے کئی جگنو اس کے من میں مقید ہو جائیں تاکہ جب کھولو تو سوائے اجالوں کے کچھ باقی نہ بچے اور ان اجالوں میں چاہت کے دریا کا بہاؤ یوں رہنے دو کہ بس محبت' محبت اور محبت

قطرہ قطرہ نکلتی رہے اور اس قطرے قطرے کا نزول کبھی نگاہوں کے پردے سے تغافل نہ برت سکے۔ ایسا کرنے سے محبت جیتی رہے گی اور تم کبھی نہیں مرو گے نہ ظاہری نہ باطنی۔'' صبح النور' احباب من تحریم نے نہایت ہی سست روی سے ردا کا پیغام پڑھا۔ الارم کلاک پر نو بج کر تیں منٹ کا وقت ترتیب دیا اور پھر سے آنکھیں موند لیں۔ ہر دفعہ قسمت ساتھ نہیں دیتی۔ الارم بجتا رہا مگر مجال ہے جو تحریم نے آنکھ کھولی۔

صبح کی نیند کی رسیا کی اس وقت بیداری ہوئی جب وہ چاروں عین اس کے سر پر آ موجود ہوئیں۔ گویا صبح کا ناشتا بطور ٹریٹ اب تحریم کے ذمہ آ چکا تھا۔ تحریم نے انتہائی مسکینوں والی صورت بھی بنائی۔ بتایا بھی کہ رات مہمان بہت تھے پھر حسب معمول شاہ رخ کی ایک فلم دیکھنی بھی ضروری تھی۔ فیس بک پر زیادہ نہیں تو کم از کم پانچ پوسٹ تو بندے کو روز کرنی چاہیے ناں۔ ان سب افعال میں سر یزدان کی اسائنمنٹ کہیں نہیں تھی اور اس کا بات موصوفہ کو دکھ بھی نہیں تھا کہ حریم نے ردوبدل کے مدارج سے گزار کر اس کی معصومانہ بھولی صورت پر ترس کھاتے اس کا کام اچھے طریقے سے کر دینا تھا۔ ردا کا تو سب کو ہی علم تھا۔ اس نے معلومات حاصل کرنے کے کئی طریقے بتا اور سمجھا تو ضرور دینا تھا مگر کرنا خود ہی پڑتا۔ سو وہ اس بوڑھی عورت' پرانے زمانے کی مخلوق سے تحریری مواد لینے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ چار و ناچار ناشتے کا مینو ترتیب دیا گیا اور اگلے دن کی بھرپور منصوبہ بندی بھی کیونکہ ماہ صیام کا پہلا روزہ کل ہی متوقع تھا' ردا کے ناقص علم کے مطابق۔ سحری کے اوقات کار میں ردا کی کیفیت عجیب کیف آفریں خوشبوؤں کے خیموں میں مستور ہونے لگتی پھر سر یزدان کے عموماً ہر لیکچر سے پہلے اسلامی قواعد وضوابط کے لحاظ سے ہلکی پھلکی بحث ہوتی جس میں گفتگو کی تلخیوں کو نرمی وحلاوت کے دسترخوان میں سجا کر ہر ایک کے سامنے پیش کیا جاتا۔ بہرحال کچھ سر یزدان کی باتوں کا اور کچھ روحانی رہبر (یارید) کی محبت کی تاثیر تھی کہ محترمہ میں یکسر نمایاں تغیرات نے جنم لیا تھا۔ بس انہی حروف کے حقائق ونتائج سے سبق لیتے وہ بہت سے امور خالص رمضان میں اپنے ہاتھ سے سرانجام دینا فرض اولین سمجھتی۔ مما پاپا کے لیے سحری وافطاری بطور خاص اپنے ہاتھ سے بناتی۔ نماز تہجد اشراق وچاشت بالخصوص ادا کرتی اور ہر آنے والے جمعۃ المبارک میں صلوٰۃ تسبیح کا احباب من (دوستوں) کے ساتھ بالخصوص اہتمام کرتی مگر حریم یا کبھی تحریم اکثر جھنڈی دیکھا جاتی (نہ پڑھنے کے سو بہانے) کبھی کسی موصوفہ کے غسل کرنے میں دیر ہو جاتی تو کبھی کسی کو کونس کا مسئلہ در پیش آ جاتا۔ اکثر سحری بناتے اسے یوں محسوس ہوتا فلک کے سینے پر منتشر تارے بار ایثار اٹھائے شیریں حمد ونعت جیسے کلام کا رس اراضی کے دل کے نہاں خانوں میں انڈیل رہے ہیں۔ کبھی لگتا تاریکی کے جلوس میں بہت سے روشن خواب تعبیر لیے ایستادہ ہیں کہ انہیں ماہ صیام سے حاصل ہونے والی برکتوں کے فیض سے رواں دواں نعمتوں کی جزاء کی بدولت اپنے بکھرے خوابوں کی تکمیل کی پوری پوری امید واثق ہے اور جو کبھی بوقت سحری برسات کی آمد ہو جاتی تو لگتا سحاب کی آغوش میں سے بچھڑے گرتے کئی بوندوں کے قطرے زمین پر رقص وسرور کی محفل لگانے کی خاطر بے تاب ہوئے جا رہے ہیں۔ اصفحانی ولا کے لان میں لگے اشجار پر گلوں کی پتیاں بوندوں کے رقص کے مناظر سے لطف اندوز ہوتے شاخوں سے لپٹ لپٹ کر کھیل رہی ہیں اور کوریڈور کے دوسری طرف لگا سکھ چین کا درخت تو دیدنی خوشی کا اظہار کرتا ہے۔ ردا ہمیشہ روزے کی حالت میں اس کی چھاؤں میں بیٹھ کر آیات قرآنی کا ورد جاری رکھتی اور خاموشی میں چلنے والی ہواؤں کے پنکھ اس کی آواز کو کسی پھولوں کا پیرہن دے کر متبسم عرش پر لے جاتے۔ اصفحانی ولا کی وسیع وعریض چھت پر طلوع سحر کا منظر تو دیکھنے کے لائق ہوتا جب ردا چھوٹے بڑے کونڈوں کو اچھی طرح صاف شفاف کر کے ان کے اندر پانی بھر دیتی۔ کنارے احتیاطاً خالی چھوڑ دیتی کہ آنے والے سیاہ کوے خوب پانی پیتے اور ساتھ کبھی کبھی نہانے کا شغل بھی فرمانے لگتے۔ شب کے اس پہر جب سب افطاری کے بعد نیند کی میٹھی وادی کی سیر کو روانہ ہو جاتے تو ردا بی بی نرم روٹیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے ان بھر بھرے ذروں میں تقسیم کر دیتی۔ جو صبح کاذب طائروں کی خصوصی خوراک بنتے اور ردا کے لیے صدقہ جاریہ کا وسیلہ۔ اکثر وبیشتر تو ان ذروں سے ٹپکتی تاباں روشنی کا

گماں ہونے لگتا گویا عبادتوں میں ہونے والی سرگوشیوں کو منہمک ہو کر سن رہے ہوں۔ دلچسپی سے، شوق سے، رغبت سے ان کے باطن سے نکلتی کرنیں گوش بر آواز گوش ہوش سے ردا کی سماعتوں میں ایک ایسا رس انڈیلتی کہ وہ شب کے کسی بھی خاموش پہر قبل از سحری اٹھ کر محو عبادت ہو جاتی۔ اس دوران یہی ایف بی، واٹس ایپ، یہ جانا انتہائی محدود ہو کر رہ جاتا۔ یوں کرلیا جاتا جیسے انگلیوں کو کٹا کر لوگ شہیدوں میں اپنا نام شامل کرلیتے ہیں۔

فضا میں آیتیں مہکتی ہوئی ہیں

زمیں پر بچے تلاوت کررہے ہیں

اصفہانی ولا کے قرب میں واقع مسجد سے بچوں کی تلاوت کی مسحور کن آوازیں فضا کو مسرور اور ردا کو مجذوب کر دیتیں۔ جہانزیب اور ان کی زوجہ محترمہ کی افطار پارٹیز، عطیات و دیگر کام میں مصروفیت پہلے سے زیادہ بڑھ جاتی۔ جہانزیب تو پھر بھی ردا کی ضد و اصدار پر تیس میں سے پندرہ روزے رکھنے پر آمادہ ہو جاتے کہ وہ ان کی پیاری لاڈلی بیٹی کی فرمائش ہوتی اور اس وقت وہ یہ بالکل فراموش کر دیتے کہ پیاری اور لاڈلی بیٹی تخلیق کرنے والے کی کیا فرمائش ہے؟ کیا تقاضا و مطالبات ہیں؟ مسز جہانزیب کے لیے تو بوقت سحری اٹھنا ہی بے حد ترددو اور ردو قدو والا کام تھا۔ روزہ رکھنا تو بہت دور کی بات تھی، ہاں دنیا دکھاوے کو ان کے پاس روزہ نہ رکھنے کے بہت سے جواز تھے۔ پھر دولت کی کثرت سے عیبوں اور خصلتوں پر پردہ ڈالنے کی موثر چابی بھی موجود تھی۔ جب موثر چابیوں کو زنگ لگ جائے تو قفل دل پر لگے کبھی کھلا نہیں کرتے۔ انما الا اعمال بالنیات جیسی کوئی سرشت ان کے عمل میں شامل نہ تھی۔

ردا کو یاد تھا جب پہلی دفعہ اس نے مکمل مشرقی لڑکیوں کا سا لباس زیب تن کیا تھا تو مما نے چبھتی نظر اس کے سراپے پر ڈالی تھی کہا کچھ نہ تھا کہ اولاد پر پہننے اوڑھنے، جانے آنے کسی بھی لحاظ سے کوئی پابندی نہ تھی، جہانزیب نے پیار سے اسے گلے لگا کر تھپکا تھا ماں کی نظر سے کوئی چیز چھن سے اندر ٹوٹی تھی اور باپ کی شفقت سے ٹوٹے ہوئے دل پر کئی مرہم لگے تھے ردا نے آج جون کی آہ و زاری کرتی کرنوں کو دیکھتے سحر کے فوراً بعد اسٹڈی روم کی صفائی کا پروگرام مرتب کیا تھا کیونکہ اسٹڈی روم اور اپنے کمرے کی صفائی اول روز سے تو نہیں مگر کچھ عرصے سے یہ ڈیوٹی اپنے لیے لازم و ملزوم کرلی گئی تھی پھر آج حریم کے قریشی ہاؤس میں شاندار افطار پارٹی کا انعقاد بھی تھا اس کا جانا بھی ضروری تھا کہ نہ جانے پر حریم پورا ہفتہ ناراضی کا پمفلٹ تھامے رہتی اور رمضان میں کم از کم وہ کسی کو ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی جہاں وہ کتابیں یارید کی دی گئی رکھتی تھی وہاں فائل کے نیچے سے ایک رنگ برنگا صفحہ آ گیا تھا اسے اچھی طرح یاد تھا بیچلر میں بہترین کارکردگی کے بعد اگلے دن ہی پارک میں اس کی ان کے صاحبزادے احمد یارید سے ملاقات ہوئی تھی (وہ اب بھی خود کو پارک میں جانے سے روک نہ پاتی تھی) جس نے بینچ کے نزدیک آتے فوراً اسے اس کے ہاتھوں میں موبائل تھمایا اور کہا تھا۔

''بابا آپ سے بات کریں گے۔'' طے شدہ معاہدے کے مطابق وہ خطوط اور اپنی کتابوں کے طلبگار تھے پھر ان کے ایفائے عہد کی تو وہ آنکھیں بند کرکے بھی گواہی دے سکتی تھی ماؤتھ پیس سے ابھرتی آواز نے آنسوؤں کا گولہ اس کے حلق میں پھنسا دیا تھا وہ احمد کو دس منٹ انتظار کرنے کا کہتے تقریباً بھاگتے ہوئے اصفہانی ولا گئی تھی کتابیں تھامتے احمد نے بڑی فصاحت سے انگریزی زبان کا خوب صورتی سے استعمال کرتے جو کہا تھا اس فقرے نے اس کے چودہ طبق نہ صرف روشن کر دیے تھے بلکہ ہوش بھی اڑا دیے تھے۔

''میری مما آپ سے بہت مماثلت رکھتی تھی۔'' یہ کہتے وہ لڑکا رکا نہ تھا لیکن ردا کے اندر تک کئی سوالات چھوڑ گیا تھا اسے آج عمل کے پیش رو کی حقیقت کا علم ہوا تھا۔

فاصلے ایسے ہوں گے کبھی سوچا نہ تھا

وہ میرے سامنے بیٹھا تھا مگر میرا نہ تھا

یارید کے کترانے اور دور رہنے کی بہت سی وجوہات ذہن کی اسکرین پر پے در پے عیاں ہونے لگی تھیں، کہانی شاید کھل کر بھی نہیں کھلی تھی محبت ہوئی بھی نہیں ہوئی تھی۔ پارک سے گھسیٹتے ہوئے تقریباً خود کو گھر کی طرف لے جاتے ردا نے اپنی پشت پر کسی کی نگاہیں شدت سے محسوس کی تھیں مگر وہ پیچھے مڑ کر دیکھ کر خود کو پتھر کا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

خالی کمرہ، بند کتابیں، سوہنی راتیں، کھوکھلی باتیں

یادوں کے کس اجاڑ مکان میں آ گئے ہم......! کپکپاتے ہاتھوں سے گرد جھاڑتے ردا نے بلاشبہ آخری خط کو کھولا۔

''یارید آفندی کے وہ سنہری مقولے جو زیست کو سنہری نہیں سونا بنا دیتے ہیں'' نالہ خاموش ابل پڑا تھا حلق کو تر کرتے کن من کن من آنسوؤں کی برکھا لیے اس نے لفظوں کی چاشنی کو اندر اتارنے کی سعی کی تھی۔ ہر مقولہ مختلف رنگ سے مختلف دھنک کے پیرہن میں لپٹا اپنی دیدہ زیبی اور لکھاری کے عمدہ ذوق کا بخوبی اظہار کر رہا تھا۔

سکوت، خامشی اور سکوت ...... عجب ہے تیری گفتگو ......

خاموشی سے سسکیاں لیتے ردا نے پہلے قول پر انگلی پھیرتے لفظوں کو پڑھا تھا لکھا تھا۔ ''دانا کی کنجی علم کی کٹھڑی ہے۔'' (کبھی علم کے سفر میں فل اسٹاپ مت لگانا)

دوسرا بھی قدرے مختصر تھا۔ ''زبان ایک عمیق خندق ہے۔''

(اس زباں کا صدا موقع محل کے مطابق استعمال کرنا)

''جب میں نے تنکوں کی مدد سے چھوٹی سی جھونپڑی بنائی تب مری ذات پر امید کے مفہوم کا صحیح الہام ہوا۔'' (امید کبھی مت چھوڑنا) علم کی دریافت نئی دنیا کی دریافت ہے (اس دریافت سے اپنی تخلیقات دریافت کرنا) خوش خلقی بہترین علاج ثابت ہوسکتی ہے اگر مریض خرد رکھتا ہے۔ (خوش اخلاقی اعمال کے بہترین پھلوں میں سے ایک ہے اسے محتاط روی سے استعمال میں لانا ذہین لڑکی) ذہین لڑکی کے طرز تخاطب پر اس کے احمریں لبوں نے مسکراہٹ کو آزاد کیا تھا۔

''جو فلسفہ سمجھتا ہے وہ داناؤں کو بھی خوب سمجھتا ہے۔'' (پیاری ذہین لڑکی آج سے ہی اس کے ادراک کے لیے مشق کا آغاز کردو شاباش) پل بھر کو وہ نم آنکھوں تلے پھر سے مسکرائی تھی۔

''دانا پہلے اور احمر ہمیشہ بعد میں سبق کو دہراتا ہے۔'' (دانا بند خوب صورت لڑکی اور احمقوں میں اپنا شمار رکھو) پڑھتے پڑھتے صفحے کے اختتام پر آخری مقولے پر وہ چونکی تھی اور بولی۔ ''میں احمق ہوں۔'' جانے لفظوں میں کیا فسوں تھا اب وہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی ہر قول کے آگے لکھی سطر سے بات سمجھائے مدعا واضح کرنے کی کوشش کی گئی تھی اگلہ صفحہ روشنائی سے پر تھا یعنی انک پھیلی تھی اور الفاظ الٹے تھے جنھیں سمجھنے کے لیے اسے دانا بننا پڑتا سو اس نے پھر سے احمقوں کی فہرست میں خود کو سرفہرست رکھ دیا تھا عنابی گلابی ہونٹوں کے قریب خط لے جاتے پھر سے وہ چونکی تھی طویل عرصے بعد بھی یارید آفندی کے لیے اس کی زبان سے سنگ دل کا لفظ نکلا تھا باقی ماندہ صفائی سمیٹتے اور اشیا کو ان کے درست مقامات پر ٹھکانے لگانے کے بعد وہ سیل فون کی طرف آئی تھی جو اندھے منہ سرہانے کے نیچے رکھا تھا اسکرین کے روشن ہوتے ہی حریم کے پیغامات سامنے آ گئے تھے اب اس نے ایک ایک کرکے پیغام پڑھنا شروع کیا تھا۔

''ہائے یار آج افطار پارٹی کی صورت میں میری شاہ رخ کی فلم مس ہو جائے گی ورنہ چھپتے چھپاتے تھوڑی بہت تو دیکھ ہی لیتی۔'' ردا نے تاسف سے دوسرے پیغام پر نگاہ ڈالی جو تحریم کا تھا (ناموں کے ہم آواز اور ہیلپنگ کی مماثلت کے سبب اسے لگا کہ حریم کے ہی سب پیغام تھے) ''آج صبح سے میرا دن خراب گزر رہا ہے فجر کی نماز جو قضا ہوگئی نہ صرف مما بلکہ ڈیڈی سے بھی ڈانٹ پڑ چکی ہے روزہ چھوٹنے کا غم جو ہے سو وہ الگ ہے۔'' اگلے پیغامات سرسری جلدی جلدی دیکھتے کسی ضروری پیغام کی مد میں پڑھتے پڑھتے وہ حیران ہوئی یونیورسٹی کے ایڈمن کی طرف سے سریز دان کا پیغام تھا جس میں الگ اسائمنٹ ٹاپک جو کہ یہ تھا ''سب سے بڑا گناہ آپ کی نظر میں'' درج تھا چاند رات سے ایک دن پہلے 4 بجے سب طالبات کو بلایا گیا تھا پھر سب ان اوقات میں اپنے دلائل دیتے اور بحث کرتے ردا مخمصے میں پڑی تھی سب سے بڑا گناہ کون سا ہوسکتا ہے؟ میسجنگ، فیس بک، جوا، گالی، غیبت، چوری، زنا، ہاں شاید زنا ہو اس کا ذہن تانے بانے بننے میں مشغول ہو چکا تھا۔

افطار پارٹی تھی کہ روشنیوں، زرق برق لباسوں کا ایک ہجوم نخ برہنہ، تراشیدہ، چست جسد خاکی نمایاں اسے اس پارٹی میں لوگوں کے اژدھام اور طور طریقے دیکھ کر لفظوں کا قحط محسوس ہونے لگا تھا حریم، تحریم، ندا، حبا سب دور سے

ہی اسے دیکھتے ہاتھ ہلاتے اس کی جانب بڑھی تھیں، حریم نے اسے دیکھتے ہی جملہ داغا تھا۔

"یار آج تو کم از کم یہ اسکارف اتار دیتی اوپر سے اس کا سائز؟" اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر گویا اپنی بات مکمل کی تھی آپ کا حریف آ کے ردعمل کے بغیر کچھ نہیں سو اس نے چپ رہنے ہی میں عافیت جانی تھی۔

ابلیس اگر خود نہیں تھا تو اس کے چیلے جا بجا چہکتے پھر رہے تھے اپنے عمل اور اشرف المخلوقات پر قہقہے لگاتے جیسے تیسے کر کے پارٹی ختم ہوئی جبکہ لوگ تو ابھی باقی تھے ان سب نے ردا کی کار میں واپسی پر جاتے ہوئے آئس کریم کھانے کا پروگرام بنایا حریم مہمانان خانہ کی وجہ سے ہے قریشی ہاؤس ہی رک گئی۔

"ارے بھابی پورے کے پورے روزے رکھ رہی ہوں چلو اسی بہانے ڈائٹنگ بھی خوب ہو جائے گی۔" کسی فربہ خاتون نے حریم کی مما کے ہاتھ پر ہاتھ دھرتے خوش دلی سے اپنی بات مکمل کی تھی گھر سے نکلتے سب کے ہی کانوں میں آواز کی بازگشت ہوئی تھی وہ سب ہنستے ہنستے کار کی جانب بڑھی تھی جبکہ ردا اصفہانی بالکل خاموش تھی۔

اسائنمنٹ کی تیاری رمضان کی مصروفیات میں زیادہ وقت نہیں دے پا رہی تھی لیکن پھر بھی سب ہی طالبات مطمئن تھے کہ موضوع انتہائی آسان تھا بغیر تیاری کے بھی وہ کسی بھی برائی کو بڑھا چڑھا کر بیان کر سکتے تھے ڈیپارٹمنٹ ان کا زولوجی کا تھا مگر سر یزدان انہیں اسی طرح کی سرگرمیوں میں ملوث کر کے اسلامی تعلیمات کے دائرہ کار میں رکھنے کی سعی کرتے رہتے تھے، رمضان کے فوری بعد یونیورسٹی کے میگزین کے لیے انٹریز جمع ہونا شروع ہو جاتیں اور ردا نے اس کار ہائے پر بھی کام جاری رکھا ہوا تھا جہانزیب جب بھی اس سے شادی کی بات کرتے وہ پڑھائی کا بہانہ کرتی جانے دل کس نام پر دھڑکتا تھا بہرحال ایم ایس تک کی اجازت جہانزیب صاحب دے چکے تھے باقی انہوں نے کہا تھا شادی کے بعد ایم فل، پی ایچ ڈی کرتی رہنا، ردا اصفہانی کے لیے یہی بہت تھا یونیورسٹی کے میگزین "گل ہائے صد رنگ" کے ایڈیٹر بھی یزدان رضوی تھے سو ردا اصفہانی نے اپنا مضمون اسائنمنٹ والے دن ہی جمع کرانے کا سوچ لیا تھا۔

صبا کو اپنی کسی کزن کے سلسلے میں یونیورسٹی جانا تھا اور بطور معاون اس کے ذہن میں پہلا نام ردا اصفہانی کا ہی آیا تھا اس کے ساتھ جانے پر کوئی منع کبھی نہ کرتا اور خود اسے اکیلے جانے کی اجازت نہ تھی۔ سورج کی تمازت پہلے سے زیادہ تھی 5 بج کر 30 منٹ پر ہی دس بج کر نومنٹ بجنے کا گمان ہو رہا تھا صبا مکمل ریڈی اب ردا کے ولا کی گھنٹی پر رکھا ہاتھ گویا ہاتھ اٹھانا ہی بھول گئی تھی، بابا مما نے تو اس بات پر کوئی نوٹس نہ لیا تھا مگر جلیل بابا نے ضرور اسے ڈانٹ پلا دی تھی جب تک ردا بی گیٹ پر پہنچتی بوگن ویلیا کے سائے میں پورے قد سے کھڑا براؤن کلر کا یہ گیٹ صبا کا پسندیدہ مقام رہا تھا گیٹ کے پاس کھڑے آنے والی ٹھنڈی تر و تازہ شوخ ہوائیں بشر کو تراوٹ کا بھرپور احساس دیتیں اور گھڑی بھر میں ہشاش بشاش کر دیا کرتی تھیں چونکہ یونیورسٹی جانے کی جلدی تھی اور گیٹ کے بیل کی ٹیون بھی اس کی من پسند اس نے اپنا شوق بخوبی پورا کیا تھا تقریباً پورے 30 منٹ بعد وہ اپنے مطلوبہ مقام پر پہنچ چکی تھیں۔ گیٹ کے اندر داخل ہوتے وہ مکمل پسینے میں شرابور ہو چکی تھیں، ثانیہ الیاس صبا کی کزن کا فارم وغیرہ جمع کرانے کے بعد اب ان کا رخ سر یزدان رضوی کے آفس کی طرف تھا ردا نے لگے ہاتھوں یہ کام بھی پورا کرنے کا سوچ لیا تھا کچھ ہوتے ہیں ناں ایسے لوگ جنہیں جب رب سوہنا ہدایت دیتا ہے تو کوئی ان کا راستہ بدل نہیں سکتا، ردا اصفہانی بھی انہی لوگوں میں سے ایک تھی صبا اور اس کی کزن کو آفس کے سامنے والے گراؤنڈ میں بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود اس نے آگے قدم بڑھا دیے تھے ردا نے لاشعوری طور پر اپنے اسکارف کو تھوڑا سا مزید پیشانی پر کھسکایا اور پسینہ پونچھنے کے لیے جو ٹشو اوپر کی جانب کیا ایک لڑکا سرعت سے یہ کہتے اس کے پاس سے گزرا تھا۔

"واللہ کرم، گرمی اور حسن ساتھ ساتھ اور اس پر یہ پسینہ۔" اس کی آنکھوں میں عیاں عامیانہ پن ردا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کی آنکھیں ہی نکال لیتیں۔ یزدان رضوی جو طالبات کو تفصیل سے کوئی موضوع سمجھا رہے تھے ردا پر نظر پڑتے ہی انہوں نے اسے سمیٹا تھا اور طالبات کو جانے کا عندیہ دیتے اس کے آنے کی وجہ دریافت کی، ردا نے فائل سے کڑک کی ہلکی سی آواز کے ساتھ اپنا مضمون

نکالا اوران کے سامنے رکھ دیا تھا۔
"مبہم موضوع خوب چنا ہے آپ نے۔" ردا کی ہمت بڑھی تھی یزدان نے مدہم آواز میں پڑھنا شروع کیا۔
"سیپیوں میں بند موتی کی گود میں مقید طلوع سحر کے استعاروں میں غزال کی ترحم آمیز نگاہوں میں حواصل کی گود میں دبکی ماہی کی سانس میں، مور کے پاؤں میں کندہ سسکی کی صورت، دست و پا میں لکیروں کی حدود میں کسی معصوم کے شکستہ بیگ کی وراثت میں، سحاب کی اوٹ میں جھانکتے چاند کی ادھ کھلی آنکھ میں علم پنہاں ہے۔ لفظوں کی بھوک میں، اوراق کے پیرہن پر، کوڑے کے ڈھیر سے چنتے ہاتھوں کی کرچیوں میں، امید کے دیے جگمگاتی کسی خزاں رسیدہ شجر کے نیچے منڈیر پر پاؤں پسارے مفلس کی آنکھ میں کسی گدا کے کشکول میں کھنکھتے سکوں کی گونج میں علم ثبت ہے، کبھی کسی بھوکے کی طرح کبھی کسی بھٹکے مسافر کی طرح کبھی کسی معصوم بچے کی انگلی تھامے، کبھی کسی عریاں قلم کی نوک کی طرح میں سرپٹ دوڑتی ہوں سرگرداں سرعت سے بھاگی ہوں میں اک جستجو کے تخت پر ٹوٹے پھوٹے، بکھرے بکھرے لفظوں کی ڈوریاں لفظوں سے جوڑتی ہوں، ہر ہر لفظ میں تسبیح میں ڈھونڈتی ہوں علم کو میں اوڑھتی ہوں علم کو میں پہنتی ہوں لگناتے کونج کی طرح ساحل سمندر کی شاہراہوں پر اتنے آب میں بھی ہمیشہ پیاسی ردا مضمون پڑھتے یزدان کے چہرے کے نشیب و فراز سمجھنے سے قاصر رہی تھی وہ بولے بھی تو کیا بولے۔
"دیکھیں مس ردا بلاشبہ باکمال لفظوں کا اظہار ہے لیکن بھاری بھرکم ہے پھر ذرا طوالت ہے اس لحاظ سے میگزین کے لیے تو یہ قابل قبول نہیں۔" وہ جو اتنی دیر سے صبر کیے کھڑی تھی۔
"سر اتنی محنت سے میں نے یہ لکھا ہے اور آپ......!" شدت گریہ دار آواز لیے وہ یک دم رکی تھی۔
"مجھے علم ہے محترمہ، آپ نے بخوبی محنت کی ہے جو نظر بھی آرہی ہے۔" یزدان نے اس کی بھیگی پلکوں سے اپنی آنکھوں کو نظر چرانے پر مجبور کیا۔
"او کے اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو ترمیم کر کے اسے میگزین میں لگا دیا جائے گا۔" ردا کی ہیزل گرین آنکھوں میں کئی جگنو جل بجھ کرنے لگے تھے۔ وہ "شکریہ" کہہ کر بھیگی پلکیں صاف کرتی اپنا مضمون چھوڑ یزدان کی ٹیبل پر اس کا دل اپنے ساتھ لے گئی تھی۔

دیکھا تجھے تو یاد آیا
لوگ حسن کی کتنی صحیح تعریف کرتے ہیں

لامحالہ زیست کی گاڑی اپنے پہیوں پر از خود جاری و ساری تھی آہستہ آہستہ حدت بھرے موسم کا ماہ صیام بخیر و عافیت بس گزرنے کی جہد میں تھا کہ بالآخر اسائمنٹ ڈے بھی آن پہنچا چار بجے سے پہلے کئی طالبات کلاس کے سامنے بنے گراؤنڈ میں درختوں کی چھاؤں میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے، کوئی روزوں کی روداد تو کوئی اپنے گھر کے قصے کہانیاں رو رہا تھا کمرہ جماعت میں اکا دکا طالبات موجود تھے ردا نے بھی تحریم، حریم، صبا اور ندا سمیت وہیں بیٹھ جانے میں عافیت سمجھی تھی۔
"ابھی تو پورے بیس منٹ ہیں سر کے تشریف لانے میں چلو فیس بک کا ایک چکر لگا آتے ہیں۔" صبا نے حریم کی ہاں میں ہاں ملائی۔

تم تہجد کے وقت اٹھ جانا
رب سے ایک دوسرے کو مانگیں گے

دیکھو حسان نے کتنی پیاری پوسٹ لگائی ہے شعر کے اوپر کیپشن موجود تھا "خاص حریم کے لیے" حسان حریم کا نہ صرف منگیتر بلکہ کزن بھی تھا چونکہ حریم نے اپنا اسٹیٹس پبلک کیا ہوا تھا سو 62 کے قریب کمنٹس موجود تھے حسان نے حریم کو ٹیگ کیا ہوا تھا۔ حریم کا تو گویا سیروں خون بڑھ گیا تھا اور توانائی میں بھی کئی کیلوریز کا اضافہ ہو گیا تھا۔
"روزہ دار کو ایسی پوسٹیں لگانے کی ضرورت کیا ہے۔" ردا نے حیرت سے حریم کے مسرت بھرے تاثرات دیکھ کر کہا۔
"ردا بی بی آپ تو چپ ہی رہیں روزہ نہیں رکھا ہوگا اس نے تو پوسٹ لگا دی اس میں آخر بری بات کیا ہے۔" حریم کے لہجے میں تلخی سی تھی۔
"حریم دیکھو بات برائی یا گناہ کی نہیں ایک فضول کام میں ماہ صیام کی فضیلت کو ضائع کرنے کی ہے پھر تم یہ بھی تو دیکھو کتنے لوگوں نے اس پر کمنٹس کر کے اپنا وقت ضائع کیا ہے۔" ردا نے حد درجہ حلاوت سمو کر حریم پر اپنا مدعا کلیئر کیا۔

"حریم کی بچی چھوڑو اسے وہ دیکھو سر آرہے ہیں۔" باہر سے آنے والے طالبات بھی اپنی نشست سنبھال چکے تھے اور پہلے سے موجود طالبات قدرے چوکس ہوگئے تھے۔ "سب سے بڑا گناہ آپ کی نظر میں" خوش نولیس الفاظ میں موضوع کو وائٹ بورڈ کی زینت بنایا گیا تھا سب سے پہلے ارسلان آصفی نے لب کشائی کی تھی۔

"محترم طالبات میری نظر میں سب سے بڑا گناہ چوری ہے۔ جو چھپ کر کیا جاتا ہے اور چھپ کر کیا جانے والا ہر کام ہی غلط ہوتا ہے غالباً آپ سب نے نبی کریم ﷺ کی وہ حدیث تو ضرور پڑھی ہوگی کہ جھوٹ کا شکار پردے میں ہوتا ہے۔ جب میں نے یہ حدیث پڑھی بغور مطالعہ کیا تو مجھے پردے میں کیے جانے والے کاموں کا مقصد سمجھ آ گیا پھر یہاں جھوٹ کی طرف بھی تو اشارہ ہے۔ یعنی جھوٹ...... جھوٹ سب برائیوں کی جڑ ہے۔"

"پر یہاں تو آپ کو ایک ہی برائی ڈسکس کرنی ہے نا۔" حریم نے ارسلان کو ٹوکتے معذرت کرتے اپنی بات واضح کی۔

"جی بالکل ایسا ہے لیکن حدیث کے توسط میں ان کا لنک کلیئر کرنا چاہ رہا تھا۔" ارسلان کے بعد سر نے حریم کو ہی پری ڈینٹ کرنے کی دعوت دی تھی۔ حریم نے جھوٹ کو ہی چنا تھا اس نے نہ صرف جھوٹ کو تمام برائیوں کے زمرے میں رکھ کر دلائل و شواہد کی روشنی میں جھوٹ کی حقیقت بیان کی بلکہ یہ بھی بتایا کہ کس طرح ایک چھوٹا سا جھوٹ ہمیں بڑے گناہوں کی سمت لے جاتا ہے واقعات سناتے ہوئے بھی حریم کے ساتھ کئی طالبات نے ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

"حریم خود جھوٹے لوگوں میں نمبر ون ہے اور اب دیکھو کیسے اس کے خلاف بول رہی ہے۔" حبا نے تحریم کے کان میں سرگوشی کی تھی جو قریب ہونے کے باعث ردا نے بھی من و عن سن لی تھی اور اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ ردا نے اپنی بات کچھ یوں شروع کی تھی۔

"جب تم حیا نہ کرو تو جو چاہے کرو۔" بے حیائی کے نقطے کو احسن طریقے سے بیان کیا گیا بے مثل مثالیں دی گئیں بہت سے لوگوں کی نظریں جھک گئی تھیں اور کچھ لوگوں کی نگاہوں میں غصہ بھی ابھر رہا تھا ردا اپنا مدعا بیان کرتے آبدیدہ ہوگئی تھی یزدان رضوی کا دل ٹھہر گیا تھا اسی نقطے پر بہر کیف کسی نے جسم فروشی کسی نے غیبت تو کسی نے دل آزادی کو بڑا گناہ قرار دیا تھا سب کے مدعا کے مقاصد تحمل کے ساتھ سننے کے بعد یزدان رضوی جب بولے تو آواز کی گونج کا سحر پورے کمرے کے در و دیوار پر چھا گیا ایسا سکوت کہ سانس لینے کی حرکت واضح محسوس کی جاسکے۔

"مجاہرہ" میری نظر میں دنیا کا سب سے بڑا گناہ سب سے غلط عمل سب سے بھیانک قدم...... مجاحرہ کیا ہے؟ کوئی جواب نہ آیا تھا مکمل خاموشی تھی۔

مجاحرہ اس شخص کی طرف اشارہ کرتا ہے جو کوئی گناہ کرے اور پھر دوسروں کو بتائے Does that sound familiar سنا سنا یا لگتا ہے نا...... یہ چیز بہت عام ہے۔

فیس بک اور دوسرے باقی سوشل نیٹ ورکس پر سر یزدان رضوی سبک روی سے نرمی سے پر اثر انداز سے تاثیر کا نمک تو آموز نوجوان نسل کے سینوں پر نمایاں کررہے تھے کچھ طالبات کا قلم تو سر یزدان کے ایک ایک لفظ کو قرطاس پر اتار رہا تھا جن میں ردا اصفہانی سر فہرست تھی اس نے ابتدا کی تھی اور بہت سے اس کے آگے پیچھے والے طالبات نے اس کی تقلید کرنے میں لمحہ نہ لگایا تھا۔

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور یہ حدیث بخاری اور مسلم میں بھی شامل ہے، ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کل امتی معافی الجاہرین' میری امت میں ہر ایک ہر شخص ہر مسلمان قیامت کے دن بچ جائے گا سوائے ایک گروپ کے انہوں نے فرمایا وہ جو سر عام اپنے گناہ دوسروں کو بتاتے ہوں گے۔" فرحین اور حریم کے ذہن میں ماہ صیام سے قبل اپنی کی جانے والی پوسٹیں گردش کرنے لگی تھیں گنگناہٹ حریم فیلنگ سانسوں کی مالا یہ فرحین فیلنگ سیڈنس دونوں کی پیشانی پر بیک وقت پسینے کی کئی بوندیں نمودار ہوئی تھیں محترم یزدان صاحب طالبات کی سہولت کے مدنظر اپنی اسٹیٹ منٹس نہ صرف اردو بلکہ انگریزی میں بھی ترجمہ کرکے بتارہے تھے غور و فکر اور پشیمانی کے کئی سائے ساکت دیواروں پر منڈلانے لگے تھے۔

پھر انہوں نے آگے وضاحت کی کہ مجاحر کا مطلب یہ

ہے کہ ایک شخص نے مثال کے طور پر رات کو ایک گناہ کیا پھر اللہ عزوجل نے اپنی رحمت سے اس کا گناہ چھپا دیا اسے ذلت سے بچایا لیکن اگلے دن وہ شخص خود لوگوں کو بتاتا ہے کہ سنو لوگو۔

ریحان کے ذہن میں رات سوہا سے کی گئی گفتگو اپنے مکمل سیاق وسباق کے ساتھ نمودار ہوگئی تھی اپنے گرد و نواح میں اس نے یوں نگاہیں دوڑائی تھیں جیسے سب اس کی رات کی گفتگو سے واقف ہو چکے ہوں۔

تم لوگوں کو پتا ہے کل رات میں نے یہ اور یہ کیا تھا جبکہ اللہ عزوجل نے اس کا پردہ کیا لیکن اگلے دن جا کر اس نے وہ پردہ اتار کر پھینک دیا یہ مجاحرہ ہے۔ دیکھیں جیسے گانا سننا ایک گناہ ہے لیکن پھر لوگوں کو بتانا فیس بک پر کہ میں فلاں اور فلاں گانا سن رہا ہوں جو کہ ہم کرتے ہیں یہ مجاحرہ ہے اور یہ گناہ کو اللہ کی نظر میں اگلے درجے پر لے جاتا ہے بہت سی ایسی پوسٹیں اسکرین پر نمایاں ہونے لگی تھیں ذہنوں کے پردے پر طالبات کی جھکی نگاہیں مزید جھکنے لگی تھیں۔

کلب میں جانا یہ اپنے آپ میں ہی ایک گناہ ہے اور لوگوں کو ایف بی پر بتانا اور اپنی تصویریں پوسٹ کرنا بوتلوں کے ساتھ لڑکیوں کے ساتھ، روشنیوں میں یہ چیز گناہ کو اگلے درجے پر لے جاتی ہے، اللہ کی نظر میں...... معید کو پچھلے دنوں اپنی پوسٹ کی گئیں تصویر یاد آئی تھیں پیاری طالبات آپ اپنے حجاب کے لیے جدوجہد کر رہی ہوں گی یا پھر خود کو پرفیوم یا میک اپ سے آراستہ کر کے گھر سے نکلنے پر جدوجہد کر رہی ہوں گی اللہ سے توبہ کریں اور اپنی حفاظت کریں بہت سی نظریں ردا اصفہانی کے تعاقب میں اٹھی تھیں اور بہت سے لوگوں کو اسے کہے گئے اپنے تمسخرانہ کلمات کا بھی خیال آیا تھا شرمندگی کا مقام تھا۔

بجائے اس کے کہ اپنی تصویریں پوسٹ کریں مجاحرہ اگر کوئی اس پر جمارہا تو ممکن ہے کہ وہ کفر میں مبتلا ہو جائے کیوں؟ کیونکہ اصل میں مجاحرہ کیا کہہ رہا ہوتا ہے، وہ بنیادی طور پر یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ اے اللہ یہ آپ کے احکامات ہیں میں نے ان کی نافرمانی کی اور مجھے اس کی پروا نہیں اور میں یہ بات دنیا کو بھی بتاؤں گا کہ میں نے آپ کی نافرمانی کی ہے یہ ہے وہ جو مجاحر کر رہا ہے اور اسی لیے یہ چیز اتنی خطرناک ہے۔

''پیارے طالبات اگر آپ کسی بھی گناہ میں مبتلا ہیں چاہے وہ اسموکنگ، شیشہ، میوزک، پرونوگرافی، بیک آف اسلامک ڈریس کوڈ، عورت، کوئی بھی گناہ جس میں ہم نہ چاہتے ہوئے بھی مبتلا ہیں طالبات اپنے آپ کو ڈھانپیں اور اپنے گناہوں پر روئیں اور ان کو دوسروں کو مت بتائیں۔'' گرلز روتے ہوئے اور بوائز نم آنکھیں لیے سر یزدان کی طرف اب متوجہ تھے۔

''امام الحاکم اپنی مقتدر میں روایت کرتے ہیں ابن عمر کی متند ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا دور رہو ایسے غلیظ گناہوں سے جنہیں اللہ نے کرنے سے منع فرمایا ہے اور جو کوئی ان میں پڑ جاتا ہے اور ایسے گناہ کر بیٹھتا ہے تو اسے کیا کرنا چاہیے اسے خود پہ پردہ ڈالنا چاہیے اللہ کے پردے سے خود کو ڈھکنا چاہیے اللہ کے ڈھکنے سے اور چاہیے کہ اپنے خالق سے گناہوں کی معافی مانگیں۔'' ایک فسوں کے عالم نے کمرہ جماعت کو اپنے تصرف میں لیا ہوا تھا۔

''آپ اور میں کبھی بھی اپنی تصویر نہیں لیں گے بیت الخلاء میں حاجت کے دوران، کیونکہ یہ غلیظ اور بے حیائی والا کام ہے۔ اللہ کی نافرمانی کرنا زیادہ گندا اور زیادہ شرمناک ہے میرے طالبات پھر آپ کیوں ایسی تصویریں پوسٹ کرتے ہیں اور اسٹیٹس اپ ڈیٹ کرتے ہیں کیا اب ہم اتنے کمزور ہو چکے ہیں کہ ایک خالص چیز کو ملاوٹ شدہ اور ملاوٹ شدہ کو خالص سمجھتے ہیں ہمیں خود کو ڈھانپنا ہوگا کیونکہ مجاحرہ ایک چھوٹے سے گناہ کو بہت بڑا بنا دیتا ہے۔'' محترم یزدان رضوی صاحب نے وائس اپ پہ حاصل کی گئیں معلومات کو قطرہ قطرہ کر کے بڑے احسن طریقے سے نئی نسل پر خیر وشر کا تصور واضح کرنے کی احسن کوشش کی تھی اور وہ کامیاب بھی رہے تھے اس کے لیے وہ یارید کے شکر گزار تھے۔

5 برس بعد۔

''پیاری اماں جان ان محترمہ سے کہیں کہ پی ایچ ڈی بعد میں مکمل کرلیں اور آپ بیب (ذہین) کی ذمہ داری ان کے سپرد کریں۔'' یہ کہتے ہوئے یزدان کے چہرے کی شرارت اور حیا کی سرخی کے رنگ ردا کے گلنار رخسار پر پھیل

گئے تھے۔

''میاں تمہاری منشا پر ہی تو یہ سب ہو رہا ہے خود ہی تو کہتے ہو معلم ہونا پیشہ نہیں پیغمبری ہے تو ردا نے تمہارے ہی نقش قدم پر چلنا ہے۔'' مسز آریز نے جواب نہیں دیا تھا بلکہ یزدان کو لاجواب کیا تھا بیب جو ابھی سے ہی ماسٹر مائنڈ تھی اب گرینڈ پا (جو بہت بڑے اسلامک اسکالر تھے) کی گود سے اپنے بابا کی گود میں پہنچ چکی تھی ان کے آشیاں اور شخصیت کی سادگی کے باعث کبھی لوگوں کو یہ اندازہ لگانے میں مشکل ہوتی تھی کہ یہاں اتنے قابل اور امرا موجود ہیں آریز اخبار کا مطالعہ کرتے ٹی لاؤنج کی جانب گئے تھے کہ ان کا نیوز ٹائم ہو چکا تھا مسز آریز کافی بنانے کی غرض سے کچن کی جانب ہولی، بیب نے بھی ان کی پیروی کی یہ ایک برس کی کلی ابھی سے بہت کچھ سیکھ لینے کا جذبہ لیے ہوئے تھی اور بلا کی چست اور شارپ تھی۔

یہ اتوار کا ایک خوش گوار سرد سا دن تھا۔

''یاد ہے ردا جب عید کے تیسرے دن ہمارا نکاح ہوا اور بعد از رخصتی کتنی ہی دفعہ میں نے نماز شکر ادا کی کہ مجھے اللہ عزوجل نے ہمیشہ مجاحرہ کرنے سے بچایا محفوظ رکھا اور پھر بیوی بھی نیک اور صالح تمہاری صورت ملی جو مجاحر نہیں تھی قبل از وقت ایسا کچھ تھا تو وہ ماضی تھا مجھے بالکل ایک بدلی ہوئی ردا اصفہانی نہیں اب تو وہ ردا یزدان ہے ناں مل گئی میرے پیارے دنیا کے سب سے اچھے ماموں یارید آفندی امریکہ میں ہی مقیم ہیں اب ان کو جب میں نے اپنی شریک حیات کا بتایا تو جانتی ہو مائی سوئٹ انٹیلی جنٹ وائف کیا کہا انہوں نے؟'' وہ مسکرا کر اس کی جانب دیکھ رہا تھا مسز آریز سے بہت پہلے ہی اسے یارید اپنی زیست کا سب سے خوش گوار باب آخروی راہبر کی صورت پتا چل چکا تھا لہٰذا اب اس ذکر پر وہ حیران نہ ہوئی تھی۔

''کہنے لگے تم اس میدان میں بھی یزدانی بازی لے گئے ہاہاہا۔'' جانے کہاں سے ردا کی نم آنکھوں میں مزید آب جمع ہونے لگا تھا۔

یزدان نے اس کی نم پلکوں سے موتی چن کر یارید کی پسندیدہ غزل اس کے سامنے رکھی تھی ردا کو دھیرے سے خود سے قریب کر کے اب یزدان مسحور کن لہجے میں غزل کے اشعار پڑھ رہا تھا ردا نے آنسو چھپانے کی خاطر اس کے سینے پر سر رکھ دیا تھا۔

سب کو معلوم ہے میں ہوں اس کا
آئینہ ہو رہا ہے فسوں اس کا
وہ مجھے دیکھتا رہے اور میں
دیکھنا دیکھتا رہوں اس کا
میرے سینے کا زخم دیکھو تم
دیکھنا ہے اگر جنوں اس کا
میں کبھی بات کرسکوں اس کا
میں کبھی نام لے سکوں اس کا
باغ کی سیر کو نکلتا ہوں
میں کوئی رنگ بھانپ لوں اس کا
جو تیرے بارے میں غلط بولے
یار میں منہ نہ توڑ دو اس کا

جذبات کی ترجمانی کے لیے شاعری ہمیشہ سے ہی دلکش و دل پسند انداز رہی ہے اللہ عزوجل کا جتنا بھی شکر کرتا یزدان وہ کم تھا اور اب اسے بس یہ عہد ایفا کرنا تھا کہ بیب کو مجاحرہ جیسے خطرناک عمل سے بچا کر اس کی تربیت اسلامک کوڈ کے مطابق عالمگیر مذہب کے ستون پر رکھنی تھی اور اپنی کتاب کی اشاعت کے لیے بھی سرگرداں تھا جس کے تحریری مراحل میں یارید آفندی اور ردا یزدان سبقت لے جانے کی حد تک آگے رہے تھے اور آریز رضوی کا نام تو کسی تعریف کا محتاج ہی نہیں تھا۔

اشاعت کے مراحل کی تکمیل کے بعد منظر عام پر آنے والی اس کتاب کا نام Hide Your Sins And Virtues تھا (اپنے گناہوں اور نیکیوں کو چھپاؤ) جس کے بطن میں نہ صرف مجاحرہ بلکہ نیک کاموں کی بھی احسن تقویم عبادات موجود تھیں، یہ لوگوں کے لیے جنت کا راستہ اور ان کے لیے نجات کا ذریعہ تھی۔

پڑھا تھا بس ایک دفعہ بسم اللہ
انگلیس آج پھر مات کھا بیٹھا

میرے مہرباں میرے ہمسفر

نزہت جبین ضیاء

الارم کی تیز آواز پر حرمہ کی آنکھ کھلی۔ سحری کا ٹائم ہو چکا تھا اس نے الارم بند کیا تب ہی موبائل پر میسج کی ٹون ہوئی اور اسکرین پر مانوس نمبر دیکھ کر حرمہ کے چہرے پر پریشانی نمودار ہوگئی۔ حرمہ نے پاس سوئے داعب پر ایک نگاہ ڈالی' شکر ہے وہ گہری نیند میں تھا تب ہی دوسرا میسج آ گیا۔ حرمہ نے جلدی سے موبائل سائلنٹ پر کیا اور میسج پڑھنے لگی۔

''ہائے ڈارلنگ!'' پھر دوسرا میسج تھا۔ ''سوری یار کام کی وجہ سے مصروف تھا' تمہیں ٹائم نہ دے سکا' ویسے یاد تو کیا ہوگا ناں مجھے۔''

''یا اللہ! یہ منحوس پھر آ گیا۔'' حرمہ نے سر تھام کر سوچا وہ تو سمجھ رہی تھی کہ شاید اس کی عقل ٹھکانے آ گئی ہوگی مگر...... حرمہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ شکر ہے کہ داعب سو رہا تھا۔ واش روم سے نکل کر داعب کو جگا کر کچن میں آ گئی۔ سحری بناتے بناتے بھی مسلسل سیف ہی ذہن میں رہا۔ وہ تو جان ہی نہیں چھوڑ رہا تھا' سحری سے فارغ ہو کر نماز فجر ادا کی' داعب نماز پڑھنے کے بعد سوتا نہیں تھا۔ آفس کے کچھ کام نپٹا لیتا اور آفس بھی جلدی جانا ہوتا' حرمہ کچھ دیر کے لیے سو جاتی تھی مگر آج نماز اور قرآن پاک پڑھ کر لیٹی تو نیند کوسوں دور تھی۔ اب اسے ڈر زیادہ لگنے لگا تھا اگر خدانخواستہ داعب کو سیف کے بارے میں پتا چل گیا تو ''نہیں'' اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے ''اللہ نہ کرے کہ میرے ساتھ بھی......''

❀......❀......❀

ایشل روتی دھوتی حواس باختہ گھر میں داخل ہوئی تھی' میلے کپڑے' زرد رنگت اور اجڑی صورت۔

''ایشل خیریت تو ہے' کیا ہوا؟'' امی جو نماز عصر سے فارغ ہوئی تھیں اس کی حالت دیکھ کر تڑپ کر اس کی سمت آئیں تھیں۔

''امی......امی! حاشر نے مجھے گھر سے نکال دیا۔'' ایشل نے بمشکل یہ جملہ کہا اور امی کی بانہوں میں جھول گئی۔ حرمہ بھی آواز سن کر تقریباً بھاگ کر باہر آئی تھی۔

''ہائے اللہ یہ کیا ہو گیا......'' وہ بدحواس ہو کر ان کی طرف بھاگی' پاپا کو فون کیا' ایشل کو لے کر ہسپتال بھاگے۔

امی زار و قطار رو رہی تھیں' پاپا نے حاشر کے پاپا کو کال کی' وہ لوگ بھی ہسپتال آ گئے تب پتا چلا کہ حاشر کو کہیں سے معلوم ہوا ہے کہ ایشل کا رشتہ پہلے کہیں طے ہو چکا تھا اور وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے مگر کچھ خاندانی جھگڑوں کی وجہ سے وہ رشتہ ختم ہو گیا تھا۔ شادی کے چھ ماہ بعد حاشر کو اس بات کا پتا چلا تو اس نے غصے میں آ کر کہہ دیا کہ میرے گھر میں تمہاری کوئی جگہ نہیں ہے' میں ہرگز یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی ایسی لڑکی میری بیوی ہو جس کا پہلے سے کسی کے ساتھ رابطہ رہا ہو۔ ایشل لاکھ سمجھاتی رہی کہ صرف بات طے ہوئی تھی اور ہم لوگ ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے اس سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ پاپا نے یہ رشتہ ختم کر دیا تھا مگر حاشر تو آپے سے باہر ہو گیا تھا اس کی فیملی نے سمجھایا کہ اس طرح رشتے بنتے اور ٹوٹتے رہتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں مگر وہ بذات خود امیر اور کسی حد تک بگڑا ہوا نوجوان تھا۔ اس کی نظر اور خیال میں پسندیدگی کا مطلب گھومنا پھرنا' شاپنگ' تفریح اور بہت کچھ تھا۔ خود چاہے کیسا بھی تھا بیوی اسے پارسا اور سو پردوں میں رہنے والی چاہیے تھی اور اس نے اس چھوٹی سی بات کو ایشو بنا کر شادی کے چھ ماہ بعد ہی ایشل کو طلاق دے دی۔ یہ صدمہ پاپا کے لیے ناقابل برداشت تھا سچ تو صرف وہ لوگ ہی جانتے تھے۔ لوگوں کو بھلا کیا معلوم تھا کہ پیچھے حقیقت کیا ہے؟ کیوں اتنی دھوم دھام سے کی گئی شادی اور پھر چھ ماہ بعد بیٹی طلاق لے کر آ بیٹھی۔

بعض اوقات مرد بھی اپنی بڑی سے بڑی غلطی کو غلطی نہیں مانتے اور عورت کو اس کی ناکردہ غلطی کی ایسی سزا دیتے ہیں کہ ساری زندگی کے لیے عورت کے لیے وہ سزا عذاب بن جاتی ہے۔ اس کے لیے جینے کی راہیں مسدود ہونے لگتی ہیں' وہ لوگوں سے چھپنے لگتی ہے۔ اسے زندگی بار لگنے لگتی ہے یہی حال ایشل کا ہو گیا تھا اور پاپا اس کے لیے کچھ بھی نہ

کرسکے۔ پاپا جو اپنی بیٹیوں پر جان چھڑکتے تھے ایشل کا یہ دکھ برداشت نہ کرسکے اور ان کو ایسا ہارٹ اٹیک ہوا کہ وہ جانبر نہ ہوسکے۔ اس وقت حرمہ صرف سولہ سال کی تھی وہ کالج میں پڑھ رہی تھی۔ پاپا کی موت' امی کی طبیعت الگ خراب' اس پر ایشل کی بربادی ایک جانب وہ طلاق جیسے اذیت ناک مرحلے سے گزری تو دوسری جانب اپنے باپ کو بھی کھو دیا تھا۔

ایشل کی حالت پاگلوں جیسی ہوگئی تھی' وہ پاپا کی موت کا ذمہ دار خود کو سمجھتی تھی۔ حرمہ کبھی ماں کو دیکھتی تو کبھی بہن کو سنبھالتی۔ یہ وقت بہت کٹھن تھا' پاپا غیر ملکی کمپنی میں اچھے عہدے پر فائز تھے' پوش علاقے میں رہتے تھے۔ بیوی اور دو بیٹیوں کے ساتھ خوش اور مطمئن تھے۔ انہیں بیٹا نہ ہونے کی کوئی پروا نہ تھی وہ بیٹیوں پر بھی جان دیتے تھے۔ وہ اپنے بڑے بھائی احسان کے ساتھ مل کر کاروبار بھی کرتے تھے۔

احسان صاحب کا بیٹا عالیان ایشل کو پسند کرتا تھا' ایشل اور حرمہ میں چھ سال کا فرق تھا۔ حرمہ گھر میں سب کی لاڈلی تھی۔ ایشل انٹر میں تھی کہ احسان صاحب نے عالیان کے لیے ایشل کا رشتہ مانگ لیا' عالیان کزن تھا اس کا آنا جانا تھا۔ یہ لوگ ملتے بھی تھے' ایشل کو بھی عالیان اچھا لگتا تھا تو رشتہ طے ہوگیا اور ایک چھوٹی سی تقریب میں دونوں کو ایک دوسرے کے نام کی انگوٹھی پہنادی گئی۔ دونوں خوش تھے مگر کچھ عرصے بعد کاروبار کو لے کر احسان صاحب نے پاپا سے جھگڑا مول لیا وہ زیادہ منافع چاہتے تھے کہ تمہاری بیٹیاں ہیں' میرے بیٹے کا بھی حصہ ہونا چاہیے۔ اس پر پاپا نے انکار کیا کہ اس بات کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے' پیسہ ہم دونوں نے برابر لگایا ہے تو دونوں کو برابر ملنا چاہیے۔ ایک فضول سی بات کو لے کر بات اتنی آگے بڑھی کہ احسان صاحب نے رشتہ ہی توڑ دیا۔ بھائی سے تعلقات ختم ہوئے تو پاپا بھی ٹوٹ گئے' بیٹی کے رشتے کے ختم ہوجانے کا بہت دکھ تھا۔ اپنا حصہ الگ کرکے پاپا نے دوسرے کاروبار میں لگادیا۔ ایمنہ بیگم سلجھی ہوئی خاتون تھیں انہوں نے میاں کی حالت دیکھتے ہوئے ان کو سمجھایا اور مورل سپورٹ دی۔ کچھ عرصہ میں داؤد صاحب بھی نارمل ہوگئے' ایشل نے گریجویشن کرلیا اور اس نے بھی جاب کرلی۔ ایشل کے اچھے رشتے آنے لگے مگر فی الحال وہ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی' عمر بھی کیا تھی ابھی اس لیے داؤد صاحب اور امینہ بیگم نے بھی فی الحال چپ رہنا مناسب سمجھا۔ حرمہ کالج میں آگئی تھی وہ ذہین' بولڈ' خوب صورت لڑکی تھی' پڑھائی میں ہمیشہ آگے رہتی دیگر سرگرمیوں میں بھی آگے آگے رہتی۔ سارے کالج میں وہ مشہور تھی' ٹیچرز کی چہیتی تھی' کالج کے کئی لڑکے اس کو پسند کرتے تھے مگر وہ صرف پڑھائی پر ہی دھیان دیتی اس کو پڑھ لکھ کر پاپا کے خواب پورے کرنے تھے۔ ان کو بیٹا بن کے دکھانا تھا' ان دنوں ایشل کے لیے حاشر کا رشتہ آگیا۔ پاپا کے کاروبار میں نئے نئے شامل ہونے والے عباس صاحب کا بیٹا حاشر خوب صورت' پڑھا لکھا تھا۔ داؤد صاحب اور امینہ بیگم نے ایشل کی مرضی معلوم کرکے ہاں کردی' حرمہ بہت خوش تھی اس کو آپی کی شادی کی بہت خواہش تھی۔ "اچھے اچھے کپڑے بنواؤں گی' خوب سارا میک اپ کروں گی اور اپنی فرینڈز کے ساتھ دل بھر کے ڈانس کروں گی۔" اس نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''کیوں نہیں، میری گڑیا جو چاہے وہ کرے گی۔'' داؤد صاحب مسکرا کر بولے۔

دونوں پارٹیاں ہی پیسے والی تھیں، خوب زبردست تیاریاں ہو رہی تھیں۔ داؤد صاحب کا اچھا خاصا بڑا کاروبار تھا اور سب کچھ ان دونوں بیٹیوں کے لیے ہی تو تھا، دل کھول کے پیسہ خرچ کیا جا رہا تھا۔ ایشل کی پسند اور مرضی کے مطابق ہر چیز خریدی جا رہی تھی، شادی سے کچھ عرصہ پہلے ہی رشتے دار آ گئے تھے۔ خوب اُدھم چوکڑی مچائی جا رہی تھی، حرمہ بھی تتلی کی طرح ادھر اُدھر اڑتی پھر رہی تھی۔ مہندی والے دن حرمہ نے گرین اور پرپل کومبنیشن کی لانگ فراک اور پاجامہ پہنا تھا۔ لمبے بالوں کو کھلا چھوڑے ہلکے میک اپ اور میچنگ جیولری میں وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔ مہندی کا انتظام ہال میں کیا گیا تھا جہاں دلہے والوں نے بھی آنا تھا اور اکٹھے فنکشن ہونا تھا۔ ایشل مایوں کے زرد جوڑے میں بہت حسین لگ رہی تھی جبکہ حاشر نے کریم کلر کا کُرتا اور پاجامہ پہنا تھا، وہ بھی اسمارٹ لگ رہا تھا۔ رسومات ہوئیں اور حرمہ نے مہندی لگا کر پیسوں کی ڈیمانڈ کر دی تب کہیں سے اچانک حاشر کے برابر میں ایک لڑکا آ بیٹھا، بلیک کرتا، وائٹ شلوار، ملٹی کلر کی چنری گلے میں ڈالے گوری رنگت اور براؤن بالوں میں وہ خاصا چارمنگ لگ رہا تھا۔

''ہاؤ کیوٹ۔'' آتے ہی اس نے اپنے موبائل میں حرمہ کی تصویر لے لی۔

''سوری یار! دیر ہو گئی ذرا بزی تھا، تُو تو جانتا ہے ناں میری مصروفیت۔'' دوسرے ہی لمحے وہ حاشر کی طرف پلٹا اور آنکھ دبا کر اس سے با آواز بلند سرگوشی کی۔

''یہ کیا حرکت ہے، تصویر کیوں لی آپ نے؟'' حرمہ کو اس کی حرکت بہت بُری لگی تھی۔

''سوری ڈیئر...... لیکن آپ یوں میرے دوست کا ہاتھ دبوچے بیٹھی ہیں اس کے بڑے سے ہاتھ پر آپ کا نازک سا ہاتھ اتنا اچھا لگا کہ میں نے یہ سین اپنے کیمرے میں محفوظ کر لیا اگر آپ کو برا لگا ہو تو ڈیلیٹ کر دوں؟'' مسکراتے ہوئے اس نے کہا اور ساتھ ہی اجازت چاہی۔

''ارے یار...... ادھر دھیان دو حرمہ...... حاشر بھائی نے ہاتھ چھڑا لیا تو پیسوں سے جائے گی۔'' کسی کزن کی آواز پر حرمہ دوبارہ حاشر کی جانب پلٹ گئی۔

تھوڑی دیر میں ہی حاشر نے پیسے دے کر جان چھڑائی مگر ساری تقریب میں حرمہ سیف کی نظروں کے ساتھ ساتھ اس کے کیمرے کے حصار میں رہی۔ سیف کو وہ خوب صورت لڑکی بہت اچھی لگی تھی۔ مہندی کی تقریب کا اختتام ہوا۔ دوسرے دن شادی تھی، شادی کا انتظام بینکویٹ میں کیا گیا تھا۔ خوب صورت ماحول تھا، شہر کے بڑے بڑے لوگ اس تقریب میں شریک تھے۔ ہر طرف رنگین آنچل لہرا رہے تھے آج تو ایشل میرون شرارے میں غضب ڈھا رہی تھی جب کہ حرمہ نے دھانی کلر کا شرارہ پہنا تھا، بھاری کامدار شرارے میں پارلر سے کیے گئے میک اپ، بھاری جیولری اور خوب صورت ہیئر اسٹائل میں سب سے نمایاں اور منفرد نظر آ رہی تھی۔

بارات آ گئی تھی وہ ریسپشن پر تھی، حاشر کے ساتھ ہی سیف تھا۔ آج اس نے براؤن کلر میں ہلکے کام کا سلک کا کُرتا اور پاجامہ پہنا تھا۔ اپنے دراز قد سمیت وہ بہت اچھا لگ رہا تھا جیسے ہی سیف کی نظر حرمہ پر پڑی وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔ آج حرمہ غضب ڈھا رہی تھی، آنکھوں کے رستے سیدھا دل میں اترتی جا رہی تھی۔

''السلام علیکم!'' حرمہ نے حاشر کو سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! چشم بدور...... آج تو آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں مس......؟''

''شکریہ۔'' حرمہ نے اس کی طرف دیکھ کر بے زاری سے منہ بناتے ہوئے کہا۔ نکاح کی رسم ہوئی حسب روایت کچھ دیر رونے دھونے کا سین بھی ہوا۔

''پلیز آپ روئیں نہیں، رو کر تو آپ کی آنکھیں جھیل کی مانند لگ رہی ہیں اگر کوئی بھی ڈوب گیا تو کس کی ذمہ داری ہو گی۔'' وہ ایک طرف کھڑی ٹشو سے آنکھیں صاف کر رہی تھی بالکل قریب آواز آئی، چونک کر دیکھا سامنے سیف کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے تحاشہ پیغامات تھے جو وہ دے رہا تھا۔

''یہ کیا فضول بول رہے ہیں آپ؟'' اس نے قدرے غصے سے کہا۔

''فضول نہیں سچ کہہ رہا ہوں حرمہ! ذرا ایک نظر آئینہ دیکھ لو میری بات کی سچائی پر یقین آ جائے گا۔'' تب ہی امی کی آواز پر حرمہ جلدی سے اسٹیج کی طرف بھاگی۔ سیف

مستقل اس کے آگے پیچھے پھر رہا تھا۔
"حرمہ! اگر مناسب سمجھیں تو یہ رکھ لیں۔" اس نے اپنا موبائل نمبر تھما دیا۔ حرمہ کا دل چاہا اس کو کھری کھری سنا دے وہ تو کمبل ہوا جا رہا تھا لیکن صرف اس لیے چپ ہوگئی کہ وہ حاشر کا جگری دوست تھا اور وہ کوئی ایسی بدمزگی پھیلانا نہیں چاہتی تھی۔
"لو بھئی یہ بڑی اچھی بات ہے مہمانوں کو پوچھے بنا خود پیٹ بھر لیا جائے۔ اجی محترم ہم مہمان ہیں ہمیں تو پوچھ لیں کھانے کے لیے۔" کھانا اسٹارٹ ہوا تو وہ رشتے کی نانی کو کھانا لا کر دے رہی تھی' نانی نے اپنے ہاتھ سے اسے ایک لقمہ کھلایا وہ نوالہ لے کر پلٹی ہی تھی کہ سیف سامنے آ گیا۔
"افوہ! جب مہمان خود ہی بنا لحاظ کیے پلیٹوں کو لوڈ کر چکے ہیں تو ان کو کیا پوچھوں بس ان کے لیے اینو کا انتظام ہی کر سکتی ہوں۔" حرمہ نے اس کی بھری ہوئی پلیٹ پر نظر ڈالتے ہوئے قدرے طنز سے کہا تو سیف بے اختیار کھلکھلا کر ہنس دیا۔
"یار تم نے تو سکسر دے مارا' گڈ۔"
"تھینکس' جاتے جاتے سیون اپ میں نمک ڈال کر پینا مت بھولیے گا۔" حرمہ نے کہا اور آگے بڑھ گئی اور وہ ہنستا رہا۔
ایشل رخصت ہو کر سسرال چلی گئی' حرمہ کو سیف اچھا لگا تھا وہ حاشر کا اچھا دوست تھا۔ اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا' ذاتی بزنس تھا۔ لاڈ' پیار اور پیسے نے اس کو عیش پسند اور لاابالی بنا دیا تھا اس کے بے شمار دوست تھے۔ پکنک پارٹی' تفریحات' موویز ان سب میں لگا رہتا' لڑکوں سے زیادہ لڑکیاں دوست تھیں۔ بڑے بڑے گھروں کی آزاد اور خودمختار لڑکیاں تھیں' اسے خوب صورتی اٹریکٹ کرتی تھی جہاں خوب صورت لڑکی دیکھی وہیں پر لٹو ہو جاتا تھا اور حرمہ کو دیکھ کر بھی وہ دل ہار بیٹھا تھا۔ حرمہ نے اس سے بات کی تو وہ خوشی سے بے قابو ہو گیا۔
"اوہ ریئلی یہ تمہارا میسج ہے؟ مجھے یقین نہیں آ رہا میں بہت خوش ہوں کہ تم نے مجھے اس قابل سمجھا۔" اور پھر ان دونوں میں باتیں ہونے لگیں' سیف نے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا مگر یہ نہیں بتایا کہ اس کی دوستی لڑکیوں سے بھی ہے' حرمہ کو وہ اچھا لگنے لگا اور پھر کبھی کبھی وہ گھر بھی آنے لگا

اور جب اس بات کا پتا حاشر کو چلا تو حاشر نے بتایا کہ وہ ٹھیک لڑکا نہیں ہے اور اس کی منگنی تو کزن سے ہو چکی ہے۔ حرمہ نے سنا تو اسے بے حد غصہ آیا اس نے سیف کو کال کی اور منگنی کے حوالے سے پوچھا۔

"ہاں تو......" سیف نے مطمئن انداز میں سوال کیا۔

"تو کا کیا مطلب سیف! تم نے مجھے یہ بات کبھی نہیں بتائی' ہم لوگ گزشتہ دو ماہ سے ایک دوسرے سے ہر بات شیئر کرتے ہیں۔ ہم اچھے دوست ہیں۔"

"ہاں حرمہ! تو اس میں بتانے والی کیا بات تھی' کبھی تم نے پوچھا ہوتا تو میں بتاتا ناں؟"

"حد ہوتی ہے سیف!" وہ غصے سے بولی۔

"کیسی حد' کاہے کی حد؟"

"یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ تم اتنا غصہ دکھا رہی ہو' تمہارے علاوہ بھی میری بے شمار گرل فرینڈز ہیں۔ اب اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں سب سے اپنی ذاتی لائف ڈسکس کروں۔ مجھے اچھی اور کیوٹ لڑکیوں سے دوستی کرنا اچھا لگتا ہے تم بھی ان میں سے ایک ہو' تم حسین ہو' مجھے اٹریکٹ کر گئیں لیکن شادی تو مجھے ایک سے ہی کرنا ہوگی ناں' وہ مما کی چوائس ہوگی مگر زندگی انجوائے کرنا یہ میرا حق بھی ہے اور میری ضرورت بھی تو وہ میں کر رہا ہوں اور کرتا رہوں گا۔"

"سیف...... بکواس بند کرو۔" وہ پوری قوت سے چلائی۔ "تم انتہائی گھٹیا اور لوفر انسان ہو تم نے مجھے بھی عام لڑکیوں کی طرح سمجھ رکھا ہے کیا' اگر مجھے تمہاری اصلیت کا علم ہوتا تو کبھی بھی تم سے بات نہ کرتی۔ آج کے بعد مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش مت کرنا۔" حرمہ نے کال کاٹ دی اس کو بے تحاشا رونا آ گیا۔

کتنی توہین کی تھی اس لڑکے نے' حرمہ تو اسے چاہنے لگی تھی۔ اس سے محبت کرنے لگی تھی' کیسی میٹھی میٹھی باتیں کرتا' چاہت بھری باتیں کہ جیسے حرمہ کے علاوہ کسی لڑکی کو دیکھتا بھی نہیں ہوگا' اسے اپنے وجود سے بھی کراہیت آنے لگی۔ ایسے گرے ہوئے انسان کے ساتھ وقت گزارا تھا پھر سیف کا کوئی میسج آیا نہ کال آئی۔ حرمہ کو بھی اس سے نفرت ہو گئی تھی' حرمہ نے گریجویشن کر لیا تھا' ایشل اور حاشر بہت خوش تھے اور دو ماہ کے ٹرپ کے بعد کل ہی سنگاپور سے واپس آئے تھے اور آج ملنے کے لیے آئے تھے۔ تب موقع دیکھ کر حرمہ نے سیف کے بارے میں ایشل کو سب کچھ بتا دیا۔ ایشل نے کہا کہ وہ حاشر سے بات کرے گی مگر حرمہ نے سختی سے منع کر دیا کہ کوئی ضرورت نہیں میں اس پر لعنت بھیج چکی ہوں۔

ایشل اپنے گھر میں خوش اور مطمئن تھی' داؤد صاحب اور انیسہ بیگم بھی خوش تھے اور آج کل حرمہ کے لیے رشتے دیکھ رہے تھے۔ ایشل کی شادی کو چھ ماہ گزر گئے تھے کہ اچانک سے نہ جانے کہاں سے حاشر کو ایشل کے پہلے رشتے کی بابت پتا چل گیا اور حاشر نے جذبات میں آ کر اتنا بڑا فیصلہ کر دیا' اچھے بھلے دو گھر اجڑ گئے۔ ایشل طلاق کے ساتھ ساتھ باپ کی شفقت سے محروم ہو گئی' حرمہ یتیم ہو گئی۔ انیسہ بیگم بیوہ ہو گئیں' حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ سب کچھ الٹ پلٹ ہو کر رہ گیا' خوشیاں نہ جانے کہاں جا کر چھپ گئی تھیں ہر عالم میں سوگواریت تھی' اداسی اور یاسیت تھی۔

ایشل نے شادی سے توبہ کر لی تھی اور اب حرمہ کے لیے داعب کا رشتہ' انیسہ بیگم کی رشتے کی بہن کی توسط سے آیا تھا۔ داعب اکیلا تھا' شریف اور نیک لڑکا تھا' اچھی جاب کرتا تھا۔ اچھا بھلا گھر تھا دیکھنے میں بھی بہت اچھا تھا' تھوڑی سی معلومات کروانے کے بعد حرمہ کا رشتہ طے کر دیا گیا اور جلد ہی شادی طے ہو گئی' حرمہ داعب کے گھر آ گئی خوب صورت سا بنگلہ تھا' ضرورت کی ہر چیز موجود تھی' داعب بہت اچھا لڑکا تھا جیسے مزاج کا' محبت کرنے والا اور خیال رکھنے والا۔ اس نے پہلے دن ہی اپنے ساتھ ہونے والے' اچھے برے سارے حالات شیئر کیے کس طرح وہ اس مقام تک پہنچا' بچپن میں والدین کے انتقال کے بعد چچا نے اس کی پرورش کی پھر چچا کی ڈیتھ' سب کچھ ایک ایک بات اس کے سامنے کھول کر رکھ دی۔ حرمہ حیرت سے سنتی رہی' بڑی مشکلوں اور محنت کے بعد داعب اس مقام تک پہنچا تھا۔

"داعب اب آئندہ آپ کو کسی قسم کے دکھ یا پریشانی کا سامنا نہیں ہوگا۔ ہم دونوں مل کر ان شاء اللہ اپنے گھر کو مثالی بنائیں گے' آپ کے ساتھ جو غلط ہوا سب بھول جائیے میں آپ کو اتنا پیار دوں گی کہ آپ پرانی تلخیاں بھول جائیں گے۔" داعب کا ہاتھ تھام کر جذب سے بولی تو داعب اس کی خوب صورت باتوں کے ساتھ ساتھ اس کے ملکوتی حسن میں کھوتا چلا گیا۔

زندگی بہت خوب صورت ہو گئی تھی' داعب اس پر اپنی

بے پناہ محبتیں لٹاتا اور وہ محبتوں سے سرشار ہوجاتی' وہ بھی داعب کوٹوٹ کر چاہتی تھی۔ داعب اسے ہنی مون پر جانے کی بجائے عمرہ پر لے گیا' وہ کہتا تھا کہ میں اللہ کا شکر وہاں جاکر ادا کرنا چاہتا ہوں کہ جس نے مجھے تم جیسی سلیقہ شعار' وفادار' پرخلوص اور خوب صورت بیوی عطا کی ہے' گزشتہ تلخیوں کو وہ یکسر بھلا چکی تھی اب سیف اس کے ذہن اور دل سے مکمل طور پر نکل چکا تھا وہ اور داعب اپنی دنیا میں بے حد خوش اور مطمئن تھے۔ اس روز موسم بہت اچھا تھا' ان کی شادی کو چھ ماہ ہوچکے تھے۔ وہ شام کو نہا کر تیار ہوئی تو داعب کا میسج آ گیا۔

''تیار ہوجاؤ' میں آرہا ہوں۔ ہم لوگ آج مووی دیکھنے چلیں گے۔''

''اوکے باس۔'' اس نے مسکرا کر ریپلائی کیا' گنگناتی ہوئی وہ پرفیوم اسپرے کررہی تھی کہ دوبارہ کال بیل بجی۔

''افوہ ایک تو داعب کو بھی سکون نہیں۔'' کاجل ٹھیک کرتے کرتے کال اٹھائی۔

''ہیلو جانِ من!'' دوسری طرف سے آنے والی آواز سن کر وہ سر سے پیر تک لرز گئی۔

''یہ..... یہ آواز.....'' آج بھی اس کی سماعتوں میں محفوظ تھی۔

''کون..... کون ہو تم؟'' لہجے پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

''اوئے ہوئے' ہمیں بھول گئی کیوٹی؟'' لہجہ انتہائی عامیانہ تھا۔ ''ہم تمہارے بہت پرانے دوست ہیں بوائے فرینڈ سیف!''

''بکواس بند کرو۔'' کال بند کی تو سر سے پیر تک وہ پسینے میں نہارہی تھی۔

''اُف اللہ! یہ کہاں سے آ گیا اتنے عرصے بعد اگر..... داعب..... نہیں.....'' سر سے پیر تک لرز گئی' جلدی سے فریج سے ٹھنڈا پانی نکال کر پیا۔

''کہاں ہو بھئی؟'' داعب آ گیا تھا اور اسے تلاش کرتا ہوا کچن میں آ گیا تھا۔ ''ارے کیا ہوا؟ تمہیں پسینے کیوں آرہے ہیں' طبیعت تو ٹھیک ہے ناں' تمہارا چہرہ بھی اترا ہوا ہے آر یو اوکے؟'' وہ اس کو دیکھ کر پریشان ہوگیا اور ہاتھ پکڑ کر کرسی پر بٹھاتے ہوئے ایک سانس میں بے شمار سوال کر ڈالے۔

''ارے بابا! تم خوامخواہ پریشان ہوجاتے ہو' گرمی کتنی شدید ہے اسی لیے پسینہ آ گیا' چلو میں تیار ہوں۔'' حرمہ نے خود پر قابو پاتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا تو داعب اس کا ہاتھ تھام کر کچن سے نکل گیا۔ وہ گاڑی میں بیٹھی تب ہی سیف کا میسج آ گیا۔

''سنو بہت یاد آرہی ہے تمہاری' کہیں ملو ناں ڈارلنگ۔''

''اُف.....'' اس نے کن انکھیوں سے داعب کو دیکھا جو سامنے دیکھتے ہوئے ڈرائیونگ کررہا تھا۔ حرمہ نے سیل آف کرکے پرس میں رکھ دیا۔ مووی میں بھی اس کا دل نہیں لگا' بہت گھبراہٹ ہورہی تھی کہ یہ نمبر سیف کو کہاں سے ملا اور اگر وہ اسی طرح کال یا میسجز کرتا رہا تو..... کیا ہوگا۔ واپسی میں ڈنر بھی باہر کیا وہ برائے نام کھارہی تھی۔

''کیا ہوا حرمہ..... تھک ہوگئی ناں؟'' خود ہی سوال کیا اور خود ہی جواب دیا اور حرمہ نے مسکرا کر سر ہلادیا۔

سوتے جاگتے' اٹھتے بیٹھتے' آدھی رات کو' صبح سویرے ہر وقت سیف میسجز کرتا رہتا۔ حرمہ کا برا حال تھا' وہ کب تک خود کو بچاپاتی۔

''اگر کبھی داعب کو معلوم ہوگیا تو؟'' بس یہی سوال ننگی تلوار کی طرح اس کے سر پر لٹکتا رہتا۔

''ڈارلنگ ایک بار مل لو بس میں تمہیں دل بھر کے دیکھنا چاہتا ہوں۔'' اس روز دن میں کال آئی تو حرمہ نے اٹینڈ کرلی۔

''پلیز سیف! کیوں میری زندگی برباد کرنے پر تلے ہو' کیوں تنگ کررہے ہو مجھے۔ میں اپنی زندگی میں خوش ہوں تو کیوں تم عذاب بنارہے ہو بقول تمہارے ہمارے درمیان صرف دوستی تھی جو ختم ہوگئی ہے' اب آئندہ مجھے کال مت کرنا۔''

تین دن تک اس کا نہ کوئی میسج آیا اور نہ ہی کال آئی' حرمہ نے سکون کا سانس لیا کہ شاید وہ راہ راست پر آ گیا ہے مگر چوتھے دن اس کی کال آ گئی۔

''اگر تم باہر نہ ملیں تو میں تمہارے گھر آجاؤں گا۔''

''سیف تم پاگل ہوگئے ہو' خدا کے لیے میرا پیچھا چھوڑ دو' مجھے سکون سے جینے دو۔''

''ہاہاہا...... میں بے سکون ہوں اور تم سکون سے جیو۔ یار تم وہ واحد لڑکی تھیں جس کو سچی دل سے چاہا تھا اور اب مجھے تمہاری ضرورت ہے۔''

''بکواس بند کرو آئندہ کال کی تو اچھا نہ ہوگا۔'' وہ چلائی۔ ''یا اللہ میں کیا کروں؟'' دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ ''کیسے اس سے جان چھڑاؤں اب وہ تو گھر آنے کی دھمکی دے رہا تھا اگر سم چینج کرلوں تو...... داعب سے کیا بولوں گی؟ یا اللہ مجھے رسوا نہ کرنا' میرے مالک' میں مر جاؤں گی۔'' وہ زار وقطار رونے لگی۔

اس بات کا ذکر کرتی بھی تو کس سے امی یا ایشل کیا کرسکتی تھیں امی بے چاری ویسے بھی بیمار رہنے لگی تھیں۔ ایشل نے اپنا اسکول کھول لیا تھا اور وہ اس میں مصروف رہتی تھی۔ داعب سے ایسی بات کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا اس کے سامنے ایشل کی زندگی تھی' اس بات کو بیس بنا کر اسے طلاق جیسی لعنت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ حرمہ اندر ہی اندر سلگتی رہتی' کوئی راستہ نظر نہ آتا' داعب گھر پر ہوتا تو زیادہ تر موبائل بند رکھتی مگر کب تک؟ کتنی دیر...... پاگلوں کی طرح موبائل پر نظر رکھتی ہر وقت اپنے ساتھ ساتھ رکھتی۔

رمضان المبارک شروع ہوگیا تھا ابتدا میں سیف کی کالز آئیں پھر کافی لمبا وقفہ ہوگیا۔ حرمہ نے شکرانے کے نفل ادا کیے کہ شاید وہ اب کال نہیں کرے گا یا رابطہ ختم کرلیا ہے۔ ہوسکتا ہے کوئی نئی لڑکی مل گئی ہو؟ خود ہی سوچتی رہی مگر شکر تھا کہ حرمہ کو کوئی کال یا میسج نہ کیا تھا۔ وہ دن رات رو رو کر دعائیں مانگتی کہ اللہ پاک اب سیف اس سے رابطہ نہ کرے' داعب اس کے ساتھ مل کر عید کی تیاریاں کررہا تھا۔ آخری عشرہ اسٹارٹ ہوگیا تھا اور آج پھر اس کا فون آ گیا تھا۔

''چاند رات کو تمہارے گھر آرہا ہوں تاکہ تمہارے شوہر سے بھی ملاقات کرلوں اور تمہارے ساتھ گزارے لمحوں کو بھی شیئر کرلوں۔''

''سیف خدا کو مانو...... خدا کے لیے مجھے تنگ مت کرو۔'' وہ رونے لگی تھی۔

''ہائے نہیں ڈارلنگ یوں رونے لگو گی تو مجھے تمہارے آنسو صاف کرنے ابھی آنا پڑے گا۔'' وہ قہقہہ لگا کر بولا اور حرمہ نے کال کاٹ دی۔

پھر مسلسل اس کے میسجز آتے رہے ''چاند رات کو میرا انتظار کرنا'' وہ سولی پر لٹکتی رہی۔ دن کو سکون تھا نہ رات کو قرار' اپنی اس کیفیت کو داعب سے چھپا کر نارمل رہنا اس کے لیے پل صراط سے گزرنے سے کم نہ تھا۔ بہت مشکل ہوتا ہے وہ وقت جب انسان کو دوہرے پن سے جینا پڑتا ہے' دل میں سو سو طوفان بپا ہوتے ہیں' خدشات ہوتے ہیں۔ لیکن بظاہر اس کو مسکرا کے جینا پڑتا ہے۔ اپنا آپ چھپا کر لوگوں کے سامنے خود کو نارمل ظاہر کرنا پڑتا ہے۔ خوشیوں میں دل کھول کر حصہ لینا ہوتا ہے۔ ان حالات میں رہ کر جینا بھی کمال ہوتا ہے' دکھ' اذیت اور تکلیف کو چھپا کر مسکرانا بھی ایک فن ہے اور بہت کم لوگ اس فن سے واقف ہوتے ہیں۔ یہی حال آج کل حرمہ کا تھا اور اسے اندر اور باہر دو متضاد کیفیتوں سے گزرنا پڑ رہا تھا۔

داعب کے سامنے خود کو خوش' مطمئن اور نارمل انداز میں عید کی تیاریاں کرنی تھیں تو اندر ہی اندر وہ اس خوف سے لرزتی رہتی کہ اگر سیف آ گیا تو کیا ہوگا؟ تب اسے بے تحاشہ رونا آجاتا۔ وہ منظر آنکھوں کے سامنے آجاتے جب حاشر بھائی نے ایشل آپی کو اس بات کو بنیاد بنا کر طلاق دی' پاپا کو ہارٹ اٹیک ہوگیا' ایشل آپی چپ ہوکر رہ گئیں' امی جی کو بلڈ پریشر کا مرض لگ گیا اگر خدانخواستہ...... بے چینیاں حد سے بڑھتیں' بے قراریاں عروج پر پہنچ جاتیں' اضطرابی کیفیت میں وہ ڈپریشن کا شکار ہونے لگتی۔ کبھی کبھی دل چاہتا کہ کچھ کھا کے مر جائے' اس کی سمجھ سے بالاتر تھا کہ کرے تو کیا کرے۔

اور چاند رات آ گئی مغرب سے کچھ دیر پہلے وہ گھر میں اکیلی تھی' آج داعب کو کہیں جانا تھا وہ کہہ کر گیا تھا حرمہ کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ ہر آہٹ پر چونک جاتی' دل کر رہا تھا خوب روئے تب ہی فون بج اٹھا' اس کا دل لرزنے لگا' پسینے چھوٹ گئے۔ اس نے کال ریسیو کی۔

''ذلیل کمینے انسان...... کیوں میری زندگی برباد کرنے پر تلے ہوئے ہو' کیوں عذاب بن گئے ہو تم۔ مر کیوں نہیں جاتے......'' بے تحاشہ روتے ہوئے کہا اور جیسے ہی پلٹی سر پر داعب کھڑا تھا۔

''داعب...... آ...... آپ......؟'' خوف سے آنکھیں پھیل گئیں' داعب نے فون اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔

''تو میں آجاؤں ناں...... ہاہاہا......'' دوسری طرف سے

سیف کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ ''تمہارے شوہر کو بتادوں گا آکر کہ تم......''

''ہاں ہاں ذلیل آدمی...... ابھی اسی وقت آجا میں انتظار کررہا ہوں تیرا۔'' داعب نے چلا کر کہا اور کال کاٹ دی۔

''کون...... کون تھا...... یہ......؟'' سیل بیڈ پر پھینک کر داعب حرمہ کی طرف پلٹا اور غصے سے پوچھا۔

''داعب...... داعب......'' حرمہ بری طرح کانپ رہی تھی' لفظ اس کے ہونٹوں سے ادا نہیں ہورہے تھے۔

''داعب...... مجھے معاف کردیں...... داعب...... میں بے قصور ہوں...... پلیز مجھے طلاق مت دیں...... میں...... میں مرجاؤں گی داعب...... میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی......'' وہ ہذیانی انداز میں کہتی ہوئی زاروقطار روئے جارہی تھی۔

''حرمہ...... حرمہ پاگل ہوگئی ہو کیا...... یہ کیا فضول بکواس ہے میں کیوں دوں گا طلاق اور یہ سب کیا ہے......؟'' داعب آگے بڑھا اور اس کو پکڑ کر صوفے پر بٹھایا۔

''یہ کون پاگل تھا؟ آرام سے یہاں بیٹھ کر بتاؤ۔'' تب ہی اذان کی آواز آئی' دونوں نے پانی پیا' روزہ کھولا۔

''اب بتاؤ۔ آرام سے ریلیکس ہوکر۔'' داعب اس کی حالت دیکھ کر ڈر گیا تھا تب حرمہ نے روتے روتے ساری تفصیل سچ سچ بتادی۔

''اُف پاگل...... اتنے دن سے وہ گھٹیا انسان تمہیں تنگ کررہا ہے تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟''

''داعب! میں بہت ڈر گئی تھی کہ کہیں آپ بھی حاشر بھائی کی طرح......''

''اُف بند کرو اپنی فضول بکواس' کیا لفظ بار بار نکالے جارہی ہو۔ ارے یار...... نادانیاں ہو ہی جایا کرتی ہیں اور کسی کو پسند کرنا کوئی غلط بات نہیں ہے...... اگر ایسی بات تھی بھی تو مجھے اس سے کیا لینا دینا' اب تم میری بیوی ہو میری عزت ہو اور مجھے بے پناہ پیار کرتی ہو۔ مجھے صرف اس سے غرض ہے اور ہاں ایک بات کی شکایت ہے تم سے اور اس کی سزا بھی ملے گی تمہیں۔'' داعب نے لہجے کو سنجیدہ بنا کر کہا۔

''کیا......؟'' وہ جو داعب کی باتوں پر مطمئن ہورہی تھی آخری جملے پر گھبرا کر پوچھا۔

''یہی کہ تم نے مجھے یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی جب میں نے اپنا ماضی تمہارے سامنے کھول کر رکھ دیا تھا تو تم نے مجھ سے یہ بات کیوں چھپائی؟ تم کو بھی صاف بتادینا چاہیے تھا۔''

''داعب! میں...... میں...... ڈر گئی تھی...... میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں۔ میں آپ کے بغیر ایک پل بھی جینے کا تصور بھی نہیں کرسکتی' میں کسی صورت بھی آپ کو کھونا نہیں چاہتی۔ داعب آپ کو پتا نہیں ہے کہ ایشل آپی نے کس اذیت میں وقت گزارا ہے' ان کی بھی کوئی غلطی نہ تھی ان کو سزا ملی ناں اور میں...... ایشل آپی جیسی بہادر نہیں...... میں بہت کمزور ہوں داعب! مجھے صرف آپ کا سہارا چاہیے' آپ کی بانہوں کا مضبوط سہارا...... میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی' ہاں میں نے نہ بتا کر غلطی کی ہے اور اگر آپ سزا دینا چاہیں تو مجھے منظور ہے۔'' سر جھکائے ہاتھ جوڑے روئے روئے معصوم چہرے کے ساتھ حرمہ داعب کے دل میں اترتی چلی گئی۔

''سزا یہ ہے کہ ہم ابھی بازار جائیں گے' آج ہم بہت ڈھیر ساری شاپنگ کریں گے۔ واپسی میں تمہاری امی کے گھر جائیں گے اور ہاں مجھے اس بدمعاش کا نمبر دو اس کا پتا کرواکر اس کا بھی بندوبست کرنا ہے۔ اب تم مجھے اچھی سی چائے بنا کر پلاؤ گی اور پھر تیار ہوجاؤ ہمیں آج چاند رات منانی ہے۔'' داعب کا لہجہ شوخ ہوگیا تھا۔ حرمہ نے محبت پاش نگاہوں سے اپنے بے تحاشہ محبت کرنے والے شوہر کو دیکھا جو واقعی بڑے دل کا مالک اور محبت کرنے والا انسان تھا۔

''اوکے باس!'' وہ مسکراتی ہوئی کچن کی جانب چل دی۔

''ارے ادھر تو آؤ' باہر عید کا چاند نظر آنے کا شور ہورہا ہے' مبارک باد تو لے لو۔'' داعب نے آگے بڑھ کر اسے بانہوں میں لے کر کانوں میں دھیرے سے سرگوشی کی۔

''چاند مبارک'' داعب کی میٹھی سرگوشی اس کی سماعتوں میں امرت بن کر اتر رہی تھی۔

چاند میرے آنچل کا

فرح دیبا

بارش یک دم تیز ہوگئی تھی ہلکی ہلکی بوندوں نے جب تواتر سے برسنا شروع کیا تو ماہا گھبرا گئی۔ ماہا نے سوچا تھا کہ آج رخسار کے گھر جا کر پولیٹیکل سائنس کے پراجیکٹ ختم کرے گی۔ یہ واحد سبجیکٹ تھا جو ماہا کو پسند تو تھا مگر کبھی کبھی کچھ سمجھ سے بالاتر ہو جاتا تو رخسار سے مدد لیتی تھی۔ رخسار کو لاء بہت پسند تھا اور اسی لیے ماہا اس کو وکیل صفائی کہا کرتی تھی۔

آج موسم بہت پیارا تھا' یہ موسم ماہا کو سدا سے پسند تھا' اتنا خوب صورت موسم دیکھ کر ماہا جان بوجھ کر رخسار کے گھر جانے والے مختصر سے راستے کو ترک کر کے قدرے طویل اور پُرسکون راستے پر چل دی اس راستے پر ٹریفک کی آمدورفت بہت کم ہوتی تھی۔ ماہا ہمیشہ کی طرح اپنے خیالات میں گم تھی' اس کے خیالات کی ایک پوری دنیا اس کے اندر آباد تھی۔ وہ اردگرد سے بیگانہ چل رہی تھی کہ پہلی بوند نے اس کے خیالات کا سلسلہ توڑ دیا۔ جب تک وہ خیالات کی نگری سے حقیقت تک پہنچی' بارش کافی تیز ہوگئی اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا وہ کیا کرے۔ دور دور تک بارش کی آواز کے سوا کچھ سنائی نہ دے رہا تھا' سڑک بالکل سنسان تھی۔ یکا یک ایک گاڑی کے بریک زور سے چرچرائے اور ساری خاموشی ہوا ہوگئی۔ شاید گاڑی چلانے والا بھی کسی سوچ میں گم تھا کہ اس کو ساڑھے پانچ فٹ کی لڑکی نظر نہ آئی نتیجتاً وہ گاڑی سے ٹکرا کر سڑک کے درمیان گرگئی۔ گاڑی رک گئی اور اس کو چلانے والا وجود گاڑی سے باہر نکل کر لڑکی کے پاس آ کر کھڑا ہوا۔ لڑکی اوندھے بل سڑک کے درمیان ساکت پڑی تھی۔ گاڑی والا لڑکی کے پاس کھڑا تھا' اِدھر اُدھر دیکھا دور تک کوئی ذی نفس نظر نہیں آرہا تھا۔ کچھ دیر وہ اسی طرح کھڑا رہا۔ بارش مسلسل برس رہی تھی' کچھ سوچنے کے بعد اس نے لڑکی کو اٹھایا۔ اس نے سوچا اس طرح اس لڑکی کو یہاں چھوڑنا مناسب نہیں' لڑکی ابھی تک ہوش و حواس سے بیگانہ تھی۔ اس کو کسی کلینک لے جانا چاہیے۔ نبض چیک کی لیکن نبض قدرے سست رفتار سے چل رہی تھی۔

''شکر ہے زندہ ہے۔'' گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے وہ بڑبڑایا ساتھ ہی اس کی نظر سڑک کے کنارے پڑے کالج بیگ پر پڑی' نیچے اتر کر بیگ اٹھایا اور فرنٹ سیٹ پر رکھ دیا۔ ایک بار مڑ کر لڑکی کی طرف دیکھا وہ ابھی تک ہوش وخرد سے بےخبر تھی۔

ابھی گاڑی چند فرلانگ ہی چلی تھی کہ یکا یک موبائل گنگنایا۔ موسیقی کی ہلکی سی جلترنگ سے گاڑی کے اندر ہلکا سا شور مچ گیا۔

''یس فرقان احمد اسپیکنگ!'' اجنبی آواز سے ماہا کو ہوش آ گیا' وہ حیران اور بےسدھ پچھلی سیٹ پر لیٹی تھی۔ کوئی بہت خوب صورت لہجے میں بات کر رہا تھا آواز میں بہت بےچینی تھی۔

''کیا...... راج ماں کی طبیعت بہت خراب ہے' کیا ہوا؟'' آواز میں پریشانی صاف محسوس ہو رہی تھی۔

''راج ماں کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے' میں بس آرہا ہوں۔'' انہوں نے موبائل آف کر دیا' گاڑی یوٹرن لے کر خطرناک حد تک تیز رفتاری سے چلنا شروع ہوگئی۔ ماہا ابھی تک حیران تھی۔

''میں کہاں ہوں...... یہ سب کیا ہے......!''

''راج ماں آپ کو کچھ نہیں ہوسکتا' آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔ میں آپ کے بغیر نہیں جی سکتا پلیز راج ماں ایسا نہ کریں۔'' فرقان احمد کی آواز ان کی محبت کی شدت کی غماز تھی۔

ان کی زندگی میں راج ماں کی محبت اور شفقت ایک مہربان سائے کی طرح تھی۔ راج ماں کے بغیر زندگی کا تصور بھی محال تھا' فرقان احمد کے لیے ان کا مضبوط ترین رشتہ صرف ان کی دادی ماں تھیں۔ راج ماں نے فرقان احمد کی پرورش میں اپنا آرام سکون سب کچھ قربان کر دیا تھا۔

❀ ❀ ❀

جب سید فرقان احمد کے والد ذیشان احمد اپنے کاروبار کے سلسلے میں یورپ جانے لگے تو بیگم ذیشان احمد ان کے ہمراہ جانا چاہتی تھیں۔ ننھا سا فرقان احمد ابھی ایک سال کا تھا۔ وہ اپنے ہمراہ اس کو لے کر جانا چاہتی تھیں مگر راج ماں کی تو

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

جیسے فرقان احمد کے اندر جان تھی' راج ماں کو اپنے بیٹے ذیشان احمد سے بہت محبت تھی۔ ذیشان احمد کے بعد فیضان احمد اور عثمان احمد کے بعد خدا نے دو بیٹیاں مہر النساء اور زیب النساء عطا کیں مگر بڑی اولاد زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ جب ذیشان احمد اپنے کاروبار میں مصروف ہوگئے تو وہ پہروں ان کی راہ تکتی رہتیں۔ راج ماں کا اصل نام نور النساء تھا' وہ سید عبدالرحمٰن احمد کی پسند تھیں۔ سید عبدالرحمٰن احمد نے بڑے چاؤ اور ارمانوں کے ساتھ اپنی خالہ زاد نور النساء سے شادی کی تھی بلاشبہ دونوں کی جوڑی چاند سورج کی جوڑی تھی۔

نور النساء اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی' بے شمار جائیداد کی تنہا وارث۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ عبدالرحمٰن کی اپنی کافی بڑی جاگیر تھیں' یہ شادی ان کے لیے بہت مبارک ثابت ہوئی۔ خدا نے نور النساء اور عبدالرحمٰن کے نصیب میں بے شمار خوشیاں لکھ دی تھیں۔ محبت اور ارمانوں سے بھرے شادی کے دس سال ان کی گود میں پانچ پھول کھلا گئے۔ شادی کے دس سال جیسے خوشیوں کے جھولے میں جھولتے ہوئے گزرے تھے کہ اچانک بدنصیبی نے پہلا پتھر تاک کر مارا۔ نور النساء کے دل و جان کے مالک ان کے شوہر ایک رات سوتے ہوئے ہمیشہ کے لیے سو گئے۔ پتا ہی نہیں چلا رات کے کس پہر دل نے دھوکا دے دیا' اتنی سی عمر میں ہارٹ اٹیک۔ ان کی جوان موت پر ہر کوئی سکتے میں تھا' اتنی پُرمسرت خوش حال ازدواجی زندگی کا اتنا پُرافسوس انجام۔ نور النساء تو جیسے اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھیں' کتنے دن وہ ایک پتھر کی طرح بے حس پڑی رہیں۔ پھر معصوم بچوں کی آوازوں نے ان کو زندگی کا یا پھر ان کے فرائض کا احساس دلایا پھر تو جیسے نور النساء صرف ایک ماں بن گئیں۔ جن کے صرف فرائض ہی فرائض تھے' ان کی زندگی کام اور صرف کام بن کر رہ گئی تھی۔ ساری جائیداد کاروبار کی دیکھ بھال' بچوں کی تعلیم و تربیت بس ان کی زندگی کا مقصد صرف یہی تھا۔ وہ بچے جن کے تابناک مستقبل کے خواب دونوں نے دیکھے تھے ان کو اب نور النساء نے تنہا پورا کرنا تھا۔

وسیع جائیداد بے شمار زرعی زمینیں اور تین عالی شان محل سب کچھ تھا جن کی دیکھ بھال کرتے کرتے اور بچوں کی پرورش بچوں کی تعلیم و تربیت کرتے ہوئے پتا نہیں چلا کب ماہ و سال نے نازک سی نور النساء کو راج ماں بنا دیا۔ وہ اپنے بچوں کے لیے گھنا سایہ بن گئیں۔ وقت' کا کڑا ہاتھ کچھ نرم ہوا' راج ماں کی زیر تربیت سب بچے بہت فرماں بردار' نیک اور لائق تھے جب پہلی بار راج ماں نے اپنے ساتھ ذیشان احمد کو چلتا پایا تو خود کو ایک مضبوط چٹان سمجھا پھر ذیشان احمد کی شادی اس کی پسند اور اپنی رضامندی سے کی تھی۔ ذیشان احمد کی دلہن عائقہ ان کے خاندانی وکیل کی خوب صورت لائق فائق اور خوب سیرت بیٹی تھی۔ جو ان کے خاندان کے طور طریقے اچھی طرح جانتی تھی۔ ذیشان احمد کو اپنی دلہن بہت پسند تھی وہ دونوں ہم مزاج تھے' دونوں کو ادب اور سیاحت سے بہت شغف تھا۔ شادی کے ایک سال بعد خدا نے ان کو بیٹا عطا کیا' راج ماں نے خود اس کا نام سید فرقان احمد رکھا۔

فرقان احمد اپنے باپ اور دادا کا امتزاج تھا' باپ کی طرح سرخ و سفید' دادا کی طرح سنہری بال اور سنہری براؤن آنکھیں فرقان احمد بلاشبہ پورے خاندان کا خوب صورت ترین بچہ تھا۔ راج ماں کی پوری دنیا صرف فرقان احمد تھے' ذیشان احمد کے بعد راج ماں صرف فرقان احمد کی ہوگئیں۔ سارا کاروبار دوسرے دونوں بیٹوں فیضان احمد اور عثمان احمد کے سپرد کر دیا اور خود راج ماں اور فرقان احمد دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہوگئے۔

جب ذیشان احمد عائقہ کے ساتھ یورپ گئے تو راج ماں نے فرقان کو نہ جانے دیا۔ مگر وقت نے ایک بار پھر پرانا کھیل کھیلا اب کی بار اس کا نشانہ ان کا بیٹا اور بہو تھیں۔ جس جہاز پر وہ گئے تھے وہ جہاز پرواز کرنے کے ایک گھنٹہ بعد ہی گر کر تباہ ہوگیا اور سارے مسافر ایک پل میں اپنے پیاروں سے ہمیشہ کے لیے جدا ہوگئے۔ راج ماں کے زخم ہرے ہوگئے ان کے لیے ایک بار پھر سنبھلنا مشکل ہوگیا مگر ننھے سے فرقان احمد کی شکل میں خدا نے ان کو پھر ایک ذمہ داری کا احساس دلایا۔ خدا نے ان کے سپرد ننھا فرقان کیا تھا' جس کے اس دنیا میں ماں باپ نہ تھے مگر محبت کرنے والی دادی تو تھی۔ پھر تو بس جیسے راج ماں کی ساری دنیا فرقان احمد بن گئے۔ راج ماں اب فرقان احمد کی ماں باپ' دادی' دوست سب کچھ بن گئیں۔

راج ماں نے فرقان احمد کی تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھا' فرقان احمد اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ راج ماں ان کی ساری کائنات تھیں' اس لیے راج ماں کی بیماری ان کے لیے کسی جان لیوا صدمے سے کم نہ تھی۔ اس شام کو اپنے کاروبار کے

سلسلے میں چار دن بعد دوسرے شہر سے واپس آرہے تھے وہ جلد از جلد راج ماں کے پاس پہنچنا چاہتے تھے۔ راج ماں کی بیماری کا فون سن کر ان کے ہوش اڑ گئے وہ خطرناک حد تک تیز رفتاری سے راج محل پہنچے۔

ان کے فیملی ڈاکٹر شوکت حسین ایک طرف خاموش کھڑے تھے ان کے سامنے راج ماں کی ساری زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح تھیں۔ ڈاکٹر شوکت حسین ان کی زندگی کی تمام مشکلات سے باخبر تھے اور وہ یہ بات بھی جانتے تھے کہ راج ماں کا مضبوط دل اب تکالیف اور مشکلات سہتے سہتے عمر کے ساتھ ساتھ بہت نازک ہوگیا تھا کہ اب کوئی مشکل اور گرم ہوا کا ایک جھونکا بھی ان کے لیے کسی بڑے خطرناک صدمے سے کم نہ تھا۔ فرقان احمد پورچ میں گاڑی روک کر تیزی سے راج ماں کے وسیع و عریض بیڈ روم میں داخل ہوگئے۔ پریشانی ان کے چہرے پر ہویدا تھی۔ راج ماں اپنے بیڈ پر خاموش لیٹی تھیں ان کی آنکھیں دروازے پر کسی کی متلاشی تھیں فرقان احمد کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں چمک آئی اور وہ تھوڑا سا مسکرائیں۔

سارا کمرہ بیٹیوں بہوؤں نواسوں سے بھرا ہوا تھا صرف فرقان احمد کی کمی تھی جوان کے آنے سے پوری ہوگئی تھی۔

"راج ماں آپ کو کیا ہوگیا ہے؟" وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر بیڈ پر بیٹھ گئے۔ فرقان احمد کی آنکھیں سب سے شکایت کررہی تھیں وہ چار دن پہلے گئے تھے تو راج ماں بالکل ٹھیک تھیں پھر اچانک یہ کیسے ہوگیا؟ ڈاکٹر شوکت حسین نے فرقان احمد کے کندھے پر ہاتھ رکھا فرقان احمد نے انہیں دیکھا۔

"انکل! ماں کو کیا ہوگیا؟ مجھے اطلاع کیوں نہ دی میں اسی ملک میں تھا۔" ایک ہی سانس میں بہت سے سوال مچلے۔ ڈاکٹر شوکت حسین فرقان احمد کو کمرے ایک کونے میں لے آئے پھر بہت آرام سے بولے۔

"فرقان بیٹا! میرے لیے یہ گھر اپنے گھر جیسا ہے بھابی کی ساری زندگی میرے سامنے گزری ہے۔ میں نہ صرف تمہارے دادا ابو کا دوست بلکہ ان کا خاندانی ڈاکٹر بھی ہوں۔ بھابی نے ساری زندگی بہت بہادری اور عقل مندی سے گزاری مگر اب ان کا دل بہت تھک گیا ہے۔ بھابی کو دو ہارٹ اٹیک ہوچکے ہیں۔ انہوں نے کسی کو پتا نہیں لگنے دیا خدا نے ان کو ہر ذمہ داری سے فارغ کیا ہے صرف تم ابھی تک تنہا ہو۔ ان کی بڑی خواہش ہے تم اب شادی کرلو۔"

فرقان احمد کو معلوم تھا کہ دادی ماں کی یہ تمنا ہے کہ اب وہ شادی کرلیں مگر فرقان احمد ٹال مٹول کررہے تھے۔ انہوں نے ابھی اس بارے میں کچھ نہیں سوچا تھا۔ راج ماں کی محبت اور شفقت نے ان کی زندگی میں کوئی کمی نہ چھوڑی تھی۔

"انکل یہ بات اس موقع پر...... آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" فرقان احمد حیران اور پریشان تھے۔

"بیٹے یہ ان کی وصیت ہے اور یہ فرض ہے میری ذمہ داری ہے۔ تمہاری پھوپو کی لڑکیاں بے حد سمجھ دار اور خوب صورت و خوب سیرت ہیں اس کے علاوہ خاندان کی بے شمار لڑکیاں تمہاری منتظر ہیں مگر شاید تم کو ان سب میں سے کوئی پسند نہیں۔ تمہاری پسند کوئی اور ہے راج ماں کو تو تمہاری پسند منظور ہے کہ میں تمہاری پسند کی لڑکی سے تمہاری شادی کردا دوں۔ تم اس جاگیر کے وارث ہو اپنے ماں باپ کی جائیداد کے تنہا وارث ہو اور راج ماں نے بھی اپنی ساری جائیداد تمہارے نام کردی ہے۔ اب تم بتاؤ تمہاری پسند کی لڑکی کون ہے؟" فرقان احمد کو کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا سوائے اس کے کہ ان کی عزیز ترین راج ماں ان کی شادی کی اس قدر خواہش مند ہیں۔ ان کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کس کا نام لیں صرف اپنی راج ماں کو خوش کرنے کے لیے اس وقت ان کی نظر صرف اپنی راج ماں پر تھی۔ فرقان احمد نے تعلیم کے بعد خاندانی کاروباری کی طرف توجہ دی اور گھر راج ماں کی محبت اور ان کا پیار ان کی زندگی پر محیط تھا اور کوئی خواہش نہ تھی ابھی تک ان کو کوئی لڑکی پسند نہ آئی تھی نہ کسی کے بارے میں انہوں نے اس انداز میں سوچا تھا مگر اب راج ماں کی حالت دیکھ کر ان کا بس نہیں چل رہا تھا۔ وہ کسی بھی لڑکی سے شادی کرکے اپنی راج ماں کو خوشیاں دے دیں۔

سوچوں کا سلسلہ شور سے ٹوٹا راج ماں کچھ بول رہی تھیں سب راج ماں کے بیڈ کے اردگرد اکٹھے ہوگئے۔

"فرقان بیٹے......" راج ماں کی بہت کمزوری آواز سنائی دی۔ فرقان احمد بہت تیزی سے راج ماں کے پاس پہنچے ان کا کمزور سا ہاتھ پکڑ کر اپنی آنکھوں سے لگایا ہاتھ پر نمی آگئی۔

"بیٹے تم ٹھیک ہو؟" راج ماں کی آواز میں محبت اور تشویش تھی۔

"راج ماں میں بالکل ٹھیک ہوں مگر آپ نے اپنی کیا

حالت بنالی ہے؟"
"میں بالکل ٹھیک ہوں۔"
"راج ماں یہ لڑکی......" کمرے میں موجود سب افراد کی نظریں یک دم آواز کی جانب اٹھ گئیں۔ دروازے پر پھوپو زیب النساء کی بیٹی کھڑی تھی۔ اس کے ساتھ ایک کم عمر حیران اور پریشان لڑکی تھی۔
"یہ لڑکی کون ہے؟" راج ماں نے پوچھا۔
"راج ماں! یہ لڑکی ماموں فرقان احمد کے ساتھ آئی ہے شاید آپ کو ملانے کے لیے لائے تھے۔" سب نے اپنی طرف سے یہ سوچا اور وہ لڑکی حیران و پریشان یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی جب فرقان گاڑی اڑاتے ہوئے راج محل پہنچے تو وہ ساکت رہ گئی۔ فرقان احمد نے تو جلدی سے دروازہ کھولا اور اندر بھاگے انہیں اپنا ہوش نہ تھا' یہ لڑکی تو ان کو بالکل بھی یاد نہ رہی۔
"بیٹا یہ وہی لڑکی ہے جو تجھے پسند ہے؟" راج ماں کا سوال ہزاروں خوشیاں لیے ہوئے تھا' ان کی بجھتی ہوئی آنکھوں میں ستاروں کی سی چمک آ گئی۔
سید فرقان احمد ابھی تک حیران کھڑے تھے' یہ کیا ہو رہا ہے یہ لڑکی...... اُف...... ان کو بالکل یاد نہیں رہا تھا کہ راستے میں ان کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔ راج ماں کی بیماری نے ان کے ہوش اڑا دیئے تھے اور اب یہ حالات...... انہوں نے اس لڑکی کی طرف دیکھا جس کو وہ جانتے تک نہ تھے نہ ہی اس کا نام معلوم تھا۔ وہ کون ہے' کہاں رہتی ہے کچھ پتا نہیں۔ یک دم شور نے ان کو خیالات سے باہر پھینکا' راج ماں کی طبیعت پھر بگڑ رہی تھی۔ ڈاکٹر صاحب اپنے علاج میں پھر مصروف ہوگئے۔ راج ماں کی سانسیں تیز تیز چلنا شروع ہوگئیں۔ اچانک ڈاکٹر شوکت حسین سید فرقان احمد کے پاس آئے اور بولے۔
"دیکھو فرقان احمد! جب آپ نے لڑکی پسند کرلی ہے تو بھابی کی آخری خواہش پوری کردو۔ انہوں نے تمہاری دلہن کی چاہ میں زندگی کی سانسیں بچا رکھی تھیں پلیز فرقان کچھ کرو' دیر نہ کرو۔"
"فرقان احمد......" راج ماں کے لبوں پر ان کا نام تھا۔
"جی راج ماں بولیے میں آپ کے پاس ہوں۔"
"بیٹے اس لڑکی کو میرے پاس لاؤ۔" زیب النساء اس حیران و پریشان نازک سی لڑکی کو راج ماں کے بیڈ کے پاس لے آئیں۔ راج ماں نے اس لڑکی کو دیکھا پھر سکون سے مسکرائیں۔
"ماشاء اللہ تم میرے فرقان احمد کی پسند ہو' تم میری بہو ہو۔ تم ہی میرے فرقان احمد کی دلہن بنو گی' اب اس کو دلہن بناؤ' ابھی نکاح ہوگا۔"
"جی نکاح......" ماہا کا دماغ سن ہوگیا' یہ کیا ہو رہا ہے' کیا یہ کوئی خواب ہے...... کوئی حادثہ ہے' کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔
بڑی پھوپو وقار النساء نے ماہا کو دیکھا کچھ سوچا پھر فرقان احمد کی طرف دیکھا ان کی بہت تمنا تھی کہ ان کی پیاری سی اکلوتی نند فرقان احمد کی بیوی بنے مگر...... اب ایک نظر اپنی بیمار اور لب دم ماں کی طرف دیکھا۔ دل نے ایک فیصلہ کیا دیکھنے میں لڑکی کسی شریف اور متوسط گھرانے کی لگتی تھی۔ کم عمر سی' بہت خوب صورت اور نازک سی یہ لڑکی فرقان احمد کی پسند تھی۔ جس نے زندگی میں صرف کام اور کام ہی کیا' کسی سے کچھ نہ مانگا تھا سب کی ہر موقع پر مدد کی اب فرقان احمد کو ان سب کی ضرورت تھی۔
وقار النساء کی فرقان احمد کے ساتھ بہت بنتی تھی' انہوں نے فرقان احمد کی طرف دیکھا وہ بھی ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وقار النساء کو لگا جیسے فرقان احمد ان سے مدد مانگ رہے ہیں' کچھ کہنا چاہ رہے تھے۔ وقار النساء آگے بڑھ کر ماہا کو لے کر راج ماں کے بیڈ کے پاس کھڑے فرقان احمد کے پاس لے گئیں اور پھر پل بھر میں فیصلہ ہوگیا۔
"راج ماں فرقان احمد کی پسند آپ کی بہو بنے گی' یہ دلہن بنے گی ابھی اور اسی وقت......" وقار النساء کی آواز کسی نقارے سے کم نہ تھی' فرقان احمد حیران ہوگئے۔ ماہا کے پاؤں تلے زمین نکل گئی' وہ بولنا چاہتی تھی مگر آواز ساتھ نہ دے رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی یہ لوگ کون ہیں اور اسے کیا سمجھ رہے ہیں۔ وقار النساء نے اپنی بڑی بیٹی رعنا کو بلایا۔
"جلدی سے اس لڑکی کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور نکاح کی تیاری کرو' میں ابھی آ رہی ہوں۔ تم اسے فرقان احمد کے کمرے میں لے جاؤ۔" فرقان احمد کی بات کوئی نہیں سن رہا تھا وہ بار بار کہہ رہا تھا۔
"پھوپو جانی یہ بات نہیں...... میری بات سنیں۔"

کمرے میں ہلچل مچ گئی‘ راج ماں قدرے پُرسکون نظر آرہی تھیں نبض بھی کچھ معمول کے مطابق چل رہی تھی۔ فرقان احمد کی بار بار تکرار سن کر ڈاکٹر شوکت حسین نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا‘ ان کی آنکھیں جیسے فرقان احمد سے التجا کررہی تھیں ”بیٹے مان جاؤ“ ان کی آواز میں باپ جیسا درد تھا۔

فرقان احمد کی تربیت میں بڑوں اور بزرگوں کا ادب و احترام بدرجہ اتم موجود تھا۔ وہ بے بسی سے خاموش ہوکر رہ گئے۔ وقارالنساء ماہا کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے باہر لے گئیں۔ ماہا کا ہاتھ تھام کر ان کو احساس ہوا کہ اس کا ہاتھ بے حد سرد ہے‘ انہوں نے بہت محبت وشفقت سے اس کا ہاتھ دبایا جیسے کہہ رہی ہوں ”فکر نہ کرو‘ گھبراؤ نہیں‘ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔“

پل بھر میں پورے راج محل میں روشنی کی طرح یہ بات پھیل گئی‘ سید فرقان احمد اپنی پسند کی لڑکی سے شادی کررہے ہیں۔ سارے راج محل میں خوشیوں اور حیرتوں کا شور مچ گیا۔ کسی کی نظر میں خوشی‘ کسی کی نگاہ میں تعجب‘ کوئی چشم حسرت سے ماہا کو دیکھ اور پرکھ رہا تھا۔ یہ نازک سی‘ مناسب قد خوب صورت نقوش‘ ہلکی براؤن آنکھوں اور سیدھے لمبے بالوں لڑکی سب سے جیت گئی۔ لڑکی کے چہرے پر پھیلی معصومیت اور شرافت بتارہی تھی کہ اس کا تعلق کسی اچھے خاندان سے ہے اس کی آنکھوں میں حیرانگی کا عنصر نمایاں تھا۔

ماہا کو فوراً عروسی جوڑا پہنایا گیا‘ یہ جوڑا فرقان احمد کی والدہ کا تھا جب وہ دلہن بن کر اس گھر میں آئی تھیں۔ یہ ان کی خاندانی روایت تھی کہ بڑی بہو کو ساس کا عروسی جوڑا پہنایا جاتا تھا۔ بھاری آتشی کامدار لہنگا جب کہ بارڈر پنک کلر کا تھا۔ وہ اس عروسی جوڑے میں ملبوس بہت سی نظروں کا شکار تھی۔ ماہا کے چاروں طرف اجنبی مگر مہربان چہرے تھے‘ ہر کوئی اس کو دیکھ رہا تھا۔ ماہا کے لیے یہ سب ایک خواب تھا وہ ایک چھوٹے سے گھر میں اپنی خالہ کے ساتھ رہ رہی تھی جب سے ہوش سنبھالا صرف خالہ کو دیکھا‘ خالہ بہت سخت مزاج تھیں۔ ماہا خالہ کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاسکتی تھی۔ آج اتفاقاً ایسا ہوا کہ ماہا خالہ بتول سے اجازت لے کر رخسار کے گھر اپنے نوٹس مکمل کرنے کے لیے نکلی تھی۔ بڑی سی چادر اوڑھ کر جاتی ماہا کو بتول نے دو گھنٹے کے اندر اندر واپس آنے کا حکم دیا۔ ابھی ماہا کو گئے بمشکل آدھ گھنٹہ ہوا تھا کہ بتول کو اس کے گھر سے فون آگیا کہ اس کے بڑے بھائی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے اور وہ بہت سیریس حالت میں ہسپتال میں ہیں۔

بتول گھر کو لاک کرکے چابی حسب معمول بڑے گملے کے نیچے رکھ کر ہسپتال بھاگی‘ باپ کے بعد بڑا بھائی اس کو بہت پیارا تھا۔ ویسے بھی اس کی زندگی میں رشتوں کی بہت کمی تھی‘ بتول کو کسی چیز کا ہوش نہ رہا۔

رخسار کی ماں بتول کی بہت اچھی دوست تھیں‘ رخسار ان کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اس لیے بتول کو ماہا کے ان کے گھر جانے پر کوئی اعتراض نہ تھا مگر واپس جلدی آنا ہوتا تھا مگر آج ماہا کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھی۔ یکایک کسی نے اس کا کندھا ہلایا تو وہ چونکی۔

”بولو بیٹی تمہارا نام کیا ہے؟“ وہ یک دم ہوش میں آگئی۔ اس کے چاروں طرف اجنبی لوگ کھڑے تھے‘ ایک نرم مسکراہٹ والی شفیق سی عورت اس سے پوچھ رہی تھی۔

”گھبراؤ نہیں اپنا نام بتاؤ؟“ انہوں نے اپنا سوال پھر دہرایا۔

”ماہا بیگ......“

”ماشاء اللہ چاند سی لڑکی کا چاند سا نام۔“ ایک شرارتی سا لڑکا بولا اس نے مڑ کر دیکھا۔

”عمیر! تمہارے ماموں کی دلہن ہے‘ ذرا ادب سے نام لو۔“ وہی خاتون پھر بولی‘ دوسری عورت نے کہا۔

”وقارالنساء! عمیر تو سدا سے نٹ کھٹ ہے۔ ہمارے خاندان کا سب سے شرارتی لڑکا ہے اس کے بغیر تو گھر میں رونق نہیں ہوتی‘ بولنے دو‘ کسی کو مسکرانے دو۔ بہت پریشانی اٹھائی ہے اب کچھ ماحول بدل جانے دو۔“ زیب النساء بھی مسکرادی۔

ماہا کی معصومیت اور سادگی غضب کی تھی‘ زیب النساء کی بیٹی ثناء نے ہلکا پھلکا میک اپ کردیا تھا۔ اس کا سرخ وسفید رنگ عروسی جوڑے کے آتشی رنگ کے ساتھ آتش کی طرح دمک رہا تھا۔

ماہا کو دلہن بنا کر راج ماں کے کمرے میں لے جایا گیا‘ صوفے پر مولوی ضیاء الحق جو راج محل کی مسجد کے امام تھے بیٹھے ہوئے تھے ان کے ساتھ فرقان احمد اور ان کے چچا فیضان احمد بیٹھے ہوئے تھے۔ سب بہت سنجیدہ اور مطمئن نظر آرہے تھے۔

"ماہا بیگ! تمہیں سید فرقان احمد بحق مہر سکہ رائج الوقت ایک لاکھ قبول ہے۔" مولوی صاحب نہایت نرم آواز میں ماہا سے پوچھ رہے تھے اور ماہا ان کی آواز سن رہی تھی مگر لگتا تھا جسم میں جان نہیں ذہن میں کوئی خیال نہیں۔ کیا یہ خواب ہے یہ کیا ہے..... کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ تیسری بار جب مولوی صاحب نے اپنا سوال دہرایا تو کمرے میں بالکل خاموشی چھا گئی۔ سب ماہا کے جھکے ہوئے سر کی طرف دیکھ رہے تھے اور فرقان احمد حیرت سے سب کو تک رہے تھے۔ یکا یک راج ماں کی کمزور سی آواز سنائی دی۔

"بیٹی گھبراؤ نہیں ہم نے تم کو دل سے قبول کرلیا ہے تم بھی قبول کرلو۔" وقار النساء نے آگے بڑھ کر ماہا کے یخ بستہ ہاتھ اپنے نرم اور شفیق ہاتھوں میں لے کر دبائے ماہا نے ایک دم نظریں اوپر اٹھائیں وقار النساء نے کہا۔

"بولو بیٹی! قبول ہے؟"

جی..... "غیر ارادی طور پر ماہا کے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے اور مبارک سلامت کا شور مچ گیا۔ راج ماں کے چہرے پر اطمینان اور خوشی کا ملا جلا ردعمل نظر آ رہا تھا۔ سارا کمرہ خوشیوں سے جگمگا گیا ان سب کے درمیان ماہا بالکل خاموش بیٹھی تھی۔

راج ماں کو زیب النساء اور وقار النساء نے ہاتھ چوم کر مبارک دی انہوں نے دونوں بیٹیوں کو دیکھا کمرے میں چاروں طرف ان کے بیٹے بیٹیاں نواسے نواسیاں پوتے پوتیاں سب مسرور اور خوش نظر آ رہے تھے۔ راج ماں کی بیماری نے سب کو نڈھال کر ڈالا تھا اب سب شادماں تھے۔ یہ دل بھی عجیب چیز ہے نہ زیادہ غم برداشت کرسکتا ہے اور نہ ہی زیادہ خوشی سہہ سکتا ہے۔ راج ماں کا کمزور دل یہ اتنی بڑی تمنا اتنی بڑی خوشی کی تکمیل نہ سہہ رہا تھا ان کے دل کی دھڑکن ایک بار پھر بے ترتیب ہوگئی۔ ڈاکٹر شوکت حسین جو راج ماں کو دیکھ رہے تھے فوراً راج ماں کے پاس پہنچے ان کی نبض چیک کرنے لگے۔ خوشیوں کی آواز آہستہ آہستہ مدھم ہونے لگیں زیب النساء کی بڑی بیٹی ثناء نے ماہا کا ہاتھ پکڑ کر کرسی سے اٹھایا اور ماں کے کہنے پر ایک کونے میں کھڑی ہوگئی۔ فرقان احمد اپنی راج ماں کا ہاتھ پکڑے حیران پریشان ان کو دیکھ رہے تھے۔ راج ماں کے چہرے پر خوشی اور اطمینان تھا فرقان احمد نے راج ماں کے کان کے پاس جا کر سرگوشی کی۔

"راج ماں میں نے آپ کی خوشی پوری کردی ہے اب آپ مجھے اداس نہ ہونے دینا..... مجھے اکیلا نہ چھوڑنا۔" فرقان کی آواز ان کے جذبات کی عکاسی کر رہی تھی۔ راج ماں نے آہستہ سے اپنی آنکھیں کھولیں فرقان احمد کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں۔

"فکر نہ کرو بیٹے میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتی میں تمہارے ساتھ ہوں۔" ڈاکٹر نے چیک کرنے کے بعد ان کو سکون کا انجکشن لگا دیا ان کی حالت بتدریج سنبھل رہی تھی۔ ڈاکٹر کے چہرے پر سکون نظر آ رہا تھا تقریباً ایک گھنٹے بعد راج ماں کی حالت خطرے سے باہر ہوگئی۔ سب کی جان میں جان آ گئی۔ زیب النساء کو احساس ہوا کہ نئی دلہن کہاں ہے انہوں نے کمرے میں نظر دوڑائی تو ماہا ثناء کے ساتھ کمرے کے ایک کونے میں سہمی حیران و پریشان نظر آئی وہ اس تک پہنچیں۔

"دلہن کو فرقان کے کمرے میں لے جاؤ۔" زیب النساء نے کہا تو ثناء ماہا کا ہاتھ تھام کر اس کو فرقان احمد کے کمرے میں لے گئی۔

ڈارک براؤن کلر کا بڑا سا بیڈ بڑی سی الماری اور خوب صورت ڈریسنگ ٹیبل جس پر مختلف طرح کے پرفیوم رکھے تھے۔ لائٹ براؤن پرنٹ کے پردے بڑی بڑی کھڑکیوں پر آویزاں تھے۔ بیڈ کے دونوں سائیڈ کے ٹیبل پر لیمپ کی ہلکی ہلکی روشنی کمرے میں بکھر رہی تھی کمرے میں بہت دلفریب خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ ثناء نے کمرے کے درمیان لگا بہت بڑا فانوس روشن کردیا تو چاروں طرف روشنی ہی روشنی ہوگئی۔ ایک طرف لائٹ براؤن صوفہ تھا جس پر ڈارک براؤن پھولوں کے مزین کشن رکھے تھے۔ کمرہ اپنے مکین کی سنجیدگی کا پتا دے رہا تھا کمرے کے فرش پر دبیز لائٹ اور ڈارک کلر کا قالین تھا جب ماہا نے اس پر قدم رکھا تو اس کی سنہری سینڈل کی آدھی ہیل قالین میں دب گئی۔ ماہا دھیمے قدموں سے چلتی ہوئی ثناء کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی اور صوفے پر بیٹھ گئی۔ ثناء کچھ دیر خاموش کھڑی رہی۔

"میں نہیں جانتی آپ فرقان کو کتنا جانتی ہیں وہ بہت نرم دل ہیں۔ آپ کی اور ان کی عمر میں کافی فرق ہے آپ میں کوئی بات ہوگی جو انہوں نے آپ کو پسند کیا۔ وہ بہت اچھے ہیں اور وہ کسی کو تکلیف نہیں دے سکتے آپ کو بہت خوش

رکھیں گے۔'' ابھی ثناء اتنا کہہ پائی تھی کہ باہر شور مچ گیا' ثناء باہر بھاگی۔ راج ماں کو اسپتال شفٹ کیا جارہا تھا' ڈاکٹر کی رائے تھی کہ ان کو بہترین سہولت اسپتال میں مل سکتی ہیں۔

ماہا کمرے میں اکیلی رہ گئی' ساری لڑکیاں قرآن پاک پڑھنا شروع ہوگئیں' راج ماں کی محبت اور شفقت سب کے دلوں میں تھی۔ رات کے دو بج رہے تھے' ماہا کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی' صوفے پر بیٹھے بیٹھے ماہا کی کمر اکڑ گئی تھی۔ وہ بے چاری کہاں پھنس گئی تھی نہ وہ ان لوگوں کو جانتی تھی اور نہ ہی وہ اس کو جانتے تھے۔ ایک عجیب سی غلط فہمی نے زندگی بدل دی تھی۔ گھر سے نکلی تھی رخسار کے گھر جانے کے لیے پڑھائی کے لیے اور نکاح کے بندھن میں بندھ گئی۔ وہ معمولی سا حادثہ زندگی کے کس مقام پر لے آیا تھا۔

''پتا نہیں خالہ مجھے کہاں کہاں تلاش کررہی ہوں گی۔'' ساری زندگی خالہ بتول کے علاوہ اس نے اور کوئی رشتہ نہیں دیکھا تھا۔

''پتا نہیں خالہ کیا کررہی ہوں گی...... کتنی پریشان ہوں گی' میں کیا کروں......'' ساری رات اسی کشمکش میں گزر گئی۔

صبح کے چار بجے ایک دم کوئی کمرے میں داخل ہوا' جلدی سے اندر آکر واش روم کا رخ کیا۔ آہٹ سے صوفے پر بیٹھی ماہا کی آنکھ کھل گئی' واش روم سے نکل کر فرقان نے اپنے لیے ایک سوٹ نکال کر بیڈ پر رکھا' موبائل کی دھیمی سی موسیقی بجتے ہی انہوں نے فون آن کیا۔

''ییس انکل بولیے...... ٹھیک ہے' اگر آپ سمجھتے ہیں کہ راج ماں کا علاج لندن میں زیادہ بہتر ہوسکتا ہے تو آپ تیاری کریں۔ میں فلائٹ دیکھتا ہوں' میں ساتھ جاؤں گا' جی ہاں آپ تو ساتھ چل رہے ہیں' اوکے۔'' انہوں نے کال منقطع کی۔

اچانک ان کو احساس ہوا' کمرے میں ان کے علاوہ کوئی اور بھی ہے انہوں نے نظر گھما کر دیکھا تو صوفے پر دلہن کے لباس میں ملبوس ایک لڑکی ان کی طرف حیرت سے تک رہی تھی۔

''تم کون ہو؟'' فرقان احمد حیرت زدہ تھے پھر اچانک ان کو سب کچھ یاد آگیا کہ پچھلے پانچ چھ گھنٹے سے ان کی زندگی میں کیا کیا ہوگیا ہے۔ ماہا کھڑی ہوگئی۔

''دیکھو مجھے نہیں پتا تم کون ہو...... کہاں رہتی ہو؟ حالات اس طرح ہوگئے کہ میں تم سے نکاح کرنے پر مجبور ہوگیا اور اب میں راج ماں کو علاج کے لیے لندن لے کر جارہا ہوں۔ یہاں سب پریشان ہیں' تمہارے گھر والے بھی یقیناً پریشان ہوں گے' تم جلدی سے کپڑے بدل لو میں تمہیں تمہارے گھر پہنچا دیتا ہوں پلیز جلدی کرو' وقت بہت کم ہے۔'' ماہا ساکت کھڑی تھی' فرقان احمد آہستگی سے اس کے قریب جاکر بولے۔

''یہ میرا کارڈ ہے' اپنے پاس رکھ لو۔ یہ پریشانی کم ہوتی ہے تو میں جلد تم سے رابطہ کروں گا۔ اس پر میرا فون نمبر لکھا ہے' کوئی بھی بات کرنی ہو تو مجھے کال کرنا۔ یہ میرا انٹرنیشنل نمبر ہے' تم کسی وقت بھی بات کرسکتی ہو۔ میں جہاں بھی ہوا تم سے رابطہ کرلوں گا اور اب پلیز جلدی کرو تمہارا اپنا لباس کہاں ہے؟''

''پتا نہیں۔'' ماہا کے منہ سے صرف یہی نکلا۔

''اوکے میں چادر وغیرہ کا انتظام کرتا ہوں۔'' فرقان احمد جلدی سے کمرے سے باہر نکل گئے' تھوڑی دیر بعد وہ ایک کالے رنگ کا عبایا لے کر آئے ماہا نے عبایا پہنا تو فرقان احمد نے کہا۔

''پلیز یہ زیورات مجھے دے دیجیے' یہ ہمارے خاندانی زیورات ہیں۔'' ماہا نے خاموشی سے سارے زیورات اتار دیئے۔ فرقان احمد نے سارے زیورات الماری کے اندر سیف میں رکھ دیئے۔

''چلو جلدی' تم کو تمہارے گھر چھوڑ دوں پھر سیٹ بھی کنفرم کروانے جانا ہے۔'' فرقان احمد اس کو لے کر گاڑی میں بیٹھے' ماہا گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی' فرقان احمد نے گاڑی اسٹارٹ کی اور راج محل سے باہر نکل گئے۔ ابھی تک اندھیرا تھا' صبح کے پانچ بج رہے تھے' مسجدوں سے اذانِ فجر کی صدائیں آرہی تھیں۔

''تم کہاں رہتی ہو؟'' فرقان احمد نے کافی دیر ڈرائیو کرنے کے بعد پوچھا۔ ماہا کو راستے کا کچھ پتا نہیں تھا' صرف اپنے محلے اور گلی کا نمبر یاد تھا اس نے ان کو بتایا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ مطلوبہ پتے پر پہنچ گئی' گلی میں سناٹا تھا' ہلکا ہلکا سویرا ہورہا تھا۔

ماہا نے پچھلا دروازہ کھولا' فرقان احمد باہر نکلے انہوں نے پہلی بار اپنی منکوحہ کو غور سے دیکھا' وہ بیس سال کی معصوم سی

لڑکی گھبرا رہی تھی' کانپ رہی تھی کہ گھر کیسے جائے گی۔ خالہ کو کیا بتائے گی کہ اس کے ساتھ کیا ہوا' وہ رات بھر کہاں رہی۔ فرقان احمد کو احساس تھا کہ ایک جوان لڑکی پوری رات گھر سے باہر ہو تو گھر والے اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔

''گھر میں کون کون رہتا ہے؟'' فرقان احمد نے اس کے ساتھ چلتے چلتے پوچھا۔

''صرف میری خالہ۔'' ماہا کی آواز بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ فرقان احمد نے مڑ کر دیکھا' ماہا اپنے دھیان میں چل رہی تھی۔ فرقان احمد کے رکنے پر وہ ان سے ٹکرا گئی۔ فرقان احمد نے ماہا کو گرنے سے بچانے کے لیے اس کو سنبھالا۔ ماہا کا نازک سا ہاتھ فرقان احمد کے مضبوط اور گرم ہاتھوں میں تھا۔ اس نے گھبرا کر ان کو دیکھا' یہ ماہا اور فرقان احمد کی نظروں کا پہلا تصادم تھا۔ دونوں خاموش ایک دوسرے کو تکتے رہے' اچانک کسی گھر سے چھوٹے بچے کی رونے کی آواز نے دونوں کو چونکا دیا۔ فرقان احمد نے ماہا کا ہاتھ آہستگی سے چھوڑ دیا۔

''تمہارا گھر کون سا ہے؟''

''وہ چوتھے نمبر والا' گرین کلر کا گیٹ۔'' جب وہ گیٹ تک پہنچے تو گیٹ پر تالا تھا' ماہا سوچنے لگی یقیناً خالہ اس کو ڈھونڈنے نکل گئی ہوں گی۔ فرقان احمد گیٹ پر تالے کو دیکھ رہے تھے' ماہا نے آگے بڑھ کر تالے کو آگے پیچھے گھمایا تو تالا کھل گیا۔ گیٹ کھول کر ماہا اندر داخل ہوئی تو فرقان احمد بھی ساتھ چل دیئے' اندر چھوٹا سا صحن تھا اور ایک بند دروازہ تھا جس پر جدید تالا تھا جو چابی سے کھلتا۔ فرقان احمد نے ماہا کو دیکھا ماہا نے صحن میں پڑے بہت سے پھولوں کے گملوں میں سے گلاب کے گملے کے نیچے سے چابی نکال کر دروازہ کھولا' سامنے خالہ بتول کا لکھا پرچہ پڑا تھا۔

''ماہا...... میرے بڑے بھائی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے' میں اسپتال جا رہی ہوں جلدی آ جاؤں گی' اندر سے دروازہ بند کر لینا' تمہاری خالہ۔'' جب بھی کہیں جانا ہوتا تو وہ ایک دوسرے کو اسی طرح نوٹ لکھ کر مطلع کر دیتی تھیں۔ خالہ بتول کا یہ نوٹ فرقان احمد نے پڑھ لیا تھا' گھر کو دیکھ کر لگتا تھا کہ متوسط طبقے کا گھر ہے۔ صاف ستھرا اور ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ ایک چھوٹا سا فریج اور ٹی وی اس ہال نما کمرے میں موجود تھا جہاں وہ دونوں کھڑے تھے۔

''میرے خیال میں آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی' آپ حفاظت سے گھر پہنچ گئی ہیں۔ میں جلدی میں ہوں' دعا کریں راج ماں ٹھیک ہو جائیں پھر ان شاء اللہ آپ سے رابطہ کروں گا۔'' فرقان احمد نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''آپ کو تکلیف دینے پر معذرت خواہ ہوں' آپ دروازہ بند کرلیں' اللہ حافظ۔'' یہ کہہ کر فرقان احمد کمرے سے نکل گئے۔

ماہا وہیں صوفے پر بیٹھ گئی اور خالی دماغ کے ساتھ خالہ کا پرچہ پڑھنے لگی پھر اس کو اپنی حالت کا احساس ہوا' رات بیت چکی تھی' دن نکل آیا تھا۔ ماہا نے سب سے پہلے عبایا اتارا' پھر عروسی لباس بدل کر اپنے گھر کے کپڑے پہنے یک دم اس کو احساس ہوا اس کی انگلی میں ایک انگوٹھی رہ گئی تھی وہ پریشان ہو گئی۔

''اُف یہ کیا ہو گیا......؟'' اس نے جلدی سے سارے کپڑے اور عبایا ایک بڑے سے شاپر میں ڈال کر رکھ دیئے۔ یہ تو خدا کا شکر تھا کہ خالہ گھر پر نہ تھیں' ورنہ پتا نہیں کیا طوفان آتا۔ ماہا نے کپڑوں والا شاپر اپنے کمرے میں بیڈ کے نیچے رکھ دیا۔

''اس کے بارے میں بعد میں سوچوں گی۔'' انگوٹھی بہت خوب صورت اور مہنگی لگ رہی تھی' ماہا نے وہ انگوٹھی اپنی جیولری بکس کے سب سے نیچے والے حصے میں رکھ دی۔

پھر وہ کچن میں گئی یک دم اس کو احساس ہوا کہ اس کو بہت پیاس لگ رہی ہے' گلاس میں پانی ڈال کر واپس آئی تھی کہ باہر دروازے پر بیل ہوئی۔ ماہا نے دروازہ کھولا تو خالہ بتول بہت پریشان اور روئی ہوئی لگ رہی تھیں وہ روتے روتے ماہا کے گلے لگ گئیں۔

''میری بچی تم ٹھیک ہو نا۔ رات بھائی صاحب کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا' ان کی حالت بہت خراب تھی' میں ساری رات وہیں رہی صبح انہوں نے ہم سب کو چھوڑ دیا اور ہمیشہ کے لیے بابا کے پاس چلے گئے۔ چلو تم میں تمہیں لینے آئی ہوں' چلو جلدی ساری رات تمہاری طرف دھیان رہا۔ سب اپنے اپنے غم میں ڈوبے تھے' کس کو کہتی اس لیے خود تمہیں لینے آ گئی ہوں۔ چلو جلدی وہاں سب ہیں' مجھے وہاں پہنچنا ہے۔'' ماہا نے بڑی سی چادر اوڑھی اور گھر لاک کر کے خالہ کے ساتھ چل دی۔

❁ ❁ ❁

زندگی نہ رکنے والا ایک سلسلہ ہے‘ کبھی دھیرے دھیرے اور کبھی بہت تیزی سے وقت گزر جاتا ہے۔ پورا ایک مہینہ گزر گیا ماہا بھی اپنی پڑھائی میں مصروف ہوگئی۔ کبھی کبھی وہ برسات کی شام جو شادی کی رات میں بدل گئی تھی‘ اس کو یاد آتی تو خواب لگتا۔ اگر ماہا کے پاس وہ عروسی جوڑا اور رِنگ نہ ہوتی تو وہ یقیناً سوچتی کہ وہ سب خواب تھا۔ کالج میں رخسار کے ساتھ اس کی دوستی تھی مگر اس نے اس کو بھی اپنے ساتھ رونما ہونے والے حادثے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا‘ وہ حادثہ ایک راز ہی تھا۔

ایک دن رخسار ایک بیگ لے کر آئی جو اس کو گلی میں ملا تھا جس کے اندر کسی چھوٹے بچے کے کپڑے اور کھلونے تھے۔ چھوٹے چھوٹے کپڑے اور پنک باربی ڈول سب لڑکیاں خوب انجوائے کررہی تھیں یکا یک ماہا کو ایک خیال آیا ایک بہترین خیال...... دوسرے دن جب ماہا کالج سے واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک شاپر تھا جس کے اندر ایک عبایا اور بہت خوب صورت عروسی جوڑا تھا۔ ماہا نے خالہ بتول کو بتایا کہ آج ان لڑکیوں کو پریکٹیکل کرنے کے لیے دوسرے کالج جانا تھا‘ واپسی میں رکشے میں بیٹھ کر آنا پڑا۔ جب ماہا رکشے سے اترنے لگی تو رکشے والے نے کہا آپ اپنا شاپر ساتھ لے کر جائیں‘ ماہا نے بارہا کہا کہ یہ اس کا نہیں مگر رکشے والا کچھ زیادہ ایمان دار تھا بولا تو پھر آپ کی سہیلی کا ہوگا جس کو پہلے اتار دیا تھا اور ماہا کو وہ شاپر لینا پڑا۔ بتول نے جب شاپر کھولا تو ایک نفیس سا اچھا سا عبایا جس کے سامنے والے حصے پر سنہری کام تھا اور عروسی جوڑا دیکھ کر تو بتول حیران ہوگئی وہ سچ مچ کسی مہارانی کا لگتا تھا۔ اتنا خوب صورت اتنا مہنگا یہ بتول کا دل ہی نہ کیا کہ وہ واپس کیا جائے یا اس کے مالک کے بارے میں پتا کیا جائے۔ بتول نے سوچا یہ ماہا کے لیے رکھ دوں گی‘ آج کل شادیوں پر لڑکیاں لاکھوں کے جوڑے بنواتی ہیں یقیناً یہ ماہا کی شادی پر کام آئے گا اور شاپر میں کوئی پتا وغیرہ نہ تھا جس سے اس کے مالک کے بارے میں کچھ معلوم ہوجاتا۔

"تمہارے خیال میں یہ کس کا جوڑا ہے؟ کسی دلہن کا پارلر جاتے ہوئے یہ سوٹ رہ گیا ہے؟" بتول نے عروسی جوڑے کو ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے ماہا سے پوچھا۔

"مجھے کچھ پتا نہیں‘ یہ پہلے سے اس رکشے میں تھا۔ میں نے بہت کہا کہ یہ میرا شاپر نہیں‘ مگر رکشہ والا نہیں مانا اور مجھے زبردستی دے دیا۔" ماہا نے آہستہ آہستہ جواب دیا۔

"اندر کوئی زیورات وغیرہ تو نہیں۔" بتول نے پھر شاپر چیک کیا۔

"یہ تمہارے لیے ہی بنا ہے‘ تمہارے کام آئے گا۔" ماہا نے کوئی جواب نہیں دیا‘ ایک اطمینان بھری سانس لے کر رہ گئی۔

بتول نے عروسی جوڑا تہہ کرکے رکھ دیا اور اوپر ایک بڑا شاپر چڑھا کر الماری میں رکھ دیا۔ ماہا اپنے کمرے میں جاکر بیڈ پر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کہ اس نے کچھ غلط تو نہیں کیا جب کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو سب کچھ خدا پر چھوڑ کر اپنی کتابیں کھول لیں۔

کچھ دیر بعد بتول نے دیکھا کہ ماہا زور و شور سے اپنی پڑھائی میں مصروف ہے‘ وہ دیکھتی رہی۔ ماہا نے کبھی اس کو تنگ نہیں کیا تھا جو چیز دی‘ لے لی‘ کوئی فرمائش نہیں کی۔ اپنی پڑھائی اور پھر رخسار کے علاوہ ماہا کی زندگی میں کچھ نہ تھا۔ ماہا اس قدر سادہ طبیعت کی مالک تھی کہ کبھی بتول کو ڈر لگتا تھا کہ آج کل کی دنیا میں اتنی سادی لڑکی کا گزارا کس طرح ہوگا۔ بتول کی خود بھی بہت لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے کی عادت نہ تھی اور ماہا تو بہت کم گو اور ریزرو رہنے والی لڑکی تھی۔ ماہا بہت خوب صورت تھی مگر اس کو اپنی خوب صورتی کا احساس نہ تھا وہ خود کو دوسروں کی نظروں سے بچاتی تھی اس کو دوسروں کی نظروں کا مرکز بننا پسند نہ تھا۔

اگر انسان اپنی خواہشیں کم کرے تو بہت سکون ملتا ہے‘ یہ ہماری خواہشیں ہمیں بے سکون اور پریشان رکھتی ہیں۔ بتول کو شادی کے بعد خدا نے اس کے ہم سفر کی صورت میں سب کچھ عطا کردیا تھا اور اس نے طارق کے ساتھ بہت خوش حال زندگی بسر کی تھی۔ فطری طور پر بتول بہت قناعت پسند تھی۔ ماہا کی صورت میں خدا نے اس کو اولاد بھی عطا کردی تھی۔

❁......❁......❁

ماہا کی زندگی کی ایک شام نے اس کی زندگی بالکل بدل دی‘ جو کچھ ہوا وہ ماہا کے گمان میں بھی نہ تھا۔ وہ کون لوگ تھے۔ اس حادثے کو چھ ماہ ہوگئے تھے۔ کبھی کبھی ماہا اکیلے میں وہ انگوٹھی نکال کر دیکھتی اور پھر اس سے جڑے

ہوئے اس مضبوط بندھن کے بارے میں سوچتی رہ جاتی۔ وہ کسی کو کچھ نہیں بتا سکتی تھی' نہ ہی ماہا کا ان لوگوں سے کوئی رابطہ تھا۔ کبھی کبھی اس کا دل کرتا کہ وہ ان لوگوں کے بارے میں کچھ پتا کرے۔ اس کے پاس وہ کارڈ موجود تھا جس پر سید فرقان احمد سنہری حروف سے لکھا تھا' نام کے نیچے فون نمبرز لکھے تھے۔

❁......❁......❁

''چلو ماہا...... رمضان کا چاند نظر آ گیا ہے' صبح پہلا روزہ ہے۔'' بتول نے ماہا کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ ماہا اپنی پڑھائی میں مصروف تھی۔ اس نے بی اے کے بعد لاء کی کلاسز شروع کردی تھی۔ بتول ماہا کو ڈاکٹر بنانا چاہتی تھی مگر ماہا کو سائنس میں کوئی دلچسپی نہ تھی اسے قانون کی پڑھائی بہت اچھی لگتی تھی۔ بتول نے اس کو مجبور نہیں کیا شاید ماہا کے اندر یہ دلچسپی اس لیے تھی کہ ماہا کے والد رؤف بیگ صاحب نے بھی لاء کیا تھا' پریکٹس نہ کر سکے اپنی پسند کی شادی کی اور پھر کاروبار شروع کردیا اور خدا نے کاروبار میں برکت دی۔ مختصر سی زندگی میں انہوں نے اپنے کاروبار کو بتول کے شوہر طارق کے ساتھ مل کر خوب فروغ دیا۔ زندگی نے اتنی مہلت نہ دی اور دونوں شراکت کار اپنے کاروبار کو چھوڑ کر دوسری دنیا میں چلے گئے اب ان کا کاروبار ان کا ایک بااعتماد اور خدا ترس آدمی سنبھال رہا تھا۔ وہ بتول کو ہر ماہ ایک معقوم رقم دے دیتا تھا' گھر طارق نے خود بنوایا تھا۔ خدا کا شکر ہے عزت کے ساتھ زندگی بسر ہو رہی تھی۔

''کل پہلا روزہ ہے۔'' ماہا نے بتول کا جواب دہرایا۔

''ہاں رمضان کی تیاری کے لیے کچھ سامان لانا ہے' میں بازار جارہی ہوں۔ تمہیں کچھ چاہیے تو بتاؤ۔'' بتول نے چادر اوڑھتے ہوئے کہا۔

''نہیں' کچھ نہیں۔ بس افطاری میں فروٹ چاٹ ہوجائے تو اچھا لگتا ہے۔'' ماہا نے دھیرے سے جواب دیا۔

بتول کے بازار جانے کے بعد ماہا نے دروازہ اندر سے بند کرلیا اور گھر کے لینڈ فون سے رخسار کو فون کیا۔ رخسار گھر پر نہ تھی کسی نے فون ریسیو نہ کیا' ماہا کچھ دیر سوچتی رہی پھر اپنے کمرے میں جا کر کپڑوں کی الماری کے پاس کھڑی ہوگئی۔ ماہا کا کبھی کبھی بہت دل کرتا تھا کہ وہ راج ماں کے بارے میں پتا کرے وہ کیسی ہیں' کیا وہ اب پاکستان میں ہیں یا وہاں لندن میں ان کا علاج چل رہا ہے۔ پھر بہت ہمت کر کے ماہا نے اپنے پرانے ہینڈ بیگ میں رکھا ہوا فرقان احمد کا سنہری مائل کارڈ نکالا' نام کے نیچے تین فون نمبر لکھے تھے۔ ماہا فون کے پاس گئی اور اپنی ہمت یکجا کر کے پہلا نمبر ڈائل کیا' ٹیپ شدہ پیغام ملا کہ یہ نمبر بند ہے۔ دوسرا نمبر ڈائل کیا تو تیسری بیل پر کسی نے فون اٹھایا۔

''ہیلو......'' کوئی نسوانی آواز ماہا کی سماعت سے ٹکرائی۔

''ہیلو آپ کون بات کررہے ہیں؟''

''وہ...... وہ...... میں......'' ماہا کو اپنی ہی آواز بہت دور سے سنائی دی۔

''یس پلیز آپ کو کس سے بات کرنی ہے؟'' پھر پوچھا گیا۔

''وہ...... مجھے فرقان احمد سے بات کرنی ہے۔'' ماہا کو خود پر حیرانی ہوئی۔

''آپ کون؟''

''میں ماہا......''

''اوکے...... آپ ہولڈ کیجیے۔''

''یس فرقان احمد بول رہا ہوں۔'' بہت خوب صورت ٹھہرے ہوئے لہجے میں فرقان احمد بولے۔ ماہا ایک دم خاموش ہوگئی' کیا کہتی کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔

''یس کون ہے؟'' پھر پوچھا گیا۔

''میں ماہا ہوں۔''

''کون ماہا......؟'' آواز میں حیرانگی تھی۔

''وہ میں راج ماں کے بارے میں پوچھنا چاہتی ہوں' وہ کیسی ہیں؟''

''راج ماں کے بارے میں...... مگر آپ کون ہیں؟''

''وہ میں آپ کے ساتھ گئی تھی...... جب راج ماں بیمار تھیں......''

''راج ماں اب ہمارے ساتھ نہیں' ان کا انتقال دو ماہ پہلے ہوگیا تھا۔'' فرقان احمد چپ ہوگئے۔ ''ہم سب نے بہت کوشش کی' مگر راج ماں' ہمیں چھوڑ کر چلی گئیں۔ وقت بہت بڑا مرہم ہے مگر جو زخم دل میں ہوان کو کوئی بھی مرہم ختم نہیں کرسکتا۔'' فرقان احمد کی آواز میں دکھ تھا۔ ''میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں' سوری حالات کچھ اس طرح کے ہوگئے کہ میں بے بس ہوگیا تھا پھر بھی آپ سے ملاقات بہت

ضروری ہے۔ کیا آپ مجھ سے مل سکتی ہیں؟ جہاں آپ کہیں گی وہیں ملاقات ہوگی۔" باہر دروازے پر دستک سن کر ماہا خوف زدہ ہوگئی۔

"آپ پلیز...... میں آپ سے بعد میں بات کروں گی باہر کوئی آگیا ہے اللہ حافظ۔" اور ریسیور رکھ دیا۔

ماہا نے باہر کا دروازہ کھولا بتول نے دو بڑے شاپر اٹھا رکھے تھے ماہا نے سلام لے کر ان کے ہاتھ سے شاپر لے لیے اور کچن کی جانب بڑھ گئی۔

❁......❁......❁
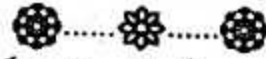
سحری کے وقت پراٹھے کے ساتھ دہی کھاتے ہوئے ماہا مسلسل کچھ سوچ رہی تھی۔ بتول نے چائے ختم کی تو اذانِ فجر ہوگئی ماہا نے جلدی سے سحری کی دعا پڑھی۔ فجر کی نماز کے بعد بتول قرآن پاک پڑھ کر سوگئی۔ ماہا نے بھی نماز اور قرآن کے بعد اللہ سے بہت دعا کی۔

"یارب میری عزت رکھنا مجھے شرمندہ نہ ہونے دینا جو گناہ میں نے نہیں کیا اس کی سزا نہ دینا۔" دعا کے بعد جیسے اس کو سکون آ گیا۔

اس دن کے بعد ماہا فون نہ کرسکی ہر وقت سوچتی رہتی کہ کیا ہوگا وہ نکاح...... اس کا کیا ہوگا۔ کوئی نہیں جانتا تھا مگر نکاح کی حقیقت تو مسلم تھی۔ وہ بتول کو اب تک کچھ نہ بتا پائی تھی بس اللہ سے دعا کرتی رہتی کہ اس کی عزت رہ جائے۔ اس نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ ماہا بتول کے ساتھ عصر کی نماز کے بعد افطاری کی تیاری کر رہی تھی۔ فروٹ چاٹ تو افطاری میں لازماً ہوتی تھی اور آج پیاز اور آلو کے پکوڑے بنانے کے لیے بیسن گھول کر رکھ دیا تھا کہ دروازے پہ دستک ہوئی بتول نے دروازہ کھولا سامنے کوئی اجنبی کھڑا تھا ادھیڑ عمر کا وہ آدمی کافی نفیس لگ رہا تھا۔

"یہ مسز بتول طارق کا گھر ہے۔" آنے والے نے بہت نرم اور شائستہ لہجے میں پوچھا۔

"جی فرمایئے میں بتول ہوں۔"

"میرا نام شوکت حسین ہے میں ایک ڈاکٹر ہوں۔ مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے اگر آپ اجازت دیں تو اندر آجاؤں۔" کچن سے باہر آتی ہوئی ماہا ڈاکٹر شوکت حسین کا نام سن کر ساکت رہ گئی۔

"یہ یہاں کیسے آ گئے؟ یارب میری عزت رکھنا۔"

"جی ضرور تشریف لایئے۔" بتول نے کچھ دیر سوچ کر اجنبی کو اندر آنے کی اجازت دے دی۔ وہ شخص بتول کے ہمراہ اندر داخل ہوئے تو ماہا کو کچن کے باہر حیران پریشان دیکھا تو ایک لمحے کو ڈاکٹر شوکت حسین وہیں تھم گئے۔ بتول نے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولتے ہوئے ان کو دیکھا۔

"یہ میری بیٹی ماہا ہے۔" انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو کہا اور اندر آنے کا عندیہ دیا۔ ڈاکٹر صاحب کچھ دیر وہاں کھڑے رہے اور پھر بتول کے پیچھے ڈرائنگ روم میں داخل ہوگئے۔

"جی فرمایئے میں نے آپ کو پہچانا نہیں؟"

"معاف کیجیے گا میں پہلی دفعہ آپ سے ملا ہوں۔ آپ بُرا نہ مانیں تو ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں کیا ماہا بیگ آپ کی بیٹی ہے؟" بتول یک دم چپ ہوگئی یہ کون اجنبی ہے جوان کی زندگی کی ایک ہی خوشی کو بھی پرایا کہہ رہا ہے۔ بتول کے پاس ماہا کے علاوہ کچھ نہ تھا۔

"جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا ہے میرا نام ڈاکٹر شوکت حسین ہے میری ایک ہی بیٹی نورین تھی۔ وہ لاء کر رہی تھی تو اس کی شادی میں نے اپنے دوست کے بیٹے رؤف بیگ سے کردی دونوں بہت خوش تھے۔ ان دنوں مجھے اسپائنز کرنے کے لیے لندن جانا پڑا وہاں مجھے ایک سال لگ گیا مجھے پتا نہیں رؤف کا اپنا والدین کے ساتھ کیا ایشو ہوا وہ ان سے ناراض ہوکر اپنی بیوی میری بیٹی نورین کو لے کر الگ ہوگیا۔ لندن میں مجھے اطلاع ملی کہ رؤف بیگ نے کسی کو نہیں بتایا مگر جب نورین کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی تو نورین نے لندن مجھے فون کیا اور بیٹی کا بتایا۔ میں بہت خوش ہوا میری بیٹی بہت خوش تھی میں نے نورین سے پوچھا کہ نام کیا رکھا ہے۔ نورین نے کہا پاپا آپ اس کا نام رکھیں گے میں نے اس بچی کا نام ماہا رکھا۔ جس بچی کو میں نے دیکھا نہیں تھا مگر اس کو نام میں نے دیا نورین اور رؤف کو بھی نام بہت پسند آیا۔ پھر کافی عرصہ ہوا ان سے رابطہ نہ ہوسکا مگر مجھے یہ خبر ملی کہ نورین اور رؤف کا ایکسیڈنٹ ہوگیا اور وہ جانبر نہ ہوسکے۔ ماہا کے بارے میں کچھ پتا نہیں چلا اتنے سالوں تک مجھے ماہا کے بارے میں کچھ علم نہ تھا۔ اب اتنے برس بعد مجھے معلوم ہوا ہے کہ ماہا وہی بچی ہے میری نواسی جس کا میں نے نام رکھا تھا جو میری اکلوتی بیٹی نورین کی نشانی ہے۔"

بتول چپ چاپ ڈاکٹر صاحب کی باتیں سن رہی تھی ڈاکٹر

صاحب نے کالے بیگ سے ایک لفافہ نکالا۔
"یہ دیکھئے نورین اور رؤف کی شادی کی تصویریں' ان کا نکاح نامہ...... آپ دیکھ سکتی ہیں۔ یہ نورین اور رؤف ہی ہیں؟" ڈاکٹر صاحب نے شادی کی تصویریں بتول کے ہاتھ میں پکڑا دیں۔ بتول نورین سے ملی ہوئی تھی بہت ہنس مکھ لڑکی تھی اور رؤف اور نورین کی جوڑی واقعی بہت اچھی تھی۔
"جی ہاں یہ نورین اور رؤف بھائی کی تصویر ہے اور واقعی ماہا ان کی بیٹی ہے مگر میں نے اس کو اپنی بیٹی سمجھا ہے۔ اللہ نے مجھے ماہا کی صورت میں اولاد عطا کی ہے' آپ پلیز مجھے ماہا سے جدا نہ کریں۔ ماہا آپ کی نواسی ہے' میں مانتی ہوں مگر میرے پاس بھی ماہا کے علاوہ کچھ نہیں۔"
"نہیں بہن...... آپ دل بُرا نہ کریں' ماہا آپ ہی کی بیٹی ہے مگر میں بھی اس کو اپنے گلے لگانا چاہتا ہوں' شاید مجھے میری بچھڑی بیٹی مل جائے۔ جب تک پتا نہیں تھا تب تک یہ بے تابی نہ تھی' کیا میں آپ کی بیٹی سے مل سکتا ہوں؟" ڈاکٹر صاحب کی آواز میں ایک درخواست تھی۔ بتول بے ساختہ اٹھی اور کچن میں آ گئی بتول نے دیکھا ماہا نے افطاری کی کافی تیاری کرلی تھی۔
"ماہا افطاری میں کچھ دیر ہے' پکوڑے بنالو' بریانی تیار ہے۔ ساتھ دہی کا رائتہ بھی بنالو یہ ڈاکٹر صاحب میرے دور کے رشتے دار ہیں' ہمارے ساتھ افطاری کریں گے۔" یہ کہہ کر بتول واپس ڈرائنگ روم میں گئی' ڈاکٹر صاحب تمام کاغذات اور تصویریں سنبھال کر اپنے بیگ میں رکھ رہے تھے' جیسے ہی بتول اندر آئی وہ کھڑے ہوگئے۔ بتول نے ان سے نرم لہجے میں کہا۔
"ڈاکٹر صاحب تشریف رکھیے' افطاری کا وقت قریب ہے ہمارے ساتھ افطار کیجیے۔ مجھے کچھ وقت دیجیے تاکہ میں ماہا کو آرام سے کچھ سمجھا سکوں' ابھی مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا آپ مجھے کچھ مہلت دیجیے۔ میں ماہا کو ذہنی طور پر تیار کرلوں' اس کو کچھ پتا نہیں۔ وہ بہت معصوم اور سادہ ہے' بہت جلد پریشان ہوجاتی ہے اس کی زندگی کا دائرہ بہت محدود رہا ہے۔ اسکول اور کالج میں بھی اس کی بہت کم دوست تھیں۔ فطری طور پر وہ گم گو اور تنہائی پسند ہے' میں پہلے اس کو بتانا چاہتی ہوں' امید ہے آپ میری درخواست پر غور کریں گے ورنہ ماہا کے حقیقی حق دار آپ ہیں میں تو صرف اس کو پالنے والی ہوں شاید خالہ بھی نہیں۔" بتول کی آواز شدت جذبات سے بھرا گئی۔
"آپ ایسا نہ کہیے' آپ کی وجہ سے آج میں اپنی نورین کی نشانی کو دیکھ سکتا ہوں ورنہ پتا نہیں کیا ہوتا۔ آپ نے میری نواسی کی بہت اچھی تربیت کی ہے' اس کے لیے میں بہت شکر گزار ہوں۔ آپ نے ماہا کی تعلیم و تربیت میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ میں نے یہاں آنے سے پہلے سب کچھ معلوم کرلیا تھا' آپ نے کس طرح مسٹر طارق کے بعد بھی ماہا کا کس طرح خیال رکھا' اس کی تعلیم پر پوری توجہ دی' آپ نے اپنا فرض سمجھ کر ماہا کی پرورش کی ہے' جس کے لیے میں آپ کا بہت ممنون ہوں۔ ٹھیک ہے' آپ ماہا کو سمجھالیں جب آپ کو اطمینان ہوجائے مجھے فون کردیجیے گا۔" اسی وقت اذان مغرب سنائی دی بتول ڈاکٹر صاحب کے ہمراہ بڑے کمرے میں گئی جہاں چھوٹے سے ٹیبل پر کھانا چن دیا تھا۔ ماہا نے ڈاکٹر صاحب کو سلام کیا انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر سدا خوش رہنے کی دعا دی۔ سب نے روزہ افطار کیا۔
ڈاکٹر صاحب کو ایسا لگا کہ جیسے ان کی نورین ان کے پاس ہو' کھانا بہت سادہ اور پُر ذائقہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے بہت عرصے بعد خوب سیر ہوکر کھانا کھایا' کھانے کے بعد بتول کے کہنے پر ماہا نے گرین ٹی بنا کردی اس دوران ڈاکٹر صاحب ماہا سے اس کی تعلیم کے بارے میں باتیں کرتے رہے' ہلکی پھلکی باتیں ہوتی رہیں پھر عشاء کی نماز سے پہلے ڈاکٹر صاحب چلے گئے۔
بتول اپنی جگہ خاموش تھی اور ماہا اپنی جگہ پریشان ڈاکٹر صاحب کو دیکھ کر ایک دم وہ دہل گئی تھی کہ پتا نہیں کیا ہوگا' بتول نے ابھی تک ماہا سے نہ کچھ پوچھا تھا اور نہ ہی کچھ بتایا تھا۔ ماہا اندر ہی اندر ڈر رہی تھی' اللہ کے سوا اس کا کوئی دوسرا آسرا نہ تھا۔
"ماہا...... سوگئی ہو کیا؟" کافی دیر کروٹیں بدلنے کے بعد بتول نے پوچھا۔
"نہیں خالہ۔"
"ماہا تمہیں پتا ہے کہ یہ ڈاکٹر صاحب کون ہیں؟" بتول نے آہستہ آہستہ بولنا شروع کیا' ماہا کچھ نہیں بولی۔
"ماہا تمہیں پتا ہے کہ میں تمہاری سگی خالہ نہیں مگر میں نے تمہیں اپنی اولاد کی طرح پالا ہے۔ جب تمہارے والدین

اس دنیا سے چلے گئے تو اللہ نے تمہیں میری گود میں ڈال دیا۔ مجھے اللہ نے اولاد نہ دی اور تمہیں ماں باپ سے محروم کردیا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کی ضرورت بن گئے' طارق کے بعد میری زندگی کا مقصد صرف تم بن گئیں۔ میں نے پوری کوشش کی کہ تمہیں کسی چیز کی کمی نہ ہونے دوں۔ یہ ڈاکٹر صاحب جو آج آئے تھے دراصل یہ میرے رشتہ دار نہیں بلکہ تمہارے رشتہ دار ہیں۔'' ماہا یک دم بستر سے اٹھ گئی۔

''کیا کہہ رہی ہیں آپ؟''

''ہاں یہ ڈاکٹر صاحب تمہارے نانا ابو ہیں۔ اتنے سالوں بعد انہوں نے تمہیں ڈھونڈ نکالا۔'' اور پھر بتول نے ماہا کو وہ ساری باتیں بتادیں جو ڈاکٹر شوکت حسین نے ان کو بتائی تھیں۔ ماہا بے حد حیران تھی وہ ڈاکٹر شوکت حسین کو فرقان احمد کے فیملی ڈاکٹر کی حیثیت سے راج محل میں دیکھ چکی تھی اس لیے جب ماہا نے ڈاکٹر صاحب کو اپنے گھر کے دروازے پر دیکھا تو اندر سے ڈر گئی تھی کہ اب کیا ہوگا یقیناً فرقان احمد نے ان سے ماہا کی کال کا ذکر کیا تھا۔ اسی لیے وہ ماہا کے گھر تک پہنچ گئے' ماہا کو کسی اور چیز کا ڈر تھا مگر بتول نے ماہا کو کچھ نہ کہا بلکہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ بڑے گھریلو ماحول میں افطاری کی اور ماہا کچھ پوچھنا چاہتی تھی مگر بتول کے چہرے پر ماہا کو اپنے لیے کوئی ناراضگی دکھائی نہیں دی۔ وہ انتظار کرتی رہی' نیند تو اس کی اڑ گئی تھی مگر اب جو حقیقت بتول نے اس کو بتائی تھی وہ ماہا کی سوچ سے باہر تھی' کیا زندگی میں اس طرح ہوسکتا ہے۔ ماہا کی زندگی میں رشتے کے نام پر صرف بتول کا ماں اور خالہ جیسا رشتہ تھا' پھر اچانک کیسے خوابوں کی طرح فرقان احمد کا رشتہ بن گیا تھا جس کا شاید کوئی وجود بھی نہ تھا مگر اب لگتا تھا کہ وہ رشتہ ہے۔ ماہا کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے' یک دم نانا کے آنے سے زندگی میں ایک خوشی سی پھیل گئی۔ ماہا کو لگا کہ زندگی میں ایک ایسا رشتہ ہے جو بہت مضبوط ہے اپنوں کا ساتھ کیسا ہوتا ہے' سگے اور خون کے رشتے کا احساس کیسا ہوتا ہے' ماہا کی خوشی عجیب تھی۔

''وہ میرے نانا ابو ہیں' میری امی کے ابو.....'' ماہا کی آنکھوں میں حیرت انگیز خوشی تھی۔ اس کی آواز جوشِ جذبات سے کانپ رہی تھی۔

''ہاں ماہا وہ سچ میں تمہارے نانا ابو ہیں' ان کے پاس تمہاری امی اور ابو کی تصویریں' شادی کی تصویریں اور نکاح نامہ بھی ہے۔ اتنے عرصے ان کو تمہارا پتا نہیں چلا اب پتا نہیں کیسے ان کو تمہارے بارے میں معلوم ہوا ہے۔'' بتول اس بات سے بے خبر تھی کہ ڈاکٹر شوکت حسین کو اچانک اپنی نواسی ماہا کا کیسے پتا چلا۔

❁.....❁.....❁
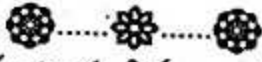
ماہا نے جب فرقان احمد کو فون کیا تو ان کو احساس ہوا کہ ایک انجان سی لڑکی کے ساتھ حادثاتی طور پر نکاح ہوچکا ہے' جس کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتے تھے۔ راج ماں کی بیماری اور پھر ان کی وفات نے فرقان احمد کو ہر چیز سے بے خبر کردیا تھا جب ماہا کا فون آیا تو ان کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اس مسئلے کا کیا حل ہو۔ لندن میں بھی راج ماں کے ساتھ ڈاکٹر شوکت حسین موجود رہے' ڈاکٹر صاحب کو فرقان احمد انکل کہتے تھے اور ان کے نکاح کے روز بھی وہ راج محل میں موجود تھے اور وہ حالات سے پوری طرح باخبر تھے۔ اس لیے فرقان احمد کو پہلا خیال یہی آیا کہ انکل سے مشورہ کیا جائے انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو فون کیا اور کہا کہ جب وہ فارغ ہوں ان کے آفس آجائیں۔

فرقان احمد نے ڈاکٹر شوکت حسین کو ماہا کی کال کے بارے میں بتایا اور پوچھا کہ اب کیا کیا جائے؟ ڈاکٹر صاحب بہت سمجھ دار انسان تھے انہوں نے فرقان احمد کو کہا کہ راج ماں نے آپ کا نکاح کروایا تھا اور یہ نکاح ان کی زندگی کی آخری بڑی خوشی اور خواہش تھا مگر فرقان احمد کی ساری زندگی کا معاملہ ہے' سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا ہوگا۔

''میرا خیال ہے کہ میں پہلے اس لڑکی کے بارے میں معلومات حاصل کرتا ہوں پھر کوئی فیصلہ کریں گے۔'' شوکت صاحب نے فرقان احمد کو اپنے خیال سے آگاہ کیا۔

''ٹھیک ہے انکل! جو آپ مناسب سمجھیں۔''

ڈاکٹر شوکت حسین کو پتا نہ تھا کہ وہ جس لڑکی کے بارے میں معلومات کرنے جارہے ہیں وہ ان کی پیاری بیٹی نورین کی بیٹی ہوگی جو مدت ہوئی ان سے بچھڑ گئی تھی جب شوکت حسین نے بتول کے گھر ماہا کو دیکھا تو ان کو ماہا میں نورین کی شباہت نظر آئی وہ بے حد جذباتی ہوگئے انہوں نے بہت صبر اور تحمل سے بتول سے بات چیت کی۔ بتول ایک معقول اور نیک خاتون لگ رہی تھی' شوکت صاحب کو خوشی تھی کہ ان کی

نواسی ایک شریف گھرانے میں پلی تھی۔ وہ رات ڈاکٹر شوکت حسین نے بھی جاگ کر گزاری تھی کہ کب صبح ہو اور وہ فرقان احمد کو یہ خوش خبری سنائیں۔

فرقان احمد نو بجے آفس پہنچے تو ڈاکٹر صاحب پہلے ہی ان کے آفس میں موجود تھے' ان کے چہرے کی خوشی دیدنی تھی۔ فرقان احمد حیران ہوگئے اتنے سالوں میں انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو اتنا خوش نہیں دیکھا تھا' خوشی اور ہنسی ان کے پُروقار چہرے پر بہت بھلی لگ رہی تھی۔

''السلام علیکم! فرقان بیٹے کیسے ہو؟'' فرقان کے آفس میں داخل ہوتے ہی ڈاکٹر صاحب بڑھ کر بولے۔

''وعلیکم السلام۔'' فرقان احمد خوشگوار حیرت سے بولے۔

''ڈاکٹر صاحب کیا آج میں تاخیر سے آیا ہوں۔''

''نہیں بھئی میں ہی جلدی آ گیا تھا۔'' ڈاکٹر صاحب مسکرائے۔

''خیریت......؟''

''ہاں بھئی خیریت اور خوشی دونوں ہیں۔'' ڈاکٹر صاحب فرقان احمد کے سامنے والی نشست پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''فرقان بیٹے آپ نے مجھے ایک کام دیا تھا۔''

''کام......کون سا؟'' فرقان احمد حیران ہوئے۔

''بھئی وہی ماہا والا۔''

''ارے ہاں' کافی دن ہوگئے کچھ پتا چلا۔''

''فرقان تم نے مجھے وہ خوشی دی کہ میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ فرقان بیٹے میں نے ماہا کے بارے میں معلومات حاصل کرلی ہیں' بیٹا شاید آپ کو پتا ہوگا کہ میری ایک ہی بیٹی تھی نورین جس کی میں نے بہت اچھی جگہ شادی کی تھی جب میں لندن میں سرجری اسپالیٹر کرنے کے لیے گیا تھا میری بیٹی اور داماد کا ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہوگیا تھا مگر ان کی ایک بیٹی تھی جس کے بارے میں کچھ پتا نہیں چلا کہ وہ کہاں ہے جب میں نے ماہا کے بارے میں پوچھنا شروع کیا تو حیران کن طور پر وہ ماہا میری نواسی نکلی۔ پہلے تو میں اللہ کی اس مہربانی پر حیران رہ گیا' پھر اچھی طرح پتا کروایا کہ ماہا کو ایک نیک دل خاتون بتول نے پالا جس کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی۔ بتول طارق کی بیوہ ہے جو رؤف بیگ میرے داماد کا دوست اور کاروبار کا شراکت دار تھا۔ طارق اور رؤف دونوں نے مل کر کاروبار شروع کیا جب رؤف اور نورین کی حادثاتی موت واقع ہوگئی تو ماہا کا کوئی رشتہ دار نہ تھا۔ میں لندن میں تھا اور رؤف کا اپنے ماں باپ کے ساتھ کچھ اختلاف تھا' اس لیے رؤف نے ان سے بالکل تعلق نہ رکھا تھا یہاں تک کہ طارق کو بھی رؤف کے والدین کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا۔ ماہا بہت چھوٹی تھی' بتول کو اللہ نے اولاد کی نعمت نہ دی اس نے ماہا کو اللہ کی طرف سے تحفہ سمجھ کر پالا۔ ماہا نے بتول کی زندگی میں خوشیاں بھر دیں مگر کچھ عرصے بعد طارق بھی بتول کو چھوڑ کر راہی عدم ہوا۔ بتول نے ہمت سے کام لیا اور ماہا کو بہت محنت اور محبت سے پالا۔ اس کی بہت اچھی تربیت کی' ماہا واقعی بہت اچھی لڑکی ہے اور یہ وہی ماہا ہے جو اللہ نے تمہارے ذریعے مجھ تک پہنچادی ہے۔ رات میں بتول کے گھر گیا تھا اور اس کو صرف یہ بتا کر آیا ہوں کہ ماہا میری نواسی ہے۔ بتول نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ماہا کو میرے بارے میں بتائے گی اس نے کچھ مہلت مانگی ہے وہ مجھے جلد فون کریں گی پھر میں ماہا کو لینے جاؤں گا۔ فرقان احمد! آپ نہیں جانتے آپ نے مجھے عمر کے اس حصے میں بے انتہا خوشی دی ہے۔ آپ کی وجہ سے میں اپنی نواسی تک پہنچا ہوں' آپ کے خاندان کے مجھ پر سدا احسانات ہیں اور آپ نے اپنے خاندان کی روایت برقرار رکھی۔ آپ نے مجھے جو خوشی دی ہے اس کا کوئی مول نہیں۔'' ڈاکٹر صاحب کی آواز کا زیروبم ان کی کیفیت کا غماز تھی اور فرقان احمد اس خدا کی مہربانی پر حیران...... کیا کوئی چھوٹا سا واقعہ اتنی بڑی خوشی لے کر آ سکتا ہے۔ وہ انجانی سی معصوم سی لڑکی کتنی خوشیاں لے کر آئی تھی۔ پہلے ان کی راج ماں کے لیے اور اب ڈاکٹر صاحب کے لیے......

❀ ❀ ❀
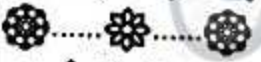
ڈاکٹر صاحب روز بتول کے فون کا انتظار کرتے آخر پچیسویں روزے کو بتول کا فون آیا کہ ڈاکٹر صاحب ان کے ساتھ روزہ افطار کریں۔ ڈاکٹر صاحب خوشی کے مارے ظہر کی نماز کے بعد ہی تیاری کرنے لگے۔ بازار سے بہت سارا افطاری کا سامان لے کر وہ بتول کے گھر پہنچ گئے۔ دروازے پر دستک دی' پہلی ہی دستک پر جیسے کوئی منتظر تھا' دروازہ ماہا نے کھولا۔

ڈاکٹر صاحب کے دونوں ہاتھوں میں بھرے ہوئے شاپر تھے' ماہا ان کو دیکھ رہی تھی اور وہ ماہا کو دیکھ رہے تھے۔ ان کو ایسا لگا جیسے نورین ان کے سامنے کھڑی ہو۔ سارے شاپر

آہستہ آہستہ سے زمین پر رکھ کر انہوں نے اپنی بانہیں پھیلا دیں' ماہا بے اختیار ان کے بازوؤں میں آ گئی۔ ماہا کی آنکھوں میں برسات تھی' ایک مضبوط تحفظ کا احساس ماہا کو زندگی میں پہلی دفعہ ہوا۔ باپ کا پیار' نانا کی شفقت کیا نہیں تھا ان کے لمس میں۔ شوکت حسین کتنی دیر ماہا کو گلے لگا کر کھڑے رہے انہوں نے کتنی بار ماہا کا ماتھا اور سر چوما۔ بتول خاموشی سے نانا اور نواسی کی پہلی ملاقات دیکھ رہی تھی۔ کافی دیر بعد جب بتول نے ان کے قریب آ کر ماہا کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو ماہا نے بتول کو دیکھا۔ بتول کی آنکھوں میں ایک عجیب سی محرومی دکھائی دے رہی تھی۔ جیسے اس کی متاع حیات اس سے دور ہو رہی ہو' ڈاکٹر صاحب نے ماہا کی آنکھوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''بیٹا اللہ نے آپ کو ماں کے ساتھ ساتھ آپ کے نانا ابو بھی دے دیئے۔''

''چلئے اندر چلئے' افطاری کا وقت قریب ہے۔ باقی باتیں افطاری کے بعد کریں گے۔'' بتول نے ان کے ساتھ کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

اندر ٹیبل پر کھانا تیار تھا' ماہا کو جب بتول نے بتایا کہ ڈاکٹر صاحب ماہا کے نانا ہیں اور آج ان کے ساتھ افطاری کریں گے تو ماہا نے بہت شوق سے چکن بریانی' شامی کباب' ماش کی دال' گوشت اور میٹھے میں گجریلا بنایا سب نے مل کر روزہ افطار کیا۔

ڈاکٹر صاحب نے کھانے کی کھل کر تعریف کی' ڈاکٹر صاحب نے نورین کے بچپن کی بہت سی باتیں یاد کیں اور ان کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے مگر ماہا کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں زندگی کی چمک آ جاتی۔ ماہا کو اپنے ماں باپ کے بارے میں سن کر بہت اشتیاق ہو رہا تھا کہ کاش اس کے ماں باپ زندہ ہوتے اور وہ ان کے ساتھ خوب ناز نخرے دکھاتی' جس طرح رخسار اپنی ماں سے لاڈ کرتی تو ماہا دیکھ کر رہ جاتی۔

''بس اب بتول بیٹی! تم میرے ساتھ ماہا کو لے کر میرے گھر چلو۔'' ڈاکٹر صاحب نے اچانک فرمائش کر دی بتول دیکھتی رہ گئی۔ اسی بات سے وہ ڈر رہی تھی کہ اب ڈاکٹر صاحب ماہا کو ساتھ لے جائیں گے۔

''دیکھو بیٹی! میں نے بہت صدمے برداشت کیے ہیں' نورین کی والدہ کی وفات کے بعد میں نے نورین کو ماں اور

عید

تہوار تو نام ہے خوشیوں کا
لیکن میری ہر عید پر
میرے دردوں کا رقص ہوتا ہے
میرے آنسو مسکراتے ہیں
میری خوشیاں سسکتی رہتی ہیں
میرے ارمان دم توڑتے ہیں
میری آہیں ہنستی رہتی ہیں
میں ہوتا ہوں اور تنہائی
ساتھ آنسو ارمان آہیں میری
انہیں کھلونوں سے
میں روز بہلاتا ہوں

فریحہ شبیر..... شاہ نکڈر

باپ بن کر پالا۔ اللہ نے نورین کے علاوہ مجھے اور اولاد نہ دی تھی مگر نورین کی شادی کے بعد میں تنہا رہ گیا تو میں نے اپنے پیشے کے ساتھ دوستی کر لی۔ ڈاکٹر کی زندگی میں مریض کے علاوہ کچھ نہ رہ گیا' میں نورین کے جانے کے بعد صرف ڈاکٹر ہی بن گیا بس اسپتال میرا گھر اور مریض میرے رشتے دار بن گئے۔ میری زندگی بس یہی بن گئی' پھر اللہ نے میری کسی نیکی کے بدلے پتا نہیں کس طرح ماہا سے مجھے ملا دیا۔ یہ صرف اللہ کا معجزہ ہے کہ اتنے سالوں بعد مجھے میری بیٹی عطا کی۔ اب تم سے درخواست ہے کہ تم میرے گھر چلو۔ وہ گھر تمہارا ہے وہاں میں اکیلا رہتا ہوں' میں ذہنی طور پر بہت کمزور ہوں بلکہ اب میں اکیلا رہ رہ کر تھک گیا ہوں۔ بیٹی میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں پلیز تم انکار نہ کرنا۔ تم نے میری نواسی کی پرورش کی ہے یہ تمہارا احسان ہے میں اس کا بدلہ نہیں اتار سکتا مگر اب تم میرے ساتھ رہو گی جس طرح ماہا کے علاوہ تمہارا کوئی نہیں اسی طرح میرا بھی اس دنیا میں واحد خونی رشتہ میری نواسی ہے۔ میں بھی ماہا کے بغیر نہیں رہ سکتا' اب ہم تینوں مل کر اکٹھے رہیں گے' بولو بیٹی! تم اپنے بوڑھے باپ کا ساتھ دو گی ناں۔'' بتول کچھ نہیں بولیں خاموشی سے سر جھکا گئی۔

ماہا پہلی بار بتول کے ہمراہ اپنے نانا ابو کے گھر گئی' ڈاکٹر صاحب کا گھر کیا ایک شاندار بنگلہ تھا۔ پورے ایک کنال پر بنا ہوا وہ بنگلہ بہت خوب صورت تھا' بڑا سا لان خوب صورت پھول کھلے ہوئے تھے۔ برآمدے کے کنارے گملوں کی ایک قطار لگی ہوئی تھی۔ ہر رنگ کے گلاب تھے' ماہا کو وہ گلاب کا گھر بہت پسند آیا' ماہا تو بے حد خوش تھی۔

''نانا ابو آپ کا گھر تو پھولوں کا گھر ہے' چاروں طرف پھول ہی پھول ہیں۔''

''لیکن بیٹی یہ پھول آج مسکرا رہے ہیں' پہلے پھول صرف کھلتے تھے مسکراتے نہیں تھے آج لگ رہا ہے سارے پھول مسکرا مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں اور تم ان پھولوں کو دیکھ کر خود بھی ایک مسکراتا ہوا پھول لگ رہی ہو۔'' ڈاکٹر صاحب نے مسکرا کر ماہا کو دیکھا۔

''ان شاء اللہ یہ عید میرے گھر خوشیاں لے کر آئے گی۔'' ڈاکٹر صاحب نے اللہ کا ہزار بار شکر ادا کیا' اللہ نے کس طرح ان کو خوشیاں عطا کیں اللہ کا کرم تھا' جو بڑا مہربان ہے۔

ماہا اس گھر میں آ کر بہت خوش تھی' بہت بڑا اور بہت خوب صورت گھر تھا۔ بے شمار سامان تھا' مگر ترتیب اتنی اچھی نہ تھی۔ ماہا اور بتول نے مل کر سارا گھر نئے سرے سے سیٹ کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب بہت مطمئن اور خوش تھے' کلینک سے آ کر وہ سارا وقت ماہا اور بتول کے ساتھ رہتے' اکٹھے کھانا کھاتے اور خوب باتیں کرتے' ماہا کی تو جیسے زندگی بدل گئی ہو۔ انتیسویں روزے کو عید کا چاند نظر آ گیا تو جیسے عید کی خوشیاں ماہا کی زندگی میں آ گئیں۔ بتول بھی بہت خوش تھی' ڈاکٹر صاحب نے اس کو اپنی بیٹی کا درجہ دیا تھا۔ عید کی شاپنگ کرانے کے لیے ڈاکٹر صاحب ماہا اور بتول کو بازار لے کر گئے۔ خوب سارے کپڑے' جوتے' پرس جس چیز کو ماہا اشتیاق اور پسندیدگی سے دیکھتی ماہا کے نانا ابو فوراً پیک کروا دیتے۔ بتول کو بھی چار پانچ بہت خوب صورت اور مہنگے سوٹ لے کر دیئے پھر جیولری شاپ سے پرل کا سیٹ ماہا کو اس کی پسند اور خود اپنی پسند سے ہیرے کا ایک بہت خوب صورت اور نفیس لاکٹ سیٹ لے کر دیا اور بتول کو سونے کے کڑے لے کر دیئے' بتول کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''تم میری بیٹی ہو۔'' بتول کے سر پر ہاتھ پھیر کر ڈاکٹر صاحب نے کہا۔

صبح عید کے دن ڈاکٹر صاحب کے گھر کی خوشیاں دیکھنے کے قابل تھیں' عید کی نماز کے بعد ڈاکٹر صاحب کے ساتھ فرقان احمد بھی آ گئے۔ بتول اور ماہا نے عید کی سویاں صبح نماز سے پہلے تیار کر دی تھیں اور رضیہ کے ساتھ مل کر کھانا تیار کروا رہی تھیں کہ ڈاکٹر صاحب نے ماہا کو آواز دی۔

''ماہا بیٹی عیدی تو لے لو۔''

''لایئے میری عیدی نانا ابو......!'' پنک جوڑے میں ماہا گلابی گلابی ہو رہی تھی' میک اپ کے بغیر صاف شفاف سرخ و سفید رنگت' چمکتی ہوئی براؤن آنکھیں' ایک دم سیدھے لمبے بال کھلے ہوئے تھے۔ مسکراتے ہوئے ماہا نے نانا ابو کے ساتھ کھڑے سید فرقان احمد کو بالکل نہیں دیکھا تھا۔ فرقان احمد ماہا کو دیکھ کر حیران رہ گئے یہ تو وہ ماہا نہیں تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے فرقان احمد کو ماہا کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ وہ ڈری سہمی ہوئی لڑکی کوئی اور تھی یہ تو بہت خوب صورت شوخ اور بہت ہی پیاری لگ رہی تھی۔ عیدی لیتے ہوئے ماہا کی نظر فرقان پر گئی اور وہ وہیں جیسے پتھر کی ہو گئی۔ وقت رک گیا' ڈاکٹر صاحب بولے۔

''ماہا بیٹے یہ فرقان احمد ہیں' عید ملنے آئے ہیں۔'' ماہا کو جیسے ہوش آ گیا ہو فوراً دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ بھاگ گی۔ ڈاکٹر صاحب نے بتول سے فرقان کی ملاقات کرائی اور اسی عید کی رات ڈاکٹر صاحب نے بتول سے کہا۔

''فرقان احمد بہت بڑے آدمی ہیں اور ان کو ماہا بہت پسند آئی ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟'' بتول نے کہا۔

''ڈاکٹر صاحب جو آپ مناسب سمجھیں' کیجیے۔'' ڈاکٹر صاحب نے دوپہر کو ماہا سے بات کی اور ماہا نے کہا کہ وہ بتول کو اس حادثاتی نکاح کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکی اس لیے ڈاکٹر صاحب نے بھی بتول سے نکاح کا اظہار نہ کیا۔

عید کے تیسرے دن وقار النساء اور زیب النساء ڈاکٹر صاحب کے گھر آئیں' ماہا کو ملنے وہ دونوں ماہا سے مل کر بہت خوش ہوئیں۔ وہ دونوں اس بات سے بہت خوش تھیں کہ ماہا ڈاکٹر صاحب کی نواسی ہے' اللہ نے فرقان احمد کے لیے ایک

عہد

عہد گرتم کرو مجھ سے
ہمیشہ ساتھ رہنے کا
تو اے جاناں......!
میں اپنی زندگی ساری
تمہارے نام کردوں گی
میں چلتی سانسوں کی سرگم پر
تمہارا نام لکھ لوں گی
میں پلکوں کی چلمن پہ تمہارے
نام کے جگنو سجالوں گی
اپنی غلافی آنکھوں میں تمہارے ساتھ کے
ڈھیروں خواب بن لوں گی
عہد گرتم کرو مجھ سے
ہمیشہ ساتھ دینے کا
تو اے جاناں......!
سماج کی فرسودہ روایات کے خلاف
آواز بغاوت میں اٹھاؤں گی
ان کی سخت مخالفت سے بھی میں
ٹکرا ہی جاؤں گی
یہ جو بھی سزا دیں گے
میں ہنس ہنس کے سہہ لوں گی
محبت کی پجارن ہوں
محبت کو ہی پاؤں گی
عہد گرتم کرو مجھ سے
ہمیشہ ساتھ چلنے کا
تو اے جاناں......!
تمہارے راہ کے سب کانٹے
میں اپنی پلکوں سے چن لوں گی
تمہاری زیست کی تاریک راہوں میں
اپنی چاہت کے چراغ جلاؤں گی
اگر عشق میں جاناں
جان دینی پڑی مجھ کو
تو پوری ہستی مٹادوں گی
جان اپنی گنوادوں گی
پر یہ اس وقت ممکن ہے
عہد گرتم کرو مجھ سے
ہمیشہ ساتھ رہنے کا
ہمیشہ ساتھ دینے کا
ہمیشہ ساتھ چلنے کا

شمع مسکان...... جام پور

بہت اچھے خاندان کی لڑکی منتخب کی تھی‘ اتنی پیاری لڑکی اور اچھی فیملی کی سب بہت خوش تھے اور پھر شادی کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔

ماہا کے لیے اللہ نے خوشیاں ہی خوشیاں لکھ دیں‘ ماہا نے پہلے ان کے ساتھ جا کر اپنی پسند کے زیورات بننے کے لیے دیئے تھے‘ اس دن زیورات لانے تھے شادی میں صرف دو ہفتے رہ گئے تھے۔ ماہا کی پسند کے کپڑے‘ جوتے‘ پرس ہر چیز لی جارہی تھی‘ ڈاکٹر صاحب نے اپنی ساری جائیداد ماہا کے نام کردی تھی۔ فرقان احمد ماہا سے ملنا چاہتے تھے‘ ان کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کس طرح ماہا سے ایک بار ملاقات کرکے اس کی رائے بھی معلوم کریں۔ وہ نکاح جس میں فرقان احمد کے ساتھ ساتھ ماہا کی رضا مندی تو تھی مگر پسند نہ تھی۔

زیب النساء اور وقار النساء سے ان کو ماہا کے بارے میں پتا چل رہا تھا کہ ماہا اپنے نانا کے گھر بہت خوش ہے اور شادی کی شاپنگ بھی خوشی خوشی کررہی ہے مگر فرقان احمد کے دل کے اندر ایک خلش تھی وہ ماہا سے خود اس خوشی کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے تھے۔ اس دن انہوں نے پھوپو زیب النساء کی بیٹی ثناء کو اعتماد میں لیا اور ثناء نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ آج وہ ماہا کو ساتھ لے کر بازار جائے گی اور ماہا کی پسند کا ولیمہ کا جوڑا لیا جائے گا۔

ڈاکٹر صاحب نے جیولری لینے جانا تھا‘ وہ بتول کو لے کر جیولر شاپ پر چلے گئے۔ ثناء اور زیب النساء‘ ماہا کو لینے کے لیے جب ڈاکٹر صاحب کے گھر پہنچے تو ماہا بازار جانے کے لیے تیار تھی۔ اس نے بہت خوب صورت نارنگی رنگ کا لمبا کرتا زیب تن کیا تھا‘ جس پر سرخ اور سفید پھول تھے ماہا اس میں بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ ماہا کے چہرے پر معصومیت اور سادگی اس کا حسن اور بڑھا رہی تھی۔ ثناء نے پُر شوق نظروں سے ماہا کو دیکھا۔ ثناء ماہا کے ساتھ گاڑی میں

بیٹھ گئی، زیب النساء بھی ان کے ہمراہ تھیں۔ شہر کے سب سے بڑے برائیڈل شاپنگ، مال میں گھومتے ہوئے ثناء ایک سے بڑھ کر ایک عروسی جوڑا ماہا کے آگے بڑھاتی جارہی تھی، سب جوڑے بہت خوب صورت تھے۔ زیب النساء نے ایک بہت ہی مہنگا اور خوب صورت عروسی جوڑا پسند کیا۔ ماہا اور ثناء کو بھی وہ سوٹ بہت پسند آیا برائٹ پنک کلر پر سلور کام ہوا تھا۔

ولیمہ کے لیے وہ بہت پیارا ڈریس تھا' زیب النساء کو بہت اچھا لگا کہ ماہا نے اس کی پسند کی تصدیق کی تھی۔ ولیمہ کا ڈریس خریدنے کے بعد وہ اسی مال میں ایک بہت بڑی ڈائمنڈ شاپ پر چلے گئے۔ شاپ کا مالک ایک سے ایک بہترین ڈائمنڈ سیٹ نکال کر دکھا رہا تھا' بہت سے سیٹ دیکھنے کے بعد زیب النساء نے وہی سیٹ پسند کیا جو ماہا کے ڈریس کے ساتھ بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔

''ماما اس قدر محنت کی ہے اب تو بہت اچھا سا ڈنر ہوجائے۔'' ثناء نے شاپ سے باہر نکلتے ہوئے زیب النساء سے کہا۔

''کیوں نہیں' اچھا ہے سارا کام ختم ہوگیا ہے اب خوب ڈٹ کر ڈنر کرتے ہیں۔'' زیب النساء نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ان کے موبائل پر کوئی میسج آیا تھا انہوں نے موبائل پر اوکے لکھ کر سینڈ کرتے ہوئے ثناء کی طرف دیکھا' ثناء بھی مسکرائی ماہا بھی ان کے ساتھ مسکرا کر چلتی رہی۔

مال میں ایک بہت اچھا سا ریستوران تھا' وہ تینوں وہاں داخل ہوئیں فوراً ایک ویٹر ان کی طرف آیا اور ان کو کونے میں رکھے ایک ٹیبل پر لے گیا۔

''چلو ماہا! آج تم بتاؤ تم کو کیا پسند ہے؟'' زیب النساء نے بڑا سا مینو کارڈ ماہا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ماہا خاموشی سے مسکراتے ہوئے مینو کی طرف دیکھ رہی تھی کہ اچانک ایک آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''السلام علیکم! کیا اکیلے اکیلے ڈنر کرنے کا ارادہ ہے؟'' ماہا نے چونک کر جو نگاہیں اٹھائیں تو سامنے فرقان احمد کھڑے تھے' ماہا حیرت سے ان کو تک رہی تھی۔

فرقان احمد بلیک پینٹ کے ساتھ لائٹ کریم شرٹ پر گرے ریڈ ٹائی کے ساتھ ہمیشہ کی طرح بہت ڈیشنگ بہت اسمارٹ نظر آرہے تھے۔ چہرے پر مطمئن سی مسکراہٹ' ان کی ڈارک براؤن آنکھوں میں بہت اشتیاق تھا۔ وہ پُرشوق نظروں سے صرف ماہا کو دیکھ رہے تھے اور ماہا کو لگ رہا تھا کہ پوری دنیا صرف فرقان احمد کی پُرشوخ نگاہوں میں سمٹ گئی تھی۔

''کیا میں آپ کے ساتھ ڈنر کرسکتا ہوں؟'' بہت دیر بعد فرقان احمد کی آواز ماہا کو حقیقت کی دنیا میں واپس لائی۔

''کیوں نہیں بھئی صرف تم ہی تو ڈنر کرسکتے ہو۔'' زیب النساء نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ماہا کو یک دم اپنی حیثیت کا احساس ہوا اس کا رنگ سرخ ہوگیا۔ فرقان احمد بالکل اس کے سامنے بیٹھ گئے' وہ بہت غور سے ماہا کو دیکھ رہے تھے۔ ماہا کے لیے پلکیں اٹھانا مشکل ہوگیا' اچانک ہاتھ کانپنے لگے اور مینو کارڈ اس کے ہاتھوں سے گرگیا۔ فرقان احمد دھیرے سے مسکرائے۔

''ہاں بھئی ثناء! کچھ کھانا بھی ہے کہ نہیں۔ مجھے تو بہت بھوک لگی ہے۔'' فرقان احمد نے ماحول کو ریلیکس کرنے کے لیے کہا۔

''جی ہاں بھائی! آپ کو تو بھوک لگی ہوگی' آپ نے تو آج ہمارے ساتھ لنچ اور ڈنر کرنا تھا یقیناً آپ نے لنچ نہیں کیا ہوگا خوشی کے مارے۔'' ثناء کا لہجہ بہت شرارتی سا تھا۔ ماہا نے نظریں اٹھائیں تو فرقان احمد اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ برتنوں کی کھنک کے ساتھ ماہا کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹا' ویٹر سوپ کے کپ ٹیبل پر رکھ رہا تھا۔ زیب النساء نے اپنی پسند کی فش بریانی اور فرائیڈ پران کا آرڈر دیا' ثناء نے اپنے لیے پاستا ود سوس چکن منگوایا۔

''مجھے لگتا ہے کہ مجھے ہی آپ کے لیے آرڈر دینا ہوگا۔'' فرقان احمد نے خاموش بیٹھی ماہا سے کہا' ماہا حسب معمول چپ رہی۔ فرقان احمد نے اس ریستوران کی بیسٹ ڈش کا آرڈر دیا اور فرائیڈ رائس ود لیمب بھی منگوائے۔ ماہا فرقان احمد کے سامنے خاصی نروس ہورہی تھی۔ زیب النساء نے کہا۔

''فرقان بیٹے آپ ماہا کو گھر چھوڑ دیں' میں اور ثناء ڈرائیور کے ساتھ راج محل جارہے ہیں۔'' ماہا نے گھبرا کر ان کی طرف دیکھا' زیب النساء مسکرائی۔

''میرا خیال ہے ماہا آپ کو فرقان احمد سے کوئی خطرہ نہیں۔''

''جی پھوپو جان! آپ فکر نہ کریں' میں نے کھانا کھالیا

ہے اور کچھ نہیں کھانا۔" فرقان احمد کے چہرے پر شرارتی مسکراہٹ بہت بھلی لگ رہی تھی۔ زیب النساء نے دل ہی دل میں فرقان احمد کی بلائیں اتار لیں۔ جب وہ دونوں چلی گئیں تو فرقان احمد اکیلے رہ گئے' ماہا بے حد نروس ہو رہی تھی۔ ماہا نے جب نگاہیں اٹھائیں تو فرقان احمد اس کی طرف تک رہے تھے' ماہا کا رنگ ایک دم فق ہوگیا' وہ اپنی نازک سی انگلیوں کو بار بار مسل رہی تھی۔

"ماہا......" فرقان احمد کی آواز سنائی دی وہ بہت نرم اور مدھم لہجے میں بول رہے تھے۔ "میں آپ سے ملنا چاہتا تھا' بڑی مشکل سے آج وقت ملا ہے۔ کیا آپ میری بات سن رہی ہیں؟" انہوں نے ماہا نے پوچھا' کافی دیر خاموشی کے بعد ماہا نے سر اٹھایا۔

"جی۔" ماہا کی آواز کانپ رہی تھی۔

"ماہا ہمارا نکاح جن حالات میں ہوا وہ آپ جانتی ہیں صرف آپ اور میں اس بات سے واقف ہیں کہ اس سے پہلے ہم ایک دوسرے کو جانتے تک نہیں مگر ہمارے ساتھ جو ہوا وہ صرف قدرت کو منظور تھا۔ میرے گھر والے سمجھتے تھے کہ میں آپ کو پسند کرتا تھا اور راج ماں سے آپ کو ملانے کے لیے راج محل لایا تھا اور پھر راج ماں کے اصرار پر مجھے یہ نکاح کرنا پڑا۔ میں نہیں جانتا کہ آپ کے لیے یہ نکاح کیا حیثیت رکھتا ہے' ایک بات میں صاف آپ کو بتادوں میری زندگی میں کوئی بھی لڑکی نہیں آئی تھی آپ وہ پہلی لڑکی تھیں جو آتے ہی میری منکوحہ بن گئیں۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا آپ اس شادی پر خوش ہیں؟" ماہا خاموش رہی۔ "کیا آپ کی خاموشی اس بات کا اظہار ہے کہ میں آپ کو پسند نہیں اور آپ اس شادی سے خوش نہیں؟"

"نہیں...... یہ بات نہیں۔" بے ساختہ ماہا کے لب ہلے اور اس نے ان کی طرف دیکھا۔ فرقان احمد کی آنکھوں میں پسندیدگی نظر آرہی تھی اور ماہا کی آنکھوں میں فطری شرم وحیا۔

"عورت شرم وحیا اس سے کرتی ہے جس کو وہ پسند کرتی ہے۔ وہ اس کے دل کے اندر ہوتا ہے اس لیے وہ اس سے شرماتی ہے۔" فرقان احمد کو زیب النساء پھوپو کی بات یاد آگئی۔ ماہا کا چہرہ اور رویہ اس کی رضامندی ظاہر کررہا تھا۔ ماہا فرقان احمد کو کیسے بتاتی کہ فرقان احمد ان کی زندگی میں خواب کی طرح آئے اور ماہا کی زندگی کو خواب جیسا بنادیا۔ بے شک فرقان احمد خوابوں کے شہزادے لگتے اور خوابوں میں رہنے والی ماہا کو خدا نے خوابوں والی حقیقت سے روشناس کردیا تھا۔ فرقان احمد کے ساتھ زندگی خوابوں جیسی تھی۔

"ماہا میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ راج ماں نے میرے ساتھ جس لڑکی کو دلہن کے روپ میں دیکھا تھا اس کو میں ہمیشہ خوش رکھوں گا۔ راج ماں کا میری زندگی پر بہت احسان ہے اور راج ماں کا یہ آخری تحفہ بہت خوب صورت اور حسین ہے۔" فرقان احمد کی آواز جذبات سے لبریز تھی' ان کی آواز میں چاہت کی شدت اس قدر تھی کہ ماہا نے بے اختیار ہوکر ان کی طرف دیکھا۔

"کیا آپ کو میرا ساتھ قبول ہے؟" فرقان احمد نے ماہا کے سامنے اپنا مضبوط ہاتھ پھیلادیا۔ ماہا نے بہت آہستگی کے ساتھ اپنا نازک سا سفید ہاتھ ان کے ہاتھوں میں دے دیا۔ فرقان احمد نے ماہا کا ہاتھ نرمی سے دبایا اور اپنی پینٹ کی جیب سے ایک چھوٹی سی ڈبیا نکالی اس میں سے ایک بے حد خوب صورت ہیرے کی نازک سی رنگ اس کی مخروطی انگلی میں پہنادی۔ فرقان احمد بہت مسرور نظر آرہے تھے۔

"چلیے اب شادی پر ملاقات ہوگی۔" فرقان احمد نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ماہا ان کی ہمراہی میں مال سے باہر آکر گاڑی میں ان کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"یہ رنگ ہماری پہلی ڈیٹ کی گواہ ہے۔" فرقان احمد نے مسکرا کر کہا اور ماہا کے لیے پوری کائنات مسکرادی۔ ماہا نے اللہ کا بہت شکر ادا کیا۔ اللہ نے اس کی عزت رکھ لی' بے شک جس کو اللہ عزت دے اس کو کوئی ذلت نہیں دے سکتا۔ اللہ کی مہربانی اور کرم پر ہمیشہ سے ماہا کو یقین تھا اور اسی یقین پر اللہ نے ماہا کے خوابوں کو حقیقت میں بدل دیا۔ بے شک اللہ کے اختیار میں سب کچھ ہے' بس ایمان کامل ہونا چاہیے۔

تیرے سنگ چاند رات

سحرش فاطمہ

"ہائے میری جوتی۔" وہ اپنے لال سینڈل کو اٹھائے بڑی حسرت سے دیکھے جارہی تھی۔

"بس کردو جوتی ہی ہے کوئی دل پھینک عاشق کا دل نہیں جو یوں دیکھ رہی ہو کہ بس......"

"تم کیا جانو زین! ایک تو لال رنگ اور اوپر سے اچھا خیر تم نے پسند کی کوئی؟" اب وہ ساتھ بیٹھی لڑکی سے مخاطب تھی۔

"نہیں یار فیض...... کہاں کچھ سمجھ ہی نہیں آرہا کون سی لوں وہ وہ دیکھو سامنے کالی والی کیسی لگے گی؟"

"زین خدا کا خوف کرو...... کالی چڑیل لگو گی تم۔" کانوں کو ہاتھ لگائے اُس لال رنگ کی سینڈل والی لڑکی نے کہا۔

"ہاں جیسے تم یہ لال سنڈل پہنو گی اور وہ مثال بنو گی بڈھی گھوڑی لال لگام۔" دانت پیستے ہوئے ساتھ بیٹھی دوست نے کہا۔

"اچھا اچھا بس بس جو لینا ہے جلدی لو پھر کچھ کھانے کو چلیں گے۔" منہ بسورتے ہوئے لال رنگ والی نے کہا۔

"کھانے کو نہیں کھانے کے لیے نالائق۔" اُس کی دوست نے اُسے گھوری دی۔

میں اُن دونوں کی پسند کی ہوئی سینڈلز کو پیک کرنے چلا گیا اور ہنسی برداشت کرتا رہا۔ وہ دونوں بل پے کرتے ہوئے پھر ایک دوسرے سے لڑ رہی تھیں غالباً کسی بات پر بحث ہورہی تھی بل لے کر وہ دونوں چلتی بنیں میں اپنے کام میں لگ گیا ارے اُن دونوں کے بارے میں تو بتادیا ذرا اپنا اسم شریف بھی بتاتا چلوں میرا نام زین ہے ایم بی اے کیا ہے اور فی الحال جب تک جاب ملے تب تک فکرِ معاش کی وجہ سے اس سینڈل کی شاپ پر سب کو جوتے مارتا اوہ میرا مطلب پہناتا ہوں۔

وہ دونوں جاچکی تھیں میں بھی کاؤنٹر پہ بیٹھا حساب کتاب کرنے میں مگن تھا کہ اچانک میری نظر نیچے گرے چھوٹے سے کلچ پہ گئی اِس سے پہلے کوئی اور اٹھاتا میں نے اٹھالیا۔ جیسے ہی وہ کلچ اٹھانے لگا مجھے اُن دو لڑکیوں کی باتیں یاد آگئیں بے اختیار مسکرا اٹھا۔ واپس کاؤنٹر پہ آیا اور کلچ کو ٹٹولنا شروع کردیا۔

"اوہو تو میڈم کا نام فائزہ ہے تو یہ فیض صاحب کون تھے؟ اور دوسری لڑکی کا کیا نام لے رہی تھی وہ؟"

"زین صاحب! لنچ ٹائم ہوگیا ہے چلیں؟" میں ابھی اُن دونوں کو سوچ ہی رہا تھا کہ شاپ پہ کام کرنے والے لڑکے نے مجھے پکارا اچھی دوستی ہوگئی تھی میری اُس سے کلچ کو میں نے سنبھال کر دراز میں رکھ دیا اور اُس کے ساتھ باہر نکل آیا باقی لوگوں کو ہدایت دی کہ شاپ کا خیال رکھیں۔

......☆☆☆......

"اوئے بس کر جا کتنا کھائے گا؟" میں نے آصف (شاپ ورکر) سے کہا۔

"صاحب جل رہے ہیں کیا میری صحت سے؟" وہ بھی شغل کے موڈ میں تھا۔

"اف حالت دیکھ اپنی ایسے ہی کھاتا رہے گا تو اور موٹا ہو جائے گا۔" وہ ندیدہ بنا جواب دیئے کھاتا رہا بلکہ ٹھونسے جارہا تھا۔

"اچھا چل کھا بلکہ پوری دکان کھا جا۔" آصف نے مجھے گھور کے دیکھا اور منہ بسور کے پھر کھانے لگ گیا۔

......☆☆☆......

"میرا تو بس نہ چلے میں تو چاٹ بھی کھاؤں۔"

"ابھی تو برگر کھایا تھا اس کا کیا ہوا؟" زینب نے سامنے بیٹھی اپنی دوست فائزہ کو حیرانی سے دیکھا۔

"ہاہاہا اب تم اگر ڈائیٹنگ پروگرام پہ چل رہی ہو تو میں کیا کروں تم بھی کھاؤ مزے کرو۔"

"ہاں ہاں تو اب ہو ہی پتلی اڑالو مذاق۔" فائزہ کو برا لگا تو زینب نے اس کی توجہ ایک ٹیبل کی طرف کی۔

"اس موٹو کو دیکھو کیسے ندیدوں کی طرح کھا رہا ہے تم بھی اس جیسی تو ہو پھر رونا دھونا کیا لگا رکھا ہے؟"

"زین! اس کی مرضی وہ کھائے نہ کھائے کم از کم تو میرا خیال کر جاؤ۔ اچھا چلو تمھاری باتوں سے ہی پیٹ بھر گیا چلو چلتے ہیں۔" وہ دونوں کھا پی کے بل پے کرنے کاؤنٹر پر آئیں وہیں زین اور آصف بھی آ گئے زین نے دیکھتے کے ساتھ ہی پہچان لیا تھا دونوں گھر چلی گئیں۔ زین نے انہیں جاتے ہوئے دیکھا اور ان کی باتوں کو سوچتے ہوئے آصف کے ساتھ شاپ پر آ گیا تھا۔

"فائزہ ذرا کمرے میں آؤ کام ہے۔" فائزہ گھر میں داخل ہوئی ہی تھی کہ لاؤنج میں بیٹھی اُس کی امی مبشرہ نے اُسے حکم دیا اور خود بھی کمرے کی طرف چل دیں۔ کمرے میں پہنچ کر مبشرہ نے افسردہ چہرے کے ساتھ اسے دیکھا۔

"جی امی کہیں۔"

"یہ رشتہ بھی آنے سے پہلے چلا گیا۔"

"کہاں چلا گیا؟ بڑا ہی بدتمیز نکلا ہمیں بھی لے جاتا ناں ساتھ۔"

"تمہیں مذاق لگ رہا ہے؟ کیا کروں میں تمہارے اِس وزن کا۔"

"ارے واہ آپ کو میری فکر نہیں...... میرے وزن کی ہے۔"

"فائزہ تم صحیح سے ڈائیٹنگ کرو نہ پھر......"

"حد ہوتی ہے میں نے نہیں کرنی رشتہ آئے تو آئے ورنہ میں نے شادی ہی نہیں کرنی۔" فائزہ نے پیر پٹخا یہ کہہ کہ رکی نہیں اور کمرے سے چلی گئی۔

"اس کی وجہ سے میرا لوگ مذاق اڑاتے ہیں اور یہ سمجھتی ہی نہیں۔" فائزہ نے کمرے میں آ کر رونا شروع کر دیا تھا۔ یہ کوئی تیسرا رشتہ تھا جو اس کے وزن کی وجہ لوٹ گیا تھا لیکن اسے اپنے وزن کی کہاں پروا تھی۔ اپنا ذہن بٹانے کے لیے فیس بک پہ چیٹ کرنے لگی۔

فیس بک پہ نیوز فیڈ پر کسی دوست کی منگنی کا اسٹیٹس تھا تو کوئی کھانے پکانے کی تصویر لگا رہی تھی اور فائزہ کا دل مچلنے لگا' اُس نے لیپ ٹاپ بند کر دیا اور اپنی شاپنگ دیکھنے لگی۔

وہ شاپنگز دیکھنے میں مگن تھی کہ موبائل بجا۔ شاپنگ بیگز کے نیچے کہیں موبائل دبا ہوا تھا اور وہ شاپنگ بیگ اٹھا اٹھا کر زمین پر پھینکنے لگی۔ شررشرر کی آوازوں کے ساتھ موبائل بھی چلا رہا تھا۔

"شکر موبائل ملا۔" فون کی اسکرین پر زینب کا نمبر جگمگا رہا تھا۔

"ہاں زین بول۔" موبائل کو کان پر لگا کر کندھے کی مدد سے ٹکایا ہوا تھا۔

"ہائے کتنے مزے مزے کی شاپنگ کی ہے ناں ہم نے۔" زینب کی جانب سے شررشرر شاپرز کی آواز آ رہی تھی۔

"ہاں واقعی اب رمضان سکون سے گزرے گا۔" شاپرز کو ایک جانب رکھ کر فائزہ لیٹ گئی تھی۔

"اچھا یہ بتاؤ کالج پارٹی میں کیا پہننے کا ارادہ ہے؟" زینب نے رمضان شروع ہونے سے پہلے کالج میں ہونے والی پارٹی کے متعلق پوچھا۔

"ابھی کچھ سوچا نہیں۔" اپنے بالوں سے کھیلتے ہوئے فائزہ نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا مجھے بتا دینا پھر ہم ایک جیسے رنگ کے کپڑے پہنیں گے ٹھیک ہے ناں؟"

"چلو اب تم اتنا کہہ ہی رہی ہو تو سوچ کرتا......" فائزہ نے لہرا کر جواب دیا۔

"ڈرامے نہ کرو زیادہ اگر نہیں بتایا ناں تو میں تمہارا قتل کردوں گی۔" زینب نے دھیمی آواز میں ہی سہی لیکن دانت پیستے ہوئے کہا۔

"اچھا بابا بتادوں گی اب چل فون رکھ یار بہت تھک گئی ہوں۔" جمائی لیتے ہوئے فائزہ نے کہا۔

"ست پوست لڑکی جا مر سو دفع ہو۔" زینب نے یہ کہہ کر لائن کاٹ دی۔ فائزہ نے بھی مسکرا کر فون اپنے سرہانے رکھا اور آنکھیں موند لیں۔

......☆☆☆......

اُس لڑکی کا کلچ میرے پاس تھا۔ میں نے سنبھال کر اپنے پاس رکھا تھا کسی کو خبر بھی ہونے نہ دی۔ ارے یہ نہ سوچیے گا کہ اُس میں بہت سے پیسے تھے یا کچھ اور بس کچھ ایسی چیزیں تھیں کہ میرا دل اُن چیزوں کی مالکن پر آ گیا تھا۔

"کالج کارڈ، لائبریری کارڈ اچھا تو موصوفہ ابھی تک علم کی خاک ہی چھان رہی ہیں۔" میں اب کارڈز کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔

"نام تو فائزہ لکھا ہوا ہے پھر اُس دوسری لڑکی نے فیض کیوں کہا؟" سر کھجاتے ہوئے میں نے سوچا۔

اندر سے سم کارڈ بھی ملا جس میں نمبر لکھا ہوا تھا لیکن سم نکلی ہوئی تھی۔

"آہاں تو کہیں یہ موصوفہ کا نمبر تو نہیں؟" موبائل نکال کر میں نے اُس نمبر کو سیو کر لیا۔

سر کے نیچے ہاتھ رکھ کر مسلسل زین فائزہ کی باتیں یاد کر رہا تھا۔ کروٹ لے لے کر اُس نے وہ رات کاٹی کبھی کلچ نکال کر کارڈز دیکھتا کبھی موبائل پہ فائزہ کا نمبر دیکھتا رہتا۔

"یار زین تم نے میرا کلچ دیکھا؟" اگلے دن فائزہ نے زینب کو فون کیا۔

"نہیں یار! تمہارا کلچ تھا تمہارے پاس ہوگا نا۔" زینب کیوٹیکس لگاتے بات کر رہی تھی۔

"نہیں ناں یار ساری شاپرز دیکھ لیں کسی میں بھی کلچ نہیں ہے۔" زوہانسی ہو کر فائزہ نے کہا۔

"اچھا اچھا ہو سکتا ہے میرے شاپرز میں سے کسی میں آ گیا ہو میں نے بھی بے دھیانی میں دیکھا نہیں ہوگا ریلکس میں دیکھ کر بتاتی ہوں۔" ناخنوں پہ کیوٹیکس لگا کر اب انہیں دیکھتے ہوئے بولی۔

"مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہاں جا سکتا ہے؟ کالج آئی ڈی کارڈ بھی اُسی میں تھا اف۔" فکرمندی سے فائزہ گویا ہوئی۔

"فیض ٹھنڈی سانس لے یار اور یاد کر ہم کہاں کہاں گئے تھے آخری جگہ کون سی تھی جہاں کلچ کھولا ہوگا؟"

"ایسے مجھے بھی یاد نہیں آ رہا ناں رکو ہم نے آخر میں برگر کھایا تھا ناں، وہیں تو نہیں رہ گیا؟" فائزہ نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔

"نہیں یار بل تو میں نے پے کیا تھا یاد نہیں؟" زینب نے ہنکارتے ہوئے کہا۔

"اچھا ناں چلو تم نے مجھ پہ کیا احسان کر دیا بس اب اُس سے پہلے کہاں گئے تھے؟" فائزہ نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

"اُس سے پہلے...... اُس سے پہلے......" زینب نے سوچنا شروع کر دیا۔

"جلدی بتاؤ ناں۔"

"فیض کیا ہے یار صبر کرو مجھے بھی تو یاد کرنے دو۔" زینب کو اب کوفت ہونے لگی۔

"ہاں یاد آیا ہم شوز کی شاپ پہ گئے تھے ناں۔"

"بالکل وہیں گئے تھے اف یعنی میرا کلچ وہاں ہے؟" جوشیلے انداز میں فائزہ نے کہا۔

"اب مجھے کیا پتا دوبارہ وہاں جانا پڑے گا پوچھنے کے لیے۔" قدرے سہل انداز میں زینب نے جواب دیا۔

"پھر کب چلیں؟" بے صبری سے پوچھا۔

"یار میں تو آج مصروف ہوں کل کا رکھتے ہیں اوپر سے کل کی شاپنگ سے تھکاوٹ ہی نہیں اتری ابھی۔"

"یار ایسا تو نہ کرو اگر واقعی میرا کلچ وہاں ہوا تو؟" فائزہ کو پھر

سے فکر لگ گئی۔

"ہاں تو ایک دن اور رک جاؤ کہیں بھاگا نہیں جا رہا تمہارا کالج۔"

"اچھا ٹھیک ہے لیکن کل تو کالج بھی جانا ہے ناں کارڈ نہ ہوا تو کیا کروں گی؟" اب دوسری ٹینشن لگ گئی فائزہ کو۔

"ہم کل پہنچو تو کالج پھر دیکھتے ہیں اور بتا دینا کہ کارڈ گم ہوگیا ہے یا لانا بھول گئی کچھ بھی کہہ دینا یار خیر ہے دوسرا بنوا لینا اگر کالج نہ ملا تو۔" کندھے اچکاتے ہوئے زینب نے کہا۔

"اچھا چلو ٹھیک ہے تم شاید مصروف ہو میری تو باتیں رکنے والی ہی نہیں مجھے تو کالج کی فکر ہی ستائے جا رہی اب۔"

"فیض ریلکس یار کھاؤ پیو ٹی وی دیکھو اتنا نہ سوچو ہم جا رہے ہیں ناں کل پرسوں پوچھنے کو۔"

"کیا کہا زین! اکل پرسوں؟ کل ہی کرو ناں بھئی!"

"اچھا اچھا بابا کل ڈن ٹھیک ہے ناں کالج سے واپسی میں ہی کر لیتے ہیں یہ کام اوکے؟" زینب کی بات پر فائزہ نے سکھ کا سانس لیا اور الوداع کہہ کر فون رکھ دیا۔ لیکن ٹینشن کسی صورت کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

......☆☆☆......

"برخوردار...... کہو کیسا چل رہا ہے شاپ کا کام؟" زین کے والد اکرام صاحب نے کھانا کھاتے وقت پوچھا۔

"جی اچھا چل رہا ہے بابا۔" نظریں جھکائے زین نے کھانا کھاتے ہوئے جواب دیا۔

"اور تم نے کہیں جاب کے لیے اپلائی کیا تھا کسی کا جواب آیا؟"

"نہیں بابا ابھی تک تو نہیں آیا۔" گہری سانس لیتے ہوئے زین نے کہا۔

"چلو کوئی بات نہیں کم از کم یہاں جاب کر کے تمہیں اندازہ تو ہو رہا ہوگا ناں کہ یہ کام بھی آسان نہیں ہے۔" ہاتھ ہلاتے ہوئے اکرام صاحب نے کہا۔

"بالکل آسان مشکل والی بات تو تب ہوتی ہے ناں جب پسند کا ہو یا نہ ہو۔" پانی پیتے ہوئے زین نے کہا۔

"تو کیا تم ناخوش ہو اس کام سے؟" زین کی والدہ صفیہ نے بھی اپنا فرض نبھایا۔

"اوہو میں نے یہ تو نہیں کہا کہ میں ناخوش ہوں؟ بس ایک بات کہی ہے۔" زین نے گھورتی ہوئی ماں کو دیکھ کر کہا۔

"اچھا اچھا مجھے لگا ہمارے بیٹے کو یہ کام پسند ہی نہیں جو تمہارے ابو نے ایک چھوٹے سے پیمانے سے شروع کیا تھا۔"

"ارے بات کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہیں آپ بھی ممی؟ میں نے تو بات برائے بات کی تھی۔"

"اچھا اب بس آپ دونوں کھانا کھائیں باقی باتیں بعد میں کرلیں گے اور موڈ بھی ٹھیک رکھیں۔" اکرام صاحب نے کرخت لہجے میں کہا۔

کھانا کھانے کے بعد زین ٹی وی کے سامنے بیٹھ گیا ساتھ ہی اکرام صاحب بھی ڈائری لیے حساب کتاب میں لگ گئے تھے۔

"نیا اسٹاک کا کیا حال ہے؟" اچانک اکرام صاحب نے سوال کیا۔

"جی کیا؟" چینل بدلتے ہوئے زین نے سوال کیا۔

"برخوردار ہم پوچھ رہے ہیں نیا اسٹاک جو آیا ہے اس کی خرید وفروخت کیسی ہے؟" چشمہ اتار کر پین کو ڈائری میں رکھ کر بند کرتے ہوئے اکرام صاحب نے دوبارہ پوچھا۔

"اوہ اچھا ہاں کافی پسند کیا جا رہا ہے اور اب تو ویسے بھی رمضان آنے والا ہے تو عید کی وجہ سے ابھی سے رش ہونا شروع ہوگیا ہے۔" زین ٹی وی پہ نگاہ جمائے چینل بدلے جا رہا تھا۔

"ایک چینل پر رک بھی جا کیا بدل بدل کر دماغ خراب کر رہا ہے؟" صفیہ جو کھانے کے بعد گرین ٹی لے کر آئی تھیں فوراً ہی زین کو ٹوکا۔

"کہیں کچھ اچھا آ ہی نہیں رہا ناں تو کیا کروں؟" زین نے بیزاری سے کہا۔

"اچھا کوئی فیشن والا چینل لگا دو میں ہی دیکھ لوں کیا چل رہا ہے آج کل۔ بڑی کوئی سوہنیاں کڑیاں آندی نے ٹی وی وچوں۔"

"خدا کا واسطہ ہے ممی ایک تو آپ کی پنجابی دوسرے یہ فضولیات لڑکیوں کو دیکھ کر کیا مل جانا ہے؟" زین کو چڑ

ہونے لگی۔

"تو کیا کروں؟ تمہاری جاب کا کچھ ہو تو تمہارے لیے لڑکی ڈھونڈنا شروع کروں اور ہاں خبردار میری پنجابی کے لیے کچھ کہا تو...... ہاں نہیں تو وڈے آئے انگریز دے پتر۔" صفیہ اپنی جون میں بولیں۔

"انگریز دا پتر؟ کیا بول رہی ہیں بھئی؟ میں یہ جو آپ کے ہمراہ صوفہ پہ تشریف فرما ہیں ناں اکرام صاحب جی جی یہ جوتیوں کی دکان والا بندہ میں اسی خاک سار کا برخودار ہوں بلکہ اناں دا پتر۔" زین نے بھی پنجابی کا حشر نشر کرتے ہوئے اپنے ایک مخصوص انداز میں جواب دیا۔

"چھڈ چپ کر کے سبز قہوہ پی اب۔" صفیہ کا موڈ سخت خراب ہو چکا تھا۔

زین گرین ٹی پیتے ہوئے ہنوز مسکرا رہا تھا جسے اکرام صاحب نوٹ فرما چکے تھے اور زین "کلچ" والی کو ہی سوچ جا رہا تھا۔

......☆☆☆......

"اف میں کیا کروں اگر میرا کلچ نہیں ملا تو؟ چلو اسٹیٹس ہی لگا دیتی ہوں "فیلنگ اپ سیٹ کا۔" فائزہ اپنے کلچ کے کھو جانے کا غم منانے فیس بک پہ آ چکی تھی اور اسٹیٹس لگاتے ہی سب سے پہلا کمنٹ زینب کا ہی تھا۔

"ہاہاہا...... کوئی حال نہیں تمہارا کہا تو تھا ریلکس کر صبر کر پر نہیں ہاہاہاہا۔" تپانے کے لیے زینب نے یہ کمنٹ کیا تھا۔

"شکر یہ زین پر کیا کروں تم نے ہی تو سکھایا تھا یہ فیلنگ والا تو سوچا اب اپلائی کر ہی ڈالوں۔" منہ چڑانے والے اسمائیلی کے ساتھ کمنٹ کیا۔

"اوہو یعنی کو جی سی بلی بن گئی ہو؟" زینب نے فوراً کمنٹ کیا۔

"ہاہا بس کیا کروں تمہاری کو جی سی مانو بلی ہوں ناں تو تمہیں ہی میاؤں میاؤں کروں گی۔" فائزہ مسکرا مسکرا کر جواب دے رہی تھی جب ہی ساتھ رکھا موبائل بج اٹھا۔ شاید میسج آیا تھا۔

"ضرور زین کا میسج ہوگا۔" لیپ ٹاپ کو سائیڈ پہ کر کے اب موبائل ہاتھ میں لے لیا۔

"میسج دیکھوں...... آہاں واٹس ایپ پہ میسج ہے۔"

"یہ کیا انجانہ نمبر؟" خود کلامی کرتی ہوئی فائزہ نے آنکھیں چھوٹی کر کے دیکھا۔

"فیض؟"

"یا اللہ یہ کون ہے جس نے مجھے فیض کہہ کر بلایا ہے۔" سوچتے ہوئے تیزی سے اُس نے اپنا انگوٹھا چلایا اور میسج ٹائپ کیا۔

"جی آپ کون؟"

"زین ہوں۔"

"کیا...... زین......!" یہ اِس نے نمبر کب بدلا؟" انگلی دانتوں تلے دبائے فائزہ سوچنے لگی۔

"یہ کون سا نمبر ہے بھئی؟" فائزہ نے میسج کے ذریعے پوچھا۔

"بھائی کا ہے، تم کیسی ہو کیا کر رہی ہو ابھی؟"

زین مزے سے بیٹھا فائزہ کے آنے والے میسج کے ساتھ محظوظ ہو رہا تھا۔ نمبر اس نے پہلے ہی سیو کر لیا تھا ایس ایم ایس کے بجائے زین نے واٹس ایپ پہ میسج کرنے کا سوچا تھا۔

"بس یار کلچ کی وجہ سے واقعی اپ سیٹ ہوں، اچھا اب میں سو رہی ہوں کل کالج میں ملیں گے۔" فائزہ نے میسج کیا اور موبائل بند کر کے لیٹ گئی۔

"ہمم اب یہ کل کالج جائے گی۔ اِس کا مطلب کہیں ایسا نہ ہو یہ محترمہ اپنی دوست "زین" سے یہ بات نہ شیئر کرے۔" زین سر کے نیچے بازو رکھ کر سوچنے لگا۔

......☆☆☆......

اگلے دن کالج کے مین گیٹ پر فائزہ کا پہنچتے ہی برا حال ہونے لگا۔ ہاتھ ملتے ہوئے وہ گیٹ پہ کھڑے چوکیدار کو کارڈ نہ لانے کی وجہ بتا رہی تھی۔

"پتا ہے ناں آپ کو کارڈ کے بغیر ہمیں اجازت نہیں ہوتی کہ ہم کسی کو بھی اندر جانے دیں۔"

"میں جانتی ہوں بھئی اب ہوگئی ناں غلطی دوبارہ نہیں ہوگی۔ میں جا کر دوسرا کارڈ بنوانے کا کہہ دیتی ہوں دو تین

رکھوں گی ہر جگہ بس خوش؟" چوکیدار نے منہ بسورتے ہوئے اندر جانے دیا فائزہ تیز تیز قدم اٹھاتی اپنی کلاس کی طرف جانے لگی۔

"اوئے کیا ہوا؟" زینب نے غصے سے لال ہوتی فائزہ کو دیکھا اور پوچھا۔

"بس کچھ نہیں چھٹی ہونے کا انتظار کرنا شروع۔" فائزہ اب اپنی چیئر پر آ کر بیٹھ گئی۔

"لو ابھی تو آئی ہو اور آتے کے ساتھ ہی گھر جانے کی جلدی؟ تو اس سے اچھا آتی ہی نہیں۔"

"میرا موڈ ابھی شدید خراب ہے زین پلیز تنگ نہ کر۔" فائزہ نے قدرے ناگواری سے کہا۔

"ارے کیا ہوگیا ہے؟ اچھا چلو انتظار کرتی رہو چھٹی ہونے کا حد ہے بھئی۔" زینب نے بھی منہ پھیر کر کہا۔

جیسے تیسے پہلا پیریڈ ختم ہوا دوسرا شروع ہوتے کے ساتھ ہی پتا چلا کہ ٹیچر آئی ہی نہیں ہے۔

"کینٹین چلیں؟"

"کیوں چھٹی ہوگئی ہے کیا جواب مجھ سے اچھے سے بات کر رہی ہو؟" زین نے اس کی جانب بغیر دیکھے کہا۔

"او یار بس میرا موڈ اس چوکیدار کی وجہ سے خراب ہوگیا تھا سوری یار..." فائزہ نے زینب کے ہاتھ پکڑے۔

"تو مجھ سے اس طرح بات کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"دیکھ میں تیری بلی ہوں ناں پالی پالی سی مانوسی موٹی سی چل اب معاف کردے سوری، کینٹین چلتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے اب ایسے بات نہ کرنا آئی سمجھ...... مجھے پتا ہے تمہیں کلچ کی وجہ سے چھٹی کا انتظار کرنا ہے میں جانتی ہوں تمہیں اچھے سے لیکن تم......"

"اف میری توبہ...... زین قسم سے تم جیسی دوست ہو ناں بس اور کچھ نہیں چاہیے ماسوائے کچھ کھانے کے اب پلیز یار چل میں نے ناشتہ بھی نہیں کیا تھا۔" فائزہ کے انداز پر زینب کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"میں تو ابھی سے جتنا کھانا ہے کھالوں رمضان میں تو فل ڈائٹنگ پروگرام شروع ہوجائے گا۔" سموسہ چٹنی میں ڈبو ڈبو کے چسکے لے لے کر فائزہ کھا رہی تھی۔

"بات سنو یہ جو تم ہر سال رمضان میں ڈائٹنگ کے نام پر جو کھا پی رہی ہوتی ہو ناں اس کے بجائے اچھی چیزیں کھالو تو صحت کی صحت بھی رہے گی اور تمہارا جسم بھی اچھا رہے گا۔"

"تم بس جلتی ہو مجھ سے اور کچھ نہیں۔" فائزہ کی بات پر زینب نے اُسے گھورا۔

"میں اور تم سے جلوں گی؟ ایسی بات ہے اب تم ذرا اس شاپ پہ چلو میرے ساتھ ہونہہ۔" زینب نے ہنکارا ابھرا۔

"اچھا اچھا میں نے تو مذاق کیا تھا بابا اچھا اب کی دفعہ ناں رمضان میں "کیئر" کروں گی ٹھیک ہے ناں؟"

"نہیں نہیں تم یہیں بیٹھی ٹھونستی رہو میں جا رہی ہوں باقی کلاسز لینے اور واپسی میں بھی میں گھر چلی جاؤں گی تمہیں جہاں جانا ہو چلی جانا۔" یونیفارم جھاڑتے ہوئے زینب اٹھی۔

"اچھا بھئی بس ناں ایک تو تم میری دوست ہو اور ایسے کرو گی تو مجھ معصوم کا کیا ہوگا؟" فائزہ کو بھی اٹھنا ہی پڑا۔

"کچھ نہیں ہونا تمہارا اب چلو کلاس میں یار ٹھونس چکی ہو ناں اب چھٹی تک کچھ نہیں کھانا آئی سمجھ؟" ناک پھلا کر زینب نے کہا اور فائزہ نے بس سر ہلا دیا۔

جیسے تیسے کالج میں پورا دن گزرا اور چھٹی کے وقت گھر پر فون کر کے مطلع کردیا تھا کہ وہ دونوں شاپنگ پہ جا رہی ہیں۔ دونوں اسی شاپ پر پہنچیں۔

"سنیں یہاں کسی نے کالے رنگ کلچ گرا دیکھا ہے؟" فائزہ نے ابھی کہا ہی تھا کہ زینب نے اُسے ٹہوکا دیا۔

"کیا ہے؟" بازو سہلاتی فائزہ نے زینب کو دیکھا۔

"ہم لوگ دو دن پہلے شاپ پر آئے تھے دوپہر کے ٹائم اور واپسی میں ان کا کلچ گر گیا تھا کہیں آپ نے یا کسی اور ورکر نے تو نہیں دیکھا؟" فائزہ نے بہت مہذب انداز میں سامنے موجود کاؤنٹر پر ورکر سے پوچھا۔

"جی معذرت لیکن مجھے اِس بات کا علم نہیں۔ میں دراز میں دیکھ لیتا ہوں اگر کوئی کسٹمر کچھ چھوڑ جاتا ہے تو ہم جمع کر کے رکھ لیتے ہیں۔" اُس ورکر نے کاؤنٹر ٹیبل کی دراز دیکھی لیکن اُسے کچھ نہ ملا۔

''جی یہاں تو کچھ نہیں ہے میں اور ورکرز سے پوچھ لیتا ہوں آپ کی تسلی کے لیے۔''

''سنیں یہاں اور کتنے لوگ ہیں؟ یہاں کے مالکان میں سے کوئی موجود نہیں؟'' تجسس بھرے انداز میں فائزہ گویا ہوئی۔

''جی وہ ذرا مصروف ہیں اس لیے نہیں آئے۔ اگر انہیں ملا ہوگا تو میں پوچھ کر آپ کو بتادوں گا آپ اپنا نام اور نمبر یہاں لکھ دیں۔'' اُس ورکر نے رجسٹر سامنے کیا' دونوں نے اپنا نمبر لکھ دیا اور گھر چلی گئیں۔ ورکر نے رجسٹر میں مارک کردیا تھا۔

''یار اب کیا ہوگا؟'' گھر پہنچ کر فائزہ نے متفکر ہوکر زینب کو دیکھا۔

''کچھ نہیں انتظار اور کیا؟'' زینب نے مصنوعی غصے سے گھورا۔

''یار ہم نے اپنا نمبر بھی وہاں دے دیا ہے، پتا نہیں وہ رابطہ کریں گے یا نہیں اپنا نمبر کیوں دے دیا فضول میں۔'' ایک بار پھر فائزہ اور زینب روم میں تھے کہ فائزہ نے رونی آواز میں کہا، زینب نے کشن کھینچ کے دے مارا۔

''بی بی اگر یہی سب کرنا تھا تو کلچ کو بھول ہی جاتیں جانے دیتیں۔''

''ایک تو اتنی زور سے مارتی ہوناں کہ نہیں۔ میں تو اِس لیے فکر مند تھی کہ خیر ویسے شاپ والا شریف تو لگ رہا تھا شکل سے۔''

''اچھا تو اب فکر بند کرو اور پلیز کھانے کا کچھ کرو تاکہ پھر میں آرام سے گھر جاسکوں کل کی تیاری بھی کرنی ہے ناں۔'' زینب فریش ہونے فائزہ کے واش روم میں گئی اور فائزہ اُس کے لیے کھانے کا بندوبست کرنے لگی۔ کھانا کھا کر فائزہ نے زینب کو گھر چھڑوا دیا تھا۔

اگلے دن موبائل کی بیل پہ فائزہ کی آنکھ کھلی اور اس نے مندی مندی آنکھوں سے موبائل اسکرین کو دیکھا۔

''زین کالنگ۔'' تو اس کی آنکھیں پوری کھل گئیں جلدی سے کال پک کرکے وہ بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہاں ہاں یار اٹھ گئی ہوں پتا ہے مجھے بھی کہ آج پارٹی ہے۔''

''تقریباً ریڈی ہوں تم بھی جلدی کرو۔'' اور زین کے کچھ کہنے سے پہلے کال ڈراپ کرکے وارڈروب کی طرف لپکی۔

اُدھر زین بس فائزہ کی مدھر نیند میں ڈوبی ہوئی آواز سن کر مسکرائے جارہا تھا۔ زین بھی اُسی وقت اٹھا تھا اور صبح صبح فائزہ کی آواز سن کر خود کو فریش محسوس کرنے لگا۔ اچھے سے موڈ کے ساتھ ناشتہ کیا اور پھر جاب انٹرویو پہ جانے کے لیے نکل پڑا۔

دوسری جانب جلدی جلدی فائزہ پارٹی کے لیے تیار ہوئی۔ کالج جاتے ہی زینب اور دیگر لڑکیوں کے ساتھ خوب ہلہ گلہ کیا اور تصاویر کھنچوائیں۔ گھر پہنچ کر کچھ دیر کو وہ لیٹ گئی۔

''پتا ہے ناں پرسوں سے رمضان شروع ہورہے ہیں؟'' مبشرہ فائزہ کے کمرے میں آئیں۔

''جی امی پتا ہے۔''

''بس اس دفعہ کھانے پینے پہ اچھا والا کنٹرول کرنا ہے تم نے۔'' مبشرہ اُس کے پاس آکر بیٹھیں اور بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگیں۔

وہ جو زینب کو یہ کہہ بیٹھی تھی کہ وہ ڈائٹنگ کرے گی لیکن اپنی ماں کے آگے ڈائیٹ والی بات سن کر جھنجھلاگئی۔

''مجھے کچھ نہیں پتا بس اِس بار خیال رکھنا ہے تو رکھنا ہے آئی سمجھ؟''

''اچھا ٹھیک ہے ناں ابھی تو آرام کرنے دیں بھئی۔'' مبشرہ نے اُسے ماتھے پہ پیار کیا اور کمرے سے چلی گئیں۔

شام میں اٹھ کر فائزہ نے موبائل چیک کیا تو کافی مسڈ کالز تھیں زینب کی پھر واٹس ایپ دیکھا تو زینب کے بھائی والے نمبر سے میسج آئے ہوئے تھے۔

''بہت اچھی لگ رہی تھیں آج تو چلو ہماری تصویر تو بھیجو۔'' فائزہ ابھی بھی نیند میں ہی تھی۔ اُس نے بنا جواب دیے ایک دو تصویریں جو بہت اچھی آئی تھیں زین کو بھیج دیں۔

رات میں ٹی وی پہ اعلان ہوا تھا کہ اگلے دن پہلا روزہ ہوگا۔ سب ایک دوسرے کو چاند مبارک کا میسج کرنے میں مصروف ہوگئے تھے۔ وہیں زین نے بھی فائزہ کو مبارک باد کا میسج بھیجا جواباً فائزہ نے بھی مبارک باد کا میسج کردیا۔

''ہوسکتا ہے زین کے بھائی نے میسج کیا ہو کوئی نہیں

زین کے بھائی میرے بھائی۔" اس نے دل میں سوچا اور سونے چلی گئی۔

......☆☆☆......

رمضان شروع ہوگیا تھا جہاں کالج کی چھٹیاں تھیں وہیں فائزہ روز نت نئی ریسپیز ٹرائی کرتی، مبشرہ ٹوکتی لیکن وہ رمضان کے بابرکت مہینے کا کہہ کر بات گھما دیتی۔ زینب اور فائزہ ایک دوسرے کے گھر افطاری پہ جاتیں۔ زین کو بھی پتا لگ گیا تھا کہ دو لڑکیاں آئی تھیں کلچ کا پوچھنے اپنا نمبر بھی چھوڑ گئیں، زین جو ویسے ہی فائزہ کا نمبر جانتا تھا یہ بھی ایک طرح سے قدرتی بہانہ مل چکا تھا تاہم کلچ اُس نے پھر بھی اپنے پاس رکھا اور یہی کہا شاپ پہ کہ کلچ یہاں نہیں ہے۔ فائزہ کو پتا چلا کہ اُس کا کلچ شاپ پہ بھی نہیں ہے تو بے حد افسوس ہوا۔

رمضان کا پہلا عشرہ گزر چکا تھا۔ شاپنگ وہ پہلے ہی کر چکی تھیں اس لیے انہیں آخری لمحے تک کی فکر نہیں تھی۔ زین مستقل اُسے میسج کرتا رہتا تھا حال احوال لیتا رہتا تھا جس کے بدلے میں فائزہ بھی بات چیت کر لیتی تھی۔ ایک دن مبشرہ سے ملنے کوئی خاتون آئیں اُس دن فائزہ گھر پر نہیں تھی۔

باتوں ہی باتوں میں پتا چلا کہ وہ خاتون رشتے کے لیے آئی تھیں۔ مبشرہ پھولے نہیں سما رہی تھی، بقول اس خاتون کہ فائزہ کو دیکھ رکھا ہے اور میرے بیٹے کو بھی پسند ہے اِس لیے ہم یہ رشتہ لے آئے ہیں۔ مبشرہ نے کافی جگہوں پہ فائزہ کی تصویریں دے رکھی تھیں۔ وہ یہی سمجھی کہ ضرور کسی نہ کسی کے ذریعے رشتہ آیا ہوگا۔ فائزہ کو بتانے کے بجائے وہ بس چپ ہی رہیں وہ چاہ رہی تھیں کہ وہ لوگ پر اپر رشتہ لے کر آئیں رسم بھی کر ڈالیں تاکہ فائزہ چوں چراں نہ کر سکے۔

دوسرے عشرے میں فائزہ نے کچھ کھانا پینا کنٹرول میں کر لیا تھا۔ زین کے متواتر آتے میسج کبھی وہ اگنور کرتی کبھی جواب دے دیتی لیکن کبھی کبھی غصہ بھی آتا تھا کہ یہ زینب کا بھائی اتنا فری کیوں ہو رہا ہے۔ زینب کو بتاتی تو شاید زینب کو برا بھی لگتا ویسے بھی لڑکیاں اس معاملے میں حساس ہوتی ہیں مارے مروت کے وہ بتا نہیں پاتیں۔ تیسرا عشرہ شروع ہوتے ہی مبشرہ نے فائزہ کے بازاروں کے چکر لگوانا شروع کر دیئے۔

فائزہ کی شاپنگ ہو تو چکی تھی لیکن مبشرہ اپنے طور پر بھی شاپنگ کروانا چاہ رہی تھی۔

"بھئی میں جب کہہ چکی ہوں میری ایک ایک چیز موجود ہے تو پھر دوبارہ سے یہ سب کیوں؟"

"کیا اب ایک ہی جوڑا پہنو گی؟ کم از کم دو تین تو لینے چاہیے تھے ناں؟" مبشرہ ایک دوست کی بوتیک پہ لے آئی تھی۔

"آپ کو پتا بھی ہے یہ سلے سلائے کپڑے مجھے آتے نہیں تو کیوں لے کر آئی ہیں یہاں؟" حسرت بھری نگاہوں سے وہ بوتیک میں ریکس پہ لٹکے خوب صورت اور جدید تراش خراش کے ملبوسات دیکھ رہی تھی لیکن جانتی تھی کہ ان میں سے کوئی بھی اُسے "فٹ" تو آنے والا ہے نہیں۔

"تم بس چپ کر کے میرے ساتھ رہو سمجھی۔" مبشرہ نے اُسے گھورا اور کاؤنٹر پہ جا کر اپنی دوست سے باتیں کرنے لگی۔ فائزہ وہیں رکھے صوفے پہ آ کر بیٹھ گئی کچھ ہی دیر میں ایک خاتون فائزہ کے پاس آئی۔

"تم فائزہ ہو؟" اُس خاتون نے اُسے پکارا تو فائزہ نے ہڑبڑا کر انہیں دیکھا۔

"ج......جی آپ کون؟"

"مبشرہ کی بیٹی ہو ناں؟ دوست ہوں اُس کی۔" اُس خاتون نے اپنا تعارف کروایا۔

"اوہ اچھا' وہ وہاں کاؤنٹر پہ ہیں آپ ان سے جا کر مل لیں۔"

"اچھا اچھا ٹھیک ہے تم سے مل کر اچھا لگا چلو مبشرہ کے پاس ہی چلی جاتی ہوں۔" ہنستے ہوئے وہ خاتون وہاں سے چلی گئی۔

"اف پتا نہیں اب امی کب آئیں گی...... روزے میں باہر نکلنا کتنا تو برا لگتا ہے۔" وہ اب موبائل سے فیس بک یوز کرنا شروع ہوگئی۔

"چلو فائزہ کافی دیر ہوگئی ہے۔" مبشرہ اُس کے سر پر آ کر کھڑی ہوگئی۔

"اچھا واقعی دیر ہوگئی ہے؟"

''فضول بولنے کی ضرورت نہیں ایک تو ماں ہوں تمہارے لیے اچھا برا سب سوچوں اور تم ہو کہ......''

''اب گھر چلیں مہربانی کر کے۔'' فائزہ مبشرہ کے ساتھ گھر جانے کے لیے اٹھ گئی۔ دونوں گھر پہنچیں فائزہ کا ہنوز موڈ خراب تھا۔ گھر پہنچتے ہی مبشرہ کچن کی جانب چلی گئیں۔

افطاری کے وقت فائزہ، مبشرہ اور رضوان (فائزہ کے ابو) روزہ کھولنے بیٹھے، چیزیں بھی ساری مبشرہ نے لگائی تھیں فائزہ کا موڈ اتنا خراب تھا کہ وہ کچن میں بھی نہیں گئی تھی۔

جیسے ہی اذان ہوئی فائزہ نے روزہ کھولا اور چیزیں دیکھ کر حیران ہوئی تھوڑی شرمندہ بھی ہوئی اور مبشرہ کو دیکھا۔ مبشرہ بھی مسکراتے ہوئے فائزہ کو دیکھ رہی تھیں۔

''کیا بات ہے بھئی بڑا مسکرا رہی ہو بیگم خیر ہے ناں؟''

''لو اب میں مسکرا بھی نہیں سکتی کیا؟ بس اپنی بیٹی کے لیے اس کی پسند کی چیزیں بنائی ہیں ناں اُسے دکھا کر خوش ہو رہی ہوں اور کیا۔''

''تھینک یو امی!'' نظریں جھکا کر اس نے مبشرہ سے کہا۔

''اچھا اب یہ سننے کے لیے میں نے یہ سب نہیں بنایا تھا۔'' جوس گلاس میں انڈیلتے ہوئے مبشرہ نے کہا۔

''لیکن آپ بھی تو حد کر دیتی ہیں ناں بعض اوقات۔'' منہ بسورتے ہوئے فائزہ نے کہا تو مبشرہ نے گھوری دی۔

''اب آپ لوگوں کا پیار ختم ہو گیا ہو تو چپ چاپ افطار کریں اور مجھے بھی جوس ڈال کے دیں۔'' رضوان نے بات ختم کرانے کی کوشش کی۔

تیسرا عشرہ اپنے اختتام پہ پہنچنے والا تھا۔ مبشرہ نے جو کپڑے بوتیک سے خاص بنوائے تھے وہ فائزہ کو دکھائے جسے دیکھ کر فائزہ بہت خوش ہوئی اس نے پہن کر بھی دیکھے۔ دو دن بعد چاند رات تھی۔ زین کے مستقل میسجز آ رہے تھے۔

''یہ بتاؤ عید پہ کیا پہنو گی؟''

''یہ بات میں آپ کو کیوں بتاؤں کہ کیا پہنوں گی۔'' ناگواری سے فائزہ نے میسج کا جواب دیا۔

''تصویر بھیج دینا بس چلو چاند رات کا بتاؤ مہندی لگواؤ گی ناں؟''

''میری مہندی کا آپ سے کیا کام؟'' منہ بناتے جواب لکھا۔

''کیا مجھ سے بات کرنا برا لگتا ہے۔'' زین نے اداس چہرے والے اسمائیلی کے ساتھ میسج کیا۔

''دیکھیں آپ میری دوست کے بھائی ہیں اور مجھے اچھا نہیں لگتا یوں ہر وقت آپ کے میسج آئیں میں زین کو بتا کر دوستی میں کوئی خلل لانا چاہتی ہوں اچھا یہی ہوگا کہ آپ مجھے میسجز نہ کیا کریں۔''

''اوہ تو یہ بات ہے؟'' میں نے سوچا کہ تم نے زین سے اتنی دوستی رکھی ہوئی ہے مجھ سے بھی رکھ لو تو حرج نہیں خیر اب میسج نہیں کروں گا۔'' زین نے مسکراتے ہوئے میسج بھیجا اور اندازہ تھا کہ فائزہ اس میسج کا جواب نہیں دے گی۔

''اف کہاں پھنس گئی ہوں میں بھی...... اچھا ہے نہ کرے میسج مجھے کیا۔'' سر جھٹکتے ہوئے فائزہ نے سوچا اور چاند رات کا سوچنے لگی۔

☆☆☆......

آخری روزے کی افطاری کی جا رہی تھی۔

''پھر آپ لوگ جا رہے ہیں ناں؟'' زین نے چنی پیالی میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''برخودار یہ سوال کتنی دفعہ دہرانا ہے؟'' اکرام صاحب نے پوچھا۔

''نہیں بس ایسے ہی۔'' کندھے اچکا کر زین نے جواب دیا۔

''کہیں تمہارا بھی تو ساتھ جانے کو موڈ نہیں؟'' صفیہ نے چھیڑتے ہوئے کہا۔

''کون سا واقعی لے جائیں گے آپ لوگ۔'' آہ بھرتے ہوئے زین نے کہا۔

''لو اب پسند تمہاری ہے تو تمہارا ساتھ چلنا تو بنتا ہے، کیوں جی صحیح کہا ناں زین کے ابو؟''

''ہاں ہاں یہ بھی چلے ساتھ کوئی حرج نہیں اچھا ہے سب ایک دوسرے سے مل لیں۔'' اکرام صاحب کی بات پر زین نے خوش ہو کر دونوں کو دیکھا اور انتظار کرنا شروع کر دیا کہ کب یہ

لوگ جائیں گے۔

"فائزہ تم نے ابھی یہ جوڑا پہننا ہے۔" مبشرہ فائزہ کو اُسی کی الماری سے جوڑا نکال کر دکھا کر بولیں۔ فائزہ تسبیح پڑھنے لگ گئی۔

"سن رہی ہوناں؟" فائزہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ تھوڑی دیر بعد وہ مبشرہ سے مخاطب ہوئی۔

"چاند رات پہ مجھے یہ جوڑا دے رہی ہیں پہننے کے لیے؟ امی یہ تو اتنا نفیس کام والا ہے اور میں تو مہندی لگوانے بھی جاؤں گی ناں تو پھر یہ کیوں؟" حیران ہوتی فائزہ نے پوچھا۔

"ہاں کچھ مہمان آرہے ہیں تمہارے رشتے کے لیے۔"

"کیا کہا...... میرا رشتہ لیکن اچانک کیسے؟" فائزہ کو حیرانی نے آگھیرا۔

"اچانک نہیں مجھے پتا تھا بس اِس دن کے انتظار میں تھی کہ وہ لوگ آئیں گے تو ہی بتاؤں گی اب چپ چاپ یہ جوڑا پہن لو اور اچھے سے تیار ہوجانا سمجھیں۔" مبشرہ نے تحکم بھرے انداز میں کہا اور وہاں سے چلی گئیں۔

"حد ہوگئی بھئی بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا اور میں اب تیار بھی ہوں اف۔" وہ ہلکا نارنجی رنگ کا جوڑا تھا جس پہ گولڈن کڑھائی اور کٹ دانے کا کام بنا ہوا تھا، ہاتھوں میں ہم رنگ چوڑیاں پہنی تھیں اور ساتھ میں گولڈن سینڈل۔ ہلکی سی لپ گلاز کے ساتھ آنکھوں میں کاجل لگایا ہوا تھا۔

مبشرہ نے اُسے آکر بتایا کہ مہمان آچکے ہیں۔ وہ مبشرہ کے ساتھ لاؤنج میں آئی جہاں زین اپنے والدین کے ہمراہ موجود تھا۔ فائزہ سامنے بیٹھی خاتون کو پہچاننے کی کوشش میں لگی تھی۔

"فائزہ میں وہی ہوں بوتیک پہ جو ملی تھی ناں مبشرہ کی دوست۔" صفیہ نے مسکراتے ہوئے فائزہ کو دیکھ کر کہا۔

"یہ میرا بیٹا ہے زین۔" زین نام سن کر وہ چونک گئی۔ بلاشبہ زین لڑکے کا ہی نام ہوتا ہے لیکن اُس کی دوست بھی زینب سے زین بن چکی تھی تو چونک کر ایک دم مسکرا کر سامنے بیٹھے زین کو دیکھا پھر نظریں جھکا دیں۔

"بھئی ہم لوگ تو باتیں واتیں کر ہی لیں گے اِن دونوں کو بھیج دیتے ہیں تا کہ ہم لوگ اپنی باتیں کریں ورنہ یہ دونوں خوانخواہ بور ہوجائیں گے۔" اکرام صاحب نے رضوان سے کہا انہوں نے بھی بات کی تائید کی اور مبشرہ نے فائزہ کو کہا کہ وہ زین کو چھت پہ لے جائے۔ فائزہ زین کو لے کر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے چھت پہ آئی۔

"زبردست ہوا چل رہی ہے ناں۔" زین نے ہاتھ دونوں پیچھے باندھے فائزہ کو دیکھ کر کہا۔

"جی۔" فائزہ نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"مجھے تو آپ پسند آئیں کیا میں آپ کو پسند آیا؟" زین نے فائزہ کے کان میں سرگوشی کی۔

"جی۔" وہ ٹپٹا گئی۔

"فائزہ نیچے ہماری بات طے ہورہی ہے کیسا لگ رہا ہے آپ کو؟" زین اُس کی حالتِ غیر پر محظوظ ہورہا تھا۔

"جی...... اچھا۔"

"بس جی اچھا۔" زین نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

"چلیں لگتا ہے آپ کو کوئی تحفہ دینا پڑے گا تبھی شاید آپ کا موڈ کچھ اچھا ہوجائے۔" زین نے مسکرا کر کہا۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔" فائزہ کو سمجھ نہیں آیا وہ اب کیا کہے۔

"اچھا رکیں میں ذرا ابھی آیا۔"

"جی۔" فائزہ نے پھر سے وہی جی کہا۔

زین نیچے گیا اور ساتھ میں دو شاپرز لے آیا۔

"یہ لیجیے جناب آپ کا ایک تحفہ۔" زین نے فائزہ کے ہاتھ میں ایک شاپر پکڑا دیا۔

"کھولیں اب۔" زین کے کہنے پر فائزہ نے شاپر میں سے باکس نکالا اور کھولا۔

"لال رنگ کی سینڈل؟"

"کیوں حیران ہورہی ہیں کیا سینڈل دیکھ کر؟" زین نے سر کھجا کر پوچھا۔

"یہ اس طرح سینڈلز بھی تحفے میں دی جاتی ہیں کیا؟" فائزہ نے بے یقینی سے سوال کیا۔

"اوہ کیا نہیں دی جاتیں؟ اچھا چلیں یہ یہاں رکھیں نیچے

میں دوسرا تحفہ دیتا ہوں۔'' مارے حیرت کے فائزہ زین کی حرکتیں نوٹ کررہی تھی۔
ایک چھوٹا سا شاپر دیا فائزہ کو جسے اب وہ انہماک سے کھولنے لگی۔ جیسے ہی اُس نے وہ تحفہ کھولا سامنے کھڑے زین کو دیکھا اور اُس تحفے کو۔
''یہ......یہ......تو......میرا کلچ ہے' آپ کے پاس کہاں سے آیا؟''
''جہاں آپ نے چھوڑا تھا وہیں سے۔'' زین نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''کیا مطلب؟'' فائزہ نے بھنویں سکیڑ کر پوچھا۔
''کسی جوتیوں والی شاپ پہ گرا آئیں تھیں آپ۔'' زین ہنوز مسکرائے جارہا تھا۔
''اور یہ لال رنگ کی کہانی؟''
''اُس دن آپ ہی تو اپنی دوست کے ساتھ آکر سینڈل خرید رہی تھیں اور لال رنگ کی جوتی ہی تو لی تھی یاد آیا؟''
''اف میرے خدا! میرے گھر تک کیسے پہنچے؟''
''ہاہاہا' میڈم آپ کے کلچ میں کچھ کارڈز موجود تھے جس میں آپ کا کالج کارڈ بھی تھا جہاں آپ کا پتا بھی موجود ہے۔'' زین کی باتوں سے فائزہ کی آنکھیں مزید حیرت سے پھیل گئیں۔
''ویسے پارٹی والی تصویروں میں بہت پیاری لگ رہی تھیں۔''
''پارٹی والی تصویریں؟'' فائزہ کو سمجھ ہی نہیں آرہا تھا زین بول کیا رہا ہے۔
''اور کیا اور ابھی جو دو تین دن پہلے میں نے کہا کہ عید کے جوڑے کا بتاؤ اور مہندی کا کیسے ڈانٹ دیا مجھے، گندی بچی۔'' زین نے اب شوخی سے کہا۔
''اف میرے خدا وہ زین وہ نمبر زین کے بھائی وہ زین آپ تھے؟'' فائزہ کا غصے سے خون کھولنے لگا۔
''جھوٹے کہیں کے......زین بن کر مجھ سے باتیں کیں میری تصویریں بھی دیکھیں اور اب رشتہ لے کر آگئے؟''
''ہاں کیا کرتا پہلی نظر میں ہی پسند آگئیں تھیں ناں بس فیض کیا کرتا تمہارا زین؟'' کان پکڑ کر زین نے کہا۔
''مجھ سے اب بات نہ کریں آپ۔'' فائزہ کو برا لگ رہا تھا۔
''یار اب معاف کردو دیکھو میں سب بتا بھی تو رہا ہوں ناں۔''
''آپ کی وجہ سے میں اپنی دوست کے بھائی کو برا بھلا کہتی رہی دل میں، یہ سوچنے لگ گئی کہ زینب کو بتاؤں تو کیسے بتاؤں اور یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور نکلا۔''
''اچھا ناں دیکھو میں نے سب بتا دیا ناں اور کوئی اور نہیں میں تو پہلے ہی اپنا بتا چکا تھا کہ زین ہوں اب تم ہی بتاؤ کیا کرتا؟ نیچے بات پکی ہوگئی ہوگی۔ نیچے چلیں اب؟'' زین نے مناتے ہوئے کہا۔
''آپ کو تو میں چھوڑوں گی نہیں۔'' فائزہ نیچے جانے لگی ہی تھی کہ زین نے روکا۔
''ہاں بالکل پہلے شادی کرنا پھر بھلے نہ چھوڑنا۔ پکڑے رہنا مجھے زندگی بھر۔'' ذومعنی انداز میں شوخ ہوتے زین نے فائزہ کو کہا۔
''ہونہہ۔'' فائزہ کے ساتھ ہی زین بھی نیچے آگیا جہاں دونوں کے والدین ایک دوسرے کو رشتہ پکا ہونے کی مبارکبادیں دے رہے تھے۔ دونوں کو ساتھ بٹھایا اور رسم ادا کی گئی۔
''سنو اب چل کر مہندی بھی لگوانا میرے ساتھ اور کل کے جوڑے کا بھی بتانا۔'' زین نے فائزہ کے کان میں سرگوشی کی۔
''جی۔'' فائزہ نے تھوڑا غصے کے انداز میں کہا لیکن دل میں تو لڈو پھوٹ رہے تھے۔
''چاند مبارک میری چاند۔'' زین نے پھر سرگوشی کی۔
''آپ کو بھی چاند مبارک۔'' نظریں جھکائے بالآخر شرما کر جواب دے ہی دیا۔

قسط نمبر 9

سلمیٰ فہیم گل

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

تورع کو اپنی والدہ شہناز اور آغا مینا کو زندہ سلامت دیکھ کر یقین نہیں آتا، اس لیے وہ ظعینہ کو وہیں چھوڑ کر گھر آجاتا ہے لیکن اس کی سوچ کا محور شہناز اور آغا مینا ہی ہوتی ہیں۔ ہاشم بیگ اپنی بہن شہناز سے ملنے ان کے گھر جاتے ہیں اور تمیں سال کی بابت پوچھتے ہیں ساتھ ہی ہاشم بیگ حسن احمد بخاری کو برا بھلا کہتے ہیں جبکہ شہناز حسن احمد بخاری کو ہر بات سے بری الذمہ قرار دیتی ہیں۔ ظعینہ حسن احمد بخاری سے اپنی ماں کے حوالے سے پوچھتی ہے، جس پر حسن احمد بخاری شہناز کی تصویر نکال کر اسے دکھاتے ہیں ظعینہ تصویر دیکھ کر چونک جاتی ہے اور آغا مینا اور اس کی ماں کا حسن احمد بخاری کو بتاتی ہے۔ جس پر حسن احمد بخاری ان سے ملنے کا اصرار کرتے ہیں ظعینہ انہیں لے کر آغا مینا کے گھر آجاتی ہے آغا مینا حسن احمد بخاری کے گھر آتی ہے لیکن ان سے ملنے کی اس میں ہمت نہیں ہوتی اس لیے دروازے سے ہی پلٹنا چاہتی ہے تب تورع اسے دیکھ لیتا ہے اور اپنی گاڑی میں بیٹھا کر آغا مینا کو اس کے گھر لے آتا ہے راستے میں آغا مینا تورع کو تمام سچائی سے آگاہ کردیتی ہے۔ ارقام ظعینہ کو اپنے گھر حسن احمد بخاری کے ساتھ دیکھ کر چونک جاتا ہے اور بے ساختہ آغا مینا کے نہ ہونے کی اطلاع دیتا ہے جس پر حسن احمد بخاری شہناز بیگم سے ملنے کا کہتے ہیں ارقام شرمندہ ہوتا ہے اور حسن احمد بخاری کو شہناز بیگم کے کمرے میں لے جاتا ہے جبکہ ظعینہ کمرے کے باہر ہی رک جاتی ہے۔ حسن احمد بخاری شہناز بیگم کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتے ہیں وہ شہناز بیگم سے بہت سی باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کہاں چھپ گئی تھیں اس بات سے حسن احمد بے خبر تھے۔ شہناز بیگم حسن احمد بخاری کی کمرے میں موجودگی محسوس کرتے نیند سے بیدار ہوجاتی ہیں اور اس کے بعد ماضی سے پردہ اٹھ جاتا ہے شہناز بیگم حسن احمد بخاری کی ماں کے خوف سے گھر چھوڑ کر اپنی بیٹی آغا مینا کو لے کر نکل گئی تھیں۔ حسن احمد بخاری کے والد محمد احمد بخاری سونے کا چمچ منہ میں لے کر پیدا نہیں ہوئے تھے، وہ ایک غریب کسان کے گھر میں پیدا ہوئے تھے لیکن تعلیم ومحنت کے زور پر انہوں نے شہر میں اپنا بزنس شروع کیا تھا اور ان کی رحلت کے بعد بزنس حسن احمد بخاری نے سنبھالا تھا۔ شہناز اور حسن احمد بخاری کی تعلیم ایک ساتھ شروع ہوئی تھی بچپن سے ساتھ رہتے دنوں کے دل میں کب ایک دوسرے کے لیے محبت نے گھر کیا تھا دونوں ہی اس بات سے بے خبر تھے، دونوں گھرانوں کے تعلقات شروع سے ہی اچھے تھے اس لیے شہناز اور حسن احمد کی شادی پر کسی کو اعتراض نہیں ہوا تھا لیکن شادی کے کچھ عرصے بعد ہی حسن احمد اور ہاشم بیگ کے بزنس کے سلسلے میں لڑائی ہوگئی تھی جس پر حسن احمد بخاری کی ماں عارفہ الٰہی پریشان ہوجاتی ہیں اور پیری فقیری کے چکر میں پڑ جاتی ہیں جعلی پیر کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے شہناز کو حسن احمد کی زندگی سے نکل جانے کا حکم دیتی ہیں، شہناز جڑواں بچوں میں سے ایک کو اپنے ساتھ لے کر گھر سے نکل جاتی ہے یہ تمام سچ شہناز بیگم حسن احمد بخاری کو بتادیتی ہیں۔

(اب آپ آگے پڑھیے)

❁......☺......❁

"کیا ہوا آپی آپ مجھے ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں؟"

"تم کتنی خوب صورت ہو آغا' تمہارا ایک ایک نقش' جیسے بہت توجہ سے بنایا گیا ہے۔ تمہاری آنکھیں اگر کوئی لڑکا دیکھ لے وہ تو یقیناً پاگل ہوجائے۔ مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا کہ اتنی پیاری اور کیوٹ سی کزن ہماری ہے۔" اس کے یوں اسے بھرپور توجہ سے دیکھنے اور سراہنے پر وہ جھینپ گئی۔ ان سے کچھ فاصلے پر کھڑی ذری اور زاذیار نے تاباں کی تعریفوں کو انجوائے کیا۔

"ہماری ہی کزن ہے بھئی یقین کرلو۔ بائی داوے اگر تمہیں لگ رہا ہے کہ تم کوئی خواب دیکھ رہی ہو تو...... یہ لو۔" قریبی صوفے پہ سے کشن اٹھا کر زور سے اس کی جانب پھینکا۔

"ذری کی بچی۔ بہت اسٹوپڈ ہو تم۔" وہ چلائی۔ اس کے

ہاتھ سے چائے کا مگ گرتے گرتے بچا تھا۔

"اطلاع کا شکریہ۔ ویسے یہ کشن میں نے تمہیں یہ یقین دلانے کے لیے مارا ہے کہ تم خواب نہیں دیکھ رہیں۔ اتنی کیوٹ سی بچی حقیقت میں ہماری کزن ہے۔" ذری کا یوں زادیار کے سامنے اسے کیوٹ اور بچی کہے جانے پر وہ اچھی خاصی خجل سی ہوگئی۔ زادیار نے بہت دلچسپی سے اس کے چہرے پر پھیلے ہوئے رنگوں کو دیکھا۔ وہ اس کے عین سامنے براجمان تھا۔ آغا مینا کو اس کی نظروں کا بے ہودہ استعمال ایک آنکھ نہ بھار ہا تھا۔

"تم لوگ یہاں کس خوشی میں تشریف فرما ہو۔" ان دونوں کو باری باری گھورتے ہوئے استفسار کیا۔

"جس خوشی میں تم یہاں ہو؟" ذری نے دوبدو جواب دیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔ یہ میرا گھر ہے۔ ویسے بھی میں آغا مینا کے لیے یہاں آئی ہوں کیونکہ میں جانتی تھی پاپا اور بھائی جان جتنی بھی یہاں رکنے کی کوشش کرلیں مگر وہ رک نہیں پائیں گے اس لیے میں چلی آئی۔"

"لیکن تم لوگ یہاں کیوں؟"

"ایکسکیوزمی محترمہ..... پہلی بات تو یہ کہ اب یہ آپ کا گھر نہیں بلکہ میکہ ہے۔ اب آپ کا گھر وہ ہے جہاں سے آپ تشریف لائی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ یہ ہمارے چاچو کا گھر ہے ہمارا جب دل چاہے گا ہم آئیں گے رُوک کے تو دکھاؤ۔" کمر پر ہاتھ رکھتے ہوئے ذری نے ٹھونک بجا کر کہا۔ تاباں کا منہ مصنوعی حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"غضب خدا کا لڑکی ہماری بلی ہمی کو میاؤں۔ میرے ہی گھر میں کھڑی ہوکر مجھے ہی آنکھیں دکھا رہی ہو۔"

"شاید تم نے ٹھیک سے سنا نہیں اب یہ تمہارا صرف میکہ ہے۔" اس نے گویا اسے چڑایا۔

"تو..... میکہ پرایا ہوجاتا ہے کیا؟ یہ ابھی بھی میرا گھر ہے۔ خبردار اگر ایسا کچھ بھی....."

"سیز فائر سیز فائر۔" زادیار نے قدرے چلا کر انہیں مزید بحث سے روکا۔ ان دونوں نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

"کیا ہوا؟"

"کیا بھولپن تھا۔" زادیار نے دل ہی دل میں خوب سراہا تھا۔

"کیا ہوا؟ آپ کی اس جنگ سے کزن صاحبہ بور ہو رہی ہیں۔ بلکہ بور ہی نہیں بلکہ ان کے چہرے پر پھیلی سراسیمگی سے لگ رہا ہے جیسے بیچاری گھبرا رہی ہیں۔ شاید انہیں یہ لگ رہا ہے کہ یہاں پانی پت کی جنگ چھڑنے والی ہے۔ کچھ تو خیال کریں یار۔ آپ کا یہ جنگ وجدل مانا کہ معمول کا حصہ ہے لیکن یہ تو نہیں جانتیں ناں۔ کیوں لوگوں کو ہراساں کررہی ہیں۔" اس کی جانب گہری نگاہ سے دیکھتے ہوئے اس نے مصنوعی سنجیدگی سے کہا۔ آغا مینا کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔ ناگواریت سے دیکھا۔ زادیار دیکھ نہیں رہا تھا پھر بھی جانتا تھا کہ وہ کیسے ضبط کررہی ہے۔ زادیار کی بات پر ان دونوں نے ہی خاموش بیٹھی آغا مینا کی جانب دیکھا جس کے چہرے پر بے چارگی بھرے تاثرات بہت نمایاں تھے۔ وہ دونوں شرمندہ سی ہوگئیں۔

"اوایم سوسوری آغا مینا..... ہمیں خیال ہی نہیں رہا۔"

"نو..... نو اٹس اوکے۔" اس نے پھیکے سے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"بڑے افسوس کی بات ہے اپیا اکیلے اکیلے چائے پی جارہی ہے۔ کچھ ہمارا بھی خیال کرلیں۔ مہمان ہیں آپ کے گھر میں۔" زادیار نے اسے شرمندہ کرنے کی بھرپور کوشش کی..... مگر وہ تاباں تھی۔

"یہ میرا میکہ ہے۔ بقول تمہاری بہن کے۔ جب میرے گھر آؤ گے ناں تو تمہارے کہنے سے پہلے ہی سب کچھ تمہارے سامنے ہوگا۔ ابھی تم لوگ اپنے چاچو کے گھر آئے ہو۔"

"نسیم..... نسیم۔" اس کی بات کے جواب میں زادیار سنجیدگی سے ملازمہ کو آواز دینے لگا۔

"اسے کیوں بلا رہے ہو؟" تاباں نے حیرانگی سے دیکھا۔

"اپنی مہمان داری کے لیے۔ اپنے چاچو کے گھر آئے ہیں ناں۔" کسی قدر بھولپن سے کہا۔

"اچھا..... اچھا..... کیری آن۔"

"کیا مطلب۔"

"مطلب یہ میرے پیارے بھائی نسیم صاحبہ یہاں نہیں ہیں وہ دو دن کی چھٹی پر ہیں۔ ان فیکٹ میں خود پریشان ہو رہی تھی کہ اکیلے کھانا کیسے پکاؤں گی۔ آغا مینا پہلی بار ہمارے گھر آئی ہے اس سے کام کرواتے ہوئے اچھا تو نہیں لگتا ناں شکر ہے ذری تم آگئیں میں ویسے بھی تمہیں کال کرنے والی تھی۔"

"شرم کرو تابی! کتنی مطلب پرست ہو تم۔"

"یہ پرانی خبر ہے۔ تمہیں کھانے میں کیا پسند ہے آغا مینا؟" اسے بے نیازی سے جواب دیتے ہوئے اس نے آغا مینا سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"ہیں......!" انہوں نے حیرت سے دیکھا۔

"نہیں میرا مطلب ہے کچھ بھی ہو کھالیتی ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے کھانا ہماری پسند کا پکے گا۔ چلو ذری تم بس کوفتے بنالینا' میں بریانی اور کباب وغیرہ پکالوں گی اور پھر آغا مینا بھی تو ہے ناں اس سے بھی تھوڑی ہیلپ لے لیں گے۔ کیوں آغا؟"

"جی ضرور۔ کیوں نہیں۔" ذادیار نے برا سامنہ بنایا۔

"یہ آپ کے گھر میں مہمان ہیں اپیا' کچھ تو لحاظ کریں۔"

"یہ ہماری کزن ہے' ابھی ہمارے ساتھ فرینک نہیں ہوگی تو پھر کب ہوگی۔ پہلے ہی اتنے سالوں بعد ملی ہے محترمہ۔ کل کو اگر شادی ہوگئی تو فرینک ہوتے ہوتے پھر سے ریزرو ہوجائیں گے۔" شادی کے نام پر جہاں ذادیار نے بے ساختہ اس کی جانب دیکھا تھا' وہیں آغا مینا کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی تھی۔ وہ انہیں یونہی چھوڑ کر ٹپٹاتے ہوئے تیزی سے ذری کے پیچھے چلی گئی تھی۔

"آ...... ہاں۔" ذادیار نے گہری سانس خارج کرتے ہوئے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ تاباں پلٹتے پلٹتے چونکی۔

"تمہیں کیا ہوا؟"

"نن...... نہیں کچھ نہیں' کچھ بھی تو نہیں۔" وہ گڑبڑا سا گیا۔

✿ ...... ☺ ...... ✿

"ذری پانی رہ گیا ہے یار۔ وہ بھی لے آنا پلیز۔" چیئر پر بیٹھتے ہوئے اچانک تاباں کو یاد آیا۔

"یہ ذادیار کہیں دکھائی نہیں دے رہا۔ چلا گیا کیا؟" تاباں نے ذری سے استفسار کیا۔

"ہاں وہ...... بابا کا فون آیا تھا آفس میں کچھ کام تھا اسی لیے چلا گیا۔" اسے بتا کر وہ فوراً کچن کی جانب بڑھ گئی۔ پانی کا جگ لاتے ہوئے اچانک اس کی نظر لاؤنج میں رکھے بڑے سے واز پر گئی تھی جو شاید کسی کی ٹھوکر لگنے سے گر گیا تھا' جگ پکڑے پکڑے وہ واز سیدھا کرنے لگی۔ واز کو اپنی جگہ پر رکھ کر وہ بری طرح چونکی تھی۔ آنے والے نے محض سرسری سے انداز

میں اسے دیکھا اور فوراً نظریں پھیر لیں۔

"میں آغا مینا کو لینے آیا ہوں۔" سامنے دیکھتے ہوئے انتہائی سرد و سپاٹ سے انداز میں کہا۔ ذری نے سر جھکاتے ہوئے اپنے لب بھینچے تھے۔

"وہ ڈائننگ روم میں ہے۔" آہستگی سے کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

"ارے تورع تم...... یار آج تو لگتا ہے میرے میکے کی قسمت جاگ اٹھی ہے۔ یہاں سے وہاں خوب صورت چہرے ہی دکھائی دے رہے ہیں۔" تورع کو دیکھ کر تاباں خوش گوار حیرت کے ساتھ گویا ہوئی۔ جواباً تورع دھیرے سے مسکرا دیا۔

"سالار کیسا ہے؟" وہ آغا مینا کے ساتھ والی چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ اس کے عین سامنے والی چیئر پر زروہ بیٹھی تھی جسے وہ اپنی ہی دھن میں دیکھ نہیں پایا تھا۔ بلکہ وہ تو دانستہ وہاں بیٹھا تھا جہاں سے زروہ پر اس کی نظر نہ پڑ سکے مگر......!

"آج سامنا ہوا ہے تو دوست کی خیریت دریافت کررہے ہو۔ ویسے تو تمہیں توفیق ہوتی نہیں ہے اور وہاں میرا شوہر بیچارہ دن میں کتنی ہی دفعہ تمہاری فکر میں گھلتا ہوا پایا جاتا ہے۔ اتنا تو اسے میرا بھی خیال نہیں جتنا کہ تمہارا اور تم...... رئیلی تورع، تم بالکل اچھے دوست نہیں ہو۔"

"اطلاع کا شکریہ۔" وہ شرارت سے مسکرایا۔

"شرم تم کو مگر نہیں آتی......!"

"ویسے آغا تمہیں نہیں لگتا تمہارا بھائی بہت زیادہ بے مروت ہے۔" اسے شرم دلاتے ہوئے اس نے آغا مینا سے پوچھا۔

"آئی ڈونٹ نو، آپ بہتر جانتی ہوں گی۔ ویسے بھی میں ابھی ہی تو ملی ہوں اور مجھے تو آخ ورلڈ کے بیسٹ اخ لگتے ہیں۔ آفٹر آل یہ میرے اخ ہیں۔" تورع سر جھکائے مسکرانے میں مصروف تھا ذری کنکھیوں سے دیکھ رہی تھی۔

"واہ...... آخر بہن کس کی ہے۔ تعریف تو ہوگی ہی ناں۔ ویسے اگر یہی سوال میں ذری سے کرتی تو......" وہ کچھ کہتے کہتے ایک دم چپ ہوئی اس کی بات پوری ہونے سے قبل ذری نے جھٹکے سے اس کی جانب دیکھا۔ تبھی اچانک اس کی زبان کو بریک لگا تھا۔ آغا مینا کو ہرگز حیرانی نہیں ہوئی تھی۔ تورع یکسر بے نیاز بنا سلاد کھا رہا تھا۔ چند پل کو ڈائننگ روم میں خاموشی چھائی رہی تھی جسے تاباں نے توڑا۔

"تورع...... تم صرف سیلڈ ہی کیوں کھا رہے ہو یہ کوفتے لوناں، تم بھی لو نا آغا مینا۔ کوفتے تورع کو بہت پسند ہیں اور ذری پکاتی بھی بہت مزے کے ہے۔" تورع کا کوفتوں کی طرف بڑھا ہوا ہاتھ درمیان میں ہی رک گیا۔ وہ انہیں نظر انداز کرتے ہوئے اپنی پلیٹ میں بریانی ڈالنے لگا۔ ذری دل مسوس کر رہ گئی۔

وہ جانتی تھی تورع بہت مشکل سے چاول کھاتا ہے اسے بالکل پسند نہیں لیکن اس وقت جان بوجھ کر کھا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر سایہ سا لہرایا۔ وہ ہونٹ بھینچتے ہوئے سر جھکا گئی۔ بظاہر سب کچھ ٹھیک ہو چکا تھا لیکن درحقیقت ابھی بہت کچھ ٹھیک ہونا باقی تھا۔ ابھی رشتوں میں کچھ دوریاں چل رہی تھی ابھی غلط فہمیاں باقی تھیں، ابھی ناراضگیاں رہتی تھیں۔ ابھی کچھ مسافروں کو منزل تک پہنچنے کے لیے تھوڑا سفر مزید کرنا تھا۔ بہت زیادہ نہیں، بس تھوڑا سا، چند کوس، چند قدم یا پھر چند لمحوں کا، مگر ابھی سفر باقی تھا۔

❁......☺......❁

تیرے جانے کے بعد
تیرے لوٹ آنے تک
میں نے ان لمحوں کو
ان ساعتوں کو
جن میں ساتھ رہا تمہارا اور میرا
پر وہ یاد جس میں
مسکراہٹیں تھیں تمہاری!
کھلکھلاہٹیں تھیں تمہاری
تیری یادیں، تیری شرارتیں!
سنبھال لیں تھیں
تیرے جانے کے بعد
تیرے لوٹ آنے تک
وہ گجرے تیرے!!
وہ مہندی تیری!
وہ بالے تیرے!
وہ چوڑی تیری!
وہ مہک، وہ خوشبو
قید کرلی تھی!
تیرے جانے کے بعد

تیرے لوٹ آنے تک
اے میرے ہم نشیں
اے میرے ہم سفر!
وہ تیرے قدموں کے نشاں!
تیری زلفوں کی شوخیاں
تیرے یاقوتی لبوں کی ہنسی
تیری غزالی آنکھوں کی وہ معصومیت
میں نے آباد رکھی تھی
تیرے جانے کے بعد
تیرے لوٹ آنے تک......!!

''یہ سب کیا ہے حسن؟ یہ صدیوں پرانی مہندی' یہ سوکھے ہوئے گجرے کے پھول' پھول بھی کہاں ہیں' یہ تو پتیاں ہیں' یہ پرانی بوسیدہ ڈائری اور......اور یہ کانچ کی چند چوڑیاں......!''

''اور یہ......'' ان کی حیرت میں اضافہ کرتے ہوئے انہوں نے ایک البم ان کی جانب بڑھایا۔ ان کی جانب بے پناہ حیرت سے دیکھتے ہوئے البم کھولا۔

طعینہ اور تورع کی بچپن کی تصاویر تھیں' کسی تصویر میں طعینہ گلا پھاڑ کر روتی ہوتی کہیں بے تحاشہ ہنس رہی تھی' کہیں فیڈر منہ سے لگایا ہوا تو کہیں کھانا کھاتے ہوئے مستیاں کررہی تھی۔

''اور یہ دیکھو جب طعینہ نے چلنا سیکھا تھا اور یہ جب تورع نے ففتھ کلاس میں ٹاپ کیا تھا۔'' اس طرح کی بے شمار پکچرز تھیں جو حسن انہیں ایک ایک کرکے دکھا رہے تھے۔ انہوں نے بہت پیار سے اپنے شوہر کو دیکھا۔ وہ جانتی تھیں کہ حسن ان سے محبت کرتے ہیں' مگر اتنی زیادہ کہ ان کے لیے تیئیس سال انتظار کیا' لوگوں کے الزامات' جھوٹی سچی باتیں' انہوں نے کسی پر بھی یقین نہیں کیا۔ ان کے گھر سے جانے کے بعد ان سے ریلیٹڈ ہر چیز ہر تصویر ہٹادی گئی تھی مگر حسن نے اتنی معمولی معمولی سی چیزوں کو سنبھال کر رکھا تھا۔ بچوں کا بچپن' ان کی چھوٹی سے چھوٹی حرکت کو تصویروں میں اتار لیا تاکہ وہ اپنے اس گزرے ہوئے وقت کو جئیں' جسے وہ محض سوچ سکتی تھیں۔

''اتنا پیار حسن......اتنا زیادہ......!'' ان کی آنکھیں بھر آئیں۔ گلا رندھ سا گیا۔ حسن نے چونک کر دیکھا اور دھیرے سے مسکرادیئے۔

''اس سے بھی زیادہ......اتنا زیادہ جس کا اندازہ شاید میں خود بھی نہیں لگا سکتا۔''

''آپ نے مجھے معاف تو کردیا ناں حسن؟'' ان کی آنکھیں جھلملا سی گئیں تھیں۔

''تمہیں مجھ پر یقین نہیں ہے ناز؟'' انہوں نے سوال کیا۔ انہیں حیرت ہوئی تھی۔

''یقین ہے حسن۔ خود سے بھی زیادہ......آپ کی محبت کو دیکھ کر میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا ہے کہ میں نے بہت غلط کیا' میں......''

''پلیز ناز' بھول جاؤ گزرے ہوئے وقت کو۔ اس میں کچھ نہیں رکھا' سوائے تکلیف کے اور جو باتیں جو یادیں جو وقت تکلیف دیتا ہے اسے بھول جانا ہی بہتر ہے' یاد رکھنے سے سب کچھ ڈسٹرب ہوجاتا ہے' آج کو سوچو' آج میں جیو' چھوڑو ان باتوں کو' گئے دور کا غم کیا کرنا۔ جب حاصل کچھ نہ ہو' اب آگے کا سوچو' ہمارے بارے میں' ہمارے بچوں کے بارے میں۔ ان کا فیوچر' ان کی شادیاں۔''

''شادی......'' وہ ایک دم چونکیں۔ حسن آہستگی سے مسکرادیئے۔

''ہاں بھئی' ہمارے بچے جوان ہوگئے ہیں' اب ان کے لیے بھی تو سوچنا ہے۔''

''وقت کتنی جلدی گزر گیا ناں حسن اور مجھے خبر بھی نہ ہوئی۔ میں تو ابھی بھی تیئیس برس پہلے والے وقت میں جی رہی ہوں۔ مجھے احساس ہی نہیں ہوا کہ میرے بچے اتنے بڑے ہوگئے ہیں کہ ان کی شادیوں کے بارے میں سوچنے کا وقت آ گیا ہے۔''

''کیوں کہ ہم آج تک اسی وقت میں جیتے رہے ہیں۔ ہم نے اس وقت کو اپنے ہاتھ سے جانے ہی نہیں دیا۔ گویا قید کرلیا تھا اور جب آج مٹھی کھولی ہے تو احساس ہوا ہے کہ وقت تو لمحوں میں بیت گیا۔''

''ہاں......ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ' خیر چھوڑیے ان باتوں کو ہمارا وقت بیت گیا ہے اب تو......''

''ارے ایسے کیسے بیت گیا مسز' ابھی تو ہمیں ان تیئیس برسوں کو جینا ہے۔'' انہوں نے ایک دم سے انہیں ٹوکا اور بڑے پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ خجل ہوتے ہوئے سر جھکا گئیں۔

''شرم کریں' تین جوان بچوں کے باپ ہیں آپ' بوڑھے ہوگئے ہیں اب۔''

''بوڑھا' کون میں......؟ غلط فہمی ہے آپ کی محترمہ۔

میرے بچوں سے پوچھیے۔ انہیں میں ابھی بھی جوان، ہینڈسم اور ڈیشنگ لگتا ہوں۔" کسی قدر فخریہ انداز میں گردن اکڑاتے ہوئے کہا۔ شہناز خاتون نے لبوں میں مسکراہٹ دبائی۔

"وہ آپ کے بچے ہیں مسٹر! انہیں تو آپ جوان ہی لگیں گے ناں۔" انہوں نے گویا ناک پر سے مکھی اڑائی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا مسز......؟"

"مطلب یہ مسٹر! اس بات کو چھوڑیے اور اپنے بچوں کے بارے میں سوچیے۔ ویسے کیا خیال ہے تورع کی شادی نہ کردیں۔"

"اس کی شادی ہوچکی ہے۔" ان کی بات پر حسن احمد بخاری ایک دم سنجیدہ ہوئے۔

"کیا؟" وہ چونکیں۔

"ہاں...... اس کا نکاح ہوچکا ہے ہاشم بھائی کی بیٹی ذروہ کے ساتھ۔ اگر بیچ میں کوئی شرط نہ ہوتی تو بچی کب کی یہاں آچکی ہوتی۔"

"شرط...... کیسی شرط حسن؟"

"ہاشم بھائی نے کراس میرج کی شرط رکھی تھی، ذری کے بدلے میں انہوں نے طعینہ کو مانگا تھا۔ مگر طعینہ نے انکار کردیا، اس لیے رخصتی نہیں ہوپائی، مگر اب چونکہ سب کچھ کلیئر ہوچکا ہے تمام غلط فہمیاں دور ہوگئی ہیں، میرا نہیں خیال کہ اب ہاشم بھائی کو کوئی اعتراض ہوگا لیکن پھر بھی اگر پہلے تم خود ان سے بات کرلو تو......"

"جی...... میں بھائی سے بات کروں گی۔" کچھ سوچتے ہوئے انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

❁......☺......❁

"مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ آپ طعینہ کو جان بوجھ کر نظر انداز کررہے ہیں۔" ارقام کے جھکے ہوئے سر کو دیکھتے ہوئے آغا مینا نے پورے وثوق سے کہا۔ وہ کچھ نہیں بولا۔

"کیوں بھائی...... کیوں کررہے ہیں آپ ایسا؟ آپ تو اس سے محبت کرتے تھے ناں؟"

"کرتا تھا نہیں آغا' کرتا ہوں۔" اس نے فوراً کہا۔

"تو پھر جن سے محبت کی جاتی ہے۔ انہیں یوں دکھی کیا جاتا ہے کیا، انہیں اپنے پیچھے دوڑایا جاتا ہے کیا؟"

"تمہیں کیا لگتا ہے۔ میں جان بوجھ کر ایسا کررہا ہوں۔ بلاوجہ اسے دکھی کررہا ہوں؟ اسے اپنے پیچھے دوڑا رہا ہوں' تم ایسا کیسے سوچ سکتی ہو آغا۔" اس کے بے بس سے انداز پر وہ بری طرح چونکی۔

"کیا مطلب...... ارقام بھائی کچھ ہوا ہے کیا...... اس سب کے پیچھے کوئی ریزن ہے کیا؟" اس نے پوچھا' جواباً ارقام چند پل کو خاموش رہا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے سب کچھ بتادیا۔ وہ کتنے ہی پل خاموشی سے ارقام کے جھکے ہوئے سر کو دیکھتی رہی۔

"اس کا مطلب ہے آپ صرف ذادیار کی وجہ سے پیچھے ہٹ رہے ہیں۔"

"ہاں۔" اس نے ہونٹ بھینچتے ہوئے اقرار کیا۔

"باوجود اس کے کہ طعینہ ایسا نہیں چاہتی۔"

"جانتا ہوں یار' لیکن میں ذادیار کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتا۔"

"اور طعینہ کو؟" اس نے فوراً پوچھا' ارقام خاموش رہا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے کہ ذادیار ایسا چاہتے ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"شاید ایسا ہے؟"

"مگر مجھے نہیں لگتا کہ ایسا ہے۔" اس نے فوراً نفی کی۔

"اگر وہ ایسا نہیں چاہتا تو اپنے بابا کے کہنے پر یونیورسٹی میں ایڈمیشن کیوں لیتا۔ میں ذادیار کو بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں' وہ یوں اتنی آسانی سے غلط بات کو ایکسیپٹ نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی اس پر اپنا فیصلہ تھوپ سکتا ہے۔" وہ کہہ رہا اور آغا مینا سوچ رہی تھی کہ اگر ایسا ہے تو پھر وہ کیا ہے جو ذادیار اس کے ساتھ......؟؟

❁......☺......❁

"میرا خیال ہے اس میں لفٹ اس سائیڈ پر نہیں ہونی چاہیے۔" پروجیکٹ اس کے سامنے تھا' ارقام نے اسے دکھاتے ہوئے کچھ اور بھی سجیشن کرنے کو کہا تھا تبھی پورے پروجیکٹ کو بغور دیکھنے کے بعد اس نے یکلخت کہا۔ ارقام کو حیرت ہوئی۔

"لیکن میرے خیال میں تو یہ یہاں پرفیکٹ ہے۔"

"لیکن مجھے قطعاً نہیں لگ رہی۔" اس کا اختلاف برقرار تھا۔

"بٹ...... طعینہ...... یہ تو......"

"اگر آپ کو اپنی ہی مرضی کرنی ہے مسٹر ارقام ملک' تو مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں۔ جب آپ کو میری سجیشن کی ضرورت نہیں تو مجھ سے پوچھیے مت۔" ناک بھوں چڑھاتے ہوئے بڑے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں اپنی مرضی نہیں چلا رہا طعینہ! میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ بالکل پرفیکٹ ہے مجھے اس میں کچھ بھی نامناسب نہیں لگ رہا۔"

"مجھے تو لگ رہا ہے ناں، ویسے بھی ہر انسان کا اپنا اپنا پوائنٹ آف یو ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ ہمیشہ سوچ اور نظریہ یکساں ہو۔" بڑے معنی خیز سے انداز میں کہا۔ ارقام محض اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"تم بھول رہی ہو طعینہ۔ تم نے ہی اسے فائنل کیا تھا۔" کسی قدر تحمل سے اس نے اسے یاد دلایا۔ ایک پل کو وہ خاموش ہوگئی۔ پھر ڈھٹائی سے گویا ہوئی۔

"ہاں میں نے ہی فائنل کیا تھا مگر اب میں ہی ریجیکٹ کررہی ہوں۔" وہ جانتی تھی کہ وہ غلط ہے، لیکن جان بوجھ کر اسے چڑانے کی کوشش کررہی تھی۔ نہیں جانتی تھی کیوں؟ مگر اس وقت وہ اسے بہت برا لگ رہا تھا، اس کا دل چاہ رہا تھا اسے بہت زیادہ ستائے، چڑائے مگر وہ اتنے تحمل کا مظاہرہ کررہا تھا، اسے غصے کے ساتھ ساتھ رونا بھی آرہا تھا۔ وہ بتاتی نہیں تھی مگر وہ اسے بہت زیادہ ہرٹ کررہا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پارہی تھی کہ آخر اسے ہوا کیا ہے۔

"اوکے..... آپ کا جو جی چاہتا ہے کریں۔ بشارت صاحب میم جو جو بتائیں آپ پلیز ویسا ہی کیجیے گا اوکے۔"

"جی سر۔" کہہ کر وہ رکا نہیں تیزی سے چلا گیا۔ اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اسے امید نہیں تھی کہ وہ یوں سب کچھ اس پر چھوڑ کر چلا جائے گا۔

"کیا کرنا ہے میم۔ آپ مجھے بتاتی جایئے میں ویسا ہی کروں گا۔"

"یہ جیسا ہے اسے ویسا ہی رہنے دیجیے مسٹر بشارت۔"

"لیکن میم ابھی تو آپ کہہ رہی تھیں کہ اس میں کچھ....."

"ابھی بھی میں یہی کہہ رہی ہوں مسٹر بشارت۔ یہ پرفیکٹ ہے۔" وہ آہستگی سے کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا تھا جسے وہ پلکیں جھپک جھپک کر پیچھے دھکیلنے کی کوشش کررہی تھی۔ برق رفتاری سے چلتے چلتے وہ بری طرح لڑکھڑائی تھی۔ پہلی بار تو سنبھل گئی، دوسری بار وہ اپنے حواس قائم نہ رکھ سکی اور سنبھلنے کی کوشش میں نیچے گرگئی اس کے گرنے کی وجہ راستے میں پڑے ہوئے پتھر تھے۔ انہی کی وجہ سے اس کے پاؤں میں موچ آگئی۔ وہ بے ساختہ رو پڑی تھی۔ پاؤں میں درد محسوس ہورہا تھا یا پھر ارقام کا رویہ برداشت سے باہر تھا، جو بھی تھا، وہ آنسوؤں کی صورت بہہ نکلا تھا۔ چند پل وہ یونہی بیٹھے بیٹھے آنسو بہاتی رہی کچھ دیر بعد اسے احساس ہوا کہ وہ لوگوں کی نظروں میں آرہی ہے، تو اٹھنے کی کوشش کرنے لگی، مگر اونچی ایڑھی کے باعث بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔ تبھی ایک مردانہ مضبوط ہاتھ اس کی جانب بڑھا، اس نے بھیگی ہوئی پلکوں کے ساتھ چونک کر اوپر دیکھا۔ ارقام کو پاکر اس نے نخوت سے سر جھٹکا اور اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظرانداز کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آر یو اوکے؟" وہ ہتھیلیوں سے رگڑ رگڑ کر گال صاف کررہی تھی ارقام سرسری سا دیکھ کر نظریں چرا گیا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ کو فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" رندھے ہوئے گلے کے ساتھ طنزاً کہا۔ وہ نظرانداز کرگیا۔

"آؤ میں تمہیں بینڈیج کروادوں۔ بلیڈنگ ہورہی ہے۔" طعینہ تمسخرانہ انداز میں مسکرادی۔

"تھینک یو ویری مچ مسٹر ارقام ملک۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اتنی تکلیف تو میں سہہ ہی سکتی ہوں۔ چھوٹی چھوٹی چوٹوں سے میں گھبراتی نہیں ہوں کیونکہ ان پر مرہم لگاتے ہوئے بہت زیادہ تکلیف نہیں ہوتی۔ جسے برداشت نہ کیا جاسکے۔" معنی خیز انداز میں ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا اور وہاں سے چلی گئی۔

"مجھے سچائی کا ادراک ہوتا تو میں کبھی تمہیں تکلیف دینے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا طعینہ، مگر..... آئی ایم سوری رئیلی ویری سوری طعینہ۔" اس کے تصور سے مخاطب ہوتے ہوئے اس نے اپنے لب سختی سے بھینچے تھے۔

"آپ کسے دھوکا دینے کی کوشش کررہے ہیں مسٹر زادیار بیگ، خود کو یا پھر مجھے؟" بہت اچانک آغا مینا نے استفسار کیا۔ زادیار نے کسی قدر حیرانگی سے اس کی جانب دیکھا اور دھیرے سے مسکرادیا۔

"تو تمہیں ایسا لگ رہا ہے کہ میں دھوکا دے رہا ہوں تمہیں یا پھر خود کو۔ یعنی رویوں کا بدلاؤ، دھوکا ہے تمہارے نزدیک۔" اس نے دریافت کیا۔

"ہوسکتا ہے۔" اس نے کندھے اچکائے۔

''تو پھر ہوسکتا ہے کہ باقی سب بھی ایک دوسرے کو دھوکا دے رہے ہوں۔ کیونکہ ان کے بی ہیویئر میں بھی چینج آیا ہے' نفرتیں محبتوں میں بدل گئی ہیں۔ غلط فہمیاں دور ہوگئی ہیں' دیواریں گر گئیں ہیں' وہ سب بھی دھوکا تو نہیں کہیں۔'' وہ استہزائیہ مسکرایا۔ آغا مینا نے بڑی سنجیدگی سے اس کی جانب دیکھا۔

''اس سب کی نوعیت کچھ اور ہے' آپ انہیں خود سے کمپیئر مت کریں۔ کیونکہ آپ ایک خود غرض انسان ہیں۔'' ذادیار کو جھٹکا سا لگا' بڑی بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا۔

''تمہیں نہیں لگتا آغا مینا تم میرے بارے میں بہت غلط سوچتی ہو؟''

''کچھ غلط ہے کیا؟'' اس نے بھنویں اچکائیں۔

''بہت زیادہ غلط...... میں مانتا ہوں ہم دونوں کے بیچ اختلافات رہے ہیں' کچھ غلط فہمیاں بھی رہی ہیں لیکن......''

''مگر مجھے آپ کو لے کر کبھی کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی ذادیار۔ میری سوچ اور رائے ابھی بھی وہی ہے جو میرا انہیں خیال کہ کبھی چینج ہوسکتی ہے۔ لیکن مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آرہی' اب جب سب صحیح ہوگیا ہے تو آپ کو یہ کھیل کھیلنے کی کیا ضرورت ہے۔''

''کھیل......! کیسا کھیل' کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ بری طرح چونکا۔

''ہاں کھیل' کھیل ہی تو کھیل رہے ہیں آپ مجھے ٹریپ کرنے کے لیے۔ آپ کو کیا لگتا ہے میں بے وقوف ہوں۔ آپ صرف ظعینہ سے بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ اس نے آپ کو ریجیکٹ کیا اب آپ اس کے لیے انکار کر کے بدلہ چکانا چاہتے ہیں۔''

''انکار' بدلہ یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ میں سمجھ نہیں پارہا۔'' اس نے ناسمجھی سے دیکھا۔

''یا آپ سمجھنا نہیں چاہتے؟''

''کیا مطلب ہے تمہارا' تمہیں جو کہنا ہے کھل کر کہو۔'' اس نے یکلخت دوٹوک انداز میں پوچھا۔

''اوکے' سچ یہ ہے کہ ظعینہ کی اور آپ کی کبھی آپس میں نہیں بنی' جب آپ کے لیے ماموں نے ظعینہ کو مانگا تو ظعینہ نے انکار کردیا۔ اس کا انکار آپ کی انا کا مسئلہ بن گیا' وہی مردوں کا ٹیپکل مسئلہ' ایک لڑکی کسی لڑکے کو وہ بھی آپ کے جیسے لڑکے کو ریجیکٹ کرے۔ آپ کی انا کیسے گوارا کرے گی۔ اسی بات کا بدلہ لینے کے لیے اپنی انا کو تسکین پہنچانے کے لیے آپ مجھے ٹریپ کرنے کی کوشش کررہے ہیں' ورنہ جس لڑکی کو آپ بات کرنے کے قابل نہیں سمجھتے تھے' درخور اعتنا نہ جانتے تھے' اس کے لیے آپ کے احساسات یوں اچانک سے بدل جائیں' یہ بات اتنی آسانی سے کوئی بھی ہضم نہیں کرسکتا' اب جبکہ حالات بہتر ہوگئے ہیں' ہمارے بڑوں کی ناراضگیاں ختم ہوچکی ہیں' سب صحیح ہوگیا ہے تو ظعینہ کسی نہ کسی طرح مان جائے گی' اگر نہ بھی مانی تو آخر کی خاطر شاید قربانی دے ہی دے' کیونکہ پہلے وہ یہ سب نہیں جانتی تھی اور جواب میں اب آپ اسے ریجیکٹ کرکے اپنی سو کالڈ انا کو تسکین پہنچائیں گے اور دوسری صورت میں نیکسٹ آپشن میں ہوں گی۔''

''واٹ ربش...... کیا بکواس ہے یہ؟''

''یہ بکواس نہیں ہے...... سچ ہے اور سچ ہمیشہ کڑوا ہی ہوتا ہے ذادیار بیگ۔'' اس کے انداز میں بلا کا سکون تھا۔ جبکہ ذادیار کے انداز میں انتہا درجے کی بے یقینی۔

''تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہیں چیٹ کررہا ہوں۔ تمہارے ساتھ کھیل کھیل رہا ہوں۔ تمہیں کسی مقصد کے لیے استعمال کررہا ہوں' تم ایسا سوچتی ہو میرے بارے میں۔ آئی کانٹ بلیو دس۔'' عجب صدمے کی سی کیفیت تھی اس کی۔ وہ تو اس کے گریز کو کچھ اور ہی سمجھتا رہا تھا۔ اسے لگا تھا کہ گزشتہ جھگڑوں اور اختلافات کے سبب وہ اس سے خفا ہے۔ اس کے کردار کو لے کر جوان ڈائریکٹلی اس پر طنز کرتا تھا' اس کی وجہ سے وہ اس پر اعتبار نہیں کررہی۔ اس سے ناراض ہے۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی کوئی اور تھا۔ جس بات پر اس کا دھیان ہی نہیں گیا تھا' وہ ہر طرح سوچ رہی تھی۔

''ولسن آغا۔''

''آغا مینا' میرا نام آغا مینا ہے۔'' اس نے فوراً ناگواری سے ٹوکا۔ اس نے بختی سے اپنے لب بھینچے۔

''اوکے فائن آغا مینا۔ تم جو سوچ رہی ہو وہ بالکل غلط ہے۔ تمہیں جانے کیوں......''

''اچھا......! میں جو سوچ رہی ہوں وہ غلط ہے۔ تو پھر صحیح کیا ہے۔ یہ کہ اچانک آپ کو مجھ جیسی بدکردار لڑکی میں کردار نظر آگیا ہے یا پھر......''

''آغا مینا۔'' اس کے لفظ بدکردار پر اس نے اپنے لب

بھینچے۔ وہ استہزائیہ مسکرائی۔

''کیوں......؟ آپ کی پھوپوزاد کے لیے یہ لفظ یوز ہوا ہے اس لیے برا لگا؟ اگر میں آپ کی کزن نہ ہوتی اور پھر خود کو بدکردار کہتی تو کیا تب بھی آپ کو برا لگتا؟ کیا تب بھی آپ......''

''اسٹاپ اٹ آغا مینا جسٹ شٹ اپ' تم حد سے بڑھ رہی ہو۔''

''اور آپ کو حد سے تجاوز کرنے والے لوگ پسند نہیں ہیں۔ ہے ناں؟'' وہ اس کے ضبط کا امتحان لینے پر تلی ہوئی تھی۔ بہت دنوں بعد دوبارہ سے وہ یوں کسی بحث کو لے کر روبرو ہوئے تھے وہ کیسے اتنی آسانی سے اسے جانے دے سکتی تھی۔

''ارے ذادیار آپ آئے ہوئے ہیں اور میں اندر آپ کا انتظار کررہی تھی۔'' اس سے پہلے کہ ذادیار اس کی بات کا کوئی جواب دیتا ظعینہ چلی آئی۔ آغا مینا کو اچھی خاصی حیرت ہوئی۔ ظعینہ ذادیار کا انتظار کررہی تھی۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

''آئیں......اندر چل کر بات کرتے ہیں۔''

''ہاں چلو۔'' وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں اسے نظر انداز کیے اندر چلے گئے مگر آغا مینا کے لیے حیرت چھوڑ گئے تھے۔

وہ کف فولڈ کرتے ہوئے سیڑھیاں اتر رہا تھا تبھی شہناز خاتون نے پکارا۔

''جی۔''

''فارغ ہو بیٹا۔''

''جی مما' کوئی کام تھا کیا؟'' وہ ان کے پاس ہی صوفے پر نیم دراز ہوگیا۔

''بیٹا' ذروہ کو گھر چھوڑ آؤ۔''

''ذروہ۔'' اس نے حیرت سے پورے لاؤنج میں نگاہیں دوڑائیں۔ وہ اسے کہیں دکھائی نہ دی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ ماں سے پوچھتا وہ اسے کچن سے نکلتی ہوئی دکھائی دے گئی۔ اسی پل اس نے بھی تورع کو دیکھا دونوں نے ہی سرعت سے نظروں کا زاویہ بدلا تھا۔

''میں نے تورع سے کہہ دیا ہے ذروہ۔ یہ تمہیں گھر چھوڑ آئے گا۔ چھوڑ آؤ گے ناں تورع؟'' انہوں نے دوبارہ سے یقین چاہا۔

''مما! میں آپ کو بتانا بھول گیا تھا۔ ایکچوئیلی مجھے بہت ارجنٹ کسی سے ملنا ہے۔ آئی ایم سوری میں نہیں جاپاؤں گا۔ آپ ڈرائیور سے کہہ دیجیے وہ انہیں ڈراپ کردے گا۔'' بنا اس کی جانب دیکھے آہستگی سے بتایا۔ ذروہ جانتی تھی وہ کوئی نہ کوئی بہانہ ضرور بنائے گا۔ وہ دل مسوس کررہ گئی۔

''لیکن بیٹا......ابھی تو تم......''

''اٹس او کے پھوپو۔ میں ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤں گی۔''

''ڈرائیور نہیں ہے بیٹا' مینا کو لے کر بازار گیا ہے۔'' انہوں نے فوراً بتایا۔

''کوئی بات نہیں پھوپو' میں ذادیار کو یا پھر ثامن کو بلا لوں گی۔''

''ایسے کیسے بلالوگی بیٹا' تورع چھوڑ آئے گا تمہیں۔''

''لیکن مما' مجھے کام ہے ضروری جانا ہے کہیں۔'' وہ بے بسی اور لاچاری سے گویا ہوا۔

''ہفتے کے چھ دن بھی تمہیں ارجنٹ کام ہی ہوتے ہیں بیٹا۔ ہفتے کے ایک دن اگر ایکسٹرا ارجنٹ کام کرلوگے تو کوئی حرج نہیں ہے اور اس وقت سب سے ارجنٹ کام ذروہ کو گھر چھوڑنا ہے۔ اگر مجھے پتا ہوتا کہ مینا ڈرائیور کو لے کر بازار گئی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ ڈرائیور کو بھی لے آتی۔ یہ بیچاری تو مارکیٹ آئی تھی' میں اسے گھر لے آئی۔ ڈرائیور کو واپس بھیج دیا خیال تھا کہ خود ہی گھر بھجوادوں گی مگر تم......چھوڑ آؤ بیٹا' بچی کو دیر ہورہی ہے۔ بھابی کی طبیعت بھی ناساز ہے۔'' اسے کچھ شرم دلاتے ہوئے آخر میں وہ لجاجت سے گویا ہوئیں۔ تورع شرمندہ سا ہوگیا۔

''آئیے......'' بنا کسی کی جانب دیکھے چابی اٹھائی اور آہستگی سے کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

''اچھا پھوپو چلتی ہوں۔ اللہ حافظ۔''

''اللہ حافظ بیٹا۔'' جب وہ باہر آئی تب تک تورع گاڑی اسٹارٹ کرچکا تھا۔ اس کے قریب آتے ہی اس نے فرنٹ ڈور کھولا اور یہ اچھا ہی تھا کہ اس نے خود ہی ڈیسائیڈ کرلیا کہ اسے اس وقت کہاں بیٹھنا چاہیے ورنہ اس کے لیے مشکل ہوجاتی۔

''آپ ابھی بھی مجھ سے ناراض ہیں تورع۔'' بڑی دیر تک گاڑی میں خاموشی چھائی رہی۔ جسے ذروہ نے بہت ہمت کرکے توڑا۔ ایسی کوئی بھی کوشش آج تک تورع نے ہی کی تھی۔ آج جب وہ خاموش تھا تو شروعات کی باری اس کی تھی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا اور پھر وہ اس کا شوہر تھا۔ اگر وہ اسے منانے

کی کوشش کرتی تو یہ کچھ غلط بھی نہیں تھا۔
"نارض..... واؤ، مسز تورع حسن بخاری۔ یعنی کہ آپ میں احساسات نام کی بھی کوئی چیز ہے۔ امیزنگ.....!" اس کی بات پر تورع نے بڑے طنزیہ انداز میں جتایا۔
"آپ ہمیشہ مجھے ہی بلیم کیوں کرتے ہیں تورع؟ میرا کیا قصور ہے؟"
"میں..... میں تمہیں بلیم کرتا ہوں..... واہ، مسز تورع حسن بخاری واہ، اگر آج آپ نے ہمت دکھائی بھی تو ایک الزام کو لے کر اور قصور کی بات بھی خوب کہی۔ بائی داوے میں نے کب کہا کہ تمہارا قصور ہے؟ میں نے ایکسیپٹ کر تو لیا ہے کہ سارا قصور میرا ہے، ہر غلطی میری تھی، ہٹ تو گیا ہوں راستے سے، اب اور کیا چاہتی ہیں آپ؟"
"راستے سے ہٹ جانے سے پرابلم سولو ہو جائے گی تورع؟" اس نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔
"راستے میں کھڑے رہنے سے کون سا پرابلم سولو کر دی ہے تم نے، خود ہی تو ہٹ جانے کو کہا تھا۔ اب گلہ کیوں کر رہی ہو؟"
"کہا تھا؟ مگر تب حالات اور نہج پر تھے اب تو سب ٹھیک ہو چکا ہے۔"
"ہاں، سب ٹھیک ہو چکا ہے۔ تو پھر خوشیاں منایئے، پہلے ایک رشتے کا مان رکھ رہی تھیں اب ڈھیروں رشتوں کا مان رکھیے۔ مجھ سے کیا چاہتی ہیں۔"
"تورع آپ سمجھ نہیں....."
"گھر آ گیا ہے، جایئے۔" اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتی، تورع نے ایک جھٹکے سے گاڑی گیٹ کے سامنے روک دی۔
ذروہ نے چند پل خاموشی سے اس کے سرد و سپاٹ چہرے کو دیکھا اور لب بھینچتے ہوئے گاڑی سے باہر نکل آئی۔ اس کے نکلتے ہی تورع گاڑی بھگا لے گیا۔

❁.....☺.....❁

وہ کہتا ہے.....!
اسے پھولوں کی چاہت ہے
مگر جب پھول کھلتے ہیں
وہ ان کو توڑ دیتا ہے
وہ کہتا ہے.....!
اسے بارش کا موسم اچھا لگتا ہے
مگر جب بارش ہوتی ہے
وہ کمرے میں افسردہ ہو کر بیٹھ جاتا ہے
وہ کہتا ہے.....!
ہوائیں عشق ہیں اس کا
ہوا لیکن چلے جب تو
وہ کھڑکی بند رکھتا ہے
مجھے اب ڈر سا لگتا ہے
وہ جب بھی یہ کہتا ہے!
اسے مجھ سے محبت ہے.....!

"کیوں ارقام..... کیوں کر رہی ہے آپ ایسا؟ کیوں مجھ سے گریزاں ہیں، میں نے کبھی کھل کر کہا نہیں مگر میں جانتی ہوں، آپ جانتے ہیں میں..... میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔ پھر کیوں مجھے ہرٹ کر رہے ہیں۔ آپ کو کیا پتا آپ کا رویہ کتنی تکلیف دے رہا ہے مجھے۔ آپ کو کیا پتا کہ میں.....؟ کیوں کر رہے ہیں آپ ایسا کیوں ارقام؟"
"ظعینہ....." اچانک آغا مینا نے پکارا۔
ظعینہ نے لمحے کے ہزارویں حصے میں خود کو سنبھالا اور اتنی ہی تیزی سے چہرہ صاف کرتے ہوئے وہ مسکراتی ہوئی اس کی جانب پلٹی۔
"ہاں کیا ہوا؟" آغا مینا نے بغور اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھا۔
"ہوا تو کچھ نہیں، بس یونہی تم سے باتیں کرنے کو دل چاہ رہا تھا، بہت دن ہوئے تم سے بطور دوست بات کیے، سوچا گپ شپ ہی ہو جائے۔ تم فری ہو نا؟"
"ہاں..... ہاں آف کورس۔ آؤ بیٹھو۔" وہ کھڑکی سے ہٹ کر بیڈ پر آن بیٹھی اور اسے بھی ساتھ ہی بٹھا لیا۔
"یہ لو..... میں کافی لائی تھی تمہارے لیے۔"
"او تھینک یو سو مچ آغا۔ میرا بہت دل چاہ رہا تھا کافی پینے کو۔" لہجے میں ہر ممکن بشاشت لانے کی کوشش کی گئی تھی۔
"ویلکم!"
"ایک بات پوچھوں ظعی؟" کافی کا سپ لیتے ہوئے آغا مینا نے کچھ جھجکتے ہوئے پوچھا۔
"ہاں، پوچھو نا پرمیشن لینے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ مسکرائی۔

"تم ابھی رو رہی تھیں؟" طعینہ کو یکلخت جھٹکا سا لگا۔ ساتھ ہی فوراً نظریں چرائی۔
"نن نہیں تو...... میں کیوں روؤں گی...... ایویں خوامخواہ میں۔"
"ارقام بھائی کے لیے۔" اس نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا۔
"واٹ؟" طعینہ نے جھٹکے سے سر اٹھا کر دیکھا۔
"آغامینا......!"
"اگر میں اتنی ہی بے خبر ہوتی ظعی تو آج اپنی فیملی کے ساتھ نہ بیٹھی ہوئی ہوتی۔ تمہاری طرح ہمیشہ اس بات سے بے خبر رہتی کہ میرے کوئی بہن بھائی یا پاپا بھی ہیں' ایک مکمل فیملی ہے۔ جانتی ہو جب مہران انکل ہمیشہ کے لیے پاکستان شفٹ ہونے والے تھے تب تک میں بھی تمہاری ہی طرح بے خبر تھی' جب پاکستان آنے کی بات نکلی تب میں نے امی سے پوچھا پاپا کے بارے میں' اپنی فیملی کے بارے میں' اس سے پہلے مجھے کبھی خیال نہیں آیا اور نہ ہی امی نے کبھی بتایا شاید وہ مجھے ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی تھیں اور تم نے تو شاید کبھی بھی پاپا سے یا کسی اور سے امی کے بارے میں نہیں پوچھا ہوگا۔ یہ سب باتیں کرنے کا میرا مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی پرابلم ہو کوئی بھی بات ہو جب تک اس پر بات نہ کی جائے اسے کلیئر نہ کیا جائے وہ مسئلہ کبھی سولو نہیں ہوگا۔"
"مگر میں نے تو ارقام سے بات کی ناں آغا' میں نے تو ان سے بہت دفعہ پوچھنے کی کوشش کی' وہ کچھ بتاتے ہی نہیں' مجھ سے بات ہی نہیں کرتے' مجھے مسلسل نظرانداز کررہے ہیں۔"
"ارقام بھائی سے محبت کرتی ہو ظعی؟" اس نے دھیرے سے استفسار کیا۔ طعینہ اثبات میں سر ہلاتے سر جھکا گئی۔
"وہ بھی تم سے بہت محبت کرتے ہیں ظعی۔" اس نے گویا یقین دلایا۔
"اگر محبت کرتے ہیں تو پھر ایسا کیوں کررہے ہیں...... کیوں جان بوجھ کر مجھے ہرٹ کررہے ہیں؟"
"شاید اس کے پیچھے کوئی وجہ ہو...... کوئی سولڈ ریزن......؟"
"سولڈ ریزن' کیا ریزن ہے آغا؟ وہ بتاتے بھی تو نہیں کیوں لٹکایا ہوا ہے بیچ میں مجھے۔ ایسی کون سی وجہ ہے جس کو لے کر وہ؟"

"ذادیار۔" آغامینا نے فوراً اس کی بات قطع کی۔
"ذادیار......؟ کیا مطلب آغا......!" طعینہ کو جھٹکا لگا۔
"ہاں ذادیار...... وہ ذادیار کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتے۔ انہیں لگتا ہے وہ تم میں انٹرسٹڈ ہیں۔ تم سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔"
"واٹ......؟ ارقام کو یہ لگتا ہے۔ اوگاڈ اتنی بڑی غلط فہمی۔"
"غلط فہمی؟" آغامینا چونکی۔
"ہاں بھئی' سب بہت بڑی غلط فہمی میں ہیں کہ ہم دونوں میں سے کبھی کوئی ایک دوسرے کے لیے شادی کے لیے مان سکتا ہے۔ بڑے ماموں کو بھی یہی غلط فہمی تھی' مجھے ذادیار نے سب بتادیا تھا کہ کیسے ماموں نے محض مجھے منانے کے لئے ذادیار کو ایڈمیشن لینے کے لیے مجبور کیا تھا۔ انہوں نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے تو لیا مگر اس ارادے سے کہ وہ مجھے اس شادی کے لیے منع تو کرسکتے ہیں مگر ہاں کہنے کے لیے فورس نہیں۔"
"کیا؟"
"ہاں......اور یہ بات شاید ارقام کو پتا نہیں شاید اس لیے وہ پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ تھینکس آغا تم نے مجھے بتادیا...... ورنہ جانے میں کیا کیا سوچنے لگی۔"
"کیا سوچنے لگی تھیں تم؟" اس نے مشکوک سے انداز میں دیکھا تھا۔ وہ گڑبڑا سی گئی۔
"نہیں کچھ نہیں۔" اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا تھا' کچھ دیر پہلے تک جو دل پہ بوجھ آن پڑا تھا وہ ایک دم سے ہلکا ہوگیا۔

❁......☺......❁

"بھابی آپ کی طبیعت اب کیسی ہے؟" کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے شہناز خاتون نے اپنی بھاوج سے پوچھا۔
"اب تو اللہ کا شکر ہے شہناز۔ ورنہ پہلے تو یہ گھٹنوں کا درد اٹھنے ہی نہیں دیتا تھا۔"
"اللہ آپ کو صحت دے' ہاشم بھائی میں آپ سے ایک خاص بات کرنے آئی تھی۔"
"ہاں ہاں بھئی' کہو ناں۔" ہاشم بیگ نے کچھ چونکتے ہوئے کہا۔
"بولو نا شہناز' ہم سن رہے ہیں۔" بھابی نے کہا۔
"بھائی ذروہ اور تورع کا نکاح ہوئے کافی عرصہ ہوچکا ہے۔ اب رخصتی ہوجانی چاہیے اگر آپ لوگوں کو اعتراض نہ ہو تو۔"

"اچھا ہوا تم نے بات کرلی شہناز! میں بھی منتظر تھا کہ تم کوئی بات چھیڑو تو میں بھی کچھ کہوں۔" انہوں نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ کچن میں ان کی بات سنتی ذروہ اور یہاں بیٹھی شہناز خاتون کا دل بری طرح دھڑکا۔

"جی بھائی کہیے ناں۔" انہوں نے بظاہر سکون سے کہا۔

"شہناز میں چاہتا ہوں کہ اگر تم لوگ ایک بار پھر ظعینہ سے زادیار کے لیے پوچھ لوتو......؟" ذروہ کے چہرے پر سایہ سا لہرایا۔

"بھائی! کیا اب بھی آپ کو ذروہ کے لیے......"

"نہیں شہناز! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تو بس اتنا چاہتا ہوں کہ میری بہن کی بیٹی میرے گھر کی بہو بنے۔ ورنہ ذروہ کی طرف سے مجھے اب کوئی فکر نہیں ہے۔ وہ تم لوگوں کی امانت ہے جب چاہے لے جاؤ۔" ان کی بات پر ذروہ نے گہری سانس خارج کی۔

"ٹھیک ہے بھائی۔ میں گھر میں بات کرکے آپ کو بتادوں گی۔"

❁......☺......❁

"یہ کیا ہورہا ہے؟" ٹرے میز پر رکھتے ہوئے اس نے استری اسٹینڈ کے پاس کھڑے مہران سکندر کو مخاطب کیا۔

"سوٹ پریس کررہا ہوں اور کیا؟" انہوں نے کسی قدر بے نیازی سے جواب دیا۔

"وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں' آپ سوٹ پریس کررہے ہیں۔ لیکن کیوں؟"

"کیوں کا کیا مطلب بھئی! پہننے کے لیے اور کس لیے؟" انہوں نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"ہاہاہا! ویری فنی۔ آپ پہلے جیسے اسمارٹ نہیں رہے بابا۔"

"چلو پہلے جیسا نہیں لیکن اسمارٹ تو ہوں' یہ تو مان رہے ہو ناں۔" انہوں نے دوبدو جواب دیا۔

"بابا......" اس نے احتجاج کیا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟ تم کیوں مجنوں بنے گھوم رہے ہو؟" اس کے احتجاج کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے انہوں نے دریافت کیا۔

"مجھے چھوڑیں اور اسے بھی چھوڑیں۔ سرونٹ کس لیے ہیں؟ وہ پریس کردیں گے۔ آپ ہٹیں یہاں سے۔"

"خبردار...... خبردار! اگر میرا سوٹ کسی سرونٹ سے پریس

کروایا تو۔ تمہیں پتا ہے کیا حال کرتے ہیں وہ؟ اور تم جانتے ہو اس سے پہلے بھی میں نے کبھی کسی سرونٹ سے اپنا سوٹ پریس نہیں کروایا بلکہ آغا مینا پریس کیا کرتی تھی۔“

”مگر وہ تو چلی گئی ہے ناں۔ اب میں اسے آپ کا سوٹ پریس کرنے کے لیے بلایا کروں کیا؟“ وہ جھنجلا گیا۔

”نہیں بس ایک فیور کردو۔“

”کیا؟“

”مجھے میرا کام کرنے دو۔“

”مگر بابا! مجھے اچھا نہیں لگ رہا آپ کو یوں استری اسٹینڈ کے پاس کھڑے ہوکر سوٹ پریس کرتے ہوئے دیکھنا۔“

”استری اسٹینڈ کے پاس کھڑے ہوکر ہی کپڑے پریس کیے جاتے ہیں برخوردار۔“ انہوں نے مذاق اڑایا۔

”بابا......“

”یار تم شادی کیوں نہیں کرلیتے۔“ انہوں نے مشورہ دیا۔

”ویٹس گریٹ آئیڈیا انکل۔“ مانوس سی نسوانی آواز پر وہ دونوں خوش گوار حیرت لیے پلٹے تھے۔ آغا مینا کے ساتھ طعینہ کو دیکھ کر ارقام کے مسکراتے لب یکلخت سمٹے تھے۔

”السلام علیکم انکل۔“ طعینہ اسے یکسر نظر انداز کرتے ہوئے مہران سکندر کی جانب بڑھی۔

”وعلیکم السلام بیٹا۔“

”ابھی آپ کچھ کہہ رہے تھے انکل۔“ ارقام کی جانب دیکھتے ہوئے آغا مینا نے ارادتاً انہیں چھیڑا۔

”ہاں بیٹا میں ارقام سے کہہ رہا تھا اب شادی کرلے گھر میں کم از کم ایک عورت تو ہونی ہی چاہیے۔ کیا خیال ہے طعینہ بیٹا۔“ انہوں نے اچانک طعینہ سے پوچھا۔ چائے کا کپ ہونٹوں سے لگاتے ہوئے اچانک ارقام کو اچھو لگا۔

”تمہیں کیا ہوا؟“ مہران سکندر نے کسی قدر پریشانی سے بیٹے کو دیکھا۔ جبکہ طعینہ اور آغا مینا نے مسکراہٹ چھپائی تھی۔

”کچھ نہیں ہوا چائے گرم تھی۔“ کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے شیرٹ جھاڑنے لگا۔ ”ایکسکیوزمی میں آتا ہوں۔“ طعینہ نے بغور اس کی چوڑی پشت کو دیکھا۔

”طعینہ یہاں کیسے آگئی وہ تو پروجیکٹ کی وجہ سے بھی بمشکل مجھ سے ملتی ہے۔ میرا سامنا نہیں کرنا چاہتی تو پھر میرے گھر میں میری ہی موجودگی میں وہ یہاں کیسے آگئی؟“ پانی کا گلاس ہاتھ میں پکڑے وہ بڑبڑایا۔

”اگر آپ کو اعتراض ہے تو چلی جاتی ہوں۔“ وہ ایک جھٹکے سے پلٹا۔ بے پناہ ناراضگی لیے اس کی جانب سنجیدگی سے دیکھ رہی تھی۔

آنکھوں میں دکھ کی رمق تھی!!

چہرے پر بے تحاشہ خفگی تھی!!

کس قدر تاسف سے دیکھ رہی تھی!!

ارقام بے ساختہ نظریں چرا گیا۔

”ایم سوری میرا ایسا کوئی مطلب نہیں تھا۔“

”آئی تھنک یہ چوری چھپے والا کھیل بہت ہوگیا ارقام کیوں نا اس پرابلم کو سولو اور کلیئر کرلیا جائے آپ مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتے، مجھے نظر انداز کررہے ہیں، مجھ سے گریزاں ہیں، وجہ کیا ہے؟ میں نہیں جانتی مگر جاننا چاہتی ہوں، اگر آپ بتانا چاہیں تو؟“

”اس بارے میں بہت بار بات ہوچکی ہے طعینہ۔“ اس نے جیسے نظریں چرانا چاہیں۔

”نہیں ارقام! اس پر کوئی بات نہیں ہوئی، یہ صرف میں ہی پوچھتی رہی ہوں ورنہ آپ نے کبھی کلیئر نہیں کیا کہ آپ مجھ سے بات کیوں نہیں کررہے؟“

”لسن طعینہ۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تم سے بات کر......“

”اس کا مطلب ہے آپ بتانا نہیں چاہتے۔ اوکے فائن۔ مت کریں، مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے اجنبیوں سے بات کرنے کا۔ میں یہاں انکل کی وجہ سے آئی ہوں۔ ہٹیں راستے سے۔“ وہ ایک دم یکسر مختلف انداز و لہجے میں کہہ کر اسے ہٹاتے ہوئے کچن میں داخل ہوگئی اور وہ حیران سا کھڑا رہ گیا۔

”اجنبی!“ ارقام کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی۔

”کیا؟ ماموں نے دوبارہ سے شرط رکھی ہے، لیکن کیوں، اب کیوں؟“ آغا مینا نے بڑی حیرت سے امی پاپا کو دیکھا جبکہ طعینہ خاموشی سے لاتعلق بنی بیٹھی تھی۔

”نہیں بیٹا! یہ ان کی شرط نہیں ہے وہ بس یہ چاہتے ہیں کہ ان کی بہو ان کی بہن کی بیٹی ہو۔“

”مگر میں ذادیار سے شادی نہیں کروں گی اور وہ بھی مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتے۔ اگر ماموں ان سے ایک بار پوچھ لیتے تو انہیں دوبارہ یہی بات دہرانی نہ پڑتی۔“ بڑے سکون سے

ٹی وی پر لگا ہیں جمائے کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے ظعینہ کے لیے منع کر دیتے ہیں اور ذروہ کی رخصتی کا کہہ دیتے ہیں۔ بلکہ میرا خیال ہے اب ڈیٹ فکس کر دیتے ہیں' آپ کا کیا خیال ہے اس بارے میں؟" انہوں نے شوہر سے پوچھا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن ایک بار تورع سے بھی پوچھ لینا چاہیے۔"

"کیا پوچھنا ہے مجھ سے۔" آخری جملہ اس کے کانوں میں پڑا تو وہ شرارت سے مسکراتا ہوا ان کے قریب چلا آیا۔

"تمہاری شادی کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔" شہناز نے مسکراتے ہوئے بتایا۔ اس کے مسکراتے ہوئے لب یکلخت سمٹے تھے۔

"مجھے ابھی شادی نہیں کرنی ماں۔" اس کی بات پر تمام نفوس بری طرح چونکے۔

"شادی نہیں کرنی..... کیا مطلب؟"

"ابھی میرا ارادہ نہیں ہے پاپا! میں بہت بزی ہوں۔ کتنے ہی اہم پروجیکٹس ہیں جن پر میں کام کر رہا ہوں' ابھی میرے پاس شادی جیسے فضول کام کے لیے بالکل....."

"فضول' شادی آپ کے لیے فضول کا کام ہے اخ؟" ظعینہ اس کی بات پر بے ساختہ چیخی۔

"اور نہیں تو کیا؟" آنکھوں میں شرارت لیے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"اوکے..... اگر یہ فضول کام ہے تو اب یہ ضرور ہوگا' ویسے بھی میرا خیال ہے فضول کام جتنی جلدی سرانجام پا جائیں اتنے ہی بہتر ہیں کیوں آغا؟"

"بالکل۔" اس نے فوراً اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"مذاق ایک طرف مما لیکن میں واقعی میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا۔" تورع یکلخت سنجیدہ ہوا۔

"تو پھر کب کرو گے تورع۔ چھ سال ہو گئے ہیں تم لوگوں کا نکاح ہوئے' یہی عمر ہے شادی کی' بلکہ اب تو زیادہ ہو گئی ہے۔ اور پھر میں نے ہاشم بھائی سے بات کر لی ہے۔"

"لیکن مما ابھی میرا ارادہ نہیں ہے' میں نے ابھی اس بارے میں سوچا نہیں ہے آپ پلیز ماموں کو منع کر دیجیے۔" وہ جلدی سے کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"تورع۔" حسن نے بہت سنجیدگی سے اسے پکارا' وہ

نازک مزاج لوگ ہیں ہم
بچھڑے تو قربتوں کی دعا بھی نہ کر سکے
اب کے تجھے سپردِ خدا بھی نہ کر سکے
تقسیم ہو کے رہ گئے
خود کرچیوں میں ہم
ام وفا کا لفظ ادا بھی نہ کر سکے
نازک مزاج لوگ ہیں ہم
جیسے آئینہ.....!
ٹوٹے کچھ ایسے کہ صدا بھی نہ کر سکے
خوش بھی نہ رکھ سکے
تجھے اپنی چاہ میں ہم
اچھی طرح سے تجھ کو خفا بھی نہ کر سکے
زیبا حسن مخدوم..... سرگودھا

جاتے جاتے فوراً رک گیا۔

"جی پاپا؟" جیسے مجبوراً رکا ہو۔

"کوئی بات ہوئی ہے بیٹا؟" انہوں نے جانچتی ہوئی نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ سر جھکا گیا۔

"نہیں پاپا۔ ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

"دیکھو بیٹا' میں نہیں جانتا کوئی بات ہے یا نہیں' اگر نہیں ہے تو یہ بہت اچھی بات ہے اگر ہے تو وہ تم دونوں مل کر خود ہی حل کر سکتے ہو یہ میں جانتا ہوں' مگر بیٹا اب شادی میں زیادہ دیر مناسب نہیں ہے' ہاشم بھائی بیٹی والے ہیں' انہیں اپنی بیٹی کا فرض ادا کرنا ہے' گو بیٹیاں بوجھ نہیں ہوتیں مگر ان کو رخصت کرنا والدین کی اولین ترجیح ہوتی ہے۔ اپنا فرض ادا کرنا ہی سب سے بڑی خواہش ہوتی ہے' پہلے یہ اس لیے نہیں ہو سکا کیوں کہ کچھ مسائل آن کھڑے ہوئے تھے مگر اب تم اپنی وجہ سے ایسا مت ہونے دو۔"

"ٹھیک ہے پاپا' جیسے آپ لوگوں کی مرضی۔" دل ہی دل میں کوئی فیصلہ کرتے ہوئے اس نے جواب دیا اور آہستگی سے کہہ کر باہر کی جانب بڑھ گیا۔

✽ ..... ☺ ..... ✽

"آغا مینا کو لگتا ہے میں اسے دھوکا دے رہا ہوں' اسے کسی

مقصد کے لیے یوز کررہا ہوں اسے لگتا ہے کہ میں اپنی رجیکشن کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ اتنا غلط سوچتی ہے وہ میرے بارے میں۔ ہاں میں جانتا ہوں وہ مجھے پسند نہیں تھی اس سے بات کرنا گوارا نہیں تھا مجھے اس کے کردار پر شک کرتا تھا اس کی جانب بڑھا تو مقصد لے کر پاپا کی خوشیوں کے لیے غلط فہمیاں دور کرنے کے لیے کیونکہ اچانک مجھے علم ہوا تھا کہ وہ پھپو کی بیٹی ہے۔ میں بابا کے فیصلے پر آواز اٹھانا چاہتا تھا ان کے فیصلے کو غلط ثابت کرنا چاہتا تھا انہیں یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ وہ بھی غلط ہوسکتے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے ہی سب صحیح ہوگیا۔ تو پھر اب میں اس کی طرف کیوں بڑھ رہا ہوں؟

کیا میں اسے پسند کرنے لگا ہوں؟

کیا وہ مجھے اچھی لگنے لگی ہے؟

یا پھر؟ میں...... میں اس سے محبت......!! محبت......"

وہ بری طرح چونکا۔ اسے جھٹکا سا لگا تھا۔ دل بڑی زور سے دھڑکا تھا۔

"کیا یہ ممکن ہے میں اور آغامینا سے محبت؟" اس نے خود سے بڑے اچھنبے سے سوال کیا۔

"تو......؟ ایسا کچھ ناممکن بھی تو نہیں۔" دوسرے ہی لمحے اندر سے جواب آیا۔

"یہ کچھ غلط نہیں؟" اسے یقین نہیں آیا۔

"اس میں غلط کیا ہے؟" اندر سے سوال آیا۔

"شاید کچھ بھی نہیں۔ یار انسان ہوں فیلنگز کا چینج ہوجانا کوئی انہونی تو نہیں۔ مجھے بھی محبت ہوسکتی ہے اور شاید یہ سچ ہے کہ مجھے بھی محبت ہوگئی ہے۔ شاید کیوں؟" پھر سے سوال ہوا۔

"شاید نہیں یقیناً ہاں یقیناً مجھے محبت ہوگئی ہے...... مجھے آغامینا حسن احمد بخاری سے محبت ہوگئی ہے۔" اس نے گویا خود کو یقین دلایا۔ بہت خوب صورت سی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ آن رکی تھی۔

❁......☺......❁

"مبارک ہو...... مبارک ہو۔" سالار بازو پھیلائے سیدھا آ کر اس سے بغل گیر ہوا۔

"کس بات کی مبارک دیتے پھر رہے ہو؟" تورع نے مسکراتے ہوئے استفسار کیا۔

"میرے دوست نے شادی کے لیے ہاں کردی ہے یار۔" اس کے خوشی سے چلا کر بتانے پر تورع نے جھٹکے سے پرے کیا۔

"یار تو، تو بڑا بے مروت ہے۔ ابھی شادی کے لیے صرف ہاں کی ہے اور یہ حال ہے جب شادی کرلے گا تو محترم پاس بھی پھٹکنے نہیں دیں گے۔" کسی قدر برا مانتے ہوئے مصنوعی خفگی سے دیکھا۔

"شٹ اپ سالار۔"

"کیا ہوا تورع تو خوش نہیں ہے۔ مجھے تو لگا تھا کہ تو نے یہ فیصلہ دلی رضامندی اور خوشی سے کیا ہے۔" اس کے انداز پر سالار بری طرح چونکا اور حیرانگی سے استفسار کیا۔

"ہاں...... میں بہت خوش ہوں بس فرق یہ ہے کہ تیری طرح چلا چلا کر پورے زمانے کو اس کی خبر نہیں دے رہا۔" تورع نے جل کر اس کی بات کا جواب دیا۔

"تو دے نا یار...... میں نے یا کسی اور نے روکا ہے کیا؟" وہ بھی سالار تھا اتنی جلدی کسی کے دام میں آجانا اس کی سرشت میں شامل نہ تھا۔

"بک نہ یار۔"

"بک نہیں رہا صحیح کہہ رہا ہوں۔ اگر تیرا دل چاہ رہا ہے سب کو چیخ چیخ کر بتانے کو تو ضرور بتا۔ ویسے بھی تیرا تو حق بنتا ہے۔ ظالم سماج نے بلآخر تیرے دل کی سن لی۔"

"نہیں...... ذرا سی تصحیح کرلے ظالم سماج نے میرے دل کی نہیں سنی ابھی تو میں نے ظالم سماج کے دل کی سنی ہے۔ میرے دل کی ابھی باقی ہے جو مجھے سنانی ہے۔"

"کیا مطلب؟" سالار نے پوچھا۔

"مطلب ہی تو واضح کرنا ہے مجھے کسی پر۔" وہ آنکھوں میں چمک لیے آہستگی سے بڑبڑایا۔ سالار بری طرح چونکا۔

"تو کیا کرنے جارہا ہے تورع؟" سالار نے مشکوک سے انداز میں استفسار کیا۔

"ڈونٹ وری یار...... کوئی بڑا دھماکا نہیں کرنے جارہا۔"

"بڑا نہیں...... چھوٹا تو ہے ناں؟"

"ارے نہیں یار بس ایک چھوٹا سا معاملہ کلیئر کرنا ہے کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ تو فکر نہ کر۔ یہ چھوٹا سا مگر پرسنل میٹر ہے۔ یو نو دو محبت کرنے والوں کا سیکرٹ۔" وہ زیرلب مسکراتے ہوئے گویا ہوا۔ آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔

سالار محض دیکھ کر رہ گیا۔

"یار یہ لڑکیاں کتنی عجیب ہوتی ہیں ناں؟ کبھی کبھی انہیں سمجھنا کتنا مشکل لگتا ہے۔"

"ہوں...... کیا بات ہے بھئی۔ تیرا کس عجیب لڑکی سے واسطہ پڑ گیا؟ ویسے تو تیرا کسی لڑکی سے واسطہ ہی خاصی عجیب بات ہے لیکن خیر کبھی کبھی ایسے عجیب وغریب واقعات بھی ہماری دنیا میں رونما ہوجاتے ہیں۔ میرا نہیں خیال کہ اس پر زیادہ بات کرنی چاہیے۔" ارقام آنکھوں میں شرارت لیے گہری سنجیدگی سے گویا ہوا۔ جواباً ذادیار نے گھور کر دیکھا۔

"کیوں؟ تیرے خیال میں میں کوئی انوکھا نرالا ہوں جو......"

"نہیں خیال نہیں ہنڈریڈ پرسنٹ یقین ہے۔"

"کیا؟" ذادیار نے حیرت سے پوچھا۔

"یہی کہ تو انوکھا نرالا ہے۔" بڑے آرام اور تحمل سے جواب دیا۔

"شٹ اپ ارقام...... میں مذاق کے موڈ میں بالکل نہیں ہوں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ارقام کو خاصی حیرت ہوئی۔

"خیریت...... تو، تو واقعی سریس لگ رہا ہے یار۔" مسکراہٹ لبوں میں دباتے ہوئے مصنوعی پریشانی سے دیکھا۔

"میں چلا جاؤں گا۔" بچوں کی طرح منہ پھلاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ارے...... سوری یار۔ میں تو مذاق کررہا تھا، اوکے ناؤ آئم سریس۔" اسے پکڑ کر بٹھاتے ہوئے اس نے مکمل سنجیدگی سے دیکھا۔

"اب بول نا...... گونگے کا گڑ کھالیا ہے کیا؟" اس کی مسلسل خاموشی پر ارقام نے چڑ کر کہا۔

"کیا بولوں یار؟"

"جو تو بولنے آیا ہے۔ وہی بولے گا ناں یا کچھ اور یاد آگیا ہے۔" اس نے گویا مذاق اڑایا۔

"یار مجھے لگتا ہے مجھے محبت ہوگئی ہے۔" اس کے مذاق کو نظر انداز کرتے ہوئے ذادیار نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ارقام بری طرح چونکا۔

"محبت......! تجھے...... محبت ہوگئی ہے، آر یو سریس ذادیار؟"

دہشت گردوں کے نام

اے سنگ دلو
کتنا سکوں ملتا ہے تمہیں؟ ماؤں کو بے سکوں کر کے
کتنے جوان مارو گے؟
اذیت کی سولی پر
ماؤں کو چڑھاتے ہو
بیوگی کی چادر بھی
تم ہی اوڑھاتے ہو
سبھی کو تڑپانے میں
دیر نہیں لگاتے ہو
کیا تم بھی چاہو گے
کہ ہوجائیں بے سکوں تمہاری مائیں؟
کیونکہ ہر فرعون کے لیے ہے موسیٰ
کیا تم سمجھتے ہو؟ سب کھودیا ہم نے
نادانو! تم کیا جانو گے
کہ تم گھاٹے کماتے ہو
نفرت کے حق دار کہلاتے ہو
اور بزدلی کا تاج
اپنے سر پر سجاتے ہو

کنزہ محمد مسکین...... بھیر کنڈ مانسہرہ

"آئی گیس......" ذادیار نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اعتراف کیا۔

"ہاں...... یہ واقعی میں انوکھی بات ہے۔" ایک پل کو وہ حیران ہوا تھا دوسرے ہی پل بے نیازی سے کہا۔

"مجھے نہیں لگتا تو سنجیدہ ہونے والا ہے۔ آئی تھنک مجھے چلنا چاہیے۔" ذادیار خفگی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"او بھائی...... سوری یار۔ تو، تو پل میں ہوا کے رتھ پر سوار ہورہا ہے، اچھا بتا، میں سریس ہوں۔ کون ہے وہ خوش نصیب۔ جس سے بقول تیرے، تجھے محبت ہوئی ہے۔" اس نے اپنی طرف سے خود کا مائنڈ میک اپ بہت اچھی طرح سے کرلیا تھا، یہ اس کا خیال تھا، مگر یہاں ان ڈائریکٹلی ظعینہ کا ذکر آرہا تھا جسے وہ مسلسل نظر انداز کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ مگر چونکہ ذادیار اس کا فرینڈ تھا وہ اسی کے لیے پیچھے ہٹا تھا، تو پھر اس کی خوشی کو

شیئر کرنے سے گریز کیسے کرسکتا تھا' باوجود کوشش کے اس کا دل بری طرح دھڑک اٹھا۔

"فرسٹ آف آل تو......"

"انٹرویو دینے جارہے ہو کیا؟" ارقام نے فوراً ٹوکا۔

"کیا مطلب؟" اس کے دوبارہ سے ٹوکنے پر ذادیار کو ازحد ناگوار گزرا۔

"نہیں جس انداز میں تو نے شروعات کی ہے ناں' ایسے اکثر سیلبریٹیز جیسے انضمام الحق انٹرویو دیتے ہوئے شروعات ایسے ہی کرتے ہیں۔ اس لیے ٹوک دیا کہ کہیں تو انٹرویو تو نہیں دینے جارہا۔"

"مجھے نہیں لگتا کہ تو میری بات سننے میں انٹرسٹڈ ہے۔" ذادیار نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں سن رہا ہوں یار...... تو بول۔"

"تو ناراض تو نہیں ہوگا۔" ارقام اس کی بات پر چونکا۔

"ناراض...... لیکن کیوں؟" وہ حیران ہوا۔

"یار...... ایکچوئیلی مجھے آغا مینا سے......"

"واٹ......! آغا مینا......" وہ بری طرح اچھلا۔

"اس میں اتنا حیران ہونے کی کیا بات ہے؟"

"حیرت ہی تو ہے تو اور آغا مینا' آئی ڈونٹ بلیو دس؟"

"یقین کرلے یار...... ایسا ہی ہے۔" ذادیار نے کسی قدر بے بسی سے کہا۔

"اور طعینہ......!" اس نے ہچکچاتے ہوئے استفسار کیا۔

"طعینہ کیا؟" ذادیار نے ناسمجھی سے دیکھا۔

"تو طعینہ سے شادی نہیں کررہا کیا؟"

"آر یو میڈ ارقام......! میں طعینہ سے شادی کیوں کروں گا۔" اس نے گویا اس کا مذاق اڑایا۔

"یار تو نے اسے شادی کے لیے منانے کے لیے ہی تو یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا تھا۔ تو پھر اب......"

"یہ تجھ سے کس نے کہا کہ میں نے اس لیے ایڈمیشن لیا تھا۔"

"تو نے ہی تو بتایا تھا ذادیار۔"

"تجھے یاد نہیں شاید میں نے ایڈمیشن لینے سے قبل تجھے بتایا تھا کہ میں ایڈمیشن لے تو رہا ہوں' مگر جو بابا چاہتے ہیں وہ بھی نہیں ہوسکتا۔"

"واٹ......! یعنی تو نے اسے منانے کے لیے نہیں بلکہ اسے اس شادی سے انکار کرنے کے لیے ایڈمیشن لیا تھا۔"

"یس رائٹ۔" اس نے فوراً کہا۔

"او گاڈ...... یار تو ایڈیٹ ہے کیا؟"

"واٹ؟" وہ چلایا۔

"ناٹ رائٹ...... ایکچوئیلی میں ایڈیٹ ہوں......" وہ بڑبڑایا۔

"کیا مطلب؟"

"کچھ نہیں یار' بس ایک غلط فہمی ہوگئی تھی' خیر چھوڑ۔ تو بتا تجھے کیا......" اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتا فون کی بیل بج اٹھی ارقام اس جانب متوجہ ہوگیا' جبکہ ذادیار کچھ اور سوچنے لگا۔

......

"اب کیا پریشانی ہے ذری۔ شادی کے لیے اسے کسی نے فورس نہیں کیا بلکہ اس نے خود ہاں کی ہے تو پھر تم اتنی ٹینس کیوں ہو؟" کشن پر کور چڑھاتے ہوئے تاباں نے خاموش بیٹھی ذروہ سے استفسار کیا۔

"آئی ڈونٹ نو یار' لیکن میں ٹینس ہوں۔" ناخن چباتے ہوئے جواباً کہا۔ تاباں نے ایک پل کو ہاتھ روک کر اس کی جانب دیکھا۔ اس کے چہرے پر پریشانی واضح دکھائی دے رہی تھی۔ سوچوں کا جال پورے چہرے پر پھیلا ہوا تھا۔ اضطراریت اور سراسیمگی اس کے انگ انگ سے جھلک رہی تھی۔ گویا وہ کچھ سمجھ نہیں رہی تھی۔ پھر بھی اسے کوئی اسرار لگ رہا تھا۔

وہ کچھ الٹا سیدھا سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر اسے پھر بھی کوئی نہ کوئی بھید معلوم ہورہا تھا۔ جس کا منکشف ہونا اسے ازحد ضروری لگ رہا تھا۔ لیکن وہ ہر طرف سے بے بس تھی۔ اپنی طرف سے بھی...... اور جس کے متعلق سوچ رہی تھی اس کی طرف سے بھی' وہ یہ ڈیسائیڈ نہیں کرپارہی تھی کہ اسے کیا کرنا چاہیے؟ یا! وہ کیا کرسکتی ہے؟ بس وہ پریشان تھی۔ ٹینس تھی اور ٹینس کیوں تھی؟ یہی وہ سمجھ نہیں پارہی تھی مگر سمجھنا چاہتی تھی۔

"پریشانی کیا ہے ذری؟" تاباں نے دریافت کیا' جواباً ذری نے چند پل بہت خاموشی سے اس کی جانب دیکھا اور گویا ہوئی۔

"یار اتنے عرصے سے اس کا بی ہیویئر انتہائی سرد و سپاٹ رہا ہے پچھلے کچھ دنوں میں وہ کتنا روڈ رہا ہے یو نو۔ اب اچانک سے یوں اس کا بنا چوں چرا کیے شادی کے لیے ہاں کردینا' آئی

ڈونٹ انڈراسٹینڈ' کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔"

"کوئی بات نہیں ہے ذری۔ یہ بس تمہارا وہم ہے اور کچھ نہیں۔" تاباں نے نفی کی۔

"وہم بھی تبھی ہوتا ہے تابی جب کوئی بات ہو۔ یونہی بلاوجہ وہم نہیں ہوجاتے۔" اس نے گویا جھٹلایا۔

"ہوجاتے ہیں یار! جس طرح کی سچویشنز تم لوگوں نے فیس کی ہیں ایسے میں انسان کو چھوٹی چھوٹی بات پر بھی وہم ہوجاتا ہے۔" تاباں نے دلیل دی۔

"نہیں تابی! اگر مجھے کوئی ٹینشن ہے تو ضرور کوئی نہ کوئی بات ہے۔ ورنہ بلاوجہ مجھے ٹینشن نہیں ہوتی۔" وہ مسلسل اس کی بات کی نفی کررہی تھی۔ تاباں کتنے ہی پل خاموشی سے اس کی جانب دیکھتی رہی تھی۔

"ذری...... وہ تورع ہے اس کے کسی بھی فیصلے میں ضروری نہیں کوئی سبب ہی ہو۔ وہ اکثر بلاسبب اور ہماری سوچ سے ہٹ کر بھی فیصلے کرجاتا ہے اور یہ تم اچھی طرح سے جانتی ہو اس کے اس فیصلے کو لے کر جس طرح تم پریشان ہورہی ہو یہ سراسر بے وقوفی ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ ڈیٹس اٹ۔"

"نہیں تابی' یہ بے وقوفی نہیں ہے' یہ حقیقت ہے اور میں جانتی ہوں کہ وہ تورع ہے' اسی لیے تو اس کے فیصلے پر پریشانی ہورہی ہے اور اگر کوئی اور ہوتا تو شاید اس طرح کا اچانک ہوجانے والا فیصلہ میری پریشانی کا سبب ہرگز نہیں ہوتا۔"

"گویا تم نے از خود پریشان رہنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"نہیں پریشان رہنے کا نہیں ان فیکٹ ذہنی طور پر تیار رہو۔" اس نے فوراً تصحیح کی۔

"تو پھر ٹھیک ہے' ٹینشن کو بھگاؤ اور خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دو۔ کیونکہ جس فیصلے کا کوئی حل دکھائی نہ دے رہا ہو بلکہ حل کیا؟ جس پرابلم کا علم ہی نہ ہو اس کے لیے بیکار میں اپنے سوچنے کی صلاحیت کو یوز کرنا آئی تھنک سراسر حماقت ہے اور کچھ نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ اس پر سوچنا اور پریشان ہونا بند کرو اور سکون سے شادی کی تیاریاں کرنا شروع کردو۔ ان فیکٹ میں تو رہنے کے لیے آنے والی ہوں' بہت جلد۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے' ویسے بھی ابھی ڈیٹ بھی فکس نہیں ہوئی۔" ذری نے فوراً منع کیا۔

"اے بی بی' تم کیوں پریشان ہورہی ہو؟ تم سے مہمان داری کروانے نہیں آرہی' اپنے گھر مطلب اپنے میکے آرہی ہوں۔ وہاں میری مہمان داری کے لیے بہت سے لوگ موجود ہیں' تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"ہاں...... ہاں میں تو جیسے فکروں میں گھلی جارہی ہوں ناں؟" اس نے استہزائیہ کہا۔

"بالکل' گھلی ہی تو جارہی ہو۔ اس لیے تو کہہ رہی ہوں' مکمل گھلنے سے پہلے پہلے ہی خود کو کنٹرول کرلو' یہ نہ ہو شادی سے پہلے ہی ضائع ہوجاؤ اور تورع اپنے کسی بھی پلان کو عملی جامہ پہنانے سے قبل ہی فیل ہوجائے۔" اس نے فوراً اس کی بات پکڑی اور اسے چڑاتے ہوئے تورع کا نام لیا۔

"بکومت' اچھا یہ بتاؤ آنٹی کہاں ہیں؟" اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کشن اٹھا کر اس کی جانب پھینکتے ہوئے استفسار کیا۔

"کیوں بھئی' خیریت؟ یہ تمہیں اچانک میری ساس کے بارے میں پوچھنے کا خیال کیونکر آ گیا؟" اس نے کسی قدر مشکوک سے انداز میں دیکھا۔

"کیوں؟ مجھے تمہاری ساس کا خیال نہیں آسکتا کیا؟ ویسے بھی میں تیری طرح نہیں ہوں جو اپنی ساس کا نام لیتے ہوئے سو بار سوچتی ہو۔ غضب خدا کا ساس نہ ہوئیں بلکہ......"

"خبردار...... خبردار اگر کوئی بے تکی مثال دی تو۔" اس سے پہلے کہ وہ کوئی مثال دیتی تابی نے فوراً ٹوک دیا۔

"میری مثالیں بے تکی ہوتی ہیں کیا؟" ذری نے فوراً برا مناتے ہوئے دوبارہ سے تصدیق چاہی۔

"مثالیں کیا؟ تمہاری تو باتیں' سوچیں اور حرکتیں بھی بے تکی سی ہوتی ہیں' یہ تو میں ہی ہوں جو عزت رکھتی رہتی ہوں' کرتانی چڑیل۔" اس نے اس کا پرانا نام لیا تھا جو تورع نے اسے چڑانے کے لیے رکھا تھا۔

"تاباں کی بچی' میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔" وہ چلاتے ہوئے یکے بعد دیگرے سلیقے سے سیٹ کیے ہوئے اس کے کشن اٹھا اٹھا کر اس کی جانب پھینکنے لگی۔

جبکہ تاباں مسکراتے ہوئے بڑی مہارت سے انہیں کیچ کرتے ہوئے دوبارہ سے سیٹ کرتی جارہی تھی۔

(آخری قسط ان شاء اللہ آئندہ)

ہزاروں خواہشیں

عرشیہ ہاشمی

"بوڑھی گھوڑی لال لگام۔" حمنی جونہی صغریٰ خالہ کے کمرے سے باہر آئی اسے اپنے پیچھے قدسیہ کی آواز سنائی دی بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ یہ آواز جان بوجھ کر اسے سنوائی گئی تو غلط نہ ہوگا۔

لوگوں کا مسئلہ نہ جانے کیا ہے نہ خود سکون سے جیتے ہیں نہ کسی کو جینے دیتے ہیں۔ شاید دوسروں کی خوشی دیکھی نہیں جاتی۔ صرف ظاہر کو دیکھ کر فیصلہ صادر کرنے والے کتنے بے وقوف اور ظالم ہوتے ہیں یہ احساس صرف اور صرف ان لوگوں کو ہی ہوسکتا ہے جن پر یہ سب گزرا ہو، تیر برسانے والے بھلا کہاں ان تیروں کے زخم اور چبھن دیکھ سکتے ہیں۔

حمنی نے اپنے بچپن سے ایک ہی کام کیا صرف خواہشات پالنا۔ دل و جان سے کیا جانے والا یہ ایک کام اس کی جان کا عذاب بن جائے گا یہ کبھی اس نے سوچا بھی نہ تھا۔ تو آیئے خواہشات کے نام پر ایک مذاق بن جانے والی "حمنی" کی کہانی انہی کی زبانی سنتے ہیں۔

"امی بھیا نے مارا مجھے...... امم مم......" سات سالہ حمنی نے بلند آواز میں امی کو مدد کے لیے پکارا تو امی باورچی خانے سے بھاگتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں۔ سامنے جو سین چل رہا تھا وہ ان کو غصہ دلانے کے لیے کافی تھا۔ دس سالہ سمیع نے اپنی بہن کے بالوں کو اپنی مٹھی میں جکڑ رکھا تھا۔ حمنی کا چہرہ لال سرخ تھا تو سمیع کی آنکھیں انگارہ بن رہی تھیں۔

"سمیع...... کتنی بری بات ہے بیٹا، بہنوں کو کوئی مارتا ہے بھلا، بہنیں تو مہمان ہوتی ہیں۔" امی نے سمیع کے ہاتھوں سے حمنی کے بال بمشکل چھڑائے اور ساتھ ہی میٹھی سی سرزنش بھی کر دی۔

"امی...... سمیع نے میرے کلرز چھین لیے۔" حمنی نے منہ بسورتے ہوئے اصل معاملہ بتایا۔

"کتنی بری بات ہے سمیع...... بھائی تو بہنوں کو دیتے ہیں، تم کیسے بھائی ہو جو بہن سے لیتے ہو۔" حمنی کی ڈھیلی پڑ جانے والی پونی کو دوبارہ سے ٹائٹ کرنے کے بعد اب وہ سمیع کے بالوں کو ہاتھوں سے صحیح کرنے لگ گئیں۔

"امی مجھے ضرورت ہے ان کلرز کی۔ مانگنے سے نہیں دیئے حمنی نے تب ہی تو میں نے چھینے۔ مجھے روز ڈرائنگ کی ٹیچر کلاس سے باہر کھڑا کر دیتی ہیں کیونکہ میرے پاس کلرز نہیں ہوتے۔ کلرز تو بہت زیادہ ضروری ہوتے ہیں ناں۔ آپ حمنی کو اور دلا دینا۔"

"ہاں بیٹا کلرز زندگی میں بے حد ضروری ہوتے ہیں۔ کلرز کے بنا تو زندگی بہت ہی پھیکی رہ جاتی ہے۔" وہ یہ بات سوچ ہی سکیں بس......

حمنی نے کافی دنوں تک ان کلرز کا انتظار کیا لیکن اس کا یہ انتظار لاحاصل ہی رہا۔ کیونکہ گھر کے اخراجات نے کبھی اس "فضول خرچی" کی اجازت ہی نہ دی تھی۔

......☆☆☆......

یہ سب سے پرانی بات تھی جو ابھی تک اس کے حافظے میں موجود تھی۔ اس کے بعد تو اس نے اپنی خواہشوں کا گلا ہی گھونٹ دیا۔ کیا فائدہ تھا فرمائش کرنے کا جب اس کی فرمائش درِ قبولیت تک نہ پہنچ پاتی، وہ اکثر سوچتی کہ جانے کب یہ غربت پیچھا چھوڑے گی، کب ہم بھی اپنی من پسند چیزیں خریدیں گے؟ پھر جب وہ نویں کلاس میں تھی تو ایک سہیلی کے پاس ایم پی تھری دیکھ کر

اس کا دل بھی مچل اٹھا، گھر آ کر فرمائش ماں کے سامنے رکھی تو وہ کچھ پریشان ہوگئیں۔

''کتنے کا ملتا ہے یہ ایم پی؟'' انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا تو حمنی کے دل میں امید کی کرن چمکی۔

''چار سو تک مل جاتا ہے ستا والا۔'' آنکھوں کے ساتھ ساتھ چہرہ بھی ایم پی پالینے کے خیال سے چمک اٹھا تھا۔

پھر اگلے کچھ دنوں میں شدت سے اسے احساس ہوا کہ جن بچوں کے باپ نشے کی لت میں پڑ جائیں، زندگی کی چھوٹی چھوٹی ''خوشیوں'' پر ان کا کچھ حق نہیں رہتا۔ عمر فانی کے اٹھارویں برس حمنی کو نت نئے ملبوسات کا شوق آن چڑایا۔ عمر کا یہ دور خاصا ''خطرناک'' ہوتا ہے۔ ناسازگار حالات میں انسان کے اندر ایک بغاوت، انا اور فتح کی خواہش جنم لیتی ہے اور ان جذبات کی تسکین کے لئے اگر غلط راستے کا انتخاب کیا جائے تو زندگی تباہ ہو کر رہ جاتی ہے۔

حمنی کا دل کبھی انارکلی فراک کے لیے مچل اٹھتا، کبھی نئی میک اپ کٹ، کبھی پارلر سے فیشل کرانے کی فرمائش کردیتی تو کبھی ماں سے نئے ڈیزائن والے کپڑے سلائی کرنے کا کہتی۔ وہ اپنی سوسائٹی میں موو کرنا چاہتی تھی لیکن بھلا ہو ان ٹرینڈ سیٹرز کا۔ جن کی پیروی کرنے کے لیے اچھی خاصی رقم کی ضرورت ہوتی، جو کہ حمنی کے پاس کبھی اکٹھی نہ ہو پاتی۔ ابھی دو دن پہلے پھوپو کی بیٹی کی شادی کی شاپنگ کے لیے ان کے ساتھ بازار جانے کا اتفاق ہوا تو کپڑوں کی شاپنگ کے دوران اسے سرخ رنگ کا لانگ فراک بے حد پسند آیا، لینے کے ارادے سے نکلوایا لیکن قیمت کا سن کر فوراً واپس رکھوا دیا۔ پانچ ہزار کا فراک اس کی پہنچ سے باہر تھا۔

......☆☆☆......

فروا کی شادی میں سسرال کی طرف سے آئی ہوئی بری دیکھنے کے لائق تھی۔ ایک سے بڑھ کر ایک خوب صورت کام والے جوڑے، کچھ ہائی ہیلز اور کچھ امپورٹڈ سول والے سینڈلز، برینڈ نیو میچنگ ہینڈ بیگز، سب جوڑوں کے ساتھ میچنگ بینگلز، ہیئر کیچر ز فنگر رنگز، میک اپ کی ہر چیز تھی۔ ہر کسی نے کھلے دل سے بری کی تعریف کی۔ حمنی بھی خوش تھی کہ اس کی پھوپو کی بیٹی اپنی آنے والی زندگی میں عیش کرے گی اور وقت نے یہ بات ثابت بھی کردی۔ فروا اپنی زندگی میں بے حد خوش تھی۔ شوہر بہت محبت کرنے والا تھا۔ جب بھی آتی نئے انداز کے سوٹ میں نک سک سے تیار ہوتی۔ ہاتھ میں ہائی پروفائل اسمارٹ فون ہوتا۔ جس شان سے وہ اپنی وائٹ کرولا سے برآمد ہوتی، سب کی نظروں میں اس کے لیے ایک تفاخر رہتا۔ یہ صورت حال حمنی کے دل میں ایک دستک دے رہی تھی۔ آنے والے

اچھے دنوں کی امید کی دستک۔ وہ ایک بار پھر سپنے بننے لگی۔ اپنی شادی کے سپنے اور اس کے بعد اپنی سب خواہشات کے پورا ہونے کے سپنے۔

یہ خواہشات بھی ناں عجیب ہوتی ہیں، انسان کو سکون کا سانس لینے نہیں دیتیں۔ کبھی اس قدر زور آور کہ انسان کو اپنی راہ سے بھٹکا دیں اور کبھی ایسی کہ انسان کے اندر ایک امید سی جگا دیں۔ عجیب رنگ ہیں ان خواہشات کے بھی، جو کبھی تو زندگی کو خوب صورت بنا دیں اور کبھی زندگی کے چہرے پر سیاہی پھیر دیں۔ اب حمنی نے اچھے دنوں کی امید کے سپنے دیکھنا جو شروع کیے تو اس نے دل پر سے وہ پہرہ ہی ہٹا دیا۔ اب وہ امی سے کسی چیز کی فرمائش نہ کرتی۔ بس اگر دل کسی چیز کے لیے ہمکتا بھی تو دل کو یہ کہہ کر سمجھاتی۔

''بس کچھ عرصہ کی بات ہے حمنی، شادی کے بعد سب خواہشات پوری ہونے والی ہیں تیری۔'' شادی صرف اپنی ادھوری خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ ایک رشتہ، ایک ذمہ داری ہے۔ جس کا ابھی حمنی کو احساس نہ تھا۔

......☆☆☆......

پھر شادی بھی ہوگئی اور زندگی بھی بدل گئی حمنی نے بس اپنا دل مار لیا۔ کیونکہ سسرال کے حالات بھی اس کی ماں کے گھر سے کچھ مختلف نہ تھے۔ اس کے ہاتھ میں اس کا شوہر پھوٹی کوڑی بھی نہ رکھتا تھا۔ چھوٹی عمر سے دل میں پلتی خواہشات کو جب غربت کی دھوپ کی تپش ملتی تو کبھی کبھار اس کا دل باغی ہونے لگتا۔ وہ اپنی زندگی میں خوشیوں سے مایوس ہونے لگی۔ چڑچڑا پن اب اس کے پیاروں کو اس سے دور کرنے لگا تھا۔ حسرتوں اور پریشانیوں نے مل کر اسے خستہ حال بنا دیا۔ سر کے بال سفید ہو کر جھڑنے لگے اور چہرے پر وقت سے پہلے ہی جھریاں پڑنی شروع ہوگئیں۔

کہتے ہیں کہ حالات بدلتے دیر نہیں لگتی۔ اس کی اکلوتی بیٹی اب جوان ہو چکی تھی۔ حمنی بے حد خوف زدہ ہو جاتی جب، اس کی بیٹی ہنیا بھی اس کی طرح نت نئی فرمائشیں کرنے لگی۔ ماں دنیا کی سب سے زیادہ طاقت ور عورت ہوتی ہے۔ اس نے بھی اپنا ڈر اور لحاظ چھوڑ دیا۔ اب وہ زوار کو بیرونِ ملک جانے پر اکسانے لگی۔

''دیکھ زوار! میں نے تو جیسے تیسے اپنی زندگی گزار لی، اب ہنیا کو میں ایسی زندگی گزارنے نہیں دوں گی۔'' وہ نہایت ہی افسردہ تھی جب زوار سونے کے لیے کمرے میں داخل ہوا۔

''میں کیا کروں حمنی' کام کرتا تو ہوں ناں۔'' زوار نے لاچارگی سے کہا۔

''تم عثمان بھائی سے کہہ دو کہ اب کی بار وہ تمہارا ویزہ بھیجیں۔ باہر جا کر کماؤ گے تو شاید حالات کچھ بہتر ہو جائیں۔'' حمنی نے کچھ سوچتے ہوئے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

''کچھ سوچتا ہوں۔'' اتنا کہہ کر وہ کمبل اوڑھ کر لیٹ گیا۔

......☆☆☆......

زوار کا کام بہت اچھا چل رہا تھا۔ اب حمنی کے ہاتھ میں کھلے پیسے ہوتے۔ وہ اس پیسے سے ہنیا کی ہر خواہش پوری کرتی۔ ہنیا کے رنگ برنگے کپڑے اسے اپنی خواہشات کی دنیا میں لے جاتے۔ اس کی خواہشات پھر سے زندہ ہونے لگیں تھیں۔ اس نے اپنے لیے بھی شاپنگ کرنا شروع کر دیا۔ کبھی وہ رنگ برنگے کلر پنسلو لے آتی اور ان رنگوں کو نہایت مہارت سے قرطاس پر بکھیرتی۔ کبھی وہ سوچتی کہ اب چونکہ وہ پارلر جانا افورڈ کر سکتی ہے تو اپنا آپ ''سیٹ'' رکھنے میں کیا مضائقہ ہے۔ کل جب ہنیا نے ازراہ مذاق اسے بال ڈائی کرنے کا مشورہ دیا تو اگلے دن وہ سچ میں بال ڈائی کروا آئی۔ نت نئے گہنے خریدتی اور انہیں پہن کر خوش ہونے لگی تھی۔ حمنی کو سرخ لپ اسٹک بہت زیادہ پسند تھی۔ لیکن ماں نے کبھی لگانے نہ دی تھی۔ اب

شمائلہ عباس بانو

السلام علیکم! مجھے آپ ویسے تو جانتے ہی ہیں میرا نام شمائلہ عباس ہے۔ 1 اپریل 1999 کو اس دنیا میں تشریف لائی۔ پیار سے سب مانو کہتے ہیں اسٹار کا پتہ نہیں۔ آنچل 5 سال پہلے پڑھنا شروع کیا۔ ہم چار بہن بھائی ہیں پہلے نمبر پر مابدولت خود ہیں پھر بھائی اطہر عباس' اظہر عباس اور آخر عمر عباس ہیں۔ بہن کی کمی بہت محسوس کرتی ہوں۔ جس پر اعتبار آجائے اسے کبھی نہیں چھوڑتی۔ خامیاں بہت ہیں جیولری پسند نہیں سوائے سمپل نیکلس کے۔ مہندی اور چوڑیاں تو جان ہیں کھانے میں بریانی میری فیورٹ ہے ڈریسنگ میں لانگ شرٹ اور پینٹ پسند ہے وددوپٹہ۔ تنہائی پسند ہوں فیورٹ سنگر عاطف اسلم ہے۔ فیورٹ رائٹرز نازیہ کنول نازی عمیرہ احمد' نمرہ احمد' رفعت سراج' سمیرا شریف طور اور سباس گل ہیں۔ فیورٹ بکس زاویہ اور شہاب نامہ ہیں فیورٹ ناول مجھے ہے حکم اذاں' ٹوٹا ہوا تارا اور شب ہجر کی پہلی بارش ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام رائٹرز اور قارئین کو خوش رکھے۔ فرینڈ صرف دو نائلہ اور فروا ہیں اور آنچل کو بہت زیادہ ترقی عطا فرمائے۔ (آمین)

بشمول لپ اسٹک کے، ہر طرح کی کاسمیٹکس استعمال کرنے لگی تھی۔ ادھوری خواہشات کی بے وقت تکمیل نے اس کو عجیب سا نمونہ بنا دیا۔ ہر کوئی اب اس کو عجیب سی نظروں سے دیکھتا۔ لڑکیاں بالیاں تو باقاعدہ طعنے کسنے لگیں تھیں۔ آج بھی جب اس نے اپنی خالہ زاد بہن کا طعنہ سنا تو گھر آکر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''کیا مجھے جینے کا کوئی حق نہیں۔ میرا دل نہیں کرتا اپنی ادھوری خواہشیں پوری کروں، اس دنیا میں کوئی انسان بھی دوسرے کی خوشی برداشت نہیں کرسکتا۔'' وہ سوچ رہی تھی۔

کچھ دیر رونے کے بعد جب دل کا بوجھ ہلکا ہوا تو وہ ظہر کی نماز کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ نماز کی ادائیگی سے فارغ ہونے کے بعد اس نے ٹی وی آن کیا تو ایک دینی چینل پر بہت اچھا پروگرام چل رہا تھا۔ وہ پوری توجہ کے ساتھ پروگرام دیکھنے میں محو ہوگئی۔

''انسان کی کامیابی اسی میں ہے کہ وہ اپنے نفس کو پچھاڑ دے۔ دنیا کا سب سے کمزور ترین انسان وہ ہے جو اپنے نفس کی خواہشات پوری کرنے میں اپنی ساری عمر گنوا دے۔ خواہش اور نفس دراصل شیطان کے بہکاوے ہیں۔

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جاہ ہے تماشا نہیں ہے

آج سے پہلے کبھی اس نے اس بارے میں اس انداز سے سوچا نہ تھا۔ اب وہ سنجیدگی سے اپنی آنے والی زندگی کا لائحہ عمل طے کررہی تھی کیونکہ وہ ایک مسلمان عورت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ماں بھی تھی اور مائیں ہمیشہ سوبر اور ڈیسنٹ ہی اچھی لگتی ہیں۔

✿

چلو ہم بھی تیرے ساتھ چلے

حنا اشرف

رات کی سیاہی ہر طرف پھیل چکی تھی۔ برآمدے کے پلر سے سر ٹکائے سامنے دیکھتے وہ اپنی ہی سوچوں میں گم بیٹھی تھی...... سیاہ سوٹ میں ملبوس اس لڑکی کی آنکھوں سے جیسے وحشت ٹپک رہی تھی' سیدھی ہو کر بیٹھتے اس نے اپنی آنکھیں زور سے میچیں' اسے ایسے محسوس ہوا' جیسے اس کا دم گھٹ رہا ہو۔ کھڑے ہو کر کھلی فضا میں وہ لمبے لمبے سانس لینے لگی' اندر سے خالہ کے کھانسنے کی آواز سنائی دی تو اس نے کمرے کی راہ لی۔ ایک نظر خالہ کو دیکھنے کے بعد سیڑھیاں چڑھ کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ میز کے ساتھ رکھی چیئر پر بیٹھ کر وہ چیزوں کو بے ترتیب کرکے پھر نئے سرے سے ترتیب دینے لگی۔ سیاہ جلد والی ڈائری لے کر قلم تھامے وہ لکھنے کو الفاظ تلاشتی رہی کہ کیا لکھے لیکن دل و دماغ جیسے بالکل خالی سے ہو گئے تھے۔ پچھلے صفحات کو پلٹتے ہوئے اس کی نظر ایک نظم پر جا ٹھہری۔

ایک روگ لگا ہے دل کو\
جو بے چین بہت ہی رکھتا ہے\
ایک شخص ہے اجلا اجلا سا\
اب ساتھ وہ ہر پل رہتا ہے\
کب ساتھ وہ ہر پل رہتا ہے\
وہ سانس میں اپنی بستا ہے\
وہ شخص جو اپنا ہو جائے\
پھر چاہے دنیا کھو جائے\
وہ شخص جو جان سے پیارا ہے\
کوئی کہہ دے\
صرف ہمارا ہے

قطرہ قطرہ آنسو...... اس کی خوب صورت آنکھوں سے بہنے لگے' آنسوؤں میں روانی آتی جا رہی تھی اور پھر کچھ دیر بعد وہ اداس سی لڑکی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

کوئی اسے تنہائی میں اس طرح روتے ہوئے دیکھ لیتا تو کبھی یقین نہ کرتا کہ وہ "ابریش حسن" ہے۔ ایک شوخ اور زندہ دل لڑکی جو صرف ہنسنا جانتی تھی۔ زندگی کے اس موڑ پر آ کر وہ خود کو بہت بے بس محسوس کر رہی تھی۔ زندگی کے امتحان میں ناکامی کی صورت اپنی من پسند چیزوں سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ ابریش اس وقت جس کرب سے گزر رہی تھی صرف وہی جانتی تھی۔

"اذہان میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی تم نے بہت برا کیا ہے میرے ساتھ چاہے کچھ بھی ہو اب میں لوٹ کر نہیں آؤں گی۔" بے دردی سے آنسو صاف کرتی وہ ایک عزم سے خود سے بولی۔

قصور کس کا تھا...... کیا واقعی اذہان غلط تھا؟ اس کا فیصلہ آنے والا وقت کرنے والا تھا۔

انا وہ آگ ہے پیاری\
کہ جس آگ میں جل کر\
بچا کچھ بھی نہیں کرتا\
انا وہ جنگ ہے پیاری\
کہ جس کو جیت جانے تک\
اپنی جان جاتی ہے\
انا وہ کھیل ہے\
جس میں وفا کے ہوتے ہوئے بھی\
بے وفائی کرنا پڑتی ہے\
وفا جب دونوں طرف ہی ہو\
تب انا گر بیچ آ جائے\
دلوں میں نفرت پلتی ہے\
دوریاں بڑھنے لگتی ہیں\
وفا تب کچھ نہیں رہتی\
انا بس جیت جاتی ہے

❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁

"ابریش چائے پی لو ٹھنڈی ہو جائے گی۔" وہ جو ریموٹ ہاتھ میں لیے بار بار چینل تبدیل کر رہی تھی...... نورین خالہ نے کوفت سے اس کے ہاتھ سے ریموٹ چھینا۔

"بہت سست ہو تم' کب سے کہہ رہی ہوں چائے پی لو تم ہو کہ سنتی نہیں۔"

''خالہ جانی آپ بھی نہ بس بہت ضدی ہیں۔'' لاڈ سے کہتے وہ اپنا سران کی گود میں رکھ کر صوفے پر ہی لیٹ گئی۔

''میری جان بہت کیئرلیس ہو تم...... اگر میں تمہارا خیال نہ رکھوں تو نجانے کیا حال ہو جائے تمہارا......'' محبت سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولیں۔ ان کے اس طرح کہنے پر ابرش زور سے ہنس دی۔

''قسم سے خالہ جانی جب آپ میرا اتنا خیال رکھتی ہیں تو مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں چھوٹی سی معصوم بچی ہوں۔'' ان کا دایاں ہاتھ تھام کر وہ اپنے لبوں سے لگا گئی۔

''مجھے بھی باتوں میں لگا دیا۔ چلو اٹھو اب جا کر دوبارہ چائے بناؤ خود۔'' انہوں نے ہلکی سی چپت اس کے سر پر لگا کر اس کا سر اپنی گود سے ہٹایا۔

''کباب کھانے کو بہت دل کر رہا ہے ساتھ میں فرائی کر لاتی ہوں۔ جب تک آپ ٹی وی دیکھیں۔'' ابرش نے دوبارہ چینل تبدیل کیا جہاں نورین کی پسندیدہ موی چل رہی تھی۔ ابرش گنگناتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔

❀......❀......❀......❀

ابرش کے والدین کا ایک ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو چکا تھا۔ تب وہ دس سال کی تھی اکلوتی ہونے کے باعث وہ بہت لاڈلی تھی منہ سے نکلنے سے پہلے ہی حسن صاحب اس کی ہر فرمائش پوری کر دیتے تھے مگر ان کی اچانک وفات نے ابرش کو در دبھری دنیا میں اکیلا کر دیا تھا۔ نورین اس کی چھوٹی خالہ تھیں ابرش ان سے بہت اٹیچ تھی سو وہ اسے اپنے ساتھ لے آئیں تھیں۔ جہاں اسے بہت پیار ملا خالہ نے اسے اپنی اولاد سے بڑھ کر چاہا۔ اس کی ہر ضد فرمائش پوری کرنے کی کوشش کی۔ مگر کہتے ہیں نہ کہ جن بچوں کی پرورش والدین کے بغیر ہو ان کی شخصیت میں کہیں نہ کہیں کوئی کمی ضرور رہ جاتی ہے۔ ابرش بے حد حساس ہونے کے ساتھ بہت ضدی بھی تھی جو ایک بار کرنے کی ٹھان لیتی اسے پورا کیے بغیر نہ چھوڑتی۔ پہلے بچی سمجھ کر نورین اس کی باتیں مان لیتی تھیں مگر اب وہ بڑی ہو گئی تھی نورین اسے محبت سے سمجھاتیں۔

نورین خالہ کے تین بچے تھے دو بیٹیاں اور ایک بیٹا۔ بڑی بیٹی سارا کی شادی ہو چکی تھی جو اپنے سسرال والوں کے ساتھ سعودیہ میں مقیم تھی۔ زارا ابرش کی ہی ہم عمر تھی جب کہ شمائل سب سے چھوٹا تھا اور او لیول کا اسٹوڈنٹ تھا۔ زارا کو میڈیکل پسند تھا اس نے اسی شعبے کو اہمیت دی۔ اور اب میڈیکل کے دوسرے سال میں تھی۔ ابرش کے فورتھ ایئر کے ایگزیمز ہونے والے تھے۔ نورین کا زارا اور اس کی شادی ایک ساتھ کرنے کا ارادہ تھا مگر زارا پہلے ایم بی بی ایس کمپلیٹ کرنا چاہتی تھی۔ ابرش پڑھائی کے لیے زیادہ سیریس نہ تھی سو آج کل اس کے لیے آنے والے رشتوں کے بارے میں سنجیدگی سے غور کیا جا رہا تھا۔

❀......❀......❀......❀

''ابرش آپا! مجھے یہ ٹاپک سمجھا دیں ذرا جلدی پلیز کل میرا ٹیسٹ ہے۔'' نوٹس اس کے سامنے رکھتا شمائل خود بھی دھپ سے وہیں بیٹھ گیا۔

''شمائل کے بچے کتنی مرتبہ سمجھاؤں مجھے آپا مت کہا کرو آپی کہتے منہ دکھتا ہے کیا؟'' ابرش نے دانت کچکچانے کے ساتھ زور سے شمائل کا کان بھی مروڑا۔

''اف! کتنی ظالم ہیں آپ اور آپا سے کیا تکلیف ہے

آپ کو؟ میں سارا اور زارا آپا کو بھی تو آپا بولتا ہوں انہوں نے تو کبھی برا نہیں مانا اور نہ ہی کبھی ڈانٹا۔" اس نے پھولے منہ کے ساتھ ابرش کی طرف دیکھا جو خونخوار تیور لیے اسی کی طرف متوجہ تھی۔

"دیکھو شمائل بچے کیا کبھی میں نے خوامخواہ میں تمہیں ڈانٹا' کبھی تمہارا نام بگاڑا' نہیں نا؟ تو شاباش میرے بھائی تم بس میرا کہا مانا کرو' جو میں کہوں ویسے کیا کرو' میرا کوئی اچھا سا نک نیم رکھ لو مگر برائے مہربانی مجھے آئندہ آپا مت کہنا بڑی چڑ ہے مجھے اس لفظ سے۔" اب کی بار وہ نرمی سے بولی تو شمائل نے بھی اچھے بچوں کی طرح سر اثبات میں ہلا دیا۔

پھر وہ شمائل کو سوال سمجھانے لگی تب تک زارا بھی کمرے میں آ چکی تھی۔ شمائل کے جانے کے بعد وہ زارا سے اس کے کالج کی باتیں کرنے لگی۔

"سنو تمہیں اذہان بھائی کیسے لگتے ہیں؟" باتوں کے درمیان اچانک ہی زارا نے اس سے پوچھا۔

"کیا مطلب کیسے لگتے ہیں بھئی جیسے ہیں ویسے ہی لگتے ہیں۔" اس کے بے فکرے انداز پر زارا مسکرا دی۔

"کیا ہوا...... مسکرا کیوں رہی ہو؟"

"ایک گڈ نیوز ہے کل بڑی پھوپو کی کال آئی تھی وہ تمہارے لیے اذہان بھائی کا رشتہ لے کر آنا چاہتی ہیں۔ میری والدہ محترمہ بھی اذہان بھائی کی قسمت تمہارے ساتھ پھوڑنا چاہ رہی ہیں۔ بے چارے بھائی مجھے تو ابھی سے ان پر ترس آ رہا ہے۔" زارا شرارت سے مزید گویا ہوئی تو ابرش جھنپ سی گئی۔

"فی الحال اتنا کافی ہے باقی کی نیوز تمہیں مما سے سننے کو ملیں گی میں تو جا رہی ہوں کچن میں بری زوروں کی بھوک لگی ہے صبح ناشتہ بھی نہیں کیا تھا۔" زارا کمرے سے جا چکی تھی جبکہ ابرش وہیں بیٹھی اپنی سوچوں میں گم ہو چکی تھی۔

❀......❀......❀......❀
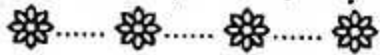
اذہان ویل ایجوکیٹڈ اور برسر روزگار تھا' حال ہی میں اس نے نئی کمپنی کا چارج سنبھالا تھا۔ اذہان کی ماں کو ابرش بہت پسند تھی۔ نورین نے اس سے اس کی پسند پوچھی تو ابرش نے رضامندی سے فیصلہ انہی کے حق میں دے دیا۔ منگنی کے کچھ دنوں بعد شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ بہت سے خواب آنکھوں میں سجائے وہ سسرال چلی آئی۔

نورین' اس کی فکر سے آزاد اور بہن کے سامنے سرخرو ہو چکی تھی۔ مگر وہ نہیں جانتی تھی ایک کڑا امتحان ابھی باقی ہے جو ان سب کی زندگی میں بھونچال لانے کے لیے تیار کھڑا ہے۔ زندگی اچھی بھلی خوش حال گزر رہی تھی مگر اچانک سے ان خوشیوں میں دراڑیں پڑنے لگیں۔ اذہان کی بڑی بہن شازیہ کی نند ان کے ہاں آ کر رہنے لگی۔ جو یو کے سے آئی تھی۔ حسین و دلکش سراپے کی مالک رمشہ نے آ کر سب کے دل میں جگہ بنالی۔ مگر ابرش چاہنے کے باوجود اس سے گھل مل نہ سکی۔ ایک دن باتوں کے دوران اچانک ہی اذہان کی زبانی اسے معلوم ہوا کہ شازیہ آپی کی خواہش تھی کہ رمشہ اس گھر کی بہو بنے مگر اذہان کے انکار پر بات آگے نہ بڑھ سکی تھی۔ رمشہ زیادہ تر اذہان کے ساتھ گپ شپ لگاتی' سیر و تفریح کے لیے بھی وہ باہر اسی کے ساتھ جاتی' ابرش کو یہ سب اچھا نہ لگتا۔ اس کا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوتا تھا جو چاہتے ہیں کہ جو لوگ ہمارے ہیں وہ صرف ہمارے پابند رہیں۔ ابرش کو ان دنوں اذہان پر بہت غصہ تھا۔ اس نے دبے لفظوں میں اسے سمجھانے اور رمشہ سے دور رکھنے کی کوشش کی مگر اذہان نے اس کی بات ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دی۔

"اذہان مجھے تم سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے میری بات سنو۔" اس نے فائل پر سے نظریں ہٹا کر اپنی پیاری بیوی کو دیکھا۔ جس کے ماتھے پر غصے سے واضح بل نمودار تھے۔

"کیا ہوا خیریت؟" اب کے اذہان پریشانی سے بولا۔

"تم رمشہ سے کہو وہ واپس چلی جائے' مجھے اس کا یہاں رہنا قطعاً پسند نہیں۔"

"ابرش یہ کیسی باتیں کر رہی ہو تم...... پاگل ہو گیا؟ وہ پاپا کے کزن کی بیٹی ہے اور شازیہ آپی کی نند بھی' میں بھلا کیسے اسے یہاں سے جانے کے لیے کہہ دوں۔" پہلے تو وہ حیرت سے کچھ دیر اسے دیکھتا رہا مگر جب بولا تو لہجے میں نرمی کا عنصر غائب تھا۔

"ٹھیک ہے اگر تم نہیں کہہ سکتے تو میں خود کہہ دوں گی۔" وہ جانے کے لیے مڑی تو اذہان نے فوراً اس کا بازو تھام لیا۔

"ابرش یہ کیا بچکانہ حرکت ہے؟ وہ یہاں کچھ ہی عرصے کے لیے آئی ہے۔ رمضان یہیں گزارے گی اور عید کے بعد واپس چلی جائے گی' تمہیں آخر کیا پرابلم ہے اس سے؟"

اس بار وہ نرمی سے بولا۔ مارے بے بسی کے ابرش کے آنسو بہہ نکلے۔

''اذہان' وہ لڑکی میرے گھر پر قبضہ کرنے کی کوشش میں ہے آپ نہیں جانتے وہ کتنی چالاک ہے۔ ابھی میں خود اپنے کانوں سے سن کرآئی ہوں وہ پھوپو سے کہہ رہی تھی کہ اس کا دل کرتا ہے وہ ہمیشہ کے لیے یہیں رہ جائے۔ اسے پاکستان پسند ہے' تمہارے گھر والے' تمہارا گھر اور خاص طور پر تم...... اسے تم بہت پسند ہو۔ جبھی تو ہر وقت تمہاری تعریفیں کرتی رہتی ہے۔'' ابرش غصے سے چیخی تھی آنکھوں میں شراروں کی سی لپک تھی۔ اذہان نے بہت افسوس اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''تم جیسی پڑھی لکھی لڑکی یہ جاہلوں والی بات کیسے کرسکتی ہے...... تمہیں ایسا کیوں لگا کہ وہ تمہارے گھر پر قبضہ جمالے گی؟ ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کرلو وہ غاصب نہیں جو تمہارے گھر پر قبضہ جمالے۔ جو تمہارا ہے وہ صرف تمہارا ہے اس پر کوئی قبضہ نہیں کرسکتا۔ ان فضول سوچوں کو ذہن سے نکال دو' نہ خود کا تماشا بناؤ نہ ہی میرا بنواؤ۔ اب اگر تم نے اس سلسلے میں کوئی بات میرے سامنے یا کسی اور کے سامنے کی یا کرنے کی کوشش بھی کی تو یاد رکھنا مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔'' سختی سے اس کا بازو دبوچے اذہان حتمی انداز میں بولا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ تو وہ وہیں بیڈ پر گر کر پھوٹ کر رو دی۔

انسان جب خود کو بہت بے بس محسوس کرے تو اس کا واحد حل آنسو ہوتے ہیں۔ جن کے ذریعے سارا غبار نکال کر کچھ حد تک ہلکا پھلکا ہوا جاسکتا ہے۔

''اذہان میں کیسے بتاؤں تمہیں؟ میں تمہارے معاملے میں بہت خود غرض ہوں کوئی اور تم پر حق جمائے تو میں یہ برداشت نہیں کرسکتی۔''

❀......❀......❀......❀

اذہان اس سے ناراض تھا مگر اسے تو جیسے کوئی فکر نہیں تھی۔ اتنے سارے دن انہی بدگمانیوں میں گزر گئے۔ بالآخر پہل ہمیشہ کی طرح اذہان کی طرف سے ہوئی۔

''ابرش! میں تم سے ناراض تھا اور تم نے مجھے منانے کی کوشش بھی نہیں کی ناٹ فیئر۔''

''سو واٹ؟ میں نے جو کہنا تھا' اسی دن کہہ دیا تھا جب تک وہ لڑکی یہاں ہے مجھ سے کوئی بھی بحث کرنا فضول ہے۔'' اذہان کی خفگی کو کسی خاطر میں نہ لاتے ہوئے وہ بے پروائی سے بولی۔

editorhijab@aanchal.com.pk (ایڈیٹر)
infohijab@aanchal.com.pk (انفو)
bazsuk@aanchal.com.pk (بزمِ سخن)
alam@aanchal.com.pk (عالمِ انتخاب)
Shukhi@aanchal.com.pk (شوخیٔ تحریر)
husan@aanchal.com.pk (حسنِ خیال)

''تمہاری اس بکواس کی وجہ سے میں مہمانوں کو بے عزت نہیں کرسکتا وہ ہماری رشتہ دار ہے ویسے بھی گھر آئے مہمان کی قدر کی جاتی ہے یہاں انہیں رسوا نہیں کیا جاتا۔''

''تو ٹھیک ہے پھر مجھے چھوڑ دو اور اپنی اس مہمان کو ہمیشہ کے لیے گھر میں رکھ لو۔'' وہ طنزیہ مسکراہٹ لبوں پر سجائے بولی۔

''تم ایسی کنزرویٹو ہو سکتی ہو میں نے کبھی سوچا نہ تھا' کیا سمجھا تھا میں اور کیا نکلی تم؟''

''یہی رائے میری تمہارے بارے میں بھی ہے میں ساری زندگی خود کو کبھی معاف نہیں کروں گی کہ میں نے ایک غلط شخص سے محبت کی۔ جسے نہ تو میرا احساس تھا نہ ہی میری محبت کا۔'' وہ اذہان کی بات کاٹ کر بولی۔ بولتے ہوئے اس کی بھرائی ہوئی آواز خاصی اونچی تھی اذہان کو اس لمحے اس پر شدید غصہ آیا۔

''شٹ اپ...... جسٹ شٹ اپ' آخر تم سمجھتی کیا ہو خود کو؟ تم جو بکواس کرتی جاؤ گی میں چپ چاپ سنتا جاؤں گا۔'' اذہان نے کھینچ کر اس کے گال پر تھپڑ مارا وہ ششدر سی گال پر ہاتھ رکھے ہکا بکا اسے دیکھتی رہی۔ بات کہاں سے کہاں پہنچ چکی تھی۔ پہلے تو کچھ دیر بے یقینی سے وہ اسے دیکھتی رہی اور پھر آنسو بہہ نکلے۔ اذہان نے اس کے آنسو دیکھ کر خود کو ملامت کی اسے احساس ہوا جلد بازی میں وہ غلطی کر گیا ہے۔

''آئی ایم سوری ابرش! میں غصے میں آ گیا تھا۔'' دو قدم آگے بڑھ کر اس نے اس کے آنسو صاف کرنے کی کوشش کی تو جیسے اسے ہوش آیا۔ نفی میں سر ہلا کر وہ پیچھے ہوئی۔ اذہان نے اسے روکنے کی کوشش کی مگر اس وقت وہ جس حالت میں تھی اس کا اندازہ اذہان کو بھی نہ تھا۔

''میں جا رہی ہوں ہمیشہ کے لیے مسٹر اذہان! کبھی نہ آنے کے لیے' طلاق نامہ کے کاغذات بھجوا دینا۔ نہیں تو پھر دوسرا آپشن میرے پاس موجود ہے۔'' اپنی بات کہہ کر وہ رکی نہیں اور اس کا مطالبہ سن کر وہ اپنی جگہ سے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکا تھا۔ غصے اور جلد بازی میں ہمیشہ غلط فیصلے ہو جاتے ہیں' سوچنے سمجھنے کی تمام تر صلاحیت مفلوج ہو جاتی ہے۔

❁ ❁ ❁

خالہ کے پاس آ کر اس نے انہیں بھی پریشان کر دیا تھا۔ ان کے سمجھانے کا کوئی اثر نہ ہوا وہ ہر صورت میں علیحدگی چاہتی تھی۔

''جب محبتوں میں انا آڑے آ جائے تو باقی کچھ نہیں رہتا۔'' دل کو ڈپٹ کر اس نے دماغ کی مان لی۔ غصے کو اسی لیے تو حرام کہا گیا ہے۔ اسی ذرا سے غصے سے ہنستی بستی زندگیاں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ اذہان نے اس پر رمشہ کو فوقیت دی یہی بات اسے جلائے جا رہی تھی۔ خلع ہی وہ چال تھی جس سے وہ اذہان کو بات سے دو چار کر سکتی تھی۔ وہ ہر صورت اسے جھکانا چاہتی تھی۔ اذہان کے گھر والوں نے بھی اپنی سی کوشش کر لی مگر وہ کسی کی سننے کو تیار نہ تھی۔

ضد اور انا میں انسان ہمیشہ گھاٹے کا سودا کرتا ہے۔ اس وقت ابرش خود کو برباد کرنے پر تلی تھی یہ جانے بغیر کہ وقتی غصے کی بنا پر جن خوشیوں سے وہ منہ موڑ کر ناشکری کر رہی ہے درحقیقت انہی میں اس کا سکون پوشیدہ تھا۔

❁ ❁ ❁

رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ شروع ہو چکا تھا۔ وہ سارا دن عبادت میں گزار دیتی اللہ سے دلی سکون مانگتی۔ کتنا تکلیف دہ احساس تھا کہ وہ اب اس کا نہیں رہے گا۔'' اذہان اب بھی دن میں کئی بار کال کرتا' وقفے وقفے سے میسج کرتا مگر وہ دیکھے بغیر ڈیلیٹ کر دیتی۔

''ابرش ایک بار پھر اچھی طرح سوچ لو میری جان! اچھے لوگ بار بار نہیں ملتے۔'' خالہ نے اسے آخری بار سمجھانے کی کوشش کی۔

''اذہان مرد ہے اس کے لیے لڑکیوں کی کمی نہیں مگر تم پر طلاق یافتہ کا لیبل لگ جائے گا ہمارے معاشرے میں طلاق یافتہ عورت کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا میری بچی کیسے سمجھاؤں تمہیں۔'' آنکھوں میں ویرانی لیے وہ خاموش بیٹھی کسی نادیدہ نقطے کو گھورتی رہی۔ وہ بضد تھی علیحدگی کے لیے' سب سمجھاتے مگر وہ بہری بن کر سنتی رہتی۔

''ابرش تم سن رہی ہو نہ میری بات کیا کہہ رہی ہوں میں؟''

''خالہ آپ کیا چاہتی ہیں سب کچھ بھلا کر وہاں چلی جاؤں جہاں میری بات کی کوئی اہمیت نہیں۔'' ابرش نے بہت دکھ سے ان کی طرف دیکھا۔

''ہاں میں چاہتی ہوں کیونکہ تم غلط ہو بے جا ضد لے کر بیٹھی ہو۔ اذہان نے تمہاری اس نادانی کا کسی سے بھی ذکر

نہیں کیا وہاں۔ وہ سب یہی سمجھ رہے ہیں کہ کوئی چھوٹی موٹی لڑائی ہوئی ہے تم دونوں کی۔“

”خالہ پلیز اس ٹاپک کو فی الحال بند کردیں میں واپس نہیں جانا چاہتی ابھی‘ آپ کی خاطر میں اس معاملے پر پھر سوچوں گی۔“

”اچھا ٹھیک ہے مگر تم ایک بار اذہان سے......“

”پلیز اس شخص سے ملنے یا بات کرنے پر مجھے مجبور مت کریں۔“ نورین کے بات مکمل کرنے سے پہلے وہ بول اٹھی۔ ان کے دونوں ہاتھ تھام کر ابرش نے انہیں تسلی دی۔

”لڑکیاں بہت جذباتی ہوتی ہیں...... ذرا سی بات کو دل پر لے کر بڑے فیصلے کرجاتی ہیں‘ یہ جانے بغیر کہ اس سے کس طرح مات سے واسطہ پڑے گا‘ محبت میں تو بڑی سے بڑی باتوں کو اگنور کرجاتے ہیں لوگ مگر جب جذباتیت طاری ہوتو کچھ بھی سجھائی نہیں دیتا۔“ خالہ نے رسانیت سے سمجھایا۔

”کیا ہورہا ہے جناب؟“ ٹیرس پر کھڑی وہ آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھ رہی تھی جو پوری آب وتاب سے چمک دمک رہے تھے۔ سارا آپی کی آواز پر چونک کر پلٹی۔

”آپ کب آئیں؟“ ان سے گلے ملنے کے بعد پوچھا۔

”ابھی کچھ دیر پہلے آئے ہیں‘ ہم سب نیچے بیٹھے ہیں اور تم اکیلی یہاں کھڑی ہو۔“ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی سارا آپی بچوں اور اپنے شوہر کے ساتھ عید منانے پاکستان آگئی تھیں...... کچھ دن کے لیے اپنی نند کے ہاں رہنے گئی تھیں جو یہیں پاکستان میں رہتی تھیں۔

”آیئے آپی اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔“

”نہیں ادھر ہی ٹھیک ہیں اچھا لگ رہا ہے یہاں‘ ٹھنڈی ہوا کافی بھلی محسوس ہورہی ہے اور سناؤ کیا ہورہا ہے آج کل؟ ویسے تنہائی سے ڈر نہیں لگتا کیا؟ مجھے تو تنہائی جان لیوا محسوس ہوتی ہے وحشت سی ہونے لگتی ہے جب گھر پر کوئی نہ ہو۔“ ان کی اس طرح کہنے پر ابرش کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑا اور پھر جب بولی تو چہرے پر صدیوں کی تھکن محسوس ہوئی۔

”جب ساری زندگی انہی خاموشیوں میں بسیرا کرنا ہے تو کیوں نہ ابھی سے سمجھوتہ کرلوں عادی بنالوں خود کو۔“ چہرے پر آئے بالوں کو دونوں ہاتھوں میں مقید کرکے کیچر میں جکڑنے کے بعد تلخ انداز میں جواب دیا۔

”مانو تمہیں نہیں لگتا تم اپنے ساتھ بہت برا کررہی ہو؟“ سارا اسے پیار سے مانو کہتی تھی۔ ”پرخلوص اور محبت کرنے والے لوگ قسمت والوں کو ملتے ہیں۔ ایک چھوٹی سی بے بنیاد بات کو بڑھا کر تم کیوں اپنی خوشیوں سے منہ موڑ رہی ہو۔ اس سے پہلے کہ کوئی ناقابل تلافی نقصان ہو واپس چلی جاؤ‘ اذہان کی ساری زندگی ہمارے سامنے رہی ہے وہ بہت اچھا ہے‘ بہت پیارا جو خود سے منسلک لوگوں سے بہت مخلص ہے اور پھر تم تو اس کی ہمسفر ہو اس کی چاہت۔“

”کیسے چلی جاؤں واپس؟ آپی اس نے مجھے گھر سے نکالا تھا۔“

”گھر سے جانے کی بات تم نے کی تھی مانو مت بھولو غلط بیانی سے کام نہیں چلے گا۔ زیادہ قصور تمہارا تھا آخر تم مان کیوں نہیں لیتیں۔ مجھے ماما نے سب کچھ بتا دیا ہے۔“ شرمندگی سے ابرش نے ان کی طرف سے رخ موڑ لیا۔

”جب اسے معلوم تھا میں رمشہ سے اس کا تعلق پسند نہیں کرتی تو وہ اس سے بات کیوں کرتا تھا۔“ اس نے اپنی طرف سے ایک اور دلیل دی۔

”یہ شک بے بنیاد تھا۔ اور یاد رکھنا شکی عورت کبھی سکھی نہیں رہتی اور نہ ہی خوش حال زندگی بسر کرسکتی ہے۔ شک خوشیوں کو دیمک کی طرح چاٹ جاتا ہے۔ تمہیں پتہ ہے میں آج کیوں آئی ہوں...... حالانکہ مجھے عید سے تین دن پہلے آنا تھا؟“ ابرش نے جواب طلب نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

”صرف اور صرف اذہان کے کہنے پر۔ یار اسے ایک موقع تو دو وہ تمہاری یہ بے بنیاد غلط فہمیاں اور دلیلیں ختم کردے گا۔“ آپی نے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر دبائے۔

”ابھی کچھ دیر تک اس کی کال آئے گی بات کرلینا اس سے‘ اگر تمہارے دل میں ذرا سی بھی اس کے لیے محبت تھی تو......“ انہوں نے زبردستی سیل اس کے ہاتھوں میں تھمایا اور اس یقین کے ساتھ وہاں سے چلی گئیں کہ اب بدگمانیوں کے بادل چھٹ جائیں گے۔

کال آنے لگی تو اس نے سیل فون کو مٹھی میں دبوچ لیا‘ دل ودماغ کی جنگ جاری تھی دل تھا کہ اذہان کی طرف داری کررہا تھا مگر دماغ انا کا پرچم بلند رکھنے کا متمنی تھا۔ محض ایک پل لگا تھا اور اس نے دل کی سن لی اور اگلے ہی لمحے وہ کال

اٹینڈ کر چکی تھی۔
"کیسی ہو؟" دوسری طرف گہری سانس لینے کے بعد نرمی و آہستگی سے پوچھا گیا۔
"بہت بری۔" آنسو پھر سے بہہ نکلے تھے۔
"ہاں یہ تو میں بھی جانتا ہوں اچھی نہیں بن سکتی کیا؟" دوسری طرف فوراً بے چینی سے پوچھا گیا۔
"کیوں کس کے لیے اچھی بنوں؟" ابرش بھیگی آواز میں بولی۔ اسے لگا وہ ضبط کھو کر اونچی آواز میں رو دے گی۔
"صرف میرے لیے!" اس کے بے ساختہ کہنے پر ابرش کے چہرے پر ہلکی سی مسکان نمودار ہوئی۔ آنکھوں میں آنسو چہرے پر مسکان وہ اس لمحے بہت دلکش لگ رہی تھی۔
"تم میں ایسا کیا ہے جو خود کو تمہارے لیے بدلوں؟"
"واپس آ جاؤ نا پلیز۔" جواب دیئے بغیر اس نے منت کی۔
"بالکل بھی نہیں۔" ابرش کا انداز ضدی تھا۔
"پلیز میرا کہنا نہیں مانو گی کیا؟" دونوں طرف تکرار جاری تھی۔ "اچھا سنو تمہارے لیے گڈ نیوز ہے رمشہ واپس جا رہی ہے اب تمہیں لینے آ جاؤں کیا؟"
"ہرگز نہیں......" اس کے حتمی انداز پر اذہان کو لگا جیسے وہ اس نادان لڑکی کو کبھی نہیں منا سکے گا۔
"میں خود واپس آ رہی ہوں اذہان آج ہی۔" نم لہجے میں جواب دے کر وہ کال ڈراپ کر گئی۔

❀........❀........❀........❀

"خالہ جانی میں واپس جا رہی ہوں' آپ نے صحیح کہا تھا میں غلط تھی خود کو تکلیف دینا غلط بات ہے۔ میں وہ کرنے جا رہی تھی جس پر دل بھی راضی نہ تھا۔ خالہ! میں ہمیشہ آپ کو ہرٹ کرتی رہی۔"
"شکر ہے تمہیں احساس تو ہوا۔" نورین نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔
"ڈرائیور سے کہیں مجھے گھر چھوڑ آئے۔"
"تمہارا ڈرائیور کافی دیر سے باہر تمہارا انتظار کر رہا ہے۔" ہونٹوں میں مسکراہٹ دبائے نورین نے اسے بتایا جب کہ وہ ناسمجھی سے باہر چلی آئی۔ باہر آ کر اذہان کو گاڑی سے ٹیک لگائے دیکھ کر اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔
"آپ کب آئے؟"
"یہی کوئی ایک گھنٹہ پہلے!" کھل کر مسکراتے ہوئے اس نے ابرش کے لیے گاڑی کا فرنٹ ڈور اوپن کیا اور خود آ کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔
"اتنی دیر سے ایسے ہی باہر کھڑے تھے کیا آپ؟" وہ ابھی بھی حیرت زدہ سی تھی۔
"نہیں جی اندر آنی کے پاس بیٹھ کر تمہیں منانے کی کوشش میں تھا۔" نچلا لب دانتوں میں دبائے وہ مسکراہٹ روکنے کی کوشش میں تھا۔
"اور اگر میں شکست تسلیم نہ کرتی تو؟"
"یہ شکست نہیں محترمہ ہماری محبت ہے۔ ہمیں یقین تھا آپ لوٹ کر ہمارے پاس ضرور آئیں گی اور پلیز اب دوبارہ خفا ہونے کی ضرورت نہیں میں پہلے ہی اتنے دن تمہاری وجہ سے ڈسٹرب رہا۔" ابرش کے خفگی سے دیکھنے پر وہ وضاحت دیتا مسکرا دیا۔
رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ اپنی تمام تر رحمتیں لوگوں پر نچھاور کر کے رخصت ہونے والا تھا۔ عید کا چاند نظر آ چکا تھا ہر طرف گہما گہمی اور شوروغل تھا۔
"یہ اذہان بھی پتہ نہیں کہاں چلا گیا اور نہ ہی کال ریسیو کر رہا ہے۔" ابرش نے ایک بار پھر سے اس کا نمبر ڈائل کیا۔ اس بار نمبر بزی کر دیا گیا تھا۔ وہ دوبارہ سے آسمان پر چمکتے خوب صورت باریک چاند کو دیکھنے لگی۔
"محترمہ اگر اوپر والے چاند کو جی بھر کر دیکھ لیا ہے تو ذرا اپنے چاند پر بھی نظر کرم فرمالیں۔" انداز میں شرارت نمایاں تھی۔ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے وہ اس کے پاس آ ٹھہرا۔
"آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ ملکہ عالیہ کا دل فی الحال اوپر والے چاند میں اٹک گیا ہے براہ مہربانی انتظار کریں شکریہ۔" ابرش کے انداز پر اس کا قہقہہ بلند ہوا۔
"چاند رات مبارک ہو میری زندگی۔"
"اور آپ کو بھی چاند رات مبارک ہو۔" ابرش مطمئن سی مسکرا دی۔
"ارے میں تو بتانا ہی بھول گیا ابھی جب میں راستے میں تھا تو سارا آپی کی کال آئی تھی وہ لوگ تمہاری عیدی لے کر آنے والے ہیں' شاباش جلدی سے آؤ اور تیار ہو جاؤ۔"
دونوں سیڑھیاں اترتے نیچے آ گئے جہاں بہت چہل پہل تھی۔ عید کی تیاریاں ابھی سے شروع کی جا چکی تھیں۔

ابرش روم میں چلی گئی تو اذہان سب کے ساتھ آ بیٹھا۔ اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ابرش کی واپسی پر اسے کچھ جتائے بغیر خوش آمدید کہا گیا تھا۔

''کچھ باتیں صیغہ راز میں رکھی جائیں تو ہی بہتر رہتا ہے ورنہ رشتوں میں دراڑیں آنے کا خدشہ ہوتا ہے۔'' اذہان نے دل سے سوچ لیا تھا کہ اب اسے کچھ محتاط ہوکر زندگی گزارنی ہے۔ ابرش کی فیلنگز کا خیال رکھے بغیر وہ رمشہ کو کمپنی دیتا رہا تھا وہ اس کی کزن تھی تو ایک حد میں رہ کر ٹریٹ کرتا۔ ساتھ میں وہ رب تعالیٰ کا شکر گزار تھا جس نے بروقت ابرش کو عقل عطا فرمائی تھی اور اسے اپنی غلطی کا احساس بھی ہوگیا تھا۔ آج صبح ہی اسے عید اور سوری کا کارڈ ابرش کی طرف سے مل چکا تھا۔ جس پر درج خوبصورت نظم ابرش کے دل کی بھرپور عکاسی کرتی تھی۔ اذہان کو اس معصوم وسادہ دل لڑکی پر بے پناہ پیار آیا جو جلدی بدگمان ہوجایا کرتی تھی۔ اب بھی زیر لب وہی نظم دہراتا وہ اس کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے بلانے کے لیے جاتا وہ خود آتی دکھائی دی۔ پنک کلر کے خوبصورت ڈریس میں ہلکے پھلکے میک اپ کے ساتھ وہ بہت اٹریکٹو لگ رہی تھی۔ سلیقے سے سجی سنوری وہ سیدھا اذہان کے دل میں اتری جارہی تھی۔

''نظر لگانے کا ارادہ ہے کیا محترم!'' وہ جھینپتے ہوئے اس کے ساتھ آ بیٹھی تو اذہان چونک کر سیدھا ہوا۔

''جناب ہم کسی سے کم نہیں بھلا اوروں کو نظر لگانے کی کیا ضرورت؟'' فرضی کالر کھڑے کرتے وہ ایک ادا سے بولا تو ابرش نے اسے گھور کر دیکھا جہاں آنکھوں میں ستاروں کی سی چمک لیے وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ابرش نے جلدی سے نظروں کا رخ پھیر لیا اور اٹھ کر خالہ اور سارا آپی سے ملنے لگی۔ سب خوش گپیوں میں مصروف ہوگئے ڈنر کے بعد زارا اور ابرش نے مل کر سب کے لیے کافی بنائی۔ اپنا اور اذہان کا کپ لے کر وہ اسی کے ساتھ آ بیٹھی۔

''شکر فرصت مل گئی تمہیں مجال ہے جو دو گھڑی یہ لڑکی میرے ساتھ بھی ٹک جائے۔'' وہ نروٹھے پن سے بولا۔

''شرم لحاظ تو ہے نہیں...... دیکھیں تو کیسے دیدے پھاڑے سب کے سامنے مجھے دیکھے جارہے ہیں۔'' بظاہر دوسروں کی طرف دیکھتی وہ اسی سے مخاطب ہوئی۔

''ہاں کہہ لو جو کہنا ہے تمہاری عقل تو میں ٹھکانے لگاؤں گا۔''

''اچھا اب لڑنے جھگڑنے کی ضرورت نہیں ہے بند کریں یہ تکرار چاند رات انجوائے کریں اف کل عید ہے بچی بہت مزہ آئے گا۔ سسرال میں میری پہلی عید ہے میں تو سب سے عیدی لوں گی۔'' وہ بہت ایکسائیٹڈ ہورہی تھی۔

''ابھی سب باہر چلیں آئس کریم کھانے؟'' اس نے اجازت چاہی تو اذہان نے اثبات میں سر ہلایا۔

''چلو ہم بھی تیرے ساتھ چلے''

''اوہ تو آپ نے وہ کارڈ دیکھ لیا؟''

''جی اور آپ کے لکھے ایک ایک لفظ سے اتفاق کرتے ہیں ہم۔'' سر ہلاتے ہوئے گویا ہوا۔

کوئی سورج جاگے دھرتی پر
کچھ ایسا ہو یہ رات ڈھلے
کوئی ہاتھ میں تھامے ہاتھ میرا
کوئی لے کے مجھ کو ساتھ چلے
کوئی بیٹھے میرے پہلو میں
میرے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ دھرے
اور پونچھ کے آنسو آنکھوں سے
وہ دھیرے سے بات کہے
یوں تنہا سفر اب کٹتا نہیں
چلو ہم بھی تیرے ساتھ چلے
چلو ہم بھی تیرے ساتھ چلے

وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ یہ عید واقعی اس کے لیے خوشیوں بھری ثابت ہوئی تھی جہاں سب اپنوں کی چاہت اور دعائیں بھی ساتھ شامل تھیں۔

عید یاد تیری سنگ سجن

قرۃ العین سکندر

"چاند نظر آ گیا۔ ارے مبارک ہو سب کو رمضان المبارک کا چاند نظر آ گیا۔" ستارہ نے خوشی کی شدت سے باآواز بلند کہا اور چیخ ماری۔

"ارے او ستارہ۔"

"ہائے میرا پاؤں۔ تیرا ستیاناس میرا تو پاؤں ہی کچل ڈالا تونے۔" بواجی کے پاؤں پر مچلتی ادھم مچاتی ستارہ بے خبری میں ایک گناہِ عظیم کی مرتکب ہو چکی تھی۔

بواجی تو ویسے بھی ستارہ کے لتے لیتی رہتی تھیں اور اب جو "چھٹانک بھر کی چھوکری" بقول بواجی کے پاؤں پر ادھم چوکڑی مچائی تھی۔ اس پر تو بواجی کا غصے سے برا حال تھا۔

"ادھر آ ذرا اب میں دکھاتی ہوں تجھے تارے بھی چاند تو دیکھ ہی لیا ناں تونے۔" بواجی نے دو ہتھڑ اس کی کمر پر رسید کیے تو وہ دھان پان سی ستارہ سی کر کے رہ گئی۔ منہ بسورتی نین کٹوروں میں اُمڈتا پانی لیے وہ سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی یہ جا وہ جا۔

"اب تم کیا دیدے پھاڑے کھڑی ہو۔ جاؤ تم بھی نیچے یوں منہ پھاڑ سر جھاڑ آن پہنچی چھت پر تم دونوں۔ سارا گھر ڈھونڈ مارا یہاں چاند کے دیدار ہو رہے ہیں۔" طوبیٰ نے بھی کھسک جانے میں ہی عافیت جانی۔ بواجی کا غصہ سوا نیزے پر تھا۔

رحمت منزل میں ہر سال رمضان المبارک بڑے جوش و عقیدت و احترام سے منایا جاتا تھا۔ باقاعدہ گھر کی صفائی ستھرائی کی جاتی۔ ایک کمرہ عبادت کے لیے خاص طور پر مختص کیا جاتا تھا۔ جہاں رات کے وقت نوافل کی ادائیگی کی جاتی تھی۔ قرآن خوانی کی جاتی پھر یہی نہیں سحری اور افطاری کے لیے خاص الخاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ سحری میں افطاری میں دونوں اوقات میں تمام اہلِ خانہ باہم اکٹھے ہو کر سحری و افطاری کیا کرتے تھے اور رمضان المبارک کی برکات سے مستفید ہوا کرتے تھے۔ رحمت منزل تو یوں بھی صدقہ و خیرات کی بدولت مشہور تھی۔ مگر اس بابرکت مہینے میں تو کوئی سائل بھی ان کے در سے خالی ہاتھ نہ لوٹایا جاتا تھا۔ رحمت منزل میں

عبدالرحیم صاحب کے دو بیٹے سلیم اور عبدالکلیم مقیم تھے۔ ان کے والد عبدالرحیم صاحب نے اپنی محنت سے یہ عظیم الشان وسیع العرض بنگلہ تعمیر کروایا تھا۔ مقصد فقط اتنا تھا کہ ان کی اولاد باہم مل جل کر خوش و خرم زندگی بسر کریں۔

اللہ رب العزت نے دو ہی اولادیں دیں۔ اولادِ نرینہ کی صورت میں۔ ورنہ دونوں سے بڑی بیٹی مسرت پھوپھو بھی تھیں۔ جو بواجی کے نام سے پکاری جاتی تھیں۔ سب بچے بواجی بواجی کرتے ان کی اطاعت گزاری کیا کرتے تھے۔

سلیم صاحب کے ہاں اکلوتی بیٹی تھی ستارہ۔ اس کے بعد ہر طرح کے علاج معالجے کے باوجود بھی فریدہ بیگم کی اور اولاد نہ ہو سکی اور یوں ستارہ ہی گھر بھر کی لاڈلی بیٹی بن گئی۔ خاص کر عبدالرحیم صاحب کو اپنی اس پوتی سے خاص لگاؤ اور پیار تھا۔

عبدالکلیم صاحب کی دو اولادیں تھیں۔ حارث اور طوبیٰ منزیٰ بیگم نے حارث اور طوبیٰ کی پرورش احسن طریق سے کی تھی۔ وہ بے جالاڈ پیار کی قائل نہ تھیں اور فریدہ بیگم اور منزیٰ بیگم کی آپس میں بہت بنتی تھی اور جیٹھانی دیورانی آپس میں ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہی تھیں۔ جس کو دیکھ دیکھ کر بواجی کو ہول اٹھتے تھے۔ مزید یہ کہ آگے اولاد بھی آپس میں شیر و شکر ہو کر رہتی تھی۔ جب کہ ستارہ طوبیٰ کو اپنے پل پل کی خبر نہ دے دیتی اس کا تو کھانا ہی ہضم نہ ہوتا تھا۔ اگر گھر میں کوئی کھانے کی شے آ رہی ہے تو وہ دونوں گھرانے باہم مل بانٹ کر کھاتے تھے۔ یہ ساری تربیت عبدالرحیم صاحب کی دی ہوئی تھی کہ مل بانٹ کر کھانے میں ہی برکت ہے اور واقعی ان کی اولاد نہ صرف اس بات کی قائل تھی بلکہ عمل پیرا بھی تھی۔ اور اس کے نتائج بھی بے حد واضح تھے۔ روپے پیسے کی ریل پیل اور مکمل گھرانہ سکون و یگانگی کی اعلیٰ مثال تھا۔

اس دفعہ رحمت منزل میں رمضانِ المبارک کا انتظار یوں بھی زیادہ تھا کہ عبدالرحیم صاحب کے دیرینہ دوست ایان صاحب کا اکلوتا بیٹا موسیٰ حیات بیرون ملک سے پہلی عید

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

منانے کی غرض سے آرہا تھا۔ مبہم سی گفتگو ایان اور عبدالرحیم صاحب کے درمیان ہوچکی تھی کہ ان کی کسی بھی پوتی کو وہ اپنی بہو بنانا اپنی خوش قسمتی تصور کریں گے۔ اس معاملے میں ایان صاحب نے بغیر لگی لپٹی رکھے بغیر اپنے دوست کو اپنے پوتے کی آمد کی اصل وجہ بھی بیان کردی تھی۔ اگرچہ ایان صاحب کی اس خواہش کی خبر محض بڑوں کے کانوں تک ہی محدود رکھی گئی تھی۔ عبدالرحیم صاحب نہیں چاہتے تھے کہ بچیوں کا ذہن پراگندہ ہو۔ وہ جیسے پہلے بے فکری سے زندگی بسر کررہی تھیں کرتی رہیں۔ باقی نصیب کے فیصلے تو رب العزت نے طے کرنے ہیں۔ موسیٰ حیات کے آنے کی چہ میگوئیاں گھر میں گردش کرنے لگیں۔

ہر ماں کی آرزو ہوتی ہے کہ اس کی بیٹی اگلے گھر خوب سکھ چین کی زندگی بسر کرے۔ مال و دولت کی کمی نہ ہو اور اس کا جیون ساتھی بھی سلجھا ہوا سمجھ دار محبت لٹانے والا ہو۔ جیٹھانی اور دیورانی کا وہ رشتہ جو اتنے سالوں سے بے حد مضبوطی سے اپنی جگہ قائم تھا۔ اتنے سالوں میں کوئی رنجش کوئی دراڑ نہ ڈال سکا۔ آج وہ رشتہ محض اولاد کی خوشی کو مقدم جان کر ڈانوں ڈول ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ اگرچہ فریدہ اور منزیٰ واشگاف الفاظ میں اپنی اولاد کو بتا نہ سکتی تھیں کہ آخر ماجرا کیا ہے؟ مگر ان کی نت نئی تیاریوں جو گھر سے شروع ہوکر بچیوں تک آن پہنچی تھیں۔ اس نے بچیوں کو چونکنے پر مجبور کردیا تھا۔ نئے ڈیزائن کے آراستہ و پیراستہ ملبوسات کی خریداری کے لیے معقول رقم بوا جی کے سپرد کی گئی کہ ستارہ اور طوبیٰ کو ساتھ لے جاکر انہیں شاپنگ کرادی جائے۔ کیونکہ گھر بھر میں بوا جی سے زیادہ معاملہ فہم کوئی بھی تصور نہ کیا جاتا تھا۔

''کیا بات ہے امی! اتنی نوازش کیوں؟ نہ تو کوئی اعلیٰ قسم کا رزلٹ آیا ہے اور نہ ہی کسی کی برتھ ڈے آرہی ہے اور عید میں تو ابھی اتنا ٹائم ہے ابھی۔ ہم تو ایک دن پہلے تک عید کی شاپنگ کرتے پھرتے ہیں۔ ابھی سے اتنی ساری شاپنگ کے لیے رقم؟'' طوبیٰ کچھ سمجھ دار تھی۔ ستارہ تو محض نام کی ستارہ تھی اور نہ اسے کچھ خاص دلچسپی ہوتی کہ کیا ہورہا ہے گھر میں اور کیوں ہورہا ہے؟

''اپنے کام سے کام رکھو اور جاؤ آپا جی کے ساتھ اور جیسا وہ کہیں ویسا ہی کرنا۔'' منزیٰ نے آنکھیں دکھائیں تو طوبیٰ سر ہلا کر رہ گئی۔

''ہائے تھکا ڈالا اس شاپنگ نے تو۔'' طوبیٰ خاصی نازک اندام تھی۔ اتنی ساری شاپنگ کی خوشی بھی اس قدر شدید گرمی میں روزے کی حالت میں رکاوٹ معلوم ہوتی تھی۔ اس پر ستم یہ کہ اتنے سارے بیگز طوبیٰ اور ستارہ نے تھام رکھے تھے۔ وہ سخت کوفت میں مبتلا تھی اور حلق الگ سوکھ کر کانٹا ہورہا تھا۔ مگر بوا جی کو سخت ناپسند تھا کہ روزے کی حالت میں روزے سے متعلق کوئی حرف شکایت بھی لب پر آئے۔ وہ اکثر کہا کرتی تھیں۔

''خبردار جو دوبارہ روزہ ہائے روزہ کی رٹ لگائی ہو۔ ایسا روزہ رکھنا ہی ٹھیک نہیں ہے جس میں روزے میں ہائے وائے جیسی خرافات منہ سے نکالی جاویں۔'' اور آج تو بوا جی نے یوں بھی تھکا ڈالا تھا۔ ان کا تو شاپنگ کرنا یوں بھی فیورٹ مشغلہ تھا۔

بوا جی کی عقابی نگاہیں دور لائن میں لگے کسی بھی عمدہ کپڑوں کے تھان میں الجھ جاتی تھیں اور جب ان کے کہنے پر

وہ کپڑا نکال کر دکان دار دکھاتا تو واقعی وہ شے دیکھنے سے تعلق رکھا کرتی تھی۔ بواجی ہر شے میں خوب بحث ومباحثہ کے بعد بھید بھاؤ کروایا کرتی تھیں۔ ان کا اپنا ہی قول تھا۔

''اگر اللہ رب العزت نے دولت کی فراوانی سے نوازا ہے تو اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ اسے دونوں ہاتھوں سے لٹادیا جائے۔ اکارت جاتی ہے اپنی محنت کی کمائی۔ ایک ایک پائی سے کمائی گئی رقم کی قدر ومنزلت جانو۔''

اس لیے بواجی ہر شے لیتے وقت اس پر بحث بھی کرتیں اور خوب جانچ کرلیتی تھیں اور ستارہ اور طوبیٰ کمزور وجود کے ساتھ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارے کرنے لگتی تھیں کہ آخر کب اس آفت سے نجات ملے گی؟ بالآخر سارے مراحل بخوبی سرانجام ہوئے اور گاڑی کی جانب رواں دواں ہوئیں۔ وہاں گاڑی میں حارث انتظار کر کر کے آف موڈ میں بیٹھا تھا۔ بواجی کا خاص آرڈر تھا کہ ''جب تک ہم واپس نہ آجائیں تم یہاں سے ہلنا مت۔''

واپسی خاصی دیر کے بعد ہوئی تھی۔ بواجی خراماں خراماں چلی آرہی تھیں۔ مگر چہرے پر بشاشت کے گہرے رنگ رقم تھے جو ہر دفعہ شاپنگ کرنے کے بعد ان کے چہرے پر رونما ہوتے تھے۔ دوسری طرف ستارہ اور طوبیٰ کے اترے ہوئے چہرے دیکھ کر حارث کو ہنسی آگئی تھی کیونکہ وہ تو پھر بھی گاڑی میں اے سی کی ٹھنڈک میں آرام سے بیٹھا تھا مگر ستارہ اور طوبیٰ کے لٹکے ہوئے چہرے ساری رام کتھا سنا رہے تھے۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ طوبیٰ اور ستارہ کو شاپنگ کی چنداں خوشی نہ ہوئی ہوگی۔ کیونکہ جہاں بواجی ہوتی تھیں فقط ان کی رائے کو حتمی اور آخری اہمیت حاصل ہوجایا کرتی تھی۔ رحمت منزل بخیر پہنچ کر ستارہ نے سوچا کہ کاش اس منزل کا نام رحمت منزل نہیں بلکہ مسرت بواجی منزل ہوتا۔

❁.........❁.........❁
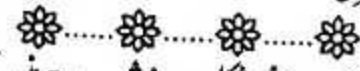
موسیٰ حیات ایک خوش شکل اور خوش مزاج ہنس مکھ انسان تھا۔ اس نے آتے ہی سب گھر والوں کے دل موہ لیے تھے۔ فریدہ اور منزئی دونوں ہی اسے بطور داماد جانچ رہی تھیں اور اب دیکھنا یہ تھا کہ بطور داماد تو وہ پسندیدگی کی مسند حاصل کرچکا تھا۔ مگر یہ قرعہ آخر کس کے نام کا نکلنا تھا۔ فریدہ اگر ایک ٹائم سحری کا اہتمام کرتی تھیں تو منزئی بھی چابک دستی سے افطاری کے انتظامات کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ موسیٰ حیات یہاں آکر بے پناہ خوش اور مطمئن سا تھا۔ اتنا خلوص دیکھ کر وہ بے حد متاثر ہو رہا تھا۔ موسیٰ حیات کو ایئرپورٹ سے خاور لے کر آیا تھا۔ خاور فریدہ کا اکلوتا بھانجا تھا بے حد فرماں بردار لڑکا۔ موسیٰ حیات کی سرسری ملاقات ستارہ اور طوبیٰ سے بھی ہوئی تھی۔ اسے دونوں لڑکیاں سلجھی اور مودبانہ انداز میں بڑوں کی تابعداری کرتی دکھائی دی تھیں۔ اس کی آرزو محض اتنی سی تھی کہ جو بھی اس کی شریک سفر بنے اس کی ہم مزاج بھی ہوتا کہ بعدازاں زندگی میں درپیش آنے والی تلخیوں کا قبل از وقت ازالہ ممکن ہوسکے اور شادی کا اہم ترین فیصلہ یونہی ہتھیلی پر سرسوں جما کر نہ کیا جائے۔ باقاعدہ سوچ بچار کے بعد وہ یہ فیصلہ کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ بعد میں دو زندگیاں برباد نہ ہوں۔

اس لیے اس کے دادا جان ایان صاحب نے یہ فیصلہ محض اس کی منشاء پر چھوڑ دیا تھا۔ وہ جہاں بھی شادی کے لیے راضی ہوجاتا وہیں شادی کے لیے بزرگ ہاں کردیتے۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ انہوں نے موسیٰ حیات کی تربیت کس نہج پر کی تھی۔ اس میں کہیں بھی کمی نہیں رکھی تھی۔ موسیٰ حیات اور خاور بات چیت کررہے تھے۔ ساتھ ہی حارث بھی باتوں میں سر ہلا دیتا تھا۔ حارث کی طبیعت ناساز تھی۔ اس لیے اسے ڈاکٹر نے آرام کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ مگر حارث کی سرشت میں اس گھر کا ماحول رچ بس گیا تھا۔ جہاں مہمان کو رحمتِ خداوندی تصور کیا جاتا ہے۔ اس لیے وہ بھی یہاں بیٹھا فرض میزبانی ادا کررہا تھا۔ رات کھانا کھانے کے بعد خاور واپس گھر کے لیے روانہ ہونے لگا تو فریدہ بیگم نے اس کا بے حد شکریہ ادا کیا۔

''جیتے رہو خوش رہو۔ ارے طوبیٰ بات سنو وہ تابندہ کے لیے سوٹ لیا تھا اور تمہاری خالہ کے لیے وہ تو لیتی آنا ذرا۔'' فریدہ بیگم کو اچانک یاد آیا تو ماتھے پر ہاتھ رکھ کر رہ گئیں۔

''ارے خالہ جان اس کی بھلا کیا ضرورت تھی۔'' خاور نے مسکرا کر کہا۔

''کیوں ضرورت نہیں تھی۔ وہ میری بہن ہے چھوٹی اور پھر تابندہ تو میری طوبیٰ اور ستارہ جیسی ہی ہے۔ میں نے طوبیٰ اور ستارہ میں فرق نہیں سمجھا۔'' طوبیٰ اتنی دیر میں سوٹ کا شاپر لے آئی تھی۔

''لو بیٹا اور یاد سے دے دینا اپنی امی کو۔'' فریدہ بیگم نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعائیں دیں۔ خاور مسکراتی نگاہوں سے طوبیٰ کو دیکھ رہا تھا اور طوبیٰ خاور کی نگاہوں میں چھپی محبت

کی کھلی آمیزش سے گھبرا کر واپس اندر کی جانب چل دی تھی۔

موسیٰ حیات کو یہاں آئے ہوئے ہفتہ ہو چکا تھا۔ وہ دیکھتا تھا کہ طوبیٰ ایک سنجیدہ مزاج لڑکی ہے۔ مگر جب ستارہ ساتھ ہوتی تو طوبیٰ بھی اپنی سنجیدگی و متانت بھول بھال کر ستارہ کے ساتھ قہقہے لگاتی دکھائی دیتی۔ جب کہ ستارہ کو اس نے اکثر یہاں سے وہاں ہنستے کھلکھلاتے ہوئے پایا۔ ستارہ بے حد زندہ دل اور ہنسنے ہنسانے والی لڑکی تھی۔ ایک دن وہ لان میں یونہی ٹہلتا ہوا ہواخوری کے لیے نکل آیا۔ سامنے ہی ستارہ گلاب کے پھولوں کو پیار بھرا ہاتھ لگا کر چھیڑتی اور کبھی گلاب کے پھولوں پر ہاتھ پھیرتی ہوئی بے حد خوش دکھائی دی رہی تھی۔ جب کہ دور فاصلے پر طوبیٰ چیئر پر بیٹھی کسی کتاب کے مطالعہ میں غرق تھی۔ وہ دونوں اپنے اپنے مشاغل میں اس قدر مشغول تھیں کہ دونوں میں سے کسی کو بھی موسیٰ حیات کی آمد کی خبر نہ ہوئی۔

"طوبیٰ یہ دیکھو تازہ تازہ گلاب ہائے اللہ کاش میں اسے اپنے بالوں میں لگا سکتی۔ مگر آہ بوا جی تو جان ہی نکال دیں گی میری طوبیٰ یہ دیکھو ذرا......" ستارہ ایک گلاب کا پھول توڑ کر جلدی سے پیچھے کی جانب مڑی تو قریب ہی کھڑے موسیٰ حیات کو پرُشوق نگاہوں سے دیکھتے پا کر بری طرح گھبرا گئی تھی۔

"اوہ......" سی کی آواز کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں نمی در آئی تھی۔ گلاب کے پھول کے ساتھ لگا خار اس کی نازک ہتھیلی میں چبھ گیا تھا۔ وہاں ہتھیلی پر خون کا دھبا فوراً نمایاں ہونے لگا۔

"ارے آپ کا ہاتھ تو زخمی ہو گیا۔" موسیٰ حیات نے بے حد پریشانی اور شرمندگی کی ملی جلی کیفیت میں کہا۔ کیونکہ اس کے اس طرح اچانک سامنے آ جانے کی وجہ سے ہی ستارہ نے گھبراہٹ میں گلاب کو زور سے پکڑ لیا تھا۔

طوبیٰ نے ستارہ کی آواز پر پلٹ کر دیکھا۔ جب اس نے ستارہ کی نم آنکھیں دیکھیں تو تڑپ کر جلدی سے کتاب ٹیبل پر رکھ دی اور تیز تیز قدموں سے ستارہ کے پاس آ گئی۔

"کیا ہوا ستارہ؟" طوبیٰ نے ستارہ کا ہاتھ تھام لیا۔ "کیا ضرورت تھی گلاب اتارنے کی۔ کتنی دفعہ منع کیا ہے پھر بھی...... آؤ بینڈیج کر دوں تمہاری۔" طوبیٰ فکرمندی سے ستارہ کا ہاتھ تھامے اسے اندر کی جانب لے گئی اور موسیٰ حیات اس منظر سے بے حد متاثر ہوا تھا۔ وہ دونوں نہ صرف کزنز تھیں بلکہ آپس میں گہری دوست اور غم گسار بھی تھیں۔

❁......❁......❁
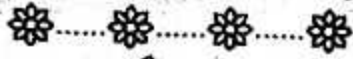
"ہاتھ کیسا ہے آپ کا اب؟" اگلے دن افطاری پر ملاقات ہوئی تو موسیٰ حیات نے ستارہ کا احوال دریافت کیا۔ فریدہ بیگم نے انجانی مسرت سے یہ منظر دیکھا۔ ورنہ انہیں تو اپنی اس لاابالی طبیعت کی مالک بیٹی سے چنداں امید نہ تھی کہ کسی کو بھی متاثر کر سکے۔ ستارہ نے بھی حیرت سے موسیٰ حیات کو دیکھا تھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بھلا اتنی سی چوٹ سے کیا ہوتا ہے؟" وہ زیرلب بڑبڑائی۔ مگر موسیٰ حیات کے کانوں میں اس کی آواز بخوبی پڑ چکی تھی۔

"مگر کل تو آپ بہت آنسو بہا رہی تھیں۔" بے ساختہ موسیٰ حیات کے منہ سے ادا ہوئے اس جملے کے بعد ستارہ نے سخت غصے سے موسیٰ حیات کو دیکھا۔ "اور پھر آپ کی کزن صاحبہ بھی تو بھاگم بھاگ آپ کی مرہم پٹی کرنے چلی آئی تھیں۔" موسیٰ حیات نے شرارتی انداز میں کہا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ ستارہ کو تنگ کر رہا تھا۔ مگر ستارہ کے لبوں پر تو جیسے اس بات کے بعد چپ کی مہر لگ چکی تھی۔ اس نے دوبارہ لب ہی نہ کھولے تھے۔ افطاری کے بعد بزرگ مرد حضرات نے موسیٰ حیات کو گھیرے میں لے لیا۔

"اور برخوردار ملاقات ہی نہیں ہو پاتی تم سے۔ آج تو بھئی چھٹی ہے۔ تفصیل سے ملاقات ہو گی۔" یہ عبدالکلیم صاحب تھے۔

"جی بالکل انکل آج واقعی فراغت ہے۔" موسیٰ حیات نے مسکرا کر تابعداری سے کہا۔

"موسیٰ بیٹا روزانہ افطاری کے بعد کچھ دیر کے لیے بابا جان کے پاس بھی بیٹھ جایا کرو۔ وہ ایان انکل کی بابت بہت سی باتیں کرنے اور سننے کے خواہاں ہیں۔" سلیم صاحب نے ہلکے پھلکے انداز میں نصیحت کی۔

"کیوں نہیں انکل میں تو یوں بھی دادا جان کے لیے اتنے ڈھیر سارے قصے لایا ہوں سنانے کو اور کچھ پیغامات بھی۔" موسیٰ حیات نے خوش دلی سے مسکرا کر کہا۔ پھر باتوں ہی باتوں میں چائے آ گئی۔

"بیٹا اداس تو نہیں ہو رہے یہاں؟" عبدالکلیم صاحب

نے مسکرا کر پوچھا۔
"نہیں انکل پھر امی ابو نے کہا ہے آخری عشرے میں وہ خود یہاں آجائیں گے۔ عید وہ یہیں منائیں گے میں نے عبدالرحیم صاحب کو بتادیا تھا تفصیل سے۔" موسیٰ حیات نے وضاحت سے بتایا۔
"اوہ یہ تو بہت اچھا ہے۔" سلیم صاحب مسکرا کر بولے۔
موسیٰ حیات کافی دیر بیٹھا یونہی چھوٹی چھوٹی باتوں کے جوابات دیتا رہا۔ وہ رحمت منزل کے مکینوں کی خوش اخلاقی کا دل سے قائل ہوگیا تھا۔ دور بیٹھی طوبیٰ اور ستارہ پر بھی کبھی کبھی نظر ڈال کر دیکھ لیا کرتا تھا۔ جو ٹی وی پر کوئی فنی پروگرام دیکھ کر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہورہی تھیں اور ستارہ باقاعدہ نقل اتار کر بار بار طوبیٰ کو ہنسا رہی تھی اور طوبیٰ کا ہنس ہنس کر برا حال تھا اور ہنسنے کی وجہ سے آنکھوں میں بہت سا پانی جمع ہوگیا تھا۔
اگلے روز شام کے وقت دادا جان کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ جب سے یہاں آیا تھا تو باقاعدہ طور پر اس کی ملاقات عبدالرحیم صاحب سے ہوچکی تھی اور پھر یہاں کمرے میں بھی ایک آدھ بار آچکا تھا۔ وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہونے لگا اپنا نام سن کر رک گیا۔
"موسیٰ حیات ہاں دادا آئے ہوئے ہیں مگر ایویں سے ہی ہیں اور پھر دل اتنا تنگ توبہ توبہ۔ اتنا بڑا سراپا اٹھا لائے اور تحائف لانا بھول گئے۔ بندہ پوچھے یہاں رہ رہے ہیں آنے سے پہلے سب کے لیے کم از کم ایک عدد گفٹ تو بنتا ہی تھا ناں اور پھر وہ چاکلیٹس کا اتنا سا پیکٹ وہ تو میں یونہی چلتے پھرتے کھا جاؤں۔" ستارہ کی آواز میں دکھ تھا اور گفٹ نہ ملنے کا گہرا ملال جھلک رہا تھا۔
"نہ بیٹا ایسا نہیں کہتے لالچ تھوڑی تھی ہمیں بچہ پہلی دفعہ پردیس سے آیا ہے بلکہ تم لوگوں کو چاہیے کہ اس کو بمعہ تحائف کے یہاں سے رخصت کرو۔" دادا جان نے اپنی پوتی کو سرزنش کی۔
"ویسے بھی دادا جان آپس کی بات ہے۔ بہت ہی سڑو سا ہے۔" ستارہ بتا کر رازداری سے کھی کھی کرنے لگی۔ موسیٰ حیات زیر لب مسکرایا اور کمرے میں قدم رکھ دیئے۔
"السلام علیکم!" موسیٰ کی آواز پر گھبراہٹ میں ستارہ کرسی سے ایک دم کھڑی ہوگئی۔ یہ دوسرا موقع تھا کہ موسیٰ نے ستارہ کو ڈرا دیا تھا۔

''آپ اور یہاں......؟'' بے حد گھبراہٹ میں ستارہ کے لبوں سے پھسلتا ہوا سوال نکلا۔

''کیوں کیا میرا یہاں آنا منع ہے اگر ایسا ہی ہے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔'' موسیٰ نے بے حد سنجیدگی و متانت سے کہا۔ جب کہ دل میں وہ ایک شرارتی بچے کی مانند ستارہ کو تنگ کرنے پر تلا تھا۔ ''غالباً آپ لوگ کوئی اہم گفتگو کررہے تھے میں یونہی مخل ہوگیا میں دوبارہ آجاتا ہوں۔'' موسیٰ کی بات پر ستارہ اپنی انگلیاں مروڑنے لگی۔

''ارے نہیں بیٹا آؤ آؤ بیٹھو یہ ستارہ تو یونہی پگلی سی ہے۔ میری پوتی کی کسی بات کو سنجیدہ مت لیا کرو۔'' عبدالرحیم صاحب موسیٰ کو یہاں دیکھ کر بے حد خوش دلی سے بولے۔

''جاؤ ستارہ بیٹا اچھی سی چائے بنالاؤ اور ساتھ میں افطاری میں جو کباب تھے ناں وہ بھی ساتھ لے آنا۔'' عبدالرحیم صاحب ستارہ کو یہاں سے بھیجنا چاہتے تھے کسی بہانے سے۔ وہ منہ بسورتے ہری جھنڈی ملنے کے بعد وہاں سے چل دی۔

''نامعلوم کیا سمجھتا ہے خود کو۔ شہزادہ چارلس۔'' ستارہ نے دل میں موسیٰ کو کوسا اور باہر آگئی۔

❁.......❁.......❁.......❁
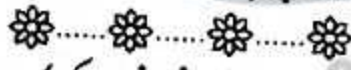
رحمت منزل کے سب ہی افراد فریدہ کی بہن ریحانہ بیگم کے یہاں افطاری پر مدعو تھے۔ ستارہ اور طوبیٰ بے حد خوش تھیں۔ کبھی کبھار تو ایسے مواقع آتے تھے۔ وہ دونوں تابندہ کے ساتھ مل کر ڈھیروں گپ شپ میں مصروف تھیں۔ مرد حضرات الگ اپنی محفل سجائے بیٹھے تھے۔ کھانا بے حد پُرلذت اور پُر اہتمام تھا۔ سب نے بے حد رغبت اور خاموشی سے تناول کیا۔ ریحانہ بیگم شائستگی سے ہر ایک کا فرداً فرداً احوال دریافت کررہی تھیں۔ ساتھ ساتھ فرائض میزبانی بھی بخوبی نبھا رہی تھیں۔

حسین صاحب کھانے کے بعد عبدالکلیم اور سلیم صاحب کے ساتھ باہر کی جانب چہل قدمی کے لیے چل دیئے۔ خاور، حارث اور موسیٰ موجود بزنس اپ اینڈ ڈاؤن کے گراف پر بحث کررہے تھے۔

''کیسے ہیں حارث بھائی۔'' تابندہ، طوبیٰ اور ستارہ کو لے کر یہیں آگئی تھی۔

''جی بالکل ٹھیک ہوں۔'' حارث مسکرایا۔

''آپ لوگ بور نہیں ہوتے اتنی خشک باتیں کرکے۔'' تابندہ نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''چلیں موضوع بدل لیتے ہیں۔ لڑکیوں کے پسندیدہ موضوعات پر بات چیت کرتے ہیں۔ جیسے کہ گفٹ۔ میں نے سنا ہے کہ لڑکیوں کو گفٹ کی بے حد لالچ ہوا کرتی ہے۔'' موسیٰ نے ایک دم سے کہا۔ ستارہ کا رنگ ایک دم پھیکا پڑ گیا۔

''اوہ تو اس کا مطلب اس دن موصوف نے میری ساری باتیں سن لی تھیں۔'' ستارہ نے دل میں خود کلامی کی۔

''ہاں گفٹ تو کوئی سا بھی ہو بس خلوص ہونا چاہیے۔'' تابندہ نے ہنس کر کہا۔

''بالکل خلوص سے دیئے گئے گفٹ کی اہمیت نہیں ہوتی بسا اوقات بلکہ قیمتی تحائف کی اہمیت رہ جاتی ہے۔'' موسیٰ نے بات برائے بات کی۔

''نہیں بالکل بھی نہیں۔ میں تو ایسا نہیں سوچتی...... موسیٰ بھائی۔'' تابندہ نے حیرت سے کہا۔

ستارہ ایک دم ایکس کیوز کرتی ہوئی وہاں سے چل دی۔ اسے بہت رونا آرہا تھا۔

''سب کے سامنے میری بات کو کیسے طعنہ بنا کر مار رہا ہے کم بخت۔'' وہ وہاں سے اٹھ کر بواجی کے پاس آکر بیٹھ گئی تھی۔ موسیٰ نے بے حد غور سے اس کی سفید پڑتی رنگت، ناگوار موڈ اور رخ موڑ کر بیٹھنے کے انداز کو ملاحظہ کیا تھا۔

❁.......❁.......❁.......❁

آج کرکٹ میچ آرہا تھا یوں بھی روزے طویل تھے اور پھر روزے میں وقت کٹتا ہی نہ تھا۔ آج تو گرمی بھی بے حد شدید پڑرہی تھی۔ حارث نے فون پر خاور کو بھی بلالیا تھا۔ حارث، موسیٰ اور خاور کرکٹ میچ پر تبصرے کرتے جارہے تھے۔ جب کبھی پاکستان کرکٹ ٹیم کی کارکردگی اچھی جاتی تو لڑکوں کا تالیوں سے شور مچ اٹھتا تھا۔

طوبیٰ نے آج تائی امی کے ساتھ مل کر کھانا پکانے میں ان کی مدد کروائی تھی بلکہ وہ بریانی پکانے میں ایکسپرٹ سمجھی جاتی تھی اور آج بطور خاص طوبیٰ نے بریانی پکائی تھی۔ ساتھ میں افطاری کے لیے فروٹ چاٹ بھی۔ جب کہ ستارہ کو کہا کہ وہ آکر ٹیبل پر برتن سیٹ کردے اور تمام کھانا لگوانے میں منزیٰ بیگم کی مدد کروائے تو ستارہ کا موڈ بے حد آف ہوگیا۔ اس کا یوں بھی کام کاج میں دل کہاں لگتا تھا۔ وہ منہ بسورے خاموشی سے ٹیبل پر برتن لگانے لگی۔ تب ہی اس سے ایک پلیٹ

چھوٹ کر فرش پر گر کر چکنا چور ہوگئی۔ وہ بے حد استعجاب سے اس پلیٹ کو گھورنے لگی۔ جیسے قصور اس کا نہیں سراسر پلیٹ کا ہی ہو۔ جو ہاتھوں سے چھوٹ گئی تھی۔

''کیا بات ہے ستارہ آج روزہ زیادہ لگ رہا ہے کیا؟'' تینوں لڑکے جو لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ اس چھناکے سے اس کی طرف متوجہ ہوچکے تھے۔ حارث نے جب ستارہ سے مضحکہ خیز انداز میں پوچھا تو ستارہ کا غصہ سے برا حال ہوگیا تھا۔

''جی لگ رہا ہے روزہ کیوں کیا میں انسان نہیں ہوں کیا مجھے بھوک، پیاس نہیں لگ سکتی؟ آپ اپنا ٹی وی دیکھیں۔'' ستارہ نے دوبدو جواب دیا۔

''یہ تم کس لہجے میں بات کر رہی ہو ستارہ اب تمہیں بالکل لحاظ نہیں رہا کہ بات کیسے اور کس طرح کرنی چاہیے۔ تم نے یہ بھی نہیں دیکھا تم کہاں کھڑی ہو اور کس سے مخاطب ہو۔'' منزیٰ بیگم کو ستارہ کا یہ انداز بیان ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔ وہ طوبیٰ کے لیے بھی اسی طرح سخت رویہ اپناتی تھیں اور ستارہ کو اپنے بیٹے کے ساتھ یوں بات کرتے دیکھ کر ان کو سخت ناگوار خاطر گزرا تھا۔

''کوئی کام کہہ دو تمہیں۔ تمہارا موڈ اسی طرح آف ہوجاتا ہے۔ تم جاؤ تم سے کچھ کام نہیں ہوسکتا۔ جا کر طوبیٰ کو ہی بلا لاؤ وہی نمٹائے گی یہ سارا کام۔ تم جا کر اپنے کمرے میں لیٹ جاؤ۔'' منزیٰ بیگم آج ہر لحاظ بالائے طاق رکھے بولتی چلی گئیں تھیں۔ فریدہ بیگم جو شور سن کر آ گئی تھیں۔ اپنی بیٹی کا جلالی انداز اور پھر سب لڑکوں کا اس طرف متوجہ ہونا۔ فریدہ بیگم کو سخت دکھ اور صدمے نے آن لیا۔ وہ اپنی بیٹی کے لیے موسیٰ حیات کو بطور داماد دیکھنے کے خواب لیے بیٹھی تھیں اور آج موسیٰ کے سامنے ہی منزیٰ نے ان کی بیٹی کو کاہل ثابت کر دیا تھا اور طوبیٰ کی تعریف کی تھی۔ فریدہ بیگم کو شدید غصہ آچکا تھا۔

''ستارہ تم جاؤ اپنے کمرے میں۔ میں یہ سب سمیٹ لیتی ہوں۔'' فریدہ بیگم نے کہا تو ستارہ اپنے آنسوؤں کو ضبط کرتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔ فریدہ بیگم نے کانچ کے ٹکڑے اٹھانے شروع کر دیئے۔

''رہنے دیں بھابی میں کر لیتی ہوں۔'' منزیٰ بیگم نے نرمی سے کہا۔

''رہنے دو اب تم یہ دکھاوا۔ سب کے سامنے تو میری بچی کی وقعت کا ذرا پاس نہ رکھا۔'' فریدہ بیگم نے سرد لہجے میں کہا۔

تو منزیٰ بیگم اچنبھے سے ان کی صورت دیکھنے لگیں۔ آج سے پہلے بھی بارہا ایسا ہوا تھا کہ انہوں نے ستارہ کو ڈانٹا تھا اور ہر دفعہ ستارہ سوری کر لیتی تھی۔ اور پھر ہر دفعہ وہی غلطی دوبارہ سرزد کرتی۔ مگر آج جب منزیٰ بیگم نے ڈانٹا تو کیا الگ ہوگیا تھا۔ یہ بات منزیٰ بیگم کی سمجھ میں نہ آسکی تھی۔ دور بیٹھی بوا جی نے یہ سارا منظر بے حد دلچسپی سے لطف اندوز ہو کر دیکھا تھا۔

وہ ماحول جو ایک عرصہ سے یہاں دیکھنے کی خواہاں تھیں۔ آج اس کا پیش خیمہ بن چکا تھا۔ یہی وقت تھا کہ وہ اپنی سرگرمیاں تیز کر دیتی۔ ایک عرصہ انہوں نے یہاں امن کی فاختہ کو ہنستے بولتے مطمئن پایا تھا۔ امن کے ہنڈولے میں جھولتی اب اس فاختہ کے پر کاٹنے کا وقت آن پہنچا تھا۔ یہ وہ ضد تھی جو ان کے دل سے کبھی نہ جا سکی۔ ایک پھانس تھی جس طرح ایک عرصہ قبل ان کا گھر بھی کسی تیسرے فرد نے یونہی جھگڑا ڈال کر کینہ کی بنیاد رکھ کر توڑ ڈالا تھا۔ اب بھی وہی وقت تھا۔ نامعلوم کیوں ان کی سرشت میں یہ انتقام اور بدلہ کی لگن کیسے آ گئی تھی۔ اگر سمجھ دار ہوتیں تو اپنا انصاف اس رب العزت پر چھوڑ کر مطمئن ہوجاتیں کہ اللہ رب العزت سب سے بہتر منصف ہے اور انسان اپنا بدلہ کبھی نہیں لے سکتا۔ وہی منتقم ہے بہترین بدلہ لینے والا۔ پھر فریدہ اور منزیٰ کا تو ان کے ماضی سے نہ کوئی واسطہ تھا اور نہ ہی کوئی سروکار۔ مگر ان کا دل چاہتا تھا کہ جب ان کا گھر نہ بس سکا۔ اجڑ گیا تو دنیا میں کوئی بھی خوش نہ رہے۔ دوسرے لوگ بھی ان کی طرح آنسو بہائیں۔ صدمے اٹھائیں۔

رات کے وقت جب بوا جی نے دیکھا کہ اس وقت فریدہ کمرے میں اکیلی ہے تو جھٹ ان کے کمرے میں آ گئیں اور شام کو ہونے والے واقعے کا قصوروار سراسر منزیٰ کو ٹھہرا دیا۔

''اے لو...... میں تو کہتی ہوں کہ جب بات بچیوں کے نصیب کی ہو تو کیا جیٹھانی اور کیا دیورانی...... فقط ماں بن کر سوچو۔ وہ طوبیٰ ہے جو ہر وقت اس موسیٰ کے سامنے نت نئے پکوان بنا کر سجاتی رہتی ہے۔ بن سنور کر کام کاج میں لگی رہتی ہے تاکہ اس موسیٰ کے دل کو بھا جائے اور تم روتی رہنا پھر ستارہ کے لیے۔ ستارہ کی سادگی کا علم تو ہے اور کل جو رہی سہی کسر رہ گئی تھی وہ اس منزیٰ نے موسیٰ کے سامنے تمہاری بیٹی کی تذلیل کر کے پوری کر دی۔'' آج ہی تو بوا جی کو موقع ملا تھا کہ وہ دونوں بھابیوں کے درمیان کوئی دیوار حائل کر دیں اور اس سے

قبل تو مایوسی ہی ان کے حصے میں آئی تھی۔ مگر آج بات کچھ اور تھی۔ اولاد کی چاہت بسا اوقات ہر چاہت پر حاوی ہوجایا کرتی ہے۔ فریدہ بیگم بھی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔ بوا جی کی بات میں وزن تو تھا۔ انہیں بھی اب یاد آنے لگا تھا کہ، طوبیٰ تو ہر وقت گھر میں لگی رہتی تھی۔ ساتھ ہی طریقے سلیقے سے اوڑھے رہتی تھی اور جب بھی کھانا دسترخوان پر سجتا تھا تو منزیٰ کے لبوں پر ایک جملہ بطور خاص ہوا کرتا تھا۔

"لو موسیٰ بیٹا یہ کباب کھاؤ یہ میری طوبیٰ نے بنائے ہیں۔ میری بیٹی بے حد سلیقہ شعار اور سگھڑ بچی ہے آج کل کی بچیوں کی طرح نہیں جنہیں گھرداری کی نہ تو سمجھ ہے اور نہ ہی دلچسپی۔ میری طوبیٰ تو کمال ہے بس۔" منزیٰ بیگم کی بات پر اکثر فریدہ بیگم کی نگاہ اپنی ستارہ پر جاٹکتی تھی۔ جولا ابالی پن سے کباب کے ساتھ انصاف کرنے میں جتی ہوتی تھی۔ اس بات سے بے خبر کہ اس کے اس طرح ٹوٹ کر کھانے کی حرکت کو موسیٰ بھی نوٹ کررہا ہوتا تھا۔ بغور اسی کی طرف متوجہ تھا۔

ستارہ تو یوں بھی بھوک کی بہت کچی تھی اور اس پر اتنا طویل روزہ افطار ہوتا وہ کھانے کی چیزوں سے انصاف کرنے بیٹھ جاتی تھی۔ پھر سب چٹ کرجاتی تھی۔ اکثر حارث اس کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔

"جس رفتار سے تم کھانا کھاتی ہوناں۔ تمہیں تو ہتھنی بن جانا چاہیے تھا۔ مگر آہ نا معلوم یہ سب جاتا کہاں ہے؟" حارث اکثر حیران ہونے کی ایکٹنگ کرتا اور ستارہ جو ہاتھ میں آتا وہ حارث کو کھینچ کر ماردیا کرتی تھی اور حارث حفظ ماتقدم کے طور پر اکثر وہاں سے نو دو گیارہ ہوجایا کرتا تھا۔

فریدہ ماضی سے حال میں لوٹ آئیں۔ فریدہ بیگم کو آج اپنی نند کی باتوں میں صداقت محسوس ہوتی نظر آرہی تھی۔ تو کیا منزیٰ ہر ممکن سعی کررہی ہے کہ اس کی بیٹی طوبیٰ کا رشتہ موسیٰ سے ہوجائے۔ پھر ستارہ کا کیا ہوگا؟ کیا میری بیٹی پس منظر کا حصہ بن کر رہ جائے گی؟ فریدہ کے چہرے پر تذبذب کے آثار نمایاں تھے۔ جو لحظہ لحظہ سخت کشیدگی میں بدلتے جارہے ہیں اور وہ دل میں سخت کینہ اور حسد محسوس کرنے لگی تھیں۔ بوا جی ان کے چہرے کے بدلتے تاثرات کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔ جہاندیدہ تھیں سمجھ چکی تھیں کہ حسد اور کینہ کا جو بیج انہوں نے آج فریدہ کے دل میں بودیا ہے۔ اب اس بیج نے پروان چڑھنا ہے پھلنا پھولنا ہے۔ اور جب بھی اس کو پانی کی آبیاری کی ضرورت درپیش ہوئی تو بوا جی نے طے کرلیا تھا اس پر لگائی بجھائی کے پانی کی برسات کرتی رہیں گی۔ بوا جی مطمئن سی ہوکر وہاں سے اٹھ کر چل دی تھیں۔

"اب آئے گا مزہ...... ایک عمر گزار دی ان دونوں بھابیوں نے مجھے زیر کرنے میں۔ اب میں بتاؤں گی جیت کیا ہوتی ہے اور مات کیا؟" وہ مسکراتی ہوئی باہر کی جانب آگئی تھیں۔

دوسری جانب فریدہ بیگم بے طرح پریشان اپنی بیٹی کے مستقبل کو محفوظ کرنے کے لیے نت نئے منصوبے دماغ میں تشکیل دے رہی تھیں۔ یہ سوچے بغیر کے بعض فیصلے قدرت پر بھی چھوڑ دینے چاہئیں۔

❀ ❀ ❀ ❀
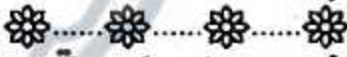
منزیٰ بیگم کافی دنوں سے محسوس کررہی تھیں کہ جٹھانی کا موڈ آف ہے اور وہ بے حد کھینچی کھینچی سی رہنے لگی ہیں۔ پہلے جیسا نہ ہنسی مذاق نہ ہی کوئی بات کرتی ہیں۔ کچن میں آمنا سامنا ہوتا تو سرد سا رویہ ہوتا کہ منزیٰ کو ہمت ہی نہ ہوتی تھی کہ کوئی بات کرسکیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ معاملہ کو کیسے حل کریں۔ دوسری طرف گھر کا ماحول بھی خراب ہورہا تھا۔ ستارہ جو ہر دم ہنستی رہتی تھی نامعلوم اس کو کیا سمجھادیا تھا کہ اب بہت کم بولتی تھی۔ بس ہاں اور ناں سے آگے اس کی بات نہ جاتی تھی۔ تب ہی آخری عشرہ شروع ہوگیا۔ موسیٰ حیات نے نوید دی کہ چند دن میں اس کے والدین آرہے ہیں۔ کام اور بھی بڑھ گیا تھا مگر ہنوز دیورانی جیٹھانی کی بات چیت بند تھی۔ کہتے ہیں کہ خوشیاں اگر ترا شیں کہ دوسروں کو بھی ملیں تو انسان کے اعمال سنور جاتے ہیں اور اگر کسی سے خوشی چھینیں تو پھر شیطان درمیان میں آجاتا ہے اور اعمال خواہ جتنے بھی عمدہ اور کمال رہے ہوں۔ لحظہ بھر میں وہ سارے بے عمل ہوکر رہ جاتے ہیں۔ جب تک دونوں بھابیوں میں صداقت اور خلوص کی چاشنی تھی یہ رشتہ محبت اور اعتماد پر استوار تھا۔ آج اس چاشنی میں زہر کی ملاوٹ آگئی تھی۔ خلوص میں پرویا ہوا رشتا آج کینہ کی دیوار حائل ہونے سے کسی شیشے کی مانند چھناکے سے ٹوٹ کر گرا تھا۔ حالانکہ انسان کا کام ہے کہ اپنے فیصلے اپنے رب پر چھوڑ دے۔

منزیٰ بیگم کی خواہش تھی کہ طوبیٰ کا ہی رشتہ ہوجائے موسیٰ سے اور جب وہ ستارہ کا جھلملاتا ہوا روپ دیکھتی تھیں تو از حد

پریشان ہوجایا کرتی تھیں۔ طوبیٰ لاکھ سلیقہ شعار اور ملنسار تھی مگر ستارہ کی چھب ہی نرالی تھی۔ اس کی بات ہی اور تھی۔ وہ واقعی ایک چمکتا ہوا ستارہ تھی۔ جہاں بیٹھ جاتی نظریں اسی پر ہی ٹک جاتی تھیں۔ حالانکہ نہ تو وہ اوڑھنے پہننے میں کوئی خاص خیال رکھتی تھی اور نہ ہی اسے گھر گرہستی کے کاموں میں کوئی دلچسپی تھی۔ یہی ایک خوف منزیٰ کے دل میں جاگزیں تھا۔ اس لیے وہ بار بار موسیٰ کے سامنے طوبیٰ کی تعریف کیے چلی جاتی تھیں اور ستارہ کو ڈھکے چھپے لفظوں میں پھوہڑ اور بدتمیز ظاہر کیا کرتی تھیں مگر اس مبہم انداز میں کہ صرف کہنے اور سننے والے تک ہی بات رہ جائے۔ مگر اس دن ان کو بھی غصہ آ گیا تھا اور جو بات ان کے دل میں تھی وہ لبوں تک آ گئی تھی۔ وہ سمجھتی تو تھیں کہ جٹھانی کے موڈ آف ہونے کی اصل حقیقت کیا ہے۔ مگر وہ ان کو چھیڑنا نہیں چاہتی تھیں۔ بلاوجہ بات نہ بڑھ جائے۔ حالانکہ نفرت کو نفرت سے نہیں پیار اور خلوص سے ہی ختم کیا جاسکتا ہے۔ اگر جیٹھانی ناراض تھیں تو منزیٰ کو چاہیے تھا کہ بڑھ کر بات کرلیتی اور یوں گلے شکوے دور ہوجاتے۔ بوا جی ایک طرف تسبیح کے دانے گراتی جاتی تھیں اور دوسری طرف جھگڑا ڈلوا کر بے حد سرشاری کی کیفیت میں تھیں۔ نہ تو روزے کا پاس تھا اور نہ ہی لحاظ۔ اس لیے تو کہا گیا ہے کہ روزہ درحقیقت فقط اللہ رب العزت کے لیے ہے اور وہ بہتر جانتا ہے نیتوں کا حال۔ گھر میں گھمبیر خاموشی چھائی تھی۔ مگر ایک دن آنے والے طوفان سے قبل کی یہ خاموشی ٹوٹ گئی اور وہ طوفان جو آنا تھا آ کر ہی رہا۔

ہوا یوں کہ فریدہ بیگم نے سارے کام ختم کرنے کے بعد منزیٰ بیگم کو بتانا چاہا کہ آج ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ باقی سارے کام نبٹالیں۔ جو ادھورے رہ گئے ہیں۔ وہ جب منزیٰ کے کمرے کی جانب گئیں تو اپنی نند کی آواز پر جہاں تھیں وہیں کھڑی رہ گئیں۔

''بس کیا بتاؤں یہ فریدہ تو پاگل ہوگئی ہے قسم کھائی ہے کہ وہ ستارہ کا رشتہ موسیٰ سے کرکے ہی دم لے گی اور پھر میرے منہ پر کہا کہ طوبیٰ میں تو کوئی گن ہے نہیں نہ کوئی خاص خوب صورت ہے۔ واجبی سی شکل و صورت ہے اس کی۔''

''کیا یہ بھابی نے کہا مجھے یقین نہیں آ رہا۔'' منزیٰ کے لہجے میں اس قدر آزردگی گھل گئی تھی کہ فریدہ بیگم کا دل بھی دکھ سے بھر گیا۔ یہ وہی دیورانی تھی ان کی گہری دوست اور آج وہ

دیورانی محض نند کے ہاتھوں ایک کھلونا بن کر رہ گئیں تھیں۔ ان کا غصہ ان کے قابو میں نہ رہا تھا۔ وہ فوراً دروازہ کھول کر اندر آ گئیں تھیں۔ فریدہ کو دیکھ کر قریب بیٹھی بوا جی راز و نیاز کرتی ہوئی بے طرح گھبرا گئی مگر فریدہ بیگم نے کچھ بھی نہ کہا۔ بولیں تو فقط اتنا۔

''منزیٰ میں نے سارا کچن کا کام کرلیا ہے۔ بس کباب تلنے ہیں۔ پکوڑوں کا آمیزہ بھی تیار ہے تم دیکھ لینا۔'' منزیٰ سر ہلا کر رہ گئیں۔

''اور ہاں آپا جان۔ میں نے طوبیٰ کو کب کہا کہ وہ واجبی شکل کی لڑکی ہے۔ وہ بے حد حسین ہے۔ اس لیے کہ وہ بھی میری ستارہ کی طرح میری بیٹی ہے اور منزیٰ تم سے کہنا تھا کہ کافی دنوں سے خاور کے سلسلے میں ریحانہ زور لگا رہی ہے کہ طوبیٰ کو اپنی بہو بنانا چاہتی ہیں۔ تم سوچ لو اور سوچ کر مجھے جواب دے دینا۔ تم جانتی ہو خاور ہر لحاظ سے قابل لڑکا ہے۔ اس کی ہاؤس جاب مکمل ہونے والی ہے۔ پھر وہ ڈاکٹر ہے اور تمہاری بیٹی کو بے حد چاہت سے لے جائے گا۔ بھائی جی سے مشورہ کرلینا۔ تمہاری رائے ہی آخری رائے ہوگی۔ کوئی زور زبردستی نہیں۔'' جیٹھانی نے کہا تو بوا جی کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک رنگ جا رہا تھا۔ وہ آج بھی اسی مقام پر آ کھڑی ہوئیں تھیں جہاں کل بھی شکست ان کا مقدر ٹھہری تھی اور آج بھی۔

منزیٰ بیگم نے میاں سے مشورہ کیا۔ اگرچہ موسیٰ کے حوالے سے بھی منزیٰ بیگم نے خواب دیکھے تھے مگر خاور کا رشتہ ایسا نایاب رشتہ تھا جو دوبارہ شاید نہ ملتا۔ پھر ریحانہ کی خوش مزاجی کا بھی معلوم تھا اور خاور نے خود طوبیٰ کے لیے ہاتھ مانگا تھا یہ بہت بڑی بات تھی۔ عبدالکلیم صاحب نے تو فوراً رضامندی دے دی۔ اور طوبیٰ نے یہ معاملہ بڑوں کے اوپر چھوڑ دیا تھا۔ اگرچہ دل کے معاملے میں وہ اکثر نمازوں میں طویل سجدوں میں رب العزت سے خاور کو اپنا جیون ساتھی بنانے کی متمنی تھی۔

اب یہ بھی اس پاک ذات کا کرم تھا کہ کوئی بھی مسئلہ درمیان میں نہ آیا تھا اور بڑوں میں یہ بات زبانی کلامی طے ہوگئی تھی۔

❀ ❀ ❀ ❀

منزیٰ اور فریدہ دونوں مل کر نند کے کمرے میں آئی تھیں۔ ان دونوں کو اکٹھا آتا دیکھ کر مسرت آپا بے حد پریشان اور حیران ہوئی تھیں۔

''آپا ہم دونوں آپ کو کچھ بتانے آئی ہیں۔'' منزیٰ نے کہا تو وہ دونوں کا منہ تکنے لگیں۔

''آپا آج تک جو آپ کے ساتھ ہوا اس کا ہم دونوں کو بے حد دکھ ہے گہرا ملال ہے مگر آپا جی ہم دونوں آپ کی چھوٹی بہنیں ہیں آج آپ سے اپنے ہر عمل خواہ اچھا تھا یا برا۔ معافی مانگنے آئیں ہیں۔ اگر ہم سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہو تو معاف کردیں۔ آپ بڑی ہیں۔ اپنا ظرف بھی بڑا کر کے دل سے گلے ملیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس دفعہ ہم عید پر رسماً ہی ایک دوسرے سے گلے نہ ملیں بلکہ یہ جو کدورتیں ہمارے دلوں میں آن بسی ہیں ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں اور ملنساری اور محبت کی کونپلوں کو پروان چڑھائیں۔ طوبیٰ کے لیے تو مسرت آپا آپ جانتی ہی ہیں کہ خاور کا رشتہ ہوگیا ہے پکا اور آج مجھے اس کا اجر بھی دیا میرے رب نے۔ کل چاند رات ہے اور موسیٰ کے والدین آج ہی آ رہے ہیں۔ ستارہ موسیٰ کو بے حد اچھی لگی ہے۔ اگرچہ میں تو ستارہ کے حوالے سے ہمیشہ ہی خائف رہی۔ مگر بعض معاملات اگر ہم اپنے رب پر چھوڑ دیں تو وہ اس کا اچھا بدلہ ہمیں دیتا ہے۔ ایک اچھا صلہ۔ جو ہم تمام عمر بھی اپنی مشقت لگا دیں تب بھی ہمارے ہاتھ وہ اجر وہ اعلیٰ نصیب نہیں پا سکتے جو اللہ تعالیٰ کی رضا سے اور خوشنودی سے حاصل ہوتا ہے۔ ہمارا ایک چھوٹا سا عمل اس نیک نصیب کا باعث بن جاتا ہے۔ میری بیٹی کے لیے خلوص سے دعا کریں آپا وہ ہم دونوں کی بیٹیاں ہی نہیں آپ کی بھی تو اپنی اولاد ہیں آپا جی۔''

فریدہ کی بات پر مسرت آپا پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔ آج سے پہلے دونوں بھابیوں نے اس قدر عزت بھی تو نہ دی تھی۔ نہ کبھی اپنے غم اپنی خوشیوں میں حصہ دار بنایا تھا۔ آج جب وہ دونوں مل کر انہیں اس قدر عزت اور وقعت دے رہی تھیں تو اتنے سالوں سے دل پر براجمان کدورت اب ڈھلتی جا رہی تھی۔ ان کے آنسوؤں نے ان تمام گلے شکووں کو دھو ڈالا تھا جو ان کے دل میں تھے۔ وہ مسکرا کر دونوں بھابیوں کے گلے لگ گئیں تھیں۔

❀ ❀ ❀ ❀

موسیٰ حیات کے والدین باقاعدہ منگنی کی نیت سے تمام تیاری کر کے آئے تھے اور خاور کے والدین بھی تیار تھے۔ اس

لیے عین عید سے ایک دن قبل منگنی کی رسم کردی گئی۔
صرف گھر کے افراد ہی مدعو تھے۔ ایک جانب خاور اور طوبیٰ کو بٹھایا گیا اور دوسری طرف موسیٰ اور ستارہ کو پاس پاس بٹھایا گیا۔ ستارہ نے تو رو رو کر اپنی آنکھیں سجالی تھیں کیونکہ وہ جانتی تھی کہ موسیٰ شادی کے بعد بھی اسے یوں ہی تنگ کرنے سے باز آنے والا نہ تھا۔ طوبیٰ نے تو ہر ممکن سعی کی تھی کہ وہ ستارہ کو سمجھا پائے مگر ستارہ بھی اپنے نام کی ایک تھی۔ ڈٹ گئی تھی کہ منگنی نہیں کرے گی۔ وہ تو دادا جان نے جب اسے کہا کہ ستارہ بتاؤ۔
''تم کس کی بیٹی ہو؟'' حسبِ معمول اس نے لہک کر کہا۔ ''دادا جانی کی'' تو عبدالرحیم صاحب نے جھٹ کہا۔
''تو پھر دادا جانی نے موسیٰ کو تمہارے لیے بطور جیون ساتھی منتخب کیا ہے اور امید ہے کہ تم ناں نہیں کروگی۔'' وہ ٹکر ٹکر دادا جان کا چہرہ دیکھتی رہ گئی۔ کیسے اتنے مان سے کہے گئے الفاظ کو رد کردیتی۔ وہ اس کے دادا جانی تھے۔ جو اس کے بیسٹ فرینڈ تھے۔ ان کا دل تو نہ توڑا مگر اپنے دل کے ٹوٹنے پر بہت آنسو بہائے۔
''ہائے اللہ اتنا ڈیشنگ تو ہے موسیٰ تمہیں کیا کمی نظر آئی ہے جو یوں آنسو بہائے جارہی ہو۔'' طوبیٰ نے حیرت سے غوطہ زن ہوکر پوچھا۔
''تو تم کرلو ناں اس سے منگنی۔'' ستارہ نے تڑپ کر جل کر کہا۔
''میں کیوں کرنے لگی اس موسیٰ سے منگنی۔ میرا تو وہ بہنوئی ہے ناں۔'' طوبیٰ نے شرارتی انداز میں کہا تو ستارہ نے اس پر حسب عادت تکیہ کھینچ مارا اور طوبیٰ کھل کھلا کر ہنس دی تھی۔
اور آج منگنی کی رسم کے وقت ستارہ کی آنکھیں صاف اس کی اداسی کی چغلی کھارہی تھیں۔ خاور نے طوبیٰ کی انگلی میں رنگ پہنائی اور طوبیٰ نے خاور کے۔ اسی طرح موسیٰ نے ستارہ کا مرمریں ہاتھ تھاما اور اس کی مخروطی انگلی میں رنگ پہنادی اور ستارہ نے بھی بے حد دل گرفتگی سے موسیٰ کو انگوٹھی پہنادی۔ ہر طرف تالیوں کا شور تھا۔ مٹھائی سے منہ میٹھا کروایا گیا۔ سب ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے اور وہ تھی کہ اس کے علاوہ سب ہی خوش اور شاد تھے۔
منگنی کے بعد وہ اپنے کمرے میں آگئی۔ آئینے میں اپنا عکس دیکھا کانوں میں بندے ماتھے پر جھومر ٹکائے وہ واقعی حسین لگ رہی تھی۔ مگر حزن وملال میں لپٹا ہوا وجود۔ تب ہی آہٹ پر پیچھے مڑ کر دیکھا تو طوبیٰ تھی۔
''تم نے تو ڈرا ہی دیا مجھے۔'' ستارہ نے لمبی سانس لی۔
''تو تمہیں کس کا انتظار تھا ستارہ؟'' طوبیٰ نے شرارت سے کہا۔
''تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے مجھے کیوں کسی کا انتظار ہوگا بھلا۔'' وہ اس کی بات کا مطلب سمجھ کر ناگواری سے بولی۔ تب ہی موسیٰ طوبیٰ کے عین پیچھے سے آگے بڑھا اور طوبیٰ مسکرا کر باہر چل دی تھی۔
''آج بہت حسین لگ رہی ہو تم ستے۔ یہ عید میرے لیے بے حد یادگار ہے۔ جس میں اللہ رب العزت نے مجھے تم جیسا انمول تحفہ دیا۔ اگر میں پاکستان نہ آتا تو مجھے معلوم ہی نہ ہوتا کہ سادگی میں کسی قدر حسن پنہاں ہوتا ہے۔'' موسیٰ نے محبت پاش نگاہوں سے اسے دیکھا تو بے حد گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ موسیٰ کی آمد اس کے لیے بے حد غیر متوقع تھی۔
''تمہیں یاد ہے ستارہ تم نے کہا تھا کہ بواجی تمہیں کبھی بھی گلاب بالوں میں لگانے کی اجازت نہیں دیتی تو آج میں ایک گلاب تمہارے لیے لایا ہوں۔ بس لگانے کی اجازت درکار ہے۔'' موسیٰ نے مسکرا کر گلاب کا پھول سامنے کیا تو وہ اور بھی ہراساں نظروں سے موسیٰ کو دیکھنے لگی۔
''یہ مجھے دیں گلاب۔ لائیں میں خود لگالوں گی۔'' ستارہ نے جھٹ اس کے ہاتھ سے گلاب لے کر بالوں میں لگالیا کہ کہیں سچ میں موسیٰ بالوں میں گلاب نہ لگادے۔ موسیٰ کا بے ساختہ قہقہہ اُمڈ آیا تھا۔
''ستارہ تمہاری سادگی مجھے بے حد پسند ہے۔ پلیز تم ہمیشہ یونہی نیچرل سی رہنا۔ تصنع و بناوٹ کے خود ساختہ رنگوں سے مبرا۔'' موسیٰ نے کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا باہر چلا گیا۔
''میری سادگی......!'' ستارہ کا دل ایک نئی لے پر دھڑکنے لگا۔
''یہ عید تمہارے سنگ سجن......'' وہ زیرلب بولی اور مسکرادی۔

حریم الیاس

''شکر ہے عید کا چاند نظر آ گیا' میں تو کب سے منتظر تھی کہ روزے ختم ہوں۔'' تہمینہ نے چاند نظر آنے کی خبر سنتے ہی شکرانے کے انداز میں کہا۔

''کیسی باتیں کر رہی ہو تمو؟'' طاہرہ نے حیرت میں گھر کر چھوٹی بہن کو ٹوکا۔

''سچ میں آپی' گرمی دیکھیں کیسی غضب کی ہوتی ہے آپ کا حوصلہ ہے روزے رکھ کر ڈھیر سارے کام بھی کرتی ہیں اور اکتاتی بھی نہیں۔'' اس نے جملہ مکمل کرتے ہی کولڈ ڈرنک کا گلاس غٹا غٹ پینا شروع کر دیا۔

''ہاں تو روزہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور عبادت میں اکتانا کیسا یہ تو......'' طاہرہ نے ابھی اسے سمجھانا ہی شروع کیا تھا کہ اس نے ٹوک دیا۔

''چھوڑیں نا آپی' چلیں بازار چلتے ہیں۔ چاند رات ہے شاپنگ کریں گے' چوڑیاں پہنیں گے' چاٹ کھائیں گے' خوب گھومیں گے۔'' تہمینہ نے چاٹ کا نام لیتے ہی چٹخارہ بھرا۔

''چاند رات ہے تو کیا' اس کا مطلب ہر پابندی سے آزاد ہو جاؤ۔'' طاہرہ بول ہی رہی تھی کہ پھر اس کی بات کاٹ دی گئی۔

''افوہ آپی مجھے ویسے بھی جانا ہی تھا' ٹیلر سے اپنے کپڑے لینے ہیں۔''

''اچھا ٹھیک ہے چلی جانا' پہلے عشاء کی نماز پڑھ لو۔'' طاہرہ بولی۔

''آ کر پڑھ لوں گی۔'' وہ اب آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر بال بنانے لگی۔ ''ویسے بھی رش ہو جائے گا بازار میں' کہیں میرا جوڑا نہ کھو جائے اتنا مہنگا گل احمد کا خریدا تھا اور شرٹ کا ڈیزائن بھی چن کر دیا تھا میں نے۔'' وہ اپنے عید کے جوڑے کے گن گانے لگی۔

''اچھا جاؤ مگر جلدی آ جانا...... کیسے جاؤ گی؟'' طاہرہ نے پوچھا۔

''بھائی جان مسجد سے آ گئے ہوں گے وہی لے کر جائیں گے۔'' اس نے عبایا پہنا اور باہر آ گئی۔

بھائی جان ابھی ابھی نماز پڑھ کر آئے تھے لیکن اس نے انہیں بیٹھنے نہ دیا' بازار لے جا کر ہی دم لیا۔

ادھر طاہرہ نے نماز ادا کی' پھر عید کے حساب سے گھر کی فائنل صفائی کرنے لگی' بیڈ اور کارپٹ کی چادریں تبدیل کیں' نئے پردے لگائے' جو اس نے اپنے ہاتھوں سے سیئے تھے۔ پھر میوے صاف کیے' گھر والوں کے عید پر پہنے جانے والے کپڑے استری کر کے لٹکا دیئے' لیکن تہمینہ ساڑھے آٹھ نو بجے کی گئی اب رات کے ڈیڑھ بجے تک بھی لوٹ کر نہیں آئی تھی۔

اپنا فون وہ گھر پر ہی بھول گئی تھی اور بھائی جان کا سیل فون آف جا رہا تھا۔ اسے پریشانی نے گھیر لیا۔ امی کو یہ کہہ کر سلا دیا کہ چاند رات ہے دیر تو ہو ہی جاتی ہے لیکن خود جلے پیر کی بلی بنی کبھی بھائی جان کا نمبر ڈائل کرتی کبھی جائے نماز پر بیٹھ کر تسبیحات پڑھنے لگتی تو کبھی گیٹ کھول کر ان دونوں کا انتظار کرنے لگتی۔ رات کے ڈھائی بجے ڈور بیل بجی تو اس نے لپک کر گیٹ کھولا سامنے تہمینہ تھی خوب شاپنگ بیگز سے لدی پھندی' دونوں ہاتھوں پر مہندی لگی تھی جو اب سوکھ کر آدھی جھڑ چکی تھی لیکن چہرہ غصے سے لال پیلا ہو رہا تھا' پیچھے بھائی جان سر جھکائے شرمندہ شرمندہ سے کھڑے تھے۔

''کیا ہوا؟'' طاہرہ نے اتنا ہی کہا تھا کہ وہ اسے دھکا دیتی ہوئی سیدھی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

''موڈ آف ہو گیا ہے' مجھے دیر ہو گئی تھی اسے پک کرنے میں۔'' بھائی جان مزید شرمندہ ہوئے۔

''اچھا میں دیکھ لیتی ہوں' آپ کے لیے کھانا لاؤں؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں میں سونے جا رہا ہوں تم دونوں بھی جلدی سو جانا۔'' وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اندر چلے گئے۔

وہ اپنے اور تہمینہ کے مشترکہ کمرے میں آئی تو تہمینہ بیڈ پر نیم دراز اردگرد شاپنگ کا سامان پھیلائے بلکہ باقاعدہ پھینک کر محو استراحت تھی۔

''کیوں منہ لٹکا ہوا ہے؟'' طاہرہ نے پوچھا۔

''آئندہ میں بھائی جان کے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی اور اس ٹیلر ماسٹر کو تو میں دیکھ لوں گی اتنے دن مجھے بے وقوف بنا کر رکھا۔'' وہ غصے سے بولی۔

''اوہو...... نیوز بلیٹن بند کرو اور خبریں تفصیل سے سناؤ۔'' طاہرہ نے اس کا موڈ بحال کرنے کی کوشش کی۔

''خاک خبریں سناؤں...... ہم سید ھادرزی کے پاس پہنچے تو دکان پر بہت رش تھا اور ماسٹر صاحب غائب تھے' ان کے ملازم کو میرے سوٹ کا کچھ معلوم نہیں تھا بولا کہ ایک گھنٹے بعد آئیں گے ماسٹر صاحب' تو معلوم کر لینا سوٹ کا' میں نے سوچا گھر واپس کیا آؤں دوسرے کام نمٹا لیتی ہوں۔ بھائی جان سے کہا پارلر چھوڑ دیں میں مہندی لگوا لیتی ہوں' انہوں نے چھوڑ دیا اور کہا' آرام سے لگواؤ میں دس بجے تک آجاؤں گا۔ دس بج گئے بھائی جان نہیں آئے' میں پارلر سے باہر آگئی چوڑیاں خریدلیں' سوٹ سے میچنگ سینڈل خرید لیے' جھمکے بھی لے لیے میں واپس پارلر آگئی انتظار کرتی رہی پھر سوچا ماسٹر صاحب آگئے ہوں گے سوٹ لے لوں' ان کی دکان پر آئی پر انہوں نے تو ہری جھنڈی دکھادی کہ سوٹ ابھی تک سلا ہی نہیں اور وعدہ کرنے لگے کہ کل خود صبح سات بجے گھر پر دے کر جائیں گے سوٹ۔'' وہ واقعی خبریں تفصیل سے سنانے لگی اور آخری خبر پر اچھی خاصی روہانسی ہوگئی تھی۔

''تو پریشانی کی کیا بات ہے دے جائیں گے وہ سوٹ اور یہ بھائی جان کہاں چلے گئے تھے؟'' اسے یاد آیا۔

''بھائی جان کی تو کہانی ہی الگ ہے' مسجد چلے گئے تھے عبادت کرتے رہے اور امام صاحب کے بیان میں ایسا کھوئے کہ مجھے بھول ہی گئے' واپسی پر مجھے ''لیلتہ الجائزہ'' کی فضیلت بتاتے رہے' مجھے کیا کرنا تھا سن کر' میرا تو موڈ آف ہوگیا تھا۔'' وہ نئے سرے سے سلگی۔

''چاند رات تو ہوتی ہی فضیلت والی ہے بھائی جان نے غلط تو نہیں کہا۔'' اس نے بھائی جان کی تائید کی۔

''جانتی ہوں میں فضیلت' اب آپ مت شروع ہوجانا' لائٹ آف کردیں مجھے سونا ہے۔'' اس نے سامان سائڈ میں کیا اور چادر اوڑھ کر لیٹ گئی۔

''تم عشاء تو پڑھ لو' پھر سوجانا۔'' طاہرہ کو یاد آیا اس نے نماز نہیں پڑھی تھی۔

''کل قضا پڑھ لوں گی اب بہت دیر ہوگئی ہے۔'' چادر کی اوٹ سے تہمینہ کی نیند میں ڈوبی آواز آئی۔

''جو بات ادا میں ہے وہ قضا میں نہیں۔'' طاہرہ نے قائل کرنے کی کوشش کی۔

''آپی پلیز سونے دیں اور مجھے صبح جلدی اٹھا دینا مجھے کیک بنانا ہے' میری دوستیں لنچ پر عید ملنے آئیں گی۔'' اس نے نیند میں بوجھل آواز میں کہا۔

طاہرہ تاسف سے چھوٹی بہن کو دیکھنے لگی۔ اس نے پورا رمضان کوئی نماز قضا نہ کی تھی اور اب نماز چھوڑ کر بے

فکری سے سوگئی تھی۔

☾......☾......☾

عید کی صبح ایک ہنگامہ مچا ہوا تھا‘ گھر میں مرد تو سارے نماز پڑھنے گئے ہوئے تھے لیکن یہ ہنگامہ تہمینہ نے مچایا ہوا تھا اور رو رو کر پورا گھر سر پر اٹھا لیا تھا۔ اس نے اپنی دوستوں کی دعوت کے لیے کیک بیک کیا تھا جو کہ جل گیا تھا لیکن رونا اس بات کا نہ تھا رونے کی وجہ تھی اس کا نیا عید کا سوٹ......! ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی ٹیلر ماسٹر کا فون آیا تھا اور انہوں نے تہمینہ کے سر پر بم پھوڑا تھا۔

''بیٹا جی‘ میں واقعی شرمندہ ہوں لیکن آپ کا سوٹ کہاں کھو گیا مجھے معلوم نہیں ہوا۔''

''ماسٹر جی آپ کا دماغ درست ہے؟ میرا اتنا مہنگا سوٹ تھا‘ آج پہننا ہے اور آپ کہہ رہے ہیں پتہ نہیں کہاں کھو گیا؟'' وہ غم و غصے سے پاگل ہو گئی۔

''بیٹا میں سمجھ سکتا ہوں‘ آپ کو ویسا ہی سوٹ عید کے بعد تیار کر کے دے دوں گا‘ سلائی بھی نہیں لوں گا۔'' وہ منمنائے۔

''اپنے پاس رکھیں اپنی سلائی۔'' اس نے کھٹاک سے فون رکھ دیا۔

پہلے خوب شور مچایا ابو اور بھائی جان بلاتے رہ گئے کہ عید مل لو لیکن وہ تہمینہ بی بی ہی کیا جو بات مان جائیں۔

''تمو ایسے موڈ آف کرنے سے کیا ہوگا؟'' طاہرہ ایک گھنٹے بعد کمرے میں آئی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر لائٹ آن کی تہمینہ گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی۔

''آپی لائٹ بند کر دیں پلیز۔'' اس کی رندھی ہوئی آواز ابھری۔

''تمو دیکھو آج عید کا دن ہے سب کو پریشان مت کرو۔'' وہ اس کے برابر میں بیٹھ کر اس کا کاندھا سہلانے لگی۔

''میں کہاں پریشان کر رہی ہوں سب کو‘ میں تو خود پریشان ہوں۔''

''لیکن سب تمہاری وجہ سے اداس ہو رہے ہیں۔''

''کیوں اداس ہو رہے ہیں‘ آپ لوگ جائیں عید منائیں‘ آپ سب کے تو جوڑے سل گئے نا۔'' وہ تلخ ہوئی۔

''تمو میری پیاری بہن دیکھو......'' وہ بولی ہی تھی کہ تہمینہ نے بات کاٹ دی۔

''میرے ہی ساتھ کیوں ہوا یہ آپی؟ صبح سے میں کیک بنانے میں لگی ہوں‘ وہ جل گیا۔ سوٹ کا انتظار تھا وہ کھو گیا‘ میرے ہی کام کیوں بگڑ رہے ہیں۔'' وہ بلک کر رونے لگی۔

''اس لیے کہ تم نے اپنی اجرت وصول نہیں کی۔'' طاہرہ نے دھیمے سے کہا۔

''اجرت؟'' تہمینہ رونا بھول کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

'ہاں اجرت......دیکھو فرض کرو ایک مزدور ہے وہ کئی دن اور رات محنت کرتا ہے‘ مزدوری کرتا ہے‘ بھوک پیاس بھول کر اور خون پسینہ بہا کر مالک کو اس کا من پسند کام کر کے دیتا ہے لیکن جس دن محنت کی اجرت ملنی ہوتی ہے اس دن غائب ہو جاتا ہے‘ مالک کے پاس آتا ہی نہیں‘ تمہارے نزدیک وہ مزدور کیسا ہے؟'' اس نے سوال کا جواب دینے کے بجائے سوال کیا۔

''بے وقوف۔'' یک لفظی جواب دیا گیا۔

''تمو تمہیں معلوم ہے کہ وہ بے وقوف مزدور کون ہے؟''

''کون؟''

''تم......''

''میں؟''

''ہاں تم۔''

''کیوں؟''

''کیوں کہ تم نے سارا رمضان روزے رکھے‘ عبادت کی‘ نمازیں ادا کیں کوئی بھی نماز قضا نہ کی‘ اللہ کی خاطر دن رات ایک کر دیا‘ یہاں تک کہ تم نے ٹی وی‘ گانے سب چھوڑ دیا تھا‘ لیکن جب وقت آیا کہ اللہ تمہیں اجر دیتا تم اس دن بازاروں اور دکانوں کے دھکے کھا رہی تھیں۔'' وہ رکی پھر دوبارہ سلسلہ جوڑا۔

''اس لیے چاند رات کو ''لیلتہ الجائزۃ'' کہا جاتا ہے یعنی انعام کی رات‘ لیکن نہ جانے کتنے ہی لوگ اس بے وقوف مزدور کی طرح ہوتے ہیں‘ اجرت لیے بغیر ہی چلے جاتے ہیں‘ پھر اللہ تعالیٰ بھی ایسے لوگوں کی پروا نہیں

دھوپ ہو، چھاؤں ہو تم ساتھ نبھایا کرنا
میرے چہرے پہ سدا پلکوں کا سایا کرنا
جان جاؤں گا خوش بُو سے تمہاری تم کو
تم پیچھے سے آ کر میری آنکھوں کو چھپایا کرنا
ڈانٹ لینا سرِ محفل کوئی بات نہیں
تنہائی میں گلے لگ کے منایا کرنا
جاگنا چاہوں رات بھر تو کرنا باتیں
نیند آجائے تو سینے پہ سُلایا کرنا
انتخاب: فرخندہ...... خانیوال

کرتے جنہیں خود اپنی اجرت کی پروا نہیں ہوتی اور جب اجرت ہی وصول نہیں کی تو کہاں کا کیک؟ کیسا جوڑا؟'' وہ دھیرے دھیرے بولتی گئی۔ تہمینہ یک ٹک اسے سنتی گئی اس نے اس زاویے سے کبھی سوچا ہی نہیں تھا پھر اٹک اٹک کر بولی۔

''تو کیا مجھے میری اجرت نہیں ملے گی...... میرا انعام؟ میں نے بہت بڑی بے وقوفی کی۔'' اس نے اپنا سر پکڑ لیا۔

''تم شرمندہ ہو؟'' طاہرہ نے پوچھا۔

''ہاں بہت...... لیکن اب کچھ ہو تو نہیں سکتا نا۔'' وہ ناامیدسی ہوگئی۔

''کیوں نہیں ہوسکتا' اللہ اپنے بندوں کو ضرور نوازتا ہے خاص طور پر جو لوٹ کر آ جائیں۔ سمجھو تمہیں تمہاری اجرت مل گئی۔'' طاہرہ اٹھ کر الماری سے کچھ نکالنے لگی۔

''یہ لو تمہارا عید کا تحفہ۔'' اس نے بڑا سا شاپر اس کی جانب بڑھایا۔

''تحفہ؟'' اس نے ہاتھ بڑھا کر شاپر لے لیا اور کھولنے لگی۔

نیا استری شدہ سوٹ' ساتھ میچنگ کی جیولری' چوڑیاں اور کلپ بھی۔

''میں نے اور امی نے تمہارے لیے لیا تھا جو اس دن تم نے مہنگا ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا۔''

''سچی آپی آپ نے لے لیا تھا اور یہ تو میرے اس سوٹ سے بھی زیادہ پیارا ہے۔'' وہ ایک ایک چیز کو دیکھنے لگی اور پھر خوشی خوشی طاہرہ کے گلے لگ گئی۔

''تھینک یو آپی۔'' تھوڑی دیر بعد وہ نہا کر تیار ہو کر فریش ہوئی اور سب سے ملتی پھر رہی تھی' پھر طاہرہ کے پاس کچن میں آئی۔

''میں کیسی لگ رہی ہوں؟'' تہمینہ نے اٹھلا کر پوچھا۔

''میری پری۔'' اس نے دل سے تعریف کی۔

''اب بتاؤ یہ کیک کیسا لگ رہا ہے؟'' طاہرہ نے سائڈ پر رکھے کیک کی طرف اشارہ کیا......

''آپی یہ جلا ہوا کیک آپ نے ٹھیک کر دیا۔'' وہ حیران ہوئی۔

''ہاں نیچے سے تو جلا تھا' بس وہ حصہ الگ کر کے ٹوپنگ اور کریم سے سیٹ کر دیا۔'' اس نے کہا۔

''واؤ آپی یو آر گریٹ' اب میری دوستیں آئیں گی تو میں انہیں اپنا ''انعام'' میں ملا ہوا سوٹ دکھاؤں گی اور کیک بھی۔'' وہ ایک بار پھر بہن کے گلے لگ گئی۔

اور طاہرہ اپنی چھوٹی بہن کی اچھی زندگی اور استقامت کی دعا مانگنے لگی۔

عمر قید کے مجرم

سمیہ عثمان

وہ ایئرپورٹ سے کیب لے کر اپنی مطلوبہ جگہ کا ایڈریس سمجھا کر اس میں سوار ہوگئی۔ وہ لاہور سے اس وقت ایک سیمینار اٹینڈ کرنے کراچی آئی تھی۔ دو دن کے اپنے قیام میں وہ اپنی مصروفیات کو ذہن میں ترتیب دیتے ہوئے یونہی ذرا سی گردن موڑ کر باہر دیکھنے لگی۔

بیس سال پہلے وہ اس شہر سے رخصت ہو کر لاہور چلی گئی تھی اور اب ان بیس سالوں میں کتنا کچھ بدل گیا تھا گو کہ جب تک اماں ابا زندہ رہے اس کا اس شہر سے رشتہ رہا لیکن ان کے انتقال کے بعد وہ وہیں لاہور کی ہو کر رہ گئی تھی۔ باقی رشتہ داروں سے خاص موقعوں پر ملاقات ہو جایا کرتی مگر وہ کبھی خاص وقت نکال کر ان سے ملنے نہیں آئی تھی۔ البتہ احسن کاروباری سلسلے کے تحت سال میں دو تین بار کراچی ضرور آتے تھے۔ اس کی اپنی مصروفیات زیادہ تھیں اس لیے کبھی احسن کے ساتھ آنے کا سوچا ہی نہیں بلکہ خیال ہی نہیں آیا تھا ورنہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے عورت میں شکی مزاج کوٹ کر درآتا ہے اس نے بچنے کے لیے خود کو مصروف کرلیا۔ کوالیفکیشن اچھی تھی اس لیے پہلے اسکول پھر کالج اور اب یونیورسٹی میں پروفیسر تھیں زندگی جتنی مصروف ہوگئی اتنی ہی آسان لگی یا پھر اسے خود ایسا لگنے لگا تھا۔ وہ اس وقت راستے اور باہر بھاگتی دوڑتی گاڑیوں کو دیکھنے میں مصروف تھی۔ جب فائیو اسٹار ہوٹل کے سامنے کیب رکی تو وہ ایک دم سے چونک سی گئی اور پھر ڈرائیور کو کرایہ دیتے ہوئے کیب سے اتر کر ہوٹل میں داخل ہوگئی۔ سیمینار میں مختلف کالج و یونیورسٹیز کے اساتذہ اور اسٹوڈنٹس آئے ہوئے تھے۔ ایک گول ہال نما کمرے میں اسٹیج اور بینچز رکھی گئی تھیں اور بہت سادہ سے انداز سے اسٹیج کو سجایا گیا تھا جب کہ روم کے کارنر میں پھولوں کے گل دان سجائے گئے تھے۔ وہ ایک سرسری سی نظر سب چیزوں پر ڈال کر اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئی۔ اسے یہاں اسپیچ بھی کرنی تھی۔ اس لے ذہن میں لفظوں کو ترتیب دیتے ہوئے باقی اسٹوڈنٹس کی تقریر سننے کے ساتھ اسلامک اسکالر کی باتیں بھی بغور سننے کے ساتھ ایک پیپر پر کچھ پوائنٹس بھی لکھتی جارہی تھی۔ اس بات سے بے خبر کہ ساتھ بیٹھی خاتون اسے بہت غور سے دیکھ رہی ہے وہ شاید کسی اسٹوڈنٹ کے ساتھ آئی تھیں۔ جب ہی اس کا نام اناؤنس ہوا تو دونوں ایک ساتھ چونکیں۔

”فاریہ......“ ساتھ بیٹھی خاتون کے لہجے میں پہچان کے ساتھ اشتیاق بھی شامل تھا۔ جب کہ فاریہ سمجھے بغیر اعتماد کے ساتھ چلتی ہوئی اسٹیج پر پہنچ گئی اور اپنے نوٹ کیے گئے نکات سے اپنی تقریر جوڑتی حاضرین سے مخاطب تھیں جب کہ وہ خاتون اس کے ہر انداز کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ تقریباً پندرہ منٹ کی تقریر کے بعد فاریہ اپنی نشست پر واپس آ کر بیٹھی تو وہ فوراً اس سے مخاطب ہوئی۔

”تم تو بالکل بھی نہیں بدلی فاریہ......“ اس کی بات پر فاریہ اس کو دیکھتے ہوئے پہچاننے کی کوشش کرنے لگی۔

”تم نہیں پہچانو گی۔ پہچاننے کے معاملے میں تمہاری یادداشت بہت کمزور ہے۔“

”جانتی ہو تو پھر میری مشکل آسان کیوں نہیں کردیتی۔“ اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”یہاں نہیں۔ میرے ساتھ میرے گھر چلو پھر بتاؤں گی۔“

”ٹھیک ہے۔“ فاریہ نے کہا تو وہ خوش ہو کر پوچھنے لگی۔

”آج ناں؟“

”نہیں۔“

”پھر؟“

”سیمینار کے اختتام پر۔“

”اوہ......اس میں تو دو دن ہیں۔“ وہ منہ بنا کر بولی تب فاریہ کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

”اور ان دو دنوں میں، میں یہ سوچوں گی کہ تم کون ہو اور ہماری اس سے پہلے کہاں ملاقات ہوئی۔“

”شرطیہ کہہ سکتی ہوں کبھی یاد نہیں آؤں گی۔“ وہ اپنی گردن اکڑا کر بولی تو فاریہ نے محض موضوع بدلنے کی خاطر پوچھا۔

"کراچی جیسے شہر میں سردی کی یہ لہر۔" فاریہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولی۔

"کبھی کبھی ایسے موسم ہم پر مہربان ہوجاتے ہیں۔" وہ مسکرائی اور گاڑی کا رخ اپنی منزل کی طرف موڑ لیا تھا آج اس کی بیٹی اس کے ساتھ نہیں آئی تھی۔

جدید طرز کے بنے ہوئے فلیٹس کے درمیان بنی چھوٹی سی پارکنگ میں اس نے گاڑی روکی تو فاریہ اسے دیکھنے لگی۔

"میں یہیں رہتی ہوں۔" وہ اپنی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے بولی۔ فاریہ اس کی تقلید کرتی گاڑی سے اتر کر اس کے ساتھ چلنے لگی۔ سیکنڈ فلور پر اس کا فلیٹ تھا وہ پرس سے چابی نکال کر ڈور کا لاک کھولتی فلیٹ میں داخل ہوئی تو مسکرا کر فاریہ کو دیکھنے لگی۔

"اندر آجاؤ اور دیکھو میرا چھوٹا سا خوبصورت سا گھر۔" فاریہ اس کے کہنے پر اندر آ گئی ایک ایک چیز پر اس کی نظر بے ساختہ ٹھہر رہی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ہر چیز اس سے کہہ رہی ہو پہچانو۔

"چائے پیو گی یا کافی؟" وہ کچن کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"ویسے تمہاری پسند و ناپسند کے بارے میں مجھے معلوم ہے لیکن صرف اس لیے پوچھ رہی ہوں کہ شاید اتنے عرصے میں پسند بدل گئی ہو۔"

"نہیں پسند بھی نہیں بدلی جب میں نہیں بدلی تو۔ ویسے اب سسپنس چھوڑو اور بتاؤ کہ تم مجھے کیسے جانتی ہو؟"

"سب بتاؤں گی پہلے بیٹھو تو۔" وہ چیئر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی اور خود کیبنٹ میں سے کافی نکال کر پھینٹنے لگی۔

"ہم کالج میں ساتھ پڑھتی تھیں لیکن ہمارے درمیان نہ دوستی تھی اور نہ ہی کوئی اور رشتہ لیکن تم نے کالج کے میگزین میں ایک آرٹیکل لکھا تھا مرد بے وفا ہوتے ہیں اور اس پر ہماری کافی بحث ہوئی تھی۔ میں اپنے دلائل سے تمہیں قائل کرنا چاہتی تھی اور تم اپنے......" وہ کافی تیار کر کے اس کے سامنے آ بیٹھی اور ایک کپ اس کی طرف بڑھا کر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہنے لگی۔

"بس اس بحث نے ہمیں قریب کردیا اور ہم دوست بن گئیں۔ لیکن یہ دوستی بہت طویل نہیں تھی یعنی فوراً فائنل ایگزام ہوئے اور تم کہاں گئی پتا ہی نہیں چلا۔ اس کے بعد اب ملی ہو بس یا اب اپنا تعارف اور کراؤں۔" اپنی بات کے اختتام پر اس کے چہرے پر مسکراہٹ گہری ہوگئی جب کہ فاریہ یونہی سنجیدہ بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔

"ارے یار صالحہ مبارک اب بھی نہیں پہچانا۔" اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تب فاریہ مسکراہٹ ہونٹوں پر دبا کر بظاہر سنجیدگی سے بولی۔

"اتنی پرانی باتیں تمہیں کیسے یاد رہ گئیں؟"

"پتہ نہیں۔" وہ کندھے اچکا کر بولی۔

"تم نے شادی نہیں کی۔"

"کی ہے۔ یونیورسٹی میں ہی ایک لڑکے سے محبت ہوگئی اور دوران تعلیم ہی اس سے نکاح ہوا اور تعلیم مکمل کرتے ہی اس کے ساتھ رخصت بھی ہوگئی۔"

"گڈ یار۔" وہ کھل کر مسکرائی اور کافی کا خالی کپ میز پر رکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"اب بھی اپنی بات سے متفق ہو کہ مرد بے وفا ہوتے ہیں؟"

"وہ نوجوانی کی عمر تھی اس وقت اتنا تجربہ نہیں تھا لیکن اب کچھ حد تک سوچ بدل گئی ہے۔ تمہارے ہزبینڈ کیا کرتے ہیں؟"

"اپنا کاروبار ہے آج کل شہر سے باہر ہیں۔"

"ہاں گھر کی ڈیکوریشن بتا رہی ہے کہ وہ دوسرے شہروں کی چیزیں بھی ساتھ لے کر آتے ہیں۔"

"ہاں کہہ سکتی ہو یہ سب ان ہی کی پسند ہے۔ تم جب تک میرا چھوٹا سا گھر دیکھو میں کھانا پکالوں۔" وہ کہہ کر اپنی جگہ سے فوراً ہی اٹھ گئی جب کہ فاریہ کچھ دیر بیٹھی رہی پھر اٹھ کر دو کمروں کے فلیٹ اور اس کی بالکونی کو دیکھنے لگی۔ جہاں سے تیز ہوتی بارش ایک خوبصورت منظر پیش کر رہی تھی۔ اسے جانے کیوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے یہ سب اس کا ہو۔" ڈیکوریشن بالکل اس کے گھر کی طرح تھی۔ بس فرق صرف فلیٹ اور پانچ مرلہ کے گھر کا تھا جب کہ گھر کے کلر سے لے کر باتھ روم کے باہر رکھی چپل تک کا ڈیزائن ایک جیسا تھا صرف اتنا ہی نہیں صالحہ نے جو سوٹ پہنا ہوا تھا اس نے ابھی پچھلے ماہ ہی بالکل ایسا ہی سوٹ پرانا ہوجانے کی صورت میں ماسی کو دیا تھا۔

"تمہارے میاں اور میرے میاں کی پسند تقریباً ایک

''آپ کسی اسٹوڈنٹ کے ساتھ آئی ہیں۔''

''جی ہاں...... اپنی بیٹی کے ساتھ۔'' وہ اپنی بیٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

''تم کس کے ساتھ آئی ہو؟''

''کسی کے نہیں۔'' نجانے کیوں فاریہ کو پہلی بار خالی پن کا احساس ہوا۔ شاید اب تک کسی نے یہ سوال کیا ہی نہیں تھا۔ یا پھر اس کا انداز کھوجتا ہوا تھا جو بھی تھا فاریہ کا بیٹھنا مشکل ہوگیا۔ تب وہ ایکسکیوز کرتی وہاں سے اٹھ کر ایک طرف تنہائی میں آ کھڑی ہوئی اور نا چاہتے ہوئے بھی اس کے بارے میں سوچنے لگی لیکن ذہن پر زور دینے کے باوجود اس کا عکس ابھر کر نہیں دے رہا تھا۔

سیمینار کا پہلا مرحلہ اپنے اختتام کو پہنچا تو فاریہ اس خاتون سے ملے بغیر اپنے روم میں آ گئی یہ بھی اچھا تھا کہ کراچی آنے سے دو دن پہلے ہی احسن نے اس کے لیے اسی ہوٹل میں روم بک کروا دیا تھا۔ اس لیے اسے رہائش کا مسئلہ نہیں ہوا اور دو دن کی ہی بات تھی کل شام ویسے ہی اسے لاہور روانہ ہو جانا تھا۔ وہ فریش ہو کر واش روم سے نکلی تو بیگ سے بجتا ہوا موبائل نکال کر کان سے لگا لیا۔ دوسری طرف احسن تھا۔

''کیا کر رہی تھیں؟''

''کچھ نہیں۔ ابھی منہ ہاتھ دھو کر روم میں آئی ہوں اور اب چائے کا آرڈر دوں گی۔'' اس نے جلدی سے آگے کا پلان بھی بتا دیا تاکہ وہ اصل بات کی طرف آ جائے اور وہ لہجے میں محبت سمو کر بولا۔

''اگر ایک دو دن کے بعد سیمینار ہوتا تو میں بھی ساتھ ہی ہوتا لیکن ہائے رے مجبوری۔'' احسن کی محبت فاریہ کو آج بھی روزِ اول کی طرح ہی لگتی تھی۔ اس لیے وہ اس پر اندھا اعتماد کرنے کے ساتھ شک جیسی بیماری سے دور تھی۔

''مجبوری نہیں قسمت۔'' وہ تصیح کرتی ہوئی مسکرائی تو دوسری طرف احسن بھی محظوظ ہوا۔

''ہاں ہماری قسمت میں بس ایک ساتھ سفر کراچی سے لاہور تک کا ہی تھا۔ اس کے بعد ہم بس سوچ کر ہی رہ گئے آپ کی اپنی مصروفیت اور میری اپنی۔''

''یہ تو ہے۔ خیر آپ اداس مت ہوں۔ اس بار مل کر کچھ پلان کرتے ہیں۔'' اس کی بات درمیان میں رہ گئی موبائل کی چارجنگ کم ہونے کی وجہ سے آف ہوگیا تھا۔ فاریہ نے ایک نظر موبائل کو دیکھا اور پھر اسے چارج پر لگا کر خود انٹرکام سے کافی کا آرڈر کرنے کے بعد صوفے پر اطمینان سے بیٹھ کر آج کے سیمینار کے بارے میں سوچتے ہوئے اچانک اس خاتون کے بارے میں خیال آیا اور پھر ذہن اس کی باتوں میں الجھ گیا تھا۔

''کون تھی وہ......'' اس کا ذہن وہیں اٹکا جب کہ وہ کل معلوم ہو جائے گا کہہ کر خود کو مطمئن نہیں کر پائی تھی۔

❀......❀......❀......❀

موسم بہت خوب صورت ہونے کے ساتھ ابر آلود بھی تھا اور وقفہ وقفہ سے موتی کی صورت میں زمین پر گرتے بارش کے قطرے ہلکی ہلکی سردی کو مزید ہوا دے کر لوگوں کو ٹھٹھرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ ایسے میں سیمینار کا ماحول کافی گرمی لیے ہوئے تھا اور سردی کا احساس فاریہ کو تب ہوا جب وہ اس کے ساتھ فائیو اسٹار ہوٹل سے نکل کر اس کی گاڑی میں بیٹھی تھی اس نے ابھی تک فاریہ کو اپنا نام نہیں بتایا تھا۔

جیسی ہی ہے۔" فاریہ اس کی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اس کی میک اپ کی چیزوں کو دیکھ رہی تھی۔

"بس پسند ہی ایک ہو۔" وہ شرارت سے کہتے ہوئے ہنسی۔

"تمہارے بچے نہیں ہیں۔"

"نہیں۔" وہ افسردہ سی ہوکر وہیں چیئر پر بیٹھ گئی اور ماضی کی کچھ باتیں اس کے ذہن میں چلنے لگی۔

"احسن ہماری شادی کو پانچ سال ہوگئے ہیں اور ہم اولاد کی نعمت سے محروم ہیں آپ کو ایسا نہیں لگتا کہ ہمیں ڈاکٹر سے چیک اپ کروانا چاہئے۔"

"ایک تو تم عورتوں کو بہت جلدی ہوتی ہے بچے کی۔ ہوجائیں گے۔" اس نے قدرے جھنجلا کر کہا تو فاریہ ناراضگی سے بولی۔

"اور آپ مرد حضرات پتا نہیں بچوں سے کیوں چڑتے ہیں۔ میں کچھ نہیں جانتی مجھے بچہ چاہئے۔"

"تو میری بیگم اللہ سے امید رکھو ڈاکٹروں کے چکر چھوڑو یہ سب فضول ہیں۔" وہ اپنی ٹائی کی ناٹ ٹھیک کرتے ہوئے بولا۔ آج کل اپنا بزنس سیٹ کرنے میں وہ ویسے بھی کافی مصروف تھا اور اب اوپر سے فاریہ اسے روز پریشرائز کررہی تھی کہ وہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے جائے اور چیک اپ کروائے مگر وہ ٹال رہا تھا۔

"ٹھیک ہے مت لے جائیں میں خود ہی چلی جاؤں گی۔" وہ روہانسی ہوئی تو احسن کے دل کو بھی کچھ ہوا تھا فوراً بالوں میں چلتے برش کو بریک لگا اور برش واپس ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ کر اس کی طرف آیا۔

"او کے فاری۔ ہم چلیں گے ڈاکٹر کے پاس لیکن کچھ دن صبر کرلو۔"

"وعدہ کریں کچھ دن سے زیادہ نہیں۔"

"نہیں ہرگز نہیں۔" وہ مسکرا دیا اور پھر احسن نے وعدے کے مطابق ڈاکٹر سے چیک اپ کروایا تھا لیکن رپورٹ لینے وہ خود نہیں جاسکی اور احسن آفس سے لیتا ہوا گھر آیا تھا اس کی تمام تر شوخی اس رپورٹ نے چھین لی تھی۔ احسن باپ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا اور یہ خبر فاریہ کو جہنم کی آگ سے کم نہیں لگی تھی۔ وہ دنوں اس خبر کے زیر اثر پریشانی و مظلومیت کی تصویر بنی رہی تھی پھر وقت کے ساتھ خود کو مصروف کرلیا لیکن

آج بھی احسن اس سے بے پناہ محبت کرتا تھا یا شاید اپنے اندر کی محرومی چھپانے کے لیے وہ اس پر زیادہ توجہ دیتا ہے یہ اس کا اپنا خیال تھا۔

"تم ہاتھ منہ دھو کر فریش ہو جاؤ۔ میں کھانا لگاتی ہوں۔" صالحہ نے پیچھے سے آ کر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھا تو وہ آئینہ میں اس کے عکس کو دیکھ کر مسکرادی۔

❀.......❀.......❀.......❀

باہر بارش تیز ہوگئی تھی اور موسم کی خرابی کی وجہ سے اس کی فلائٹ لیٹ ہوگئی تھی۔ فلائٹ لیٹ ہونے کا میسج دیکھ کر اس نے احسن کو کال کرنے کی کوشش کی لیکن سگنل نہیں آ رہے تھے۔

"تم پریشان مت ہو۔ اسے نیوز سے موسم کا تو پتہ چل ہی گیا ہوگا اور کچھ دیر میں بارش رک ہی جائے گی۔ میں جب تک چائے بنا کر لاتی ہوں۔ ویسے ایمان سے میرا دل نہیں چاہ رہا کہ تم جاؤ اصل میں میرا بھی کوئی ہے نہیں۔ ایک بھائی ہے اور وہ بھی کینیڈا اور امی بابا کی ڈیتھ ہوگئی ہے اب یہاں میں بالکل اکیلی ہوں جب کہ وجیہہ کی بہن بھائی اور بابا جرمنی اور ترکی میں رہائش پذیر ہیں۔" وہ وجاہت کے بہن بھائی اور بابا کا سن کر ایک دم چونکی۔

"اچھا احسن کے رشتے دار بھی جرمنی اور ترکی میں ہوتے ہیں۔"

"اچھا۔ اب کہیں شہر ایک ناں ہو۔" صالحہ کھلکھلا کر ہنسی۔

"مجھے شہر کا نہیں پتا۔ البتہ ہماری شادی پر احسن کے فادر یہیں تھے۔"

"اور میری شادی پر وجاہت کی بہن۔" صالحہ ہر کام جھٹ پٹ کر رہی تھی ابھی بھی چائے تیار کرنے میں اس نے دیر نہیں لگائی فوراً ہی لے آئی۔

"تمہاری بیٹی ابھی تک نہیں آئی۔" اس نے چائے کے دوران پوچھا۔

"یونیورسٹی میں کوئی تقریب تھی اس کے بعد بارش نے زور پکڑ لیا تو وہ اپنی دوست کے گھر چلی گئی ہے۔ بارش رکے گی تو وہ بھی آجائے گی۔"

"تم کبھی آؤ ناں لاہور۔"

"پہلے تو وہاں میرا کوئی تھا نہیں اب تم ہو تو ضرور آؤں گی۔" صالحہ کہہ کر خوامخواہ مسکرائی تو وہ اس کی آنکھوں کی چمک سے متاثر ہوتی ہوئی پوچھنے لگی۔

"تمہاری محبت کی شادی ہے۔"

"ہاں کہہ سکتی ہو۔ میں بابا کی ڈیتھ کے بعد ایک فرم میں جاب کر رہی تھی۔ بس وہیں ایک دو ملاقاتیں ہوئیں پھر انہوں نے اپنی بہن کو رشتہ لے کر بھیج دیا اس وقت امی حیات تھی۔ بس فوراً ہاں ہوگئی۔" وہ ہنسی تھی جیسے سارے واقعات ایک دم سے تازہ ہوگئے ہوں۔ صالحہ چائے کے خالی کپ اٹھا کر کچن میں چلی گئی تو وہ بھی یونہی بالکونی میں آ کر موسم کا جائزہ لینے لگی۔ بارش رک چکی تھی اور اب آسمان بالکل صاف تھا۔ بارش کے بعد ہر منظر دھلا اور نکھرا ہوا لگ رہا تھا۔ لیکن ساتھ ہی سردی کی شدت بھی ایک دم بڑھ گئی تھی اور اسے بھی موسم نے اپنی لپیٹ میں لیا تھا جو ایک دم ہی بے تحاشا چھینکیں آنے کے ساتھ آنکھوں اور ناک سے پانی بہنے لگا تھا اور اس وقت نجانے صالحہ کہاں تھی ورنہ اس سے پوچھ کر کوئی ٹیبلیٹ لے لیتی۔ وہ خود ہی بیڈ کی سائیڈ دراز میں سے ٹیبلیٹ تلاش کرنے لگی کہ اچانک ایک تصویر اس کے ہاتھ آئی ساتھ ہی وہ زلزلوں کی زد میں آ گئی تھی۔

"احسن۔" اس کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی جب کہ وہ حیرت اور بے یقینی کی اتھاہ میں تھی۔ احسن کے ساتھ صالحہ مبارک اپنی گود میں ایک چھوٹی سی بچی کو لیے ہوئے احسن کے ساتھ شانے سے شانہ ملا کر کھڑی تھی۔

"یعنی کمی مجھ میں تھی اور......" ایک سوچ نے اس کے دل پر وزنی سل رکھی تھی۔ ساتھ ہی تکلیف کے باعث آنکھوں سے نجانے کب کی رکی ہوئی بارش برس پڑی تھی۔

"میں کبھی باپ نہیں بن سکتا فاریہ۔" اس کے ٹوٹے لہجے کی بازگشت اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ پھر اب یہ کیا تھا۔

"اگر وہ واقعی باپ نہیں بن سکتے تھے اور یہ ہی حقیقت ہوتی تو کیا میں اس سے الگ ہو سکتی تھی نہیں کیونکہ عورت کی ذات ہی وفا میں گندھی ہے اور مرد تو ہے ہی بے وفا اور اب اگر اس سے سوال کروں گی تو ہزار جھوٹ میں جو سچ ہوگا وہ یہ بچی اور میں بنجر زمین یا پھر ادھوری عورت مرد تو اولاد ہوتے ہوئے دوسری شادی کر لیتا ہے پھر جھوٹ کیوں۔"

"ارے فاریہ۔" صالحہ کی آواز پر اس نے فوراً تصویر دراز میں رکھ دی اور آنسو صاف کرتے ہوئے بغور اسے دیکھنے لگی۔

"کیا یہ واقعی بے خبر ہے کہ اس نے ایک عورت کے حق پر

ڈاکہ ڈالا ہے۔ ہم عورتیں یہ کیوں نہیں سوچتیں کہ کل کو ہمارے اپنے بچوں کے ساتھ بھی یہ سب ہوسکتا ہے۔'' اس نے بہت دکھ سے سوچا۔

''بارش رک گئی ہے۔ لائٹ نہیں ہے ایک دو لائٹس یو پی ایس سے چل رہی ہیں اب پتہ نہیں یہ بھی کب جواب دے جائیں تم کھڑی کیوں ہو بالکونی سے ہوا بہت ٹھنڈی آرہی ہے تمہیں ٹھنڈ لگ جائے گی۔'' وہ فاریہ کا جواب نہ پاکر بھی اپنے آپ بول رہی تھی جبکہ وہ بس اسے دیکھے جارہی تھی۔

صالحہ نے آگے بڑھ کر پہلے گیلری کا دروازہ بند کیا پھر اس کا ہاتھ تھام کر اسے بیڈ پر اپنے ساتھ بیٹھا لیا۔

''تم آگئی تو وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔ سچ بہت مزہ آیا اور تمہیں۔''

''مجھے تو آنا ہی تھا۔'' وہ ذومعنی بات کہہ گئی جب کہ صالحہ سمجھی نہیں۔

''مجھے اب چلنا چاہئے۔ فلائٹ کا ٹائم ہوگیا ہے۔''

''اب آنا تو سیدھا میرے پاس ہی آنا۔'' صالحہ کی بات پر اس نے مسکرانے پر اتفاق کیا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی صالحہ نے بھی اس کی تقلید کی۔

''تمہارے ہزبینڈ تو آتے ہیں ناں کراچی؟''

''ہاں۔''

''تم ان سے یہاں کی کون سی خاص چیز منگواتی ہو؟'' صالحہ کے اندر نجانے کس بات کا تجسس تھا وہ خود بھی نہیں۔ مگر اپنی زبان کو چاہتے ہوئے بھی شکوہ کرنے سے نہیں روک پائی تھی۔

''پہلے بھی کچھ نہیں منگوایا اور اب بھی نہیں ہاں البتہ ایک گزارش ضرور کروں گی۔''

''کیا؟'' وہ اس کے انداز پر چونک کر نا سمجھی کے عالم میں اسے دیکھنے لگی۔ جب کہ وہ اپنے آنسوؤں پر بند باندھتے خود پر مشکل سے ضبط کرتے ہوئے بولی۔

''کہ جب وہ تمہارے پاس سے آیا کرے تو تمہاری خوشبو یہیں چھوڑ آیا کرے۔'' اس کے بعد وہ رکی نہیں بلکہ صالحہ مبارک کو حیرت کدے میں چھوڑ کر تیزی سے وہاں سے نکل آئی تھی۔

❀

پھر چاند نے چپکے سے کہا

عائشہ پرویز

افق کی جانب اٹھے ابر و الٰہی
اور چاند نے چپکے سے کہا عید مبارک

پریزے کے آج تیور کچھ زیادہ ہی بگڑے ہوئے تھے۔ دو روز بعد ماہ رمضان کا آغاز تھا اور اینان نے آج بھی اس کے ساتھ شاپنگ پر جانے سے انکار کر دیا تھا۔ چونکہ یہ شہر اس کے لیے نیا تھا' تو وہ خود بھی کہیں نہیں جاسکتی تھی۔ پریزے کے گھر والے شعبان ہی کے مہینے میں رمضان کی تیاری کر لیتے تھے۔ گھر کی صفائی' رمضان کا سودا سلف' یہاں تک کہ جمعتہ الوداع اور عید کے کپڑوں کی شاپنگ بھی تاکہ پورا رمضان یک سوئی سے اللہ کی عبادت میں گزارا جاسکے اور پھر ایک وجہ یہ بھی تھی کہ رمضان کے آخر میں ابا اور بڑے بھیا اعتکاف کے لیے مسجد چلے جاتے اور پھر جب چاند رات کو آتے' تو ابا اور بھائی کے ساتھ' امی' بھابی اور تینوں بہنیں چوڑیاں پہننے جاتے۔ یہ سب کچھ اسے کتنا اچھا لگتا تھا اور وہ اب بھی یہی چاہتی تھی کہ رمضان سے قبل ہی تمام خریداری مکمل کرلے لیکن اینان نے سودا سلف تو گھر کے ملازم سے منگوا دیا' مگر عید کی شاپنگ ساتھ کرنے کے بجائے آن لائن شاپنگ کا مشورہ دے کر چلا گیا تھا اور وہ اسی بات کو لے کر صبح سے روئے جارہی تھی۔

ان کی شادی کو چھ ماہ کا عرصہ گزرا تھا اور اس عرصے میں اسے اینان کی رفاقت صرف ایک ماہ ہی میسر رہی' پھر اس کا مجازی خدا اپنے دفتری معاملات میں بے حد مصروف ہوگیا۔ دراصل اینان نے حال ہی میں دوست سے پارٹنرشپ ختم کر کے اپنا علیحدہ بزنس شروع کیا اور اب اسے سیٹ کرنے میں دن رات ایک کر رہا تھا تاکہ وہ پریزے کو دنیا بھر کی آسائشیں فراہم کرسکے لیکن پریزے اس وقت یہ سب باتیں سمجھنے سے قاصر تھی۔

پریزے پانچ بہن بھائی تھے۔ تین بہنیں دو بھائی اور پھر بھابیاں اور اماں' ابا...... سب بہت مل جل کر رہتے پھر بڑی بہن بیاہ کر خالہ کے گھر گئی تھی' اس کا سسرال قریب ہی تھا' اسی لیے ہر دوسرے تیسرے دن میکے آجاتی۔ البتہ اس کی شادی دوسرے شہر میں بن ماں باپ کے اینان سے ہوئی تھی وہ دو بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا۔ بہنیں شادی شدہ اور بیرون ملک مقیم تھیں' جو اپنے لاڈلے بھائی کی شادی کر کے واپس جاچکی تھیں۔ اپنوں سے دور کسی دوسرے شہر میں اکیلے رہنا پریزے کے لیے اب انتہائی تکلیف دہ ہوتا جارہا تھا۔ یوں تو اینان اچھی عادات واطوار کا مالک تھا' مگر جذبات کے اظہار میں ذرا سا کنجوس تھا وہ جو پریزے کے لیے محسوس کرتا' اسے بیان کرنے سے قاصر رہتا اور یہی بات ان دونوں کے درمیان فاصلے حائل کرتی جارہی تھی۔

اس روز اینان شام کو جب گھر آیا تو اسے لگا کہ پریزے کچھ خفا سی ہے۔ لہٰذا اس نے کھانا کھانے کے بعد آن لائن شاپنگ کی ویب سائٹ کھولی اور پریزے کو آواز دے کر کہا۔

''دیکھو پریزے کتنے اچھے جوڑے ہیں' تمہیں جو پسند آئے' اپنے لیے آرڈر کرلو۔'' پریزے نے پہلے تو اسے حیرت سے دیکھا اور پھر مانیٹر پر نظر ڈالتے ہوئے بولی۔

''اس قدر مہنگے ملبوسات کا فیبرک آن لائن چیک نہیں ہوسکتا اور پھر میں تو جب تک کپڑوں کو ہاتھ میں پکڑ کر نہ دیکھوں' تسلی ہی نہیں ہوتی۔'' اینان نے مانیٹر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

''تم کہاں مارکیٹ جا کر ہلکان ہوگی' بہتر یہی ہے کہ ان ہی میں سے کوئی پسند کرلو اور اگر ڈریس گھر آنے کے بعد تمہیں اچھا نہ لگے تو' پھر خالہ کے ساتھ چلی جانا' فی الحال

میرا جانا تو مشکل ہے۔'' اس اثناء میں اینان کا موبائل بجا تو وہ کمرے سے باہر چلا گیا اور پریزے منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگی کہ ''دکان دکان گھومنے' چیزیں خریدنے سے زیادہ ان کی قیمتیں پتا کرنے' دکان داروں سے بحث کر کے پیسے کم کروانے اور پھر تھک ہار کر گھر آنے میں جو مزہ ہے وہ چیزیں آرڈر کر کے گھر منگوانے میں کہاں۔''

دوسرے دن رمضان المبارک کے بابرکت مہینے کا آغاز تھا۔ اینان رات کو دیر سے گھر آیا تو پریزے نے کھانا کھانے کے دوران اس سے پوچھا۔

''کل روزہ ہے آپ سحری میں کیا کھائیں گے؟''

''ارے پریزے اب میں اتنی دیر سے سوؤں گا تو سحری میں کیسے اٹھ پاؤں گا' تم رہنے دو' خوامخواہ نیند خراب ہوگی۔''

''تو کیا آپ بغیر سحری کے روزہ رکھیں گے؟'' پریزے بولی۔

''ہاں' کیوں نہیں' ویسے بھی میرا وزن آج کل بہت بڑھ گیا ہے بغیر سحری کے روزوں کے بہانے تھوڑا وزن کم ہو جائے گا۔ البتہ میں خود ہی سحری میں ایک گلاس دودھ پی لوں گا اگر اٹھ پایا تو۔'' پریزے تو حیرت اور دکھ کے مارے کچھ بول ہی نہ پائی لیکن برتن دھوتے ہوئے مسلسل یہی سوچتی رہی کہ کیا اینان کے نزدیک روزہ رکھنے کا مقصد صرف وزن کم کرنا ہے' اف کس قدر دنیا دار ہے یہ شخص' اینان بے پناہ دفتری مصروفیات کے باعث دفتر میں ہی روزہ افطار کرتا اور پھر تراویح پڑھ کر گھر لوٹتا۔ پریزے کا اکیلے میں بہت دل گھبراتا تھا یوں ایک دن اس نے اینان سے کہہ ہی ڈالا کہ وہ کم از کم گھر پر روزہ ہی افطار کر لیا کرے۔ جس پر اینان نے کہا۔

''ارے یار! تم اکیلی کہاں ہو' تمہارے پاس موبائل ہے' نیٹ ہے' وائی فائی' واٹس ایپ ہے' سب کچھ تو ہے موبائل پیکج پر گھر والوں سے باتیں کر لیا کرو' یا پھر نیٹ پر دوستوں سے چیٹنگ کر لو۔ ویسے بھی آج کل تو دنیا سمٹ کر ہاتھوں میں آ گئی ہے۔''

''ہاں اینان وسائل تو بڑھ گئے ہیں لیکن رابطے گھٹ گئے ہیں لوگ انٹرنیٹ پر امریکہ میں بیٹھے دوستوں سے بات کر لیتے ہیں مگر پڑوس میں رہنے والوں کی خیریت تک معلوم کرنے کی فرصت نہیں۔ جب گلی میں کوئی کالا سفید شامیانہ لگتا ہے' تب پتا چلتا ہے کہ پڑوس میں کوئی انتقال کر گیا ہے۔ چھٹی کے دن کسی رشتے دار کے گھر ملنے جانے میں جو مزہ ہے' وہ ایس ایم ایس اور موبائل پر باتیں کرنے میں کہاں۔ سنو اینان ٹیکنالوجی انسانوں کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔ تم ویلنٹائن ڈے پر محبت بھرا پیغام بھیجتے ہو' پھر کوریئر سروس کے ذریعے پھول بھی بھیجتے ہو مگر میرے پاس بیٹھ کر میرا حال پوچھنے کی تمہیں فرصت نہیں۔'' یہ سب کہتے ہوئے اس کے لہجے میں خاصی کڑواہٹ سی گھل گئی تھی۔

''تو کیا میں گھر بیٹھ جاؤں؟'' اینان نے ترش لہجے میں پوچھا' تو پریزے خاموشی سے اسے تکنے لگی اور پھر دل

میں ہی اس سے کبھی گلہ نہ کرنے کا عہد کرتے ہوئے کمرے سے چلی گئی۔ اب اپنے اکیلے پن کا حل اس نے یہ ڈھونڈا کہ وہ سب باتیں جو وہ اینان سے کرنا چاہتی تھی' ڈائری میں لکھنے لگی' ہر روز ڈائری لکھنے سے اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہوجاتا تھا۔

اس دن 28 واں روزہ تھا۔ اینان خلاف معمول جلدی گھر آ گیا' کمرے میں داخل ہوا تو دیکھا پریزے سو رہی ہے اور اس کے پاس ایک ڈائری کھلی رکھی ہے۔ اس نے سوچا کہ شاید کچھ لکھتے لکھتے پریزے کی آنکھ لگ گئی ہے۔ اس نے ڈائری بند کرنا چاہی' تو اس میں جگہ جگہ اپنا نام لکھا دیکھ کر چونکا اور تجسس کے مارے ڈائری لے کر چپ چاپ باہر آ گیا۔ کچھ ہی دیر میں اس نے پوری ڈائری پڑھ ڈالی۔ پریزے کی ڈائری نے اس پر حقیقتوں کے وہ در وا کردیے جن پر غلط فہمیوں کے کئی پردے پڑے تھے۔ پریزے مشرقی گھرانے کی بہت حساس دل لڑکی تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتیں اس کے نزدیک بہت اہمیت رکھتی تھیں۔ اینان جب اس کا مرجھایا ہوا چہرہ دیکھتا' تو سوچتا کہ شاید پریزے اس کے ساتھ خوش نہیں یا پھر یہ شادی اس کی مرضی کے بغیر ہوئی ہے۔ وہ اسے دنیا کی ہر سہولت دینے کی کوشش کرتا' پھر بھی وہ بجھی بجھی دکھائی دیتی' مگر آج اینان کو سمجھ آیا کہ پریزے کے پاس سب کچھ تھا' مگر شوہر کی رفاقت نہ تھی۔ اینان نے ڈائری پڑھ کر اسی طرح پریزے کے پاس رکھ دی اور خود گھر سے باہر چلا گیا۔

اگلے دن 29 واں روزہ تھا۔ پریزے حسب معمول چھت پر اکیلی آسمان کو تکتے ہوئے اپنے گھر والوں کو یاد کررہی تھی کہ اچانک ہی اینان آ گیا۔ اس نے حیرت سے دیکھا' تو وہ خود ہی بول پڑا۔

''میں نے سوچا کہ آج گھر پر تمہارے ساتھ افطار کروں گا اور پھر ہم مل کر عید کا چاند دیکھیں گے۔'' یہ کہتا ہوا وہ پریزے کے قریب چلا آیا اور پھر دھیرے سے بولا۔

''پریزے مجھے معاف کرنا ان ساری تکلیفوں کے لیے' جو میں نے جانے انجانے میں تمہیں دیں اصل میں میں نے پوری زندگی تنہا ہی گزاری ہے' جب مما' پپا زندہ تھے' تو پڑھائی کے سلسلے میں ملک سے باہر رہا' واپس آیا تو مما پاپا زندہ نہیں رہے۔ بہنوں کی شادیاں تو پہلے ہی ہوگئی تھیں۔ ایک گھر اور خاندان کی اہمیت کیا ہے' مجھے نہیں پتا تھا مگر اب یہ تم نے مجھے سکھا دیا ہے اور ہاں...... آج افطار کے بعد ہم مارکیٹ بھی جائیں گے' تمہیں چوڑیاں پہننے بھی تو جانا ہوگا اور پھر عید کے لیے سویاں اور میوے وغیرہ بھی تو گھر میں نہیں ہیں۔ وہ بھی لیتے آئیں گے۔'' پریزے کو ایک لمحے کو تو لگا کہ وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے' خواب ہی کی سی کیفیت میں اس نے اینان کو بتایا کہ......

''سویاں اور میوے اور عیدی تو آج اماں نے کوریئر سروس سے بھیج دیے ہیں۔''

''اچھا......! وہ تو میکے کی عیدی ہوئی ناں' ہم بھی تو اپنی دلہن کو اس کی پہلی عید پر اچھی سی عیدی دیں گے' لیکن ایک بات ہے' آپ کی عیدی لے کر بھیا کو خود آنا چاہیے تھا۔ بھلا یہ کوریئر سروس بھی انسانوں کا نعم البدل ہوسکتی ہے؟'' اینان نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

''جناب......! بھیا اعتکاف میں ہیں' وہ عید کے روز ضرور آئیں گے۔'' پریزے نے جھٹ صفائی پیش کی۔

''اوہو...... بھیا کی اتنی طرف داری اور ہم سے بے وجہ کی ناراضی۔'' اینان نے مسکرا کر اسے پھر سے چھیڑا تو اس نے نظریں چراتے ہوئے آسمان کی جانب دیکھا جہاں باریک سا ہلال عید بھی مسکراتے ہوئے انہیں زندگی کی خوشیاں ملنے پر مبارک باد دے رہا تھا۔

قراۃ العین حیدر

عینی آپا ہمیں اپنے سامنے پاکر ایک دم سے چونکیں تو ہم بھی چونک اٹھے وہ بوائے کٹ اورنج بالوں اور میلی ساڑھی پر پشمینے کی سال خوردہ شال میں خاصی مریض اور ماتمی لگ رہی تھیں۔ پروین صوفے کے کنارے پر ایسے ٹک کر بیٹھ گئی جیسے ابھی موقع ملتے ہی بھاگ جائے گی کیونکہ ان کے چہرے پر ناگواری و بیزاری کے نشانات مرقوم دیکھ کر پروین مضطرب نظر آنے لگی تھی، "اچھا تو تم ہو پروین شاکر" انہوں نے عینک سے جھانکتے ہوئے قدرے ترشی سے کہا، پھر مجھے اور جاوید کو غور سے دیکھا حالانکہ ہمیں تو وہ اچھی طرح پہچانتی تھیں لیکن نگاہوں میں اپنائیت کی ہلکی سی جھلک بھی نہیں تھی پروین ایسے کوفت زدہ ماحول میں عموماً جی پر اکتفا کر کے دوسروں کو بولنے کا موقع فراہم کیا کرتی تھیں، اس وقت اس جیسا سامع کوئی اور نہ ہوتا تھا آج بھی اس نے ایسا ہی فیصلہ کرلیا تھا۔

تم نے "آگ کا دریا" کے بارے میں کوئی نتیجہ تو اخذ کیا ہوگا، وہ پھر تلخی سے بولیں اور ایک طنزیہ مسکراہٹ ان کے جھریوں سے اٹے ہوئے چہرے پر پھیلی۔

"جی، بامعنی اور بہت وزنی کتاب تھی۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"یہ بتاؤ کہ مجھے کیا حاصل ہوا اپنا ملک، اپنا گھر، اپنا خاندان چھوڑ کر اسی ملک نے پناہ دی۔" وہ زہر آلود لہجے میں بولی تو ہم خاموشی سے ایک دوسرے کو تکنے لگے جیسے ہماری ان سے ملاقات کا شرف حاصل کرنے کی خواہش سراسر نادانی ہو۔

پاکستان میں بقول ان کے ان کا قیام خاصا اذیت دہ تھا کیونکہ میں بالکل سچی اور کھری تھی اس لیے سب کی نظروں میں چبھنے لگی تھی، جاوید نے انہیں کچھ باتوں کے معقول جواب دیے ان کی عمر کا لحاظ رکھتے ہوئے انہیں تسلی وتشفی بھی دینے کی کوشش کی مگر وہ اپنے خیالات پر ڈٹی رہیں کبھی ترش وکڑوی اور کچھ بے معنی اور بہکی ہوئی باتیں کرتی رہیں اور خوب تازیانے برساتی رہیں جنہیں برداشت کرنا بے حد ضروری تھا کیونکہ وہ ہم سے بڑی تھیں آج بھی پروین بہترین سامع ثابت ہوئی تھی۔

جہاں بحث و مباحثہ پریشانی بننے کے مواقع واضح ہوتے تو وپ ایسی خاموشی اختیار کرلیا کرتی تھی کہ سوائے جی، ہاں اور درست کے علاوہ اس کی زبان بقیہ ادائیگی کو بھول جایا کرتی تھی آج بھی کچھ ایسا ہی سماں تھا ہم انہیں اس مختصر ملاقات میں مزید مضطرب کر کے واپس گاڑی میں بیٹھے تو پروین کا ایک ہلکا سا نسوانی قہقہہ فضا میں بکھرا اور نہایت راز داری سے بولی، رف اپنا تو فیوچر نظر آ گیا بڑھاپے کی حواس باختگی، احساس شکستگی اور خود کلامی کی اذیت اور ندامت سے رب العزت محفوظ رکھے۔

وہ دعا مانگے جا رہی تھی اور ساتھ شریر مسکان لبوں پر تھی گھر پہنچنے تک قرۃ العین حیدر ہماری گفتگو کا محور بنی رہیں، ہماری باتوں میں اس عالیشان عمارت کو کھنڈرات میں منتقل ہوتے دیکھ کر تاسف اور دکھ تھا۔

ان کی کھری کھری باتوں نے ہمیں شرمندہ نہ کیا تھا بلکہ ہمیں ان پر بے پناہ ترس و رحم آ رہا تھا کہ وقت نے ان کی جوانی کو تو نگل ہی لیا تھا ساتھ ہی ہوش و خرد پر بھی تالے لگا دیے تھے، لیکن تمام منفی حادثات ذہن میں اور ان کے اثرات ان کی زبان میں محفوظ ہو گئے تھے جنہیں وہ دن میں نجانے کتنی بار دہراتی ہوں گی تڑپتی ہوں گی خود کو رلاتی ہوں گی، میں نے ماحول میں گمشدہ پروین کو ہلکے سے ہلایا اور پیار سے پوچھا آپ نے تو اس ملاقات میں سوائے پچھتاوے اور پریشانی کے کچھ حاصل نہیں کیا آئی ایم سوری میں جانے سے پہلے آپ کو ان کی حواس باختہ باتیں اور زہریلا بے لحاظ رویہ نہ بتا سکی۔ ان کا ہر پاکستانی کے ساتھ ایسا ہی رویہ ہے۔

کوئی بات نہیں، میں پھر بھی انہیں ملنے ضرور جاتی مجھے ان کی باتوں نے قطعاً ہرٹ نہیں کیا رف اس وقت انہیں کسی سہارے کی ضرورت ہے جوان کی لک آفٹر کر سکے عورت کو ہر صورت اور ہر حال میں ایک بار شادی کرنے کا فیصلہ ضرور کرنا چاہیے ناکامی یا کامیابی تو رب العزت نے مقدر میں درج کر دی ہوتی ہے اس سے تو ہم مقابلہ نہیں کر سکتے اب دیکھیں کہ گیتو میری جوانی کا محافظ اور بڑھاپے کا سہارا ثابت ہوگا۔

مجھے انہیں یوں تنہا دیکھ کر آج یہ خوش کن احساس شدت سے ہوا کہ میں اکیلی نہیں ہوں زمانہ میرے ساتھ ہے شاید مجھے ان سے یہی درس لینا تھا جو ملنے چلی آئی، وہ سنجیدگی سے بول رہی تھیں چہرے پر حد درجہ کا اطمینان پھیل گیا تھا۔

جیون کو زہر کو متھ کر امرت نکالنے والی موہنی
بھرا پیالہ ہاتھوں میں لیے پیاسی بیٹھی ہے
وقت کا راہو گھونٹ پہ گھونٹ بھرے جاتا ہے
دیوی بے بس دیکھ رہی ہے!
پیاس سے بیکل ہے اور چپ ہے!
ایسی پیاس کہ جیسے
اس کے ساتوں جنم کی چبھ یہ کانٹے گڑے رہے ہوں
ساگر اس کا جنم بھون
اور جل کو اس سے بیر
ریت پہ چلتے چلتے اب تو جلنے لگے ہیں پیر
ریت بھی ایسی، جس کی چمک سے
آنکھیں جھلس گئی ہیں
طیب رزق کی دعا قبول ہوئی آخر
آب زر سے نام لکھے جانے کی تمنا بھی بر آئی لیکن
پیاسی آتما سونا کیسے پی لے؟
اک سنسار کو روشنی بانٹنے والا سورج
اپنے برج کی تاریکی کو کس ناخن سے چھیلے
شام آتے آتے کالی دیوار پھر اونچی ہو جاتی ہے!

(صد برگ)

(جاری ہے)

سمیہ عثمان

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ

اس عید پر پھر ساتھ ہیں میرے
دوری، تنہائی اور تیری یادیں

مشل خان...... بھیرکنڈ

مجھ کو اک خواب پریشان سا لگا عید کا چاند
میری نظروں میں ذرا بھی نہ جچا عید کا چاند
آنکھ نم کر گیا بچھڑے ہوئے لوگوں کا خیال
درد دل دے کر ہمیں ڈوب گیا عید کا چاند

ارم وڑائچ...... شادیوال، گجرات

اس کی باتوں میں اس کی یادوں میں
کہیں میرا عکس بھی تو جھلملاتا ہوگا
لاکھ مصروف سہی وہ اپنے کاموں میں
مگر عید کا تہوار وہ بھی تو مناتا ہوگا

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

چاند کو ہاتھ لگا آئے ہیں اہل ہمت
ان کو یہ دھن ہے کہ جانب مریخ بڑھیں
ایک ہم ہیں کہ دکھائی نہ دیا چاند ہمیں
ہم اس سوچ میں ہیں عید پڑھیں یا نہ پڑھیں

مرزا علی شیر بیگ...... ٹھٹھہ مغلاں

لگ کے ساحل سے جو رہتا ہے اسے بہنے دو
ایسے دریا کا رخ کبھی موڑا نہیں کرتے

ساریہ چوہدری...... ڈوگہ

یہ جو تکتا رہتا ہے دن رات آسمان کو
کوئی رہتا ہے آسمان میں کیا
یہ مجھے چین کیوں نہیں پڑتا آخر
ایک ہی شخص تھا جہاں میں کیا

ایس چلبلی...... نور پور تھمن

واہ! رے عشق تیرا کیا کہنا
جو تجھ کو جان لے تو اس کی جان لے

سمیہ کنول...... بھیرکنڈ

تلاش مجھ کو نہ کر دشت ویراں میں
نگاہِ دل سے ذرا دیکھ ہر پل تیرے پاس ہوں

کوثر خالد...... جڑانوالہ

یوں تو ہر عید پر یاد بہت آتے ہو
اس بار تیری یاد کچھ اس طرح سے آئی
بازار کو جانے کا وقت میں نے نکالا
کہنے کو مبارک عید کارڈ اٹھا لائی

سباس گل...... رحیم یار خان

چھوڑ کر چل دیئے یوں وہ ملک عدم
عمر بھر کی پونجی پڑی رہ گئی
برکھا چھائی رہی یاد کی آنکھ میں
اور فقط آنسوؤں کی جھڑی رہ گئی

فصیحہ آصف خان...... ملتان

بھولے ہوئے یاد آگئے عید کے دن
بار بار آنسو رُلا گئے عید کے دن
وہ نہ آئیں گے اے دل ناداں
جو ہمیں مجسمہ غم بنا گئے عید کے دن

کرن شہزادی...... مانسہرہ

اس کا ملنا مقدر میں نہیں تھا ورنہ
ہم نے کیا کچھ نہیں کھویا اسے پانے کے لیے

فیاض اسحاق مہیانہ...... سلانوالی

نہیں نگاہ میں منزل تو جستجو ہی سہی
نہیں وصال میسر تو آرزو ہی سہی
نہیں من میں خون فراہم نہ اشک آنکھوں میں
نماز شوق واجب ہے بے وضو ہی سہی

مشی خان...... مانسہرہ

کچھ تم سے محبت ایسی تھی ہم باتیں کرنا بھول گئے
کچھ اور ہی ہم نے کہہ ڈالا جو کہنا تھا وہ بھول گئے
ہم نے تو کہا تھا لوٹ آنا پر تم لوٹ کر آنا بھول گئے

ہوئی رات فلک پر تارے تھے ہم دیا جلانا بھول گئے
انم...... برنالی

تیرے ملنے کی ہر وقت پیاس رہتی ہے
تیری آہٹ کی ہر وقت آس رہتی ہے
سب کچھ ہے دنیا میں پھر بھی نہ جانے
یہ زندگی کیوں اداس رہتی ہے

ارم کمال...... فیصل آباد

اس کے بعد اور بھی سخت مقام آئے گا
حوصلہ یوں نہ گنوا یہ تیرے کام آئے گا
اتنا مایوس نہ ہو گردش افلاک سے تُو
صبح نکلا جو ستارہ سر شام آئے گا

ریما نور رضوان...... کراچی

کس قدر انوکھا ہے رابطہ محبت کا
کب نجانے ہوجائے معجزہ محبت کا
اپنی ذات سے بھی وہ اجنبی لگتا ہے
جس کے ساتھ ہوجائے گا حادثہ محبت کا

مسز نگہت غفار...... کراچی

حادثوں کی زد پہ ہیں تو مسکرانا چھوڑ دیں
زلزلوں کے خوف سے کیا گھر بنانا چھوڑ دیں
تم نے میرے گھر نہ آنے کی قسم کھائی تو ہے
آنسوؤں سے بھی کہو آنکھوں میں آنا چھوڑ دیں

حفصہ یٰسین، عائشہ یٰسین......

ایک شخص مجھ کو زخم شناسائی دے گیا
جب دے نہ سکا پیار تو رسوائی دے گیا
جاتے ہوئے وہ اپنی نشانی کے طور پر
کتنے خلوص سے وہ مجھے تنہائی دے گیا

لائبہ میر...... حضرو

کبھی ٹوٹا نہیں مرے دل سے تیری یاد کا رشتہ فراز
گفتگو جس سے بھی ہو خیال تیرا ہی رہتا ہے

اقراء مسرت اقو...... تلہ گنگ

میں تم سے کیسے کہوں اے مہرباں!
کہ تُو علاج ہے میری ہر اداسی کا

صائمہ ذوالفقار...... اقبال نگر

وہ بات کرنے پر نہیں متفق
اور ہم عید ملنے کی حسرت لیے بیٹھے ہیں

راؤ تہذیب حسین تہذیب......

جو کسی طور مقابل ہی نہیں ہے ان کے
ایسے انسان پہ پھر چشم عنایت کیسی؟
آج پوچھا تو کھلا راز محبت مجھ پر
اہل زر کو کسی مفلس سے محبت کیسی؟

زین الدین شانی...... کراچی

نازک مزاج لوگ تھے جیسے کہ آئینہ
ٹوٹے کچھ اس طرح کہ صدا بھی نہ کرسکے

ثمن الرحمٰن...... حیدر آباد

کچھ میں بھی تھک گئی ہوں اسے ڈھونڈتے ہوئے
کچھ زندگی کے پاس بھی مہلت نہیں رہی
اس کی اک اک ادا سے جھلکنے لگا خلوص
جب مجھ کو اعتبار کی عادت نہیں رہی

اقراء وسیم...... اللہ والا ٹاؤن، کراچی

عید کا دن بھی بس یہی سوچتے گزر جاتا ہے
ہمارے واسطے یہ عید بھی پچھلی عید سی کیوں ہے

ماریہ، طوبیٰ وسیم...... کراچی

مجھے عادت سی ہوگئی ہے صبح و شام لکھتی ہوں
تمہیں دلبر، تمہیں محسن، تمہیں گلفام لکھتی ہوں
میں ہاتھوں پر، کتابوں پر، درختوں پر، دیواروں پر
میں جب لکھوں، جہاں لکھوں تمہارا نام لکھتی ہوں

سحرش اویس...... کوئٹہ

روز ہی بھول جاتے ہو تم ہمیں
ہم تمہارے دوست ہیں کوئی سبق تو نہیں

فائزہ ناز...... جہلم

میں تو خود پر بھی کفایت سے اسے خرچ کروں
وہ ہے مہنگائی میں مشکل سے کمایا ہوا شخص

bazsuk@aanchal.com.pk

کچن کارنر

زہرہ جبین

شیر خورمہ

اجزاء:۔

سویاں (لائٹ براؤن)	ڈیڑھ پلیٹ
دودھ	ڈھائی لیٹر
کنڈینس ملک	ڈیڑھ لیٹر
چینی	ڈیڑھ کپ
چاندی ورق	گارنشنگ کے لیے
بڑی الائچی	تین عدد (صرف دانے نکال لیں)
بادام پستہ چھوہارے	ایک کپ (سلائس کرلیں)
تیل	ایک چائے کا چمچ

ترکیب:۔

پین میں دودھ گرم کریں ایک الگ پین میں تیل گرم کریں اس میں الائچی کے دانے اور سویاں ڈال کر براؤن کرلیں اور دودھ میں ڈال دیں۔ اس میں بادام پستہ چھوہارے ڈال لیں اور ہلکی آنچ پر اتنا پکائیں کہ دودھ آدھا رہ جائے۔ اس میں چینی ڈال کر مکس کرلیں اور پندرہ منٹ اور پکائیں اتارنے سے پہلے کنڈینس ملک ڈال کر مکس کریں اور سرونگ باؤل میں نکال لیں ٹھنڈا کر کے چاندی کے ورق اور ڈرائی فروٹ سے گارنش کردیں۔

نزہت جبین ضیاء......کراچی

ناریل کا حلوہ

اجزاء:۔

چینی	ڈیڑھ کلو
ناریل پاؤڈر	ڈیڑھ کلو
پھیکا کھویا	ڈیڑھ کلو
سبز الائچی	12 عدد (پیس لیں)
پانی	حسب ضرورت

ترکیب:۔

کھوئے میں ناریل ڈال کر ہاتھوں کی مدد سے یکجا کرلیں۔ چینی اور الائچی اور پانی ملا کر شیرہ بنالیں کھوئے اور ناریل کے آمیزے کو شیرے میں ڈال کر پانچ منٹ پکائیں تیار ہونے پر سرو کریں۔

لاڈو رانی......ٹوبہ ٹیک سنگھ

زعفرانی سویاں

اشیاء:۔

سویاں	ایک پاؤ
گھی	ایک چھٹانک
پستہ	ایک تولہ
زعفران	دو ماشے
دودھ	ڈیڑھ پاؤ
کھویا	حسب پسند

ترکیب:۔

چینی کی چاشنی تیار کیجیے کھویا گھی میں صرف دو منٹ تک بھونیے۔ سویاں پانی میں ابالنے کے بعد چھلنی میں پسار لیجیے۔ چاشنی کی پتیلی چولہے پر چڑھا کر بھونا ہوا کھویا چاشنی میں ڈال کر کفگیر سے چلایئے پھر چاشنی چولہے سے اتار لیجیے۔ زعفران اور دودھ ایک اور پتیلی میں ڈال کر جوش دیجیے جب دودھ خشک ہوجائے تو اس پتیلی میں سویاں اور چاشنی ڈال کر کفگیر سے نرم ہاتھ سے چلایئے تاکہ چاشنی اور سویاں یکجان ہوجائیں۔ اس کے بعد سویوں کو تھوڑی دیر کے لیے دم پر رکھ دیجیے پھر پتیلی چولہے سے اتار کر ان میں پستہ کی گریاں باریک کتر کر ڈال دیں۔

نادیہ احمد......دبئی

عید اسپیشل سویاں

اشیاء:۔

سویاں	ایک کپ
کھویا	آدھا کلو
بادام پستہ	حسب ضرورت باریک کٹا ہوا
چاندی کا ورق	سجاوٹ کے لیے
زعفران	ایک چٹکی
تھوڑے سے دودھ میں بھگو دیں	

مکھن	ایک کھانے کا چمچ
دودھ	دو کپ
شکر	آدھا کپ
انڈے	دو عدد
چھوٹی الائچی	آدھا چائے کا چمچ پسی ہوئی

ترکیب:۔

سب سے پہلے ایک پین میں مکھن کو ہلکا گرم کرکے سویاں بھون لیں۔ گولڈن رنگ ہو جائے تو اتار کر رکھ لیں' ایک علیحدہ برتن میں دودھ' کھویا' چینی' چھوٹی الائچی اور زعفران ڈال کر ہلکا سا ابال لیں۔ ایک بیکنگ ڈش لے کر اس میں دو انڈے پھینٹ لیں اور بھنی ہوئی سویاں شامل کردیں اور دودھ والا مکسچر بھی اس میں شامل کردیں اور چمچے سے خوب اچھی طرح مکس کرلیں' ساتھ ہی باریک کٹے ہوئے بادام' پستہ بھی شامل کردیں۔ اوون کو پہلے سے گرم کرکے دو سو پچاس ڈگری سینٹی گریڈ پر رکھ لیں اور ڈش کو اوون میں رکھ کر بیس سے پچیس منٹ کے لیے بیک کرلیں۔ جب یہ اوپر سے گولڈن کلر کی ہوجائے تو نکال کر چاندی کے ورق سے سجادیں اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کاٹ لیں۔

ندا حسنین......کراچی

عید اسپیشل زردہ

اجزاء:۔

چاول	ایک کلو
چینی	ایک کلو یا حسب پسند
دودھ	ایک پیالی
کھویا	ڈیڑھ پیالی
فریش کریم	ایک پیالی
بادام پستہ	ایک پیالی
ثابت ناریل	آدھی پیالی (ٹکڑوں میں کٹا ہوا)
کشمش	آدھی پیالی
اخروٹ	آدھی پیالی
سبز الائچی	چند عدد
چھوہارے	آدھی پیالی
زردے کا رنگ	آدھا چائے کا چمچ
گلاب جامن	چھ عدد
چم چم	چھ عدد
گھی	ڈیڑھ پیالی

ترکیب:۔

چاولوں کو صاف کرکے زردے کا رنگ ڈال کر دو کنی ابال لیں۔ دودھ میں ایک پیالی پانی ڈال کر پکائیں ساتھ ہی چینی اور کھویا حل کریں۔ آخر میں کریم ڈال دیں اور الگ رکھ دیں۔ ایک بڑی دیگچی میں گھی گرم کریں۔ الائچی کے دانے ڈالیں، ابلے ہوئے چاولوں کی تہہ لگائیں پھر چینی مکسچر کی ایک تہہ لگائیں اس طرح تہہ در تہہ لگاتی جائیں ہلکی آنچ پر دم لگادیں۔ ایک فرائی پین میں گھی گرم کریں۔ بادام، پستہ، ناریل، اخروٹ اور چھوہارے کو تل لیں آخر میں کشمش ڈال کر یہ تمام میوہ چاولوں کے اوپر پھیلا کر ڈال دیں پانچ منٹ بعد ڈش میں مکس کرکے نکال لیں۔ گلاب جامن اور چم چم سے سجا کر عید پر پیش کریں اور داد حاصل کریں۔

طلعت نظامی......کراچی

اسپیشل کھیر

ضروری اشیاء:۔

چاول	ایک کپ
چینی	حسب ذائقہ
دودھ	پانچ لیٹر
پستہ	50 گرام
بادام	120 گرام
چھوٹی الائچی	چار عدد
گھی	تھوڑا سا
ناریل	100 گرام

ترکیب:۔

چاول صاف کرکے دھوکر بھگودیں' ایک دیگچی میں گھی گرم کرکے اس میں چاول بھون لیں۔ ہلکی سی چاولوں کی رنگت تبدیل ہونے پر اس میں چار گلاس پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ چاول اچھی طرح گل جائیں تو اس میں دودھ ڈال دیں۔ چھلکوں سمیت بادام پیس لیں (زیادہ باریک نہیں بلکہ ذرا موٹے ہی ہوں) دودھ ڈالنے کے بعد اس میں مسلسل چمچہ چلاتے رہیں نیچے نہ لگے۔ جب دودھ گاڑھا ہوجائے تو الائچی باریک پیس کر شامل کریں اور ساتھ ہی چینی بھی ڈال دیں اور آخر میں بادام ڈال دیں۔ باریک کٹا ہوا پستہ اور

باریک کٹا ہوا ناریل اوپر چھڑک کر سجادیں' مزے دار اسپیشل کھیر تیار ہے۔

حنااشرف......کوٹ ادو

عید اسپیشل کیک

اشیاء:۔

مکھن	8اونس
براؤن شوگر	8اونس
گولڈن سیرپ	4اونس
انڈے	4عدد
میدہ	8اونس
بیکنگ پاؤڈر	ڈیڑھ پیالی
مارملیڈ	4اونس
دودھ	2پیالی

ترکیب:۔

ایک بڑے باؤل میں گھی' چینی' بیکنگ پاؤڈر اور گولڈن سیرپ ملا کر اچھی طرح پھینٹیں' انڈے بھی الگ برتن میں اچھی طرح پھینٹ کر اس میں شامل کردیں اور تھوڑا تھوڑا میدہ بھی شامل کرتے جائیں اور پھینٹتے جائیں۔ سب چیزیں یکجان ہوجائیں تو اس میں دودھ بھی شامل کرلیں اب پہلے سے گریس کیے ہوئے برتن میں یہ آمیزہ ڈالیں اور پہلے سے گرم کیے ہوئے اوون میں 35 سے 40 منٹ کے لیے بیک کرلیں۔ عید اسپیشل کیک تیار ہے' اوپر سے مارملیڈ اور ڈرائی فروٹ سے گارنش کرلیں۔

سحرش فاطمہ......کراچی

فروٹ سویاں

اجزاء

رنگین سویاں	آدھا کلو
دودھ	ایک لیٹر
چینی	250 گرام
کیلا' چیکو (کیوبز میں کٹے ہوئے)	آدھا کلو
اخروٹ	50 گرام
بادام (کٹے ہوئے)	50 گرام
آم (کیوبز کٹے ہوئے)	آدھا کلو

ترکیب:۔

دودھ کو چینی کے ساتھ پانچ منٹ ابالیں۔ ابلتے ہوئے دودھ میں رنگین خوش بودار سویاں ڈال دیں۔ دس منٹ تک بادام اور اخروٹ ڈال کر پکائیں۔ چولہے سے ہٹا کر ٹھنڈا ہونے کے لیے چھوڑ دیں۔ پھر کٹے ہوئے بادام' کیلے' چیکو اس میں ڈال کر مکس کرلیں۔ دو گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ فروٹ سویوں کو ٹھنڈا ٹھنڈا پیش کریں۔

ہالہ وعائشہ سلیم......اورنگی ٹاؤن

شاہی ٹکڑے

اجزاء:۔

ڈبل روٹی کے سلائس	چھ عدد
چینی	ایک کپ
زعفران	ایک چٹکی
کشمش	20 گرام
کھویا	135 گرام
دودھ	ڈیڑھ لیٹر
گھی	100 گرام
بادام (باریک کترلیں)	20 گرام
سبز الائچی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ

ترکیب:۔

ڈبل روٹی کے سلائس کے کنارے کاٹ کر تکون کی شکل میں کاٹ لیں۔ اب ان ٹکڑوں کو گرم گھی میں تل لیں۔ ہلکا براؤن کرکے نکال دیں۔ زعفران کو تھوڑے سے گرم دودھ میں بھگودیں۔ میوے کو بھی گھی میں تل لیں۔ دودھ کو دھیمی آنچ پر ابالیں۔ اتنا ابالیں کہ دودھ آدھے سے بھی کم مقدار میں رہ جائے۔ اب اس میں چینی' زعفران اور کھویا ملادیں۔ ڈش میں تلے ہوئے توس سجا کر دودھ کھویا کی سوس ڈال دیں۔ تلے ہوئے میوے سے سجا کر پیش کریں۔ آخر میں چھوٹی الائچی پاؤڈر ڈال دیں۔ لذیذ شاہی ٹکڑے تیار ہیں۔

رخسانہ اقبال......خوشاب

پسندے کی بریانی

اجزاء:۔

چاول	ایک سیر
گوشت	ایک سیر
گھی	ایک پاؤ
دہی	ڈیڑھ پاؤ
پیاز	ایک پاؤ

ادرک	ایک چچ
لہسن	دو جوئے
کالی مرچ (پسی ہوئی)	آدھا چچ
زیرہ	آدھا چچ
لونگ	چار عدد
زعفران	نصف چچ
مغز بادام	بیس عدد
ناریل	نصف چھٹانک
نمک	حسب ذائقہ
سرخ مرچ	آدھا چچ

ترکیب:۔
بغیر ہڈی کے گوشت کے تکونے پسندے بنوالیں۔ ان کو دھو کر چھری کی نوک سے چھید لیں۔ آدھی دہی میں نمک، ادرک اور لہسن پیس کر ملائیں اور پسندوں پر لگادیں۔ ایک گھنٹہ تک رہنے دیں۔ پتیلی میں گھی گرم کر کے پیاز سرخ کرلیں۔ ناریل اور بادام کا مغز کاٹ کر ڈال دیں۔ اچھی طرح بھوننے کے بعد گوشت اور دہی بھی ڈال دیں۔ ڈھکن مضبوطی سے بند کر کے ہلکی آنچ پر گوشت کو پکنے دیں۔ جب دہی کا پانی بالکل خشک ہوجائے تو تین پاؤ پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر نصف گھنٹہ تک گوشت کے پسندے پکائیں۔ جب پانی خشک ہوجائے اور پسندے گل جائیں تو پتیلی اتارلیں چاول صاف کر کے ایک گھنٹہ تک بھگوئے رکھیں۔ دوسری پتیلی میں گھی گرم کر کے ثابت سیاہ مرچ ایک چچ سیاہ زیرہ، لونگ اور ثابت گرم مسالا ڈال کر کڑکڑائیں اور ڈیڑھ سیر پانی ڈال دیں۔ جب پانی ابلنے لگے تو چاول ڈال دیں۔ چاول گلنے پر اتارلیں۔ اب دوسری پتیلی میں نصف چاول ڈالیں اور اس کے اوپر ایک تہہ چاولوں کی بچھائیں پھر باقی چاول بھی اوپر ڈال دیں اور دس منٹ تک پتیلی دم پر رکھنے کے بعد اتارلیں گرم گرم بریانی پیش کریں۔

طیبہ عبید۔۔۔۔۔کراچی

عید بریانی

اجزاء:۔

چاول	ایک کلو
گوشت	ایک کلو
نمک	حسب ذائقہ

لال مرچ (کٹی ہوئی)	دو چائے کے چچ
ہلدی پاؤڈر	ایک چوتھائی چچ
دھنیا پاؤڈر	ایک چائے کا چچ
زیرہ پاؤڈر	ڈیڑھ چائے کا چچ
لہسن، ادرک پیسٹ	دو کھانے کے چچ
پیاز (پیسٹ بنالیں)	چار عدد
ٹماٹر (چوپ کرلیں)	چار عدد
دہی	ایک کپ
آلو بخارے	چار عدد
کڑھی پتے	چھ عدد
ثابت گرم مسالا	دو کھانے کے چچ
زردہ رنگ	دو چٹکی
گھی	حسب ضرورت
ہری مرچیں	چار سے پانچ عدد (کاٹ لیں)

ترکیب:۔
چاولوں میں ایک کھانے کا چچ ثابت گرم مسالا اور نمک ڈال کر ایک کنی رہنے تک ابال لیں اور پانی نتھار کر اس میں زرد رنگ ڈال کر مکس کر کے ایک طرف رکھ دیں۔ ایک پتیلی میں گھی گرم کر کے اس میں بقیہ ثابت گرم مسالا ڈال کر کڑکڑائیں اب اس میں پیاز پیسٹ ڈال کر ساتھ فرائی کرنے کے بعد اس میں گوشت، لہسن، ادرک پیسٹ ڈال کر تھوڑی دیر بھونیں۔ اس کے بعد اس میں نمک، کٹی لال مرچ، ہلدی پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، زیرہ پاؤڈر، آلو بخارے، کڑی پتے، ہری مرچیں ڈال کر پانچ منٹ تک بھونیں اس کے بعد ٹماٹر اور حسب ضرورت پانی ڈال کر گوشت کے گلنے تک پکائیں۔ ایک دوسری پتیلی میں تھوڑا سا گھی گرم کر کے پہلے ایک تہہ چاولوں کی لگانے کے بعد اس پر گوشت کے آمیزے کی تہہ لگا کر بقیہ چاول ڈال دیں اور دم پر لگادیں۔ مزے دار عید بریانی تیار ہے۔ سرونگ ڈش میں نکال کر دہی کے ساتھ سرو کریں۔

صوفیہ خان۔۔۔۔۔سعودی عرب

آرائش حسن

حدیقہ احمد

عید کا میک اپ

میک اپ کے لیے ہمیں جن چیزوں کی ضرورت ہے۔

TV اسٹک	45.35.36
فیس پاؤڈر	نیچرل شیڈز
Pank Cake	یلیوفیئر' نیچرل
آئی شیڈز	کٹ
آئی لائنر	کیک لائنر
مسکارا	بلیک' براؤن
بلش آن	کٹ
ہائی لائٹر	گولڈن سلور
لپ پنسلز	مختلف کلرز میں
فیس شائنر	گولڈن پنک
لپ اسٹک	مختلف شیڈز
نیل پالش	مختلف شیڈز
فاؤنڈیشن	نیچرل' ہلکا اور ڈارک
گلیٹر	ملٹی شیڈ

بلش آن:

گالوں پر نیچرل سرخی دینے کے لیے اور فیس کو چوڑا یا پتلا کرنے کے لیے بلش آن لگایا جاتا ہے۔ یہ ہر رنگ میں دستیاب ہے۔ گالوں پر جبڑوں کی ہڈی سے شروع ہوکر نیچے یا گولائی میں لگایا جاتا ہے' صرف چہرے کی ساخت کے مطابق بلش آن لگائیں۔

لپ پنسلز

لپ پنسلز سے لپ کو شیپ دیں' جو کلر سوٹ ہو اس کے مطابق لپ پنسل لگائیں۔ ہونٹوں کو شیپ دینے کے لیے اندر کی طرف لپ پنسل یا باہر کی طرف لگائیں۔ موٹے ہونٹ ہوں تو لائن اندر کی طرف دیں اور اگر باریک ہونٹ ہوں تو آؤٹ لائن باہر کی طرف کرکے لگائیں تاکہ ہونٹ خوب صورت نظر آئیں پھر اس کے بعد لپ اسٹک لگائیں۔

فیس شائنر

چہرے کی چمک اور خوب صورتی کے لیے فیس شائنر لگایا جاتا ہے' میک اپ کے بعد آخر میں فیس شائنر کا چھ دیں۔

نیل پالش

سوٹ کے ساتھ میچنگ نیل پالش لگائیں' نیل پالش لگانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ناخن کے درمیان میں ایک برش لگائیں پھر دونوں سائیڈز پر اس طرح یہ خوب صورتی سے لگے گی اور اسکن پر بچ نہیں ہوگی۔ ناخن کے درمیان میں ایک برش پھر ایک برش دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف لگائیں۔

گلیٹر

گلیٹر ہر رنگ میں دستیاب ہے' ہیئر اسٹائل بنانے کے بعد میں جیل کے ساتھ گلیٹر لگائیں یہ ویسے بھی چھڑکا جاسکتا ہے۔

اسٹک

میک اپ کے لیے اسٹک اپنے کلر کو دیکھتے ہوئے استعمال کریں یا دو یا تین ملا کر لگائیں تاکہ اچھا شیڈ آئے اور بیس اچھی بنے' بالکل گوری نہ بنے۔

فیس پاؤڈر یا پین کیک

گرمیوں میں ہم پین کیک استعمال کریں گے کیونکہ یہ واٹر بیس ہے اور اسپنج کو گیلا کرکے استعمال ہوتا ہے۔ پسینے کے ساتھ بیس نہیں اترنی چاہیے' کتنا ہی ٹائم گزر جائے۔

آئی لائنر

آئی لائنر آنکھ کے اوپر پلکوں کے قریب لگایا جاتا ہے۔ ایک طریقہ بالکل سیدھا ہے' دوسرا لمبا پھر موٹا پتلا آنکھ کی شیپ کے مطابق لگایا جائے۔ آج کل کیک لائنر دستیاب ہے اور اس کا رزلٹ بھی اچھا ہے۔ لائنر آنکھ کے نیچے لگائیں' اس سے بھی آنکھ خوب صورت نظر آتی ہے۔

مسکارا

پلکوں کو گھنا اور خوب صورت کرنے کے لیے مسکارا لگایا جاتا ہے۔ یہ آج کل مارکیٹ میں ہر کلر میں دستیاب ہے۔ مسکارا ٹو ان ون لے لیں تو بہت اچھا ہے جس کے ایک سائیڈ پر ٹرانسپیرنٹ مسکارا لگائیں جب یہ خشک

ہوجائے تو پھر بلیک لگالیں۔ اس طرح پلکیں گھنی' خوب صورت لگیں گی اور مصنوعی پلکیں لگانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

ہائی لائٹر

گولڈن یا سلور ہائی لائٹر آنکھ کے پپوٹے پر لگایا جاتا ہے اور آئی بروز کے نیچے آنکھ بڑی اور خوب صورت لگے۔

جلد کی ساخت اور چہرے کی رنگ کے مطابق میک اپ کیجیے

سجنے سنورنے کے لیے جہاں میک اپ کا سامان اور اس کے صحیح استعمال کا جاننا ضروری ہے' وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ میک اپ کرنے سے پیشتر آپ کو یہ علم بھی ہو کہ آپ کے چہرے کے خدوخال کیسے ہیں' آپ کی رنگت کیسی ہے' جلد کی ساخت کیسی ہے اور آپ کے چہرے پر کس قسم کا میک اپ مناسب رہے گا۔ اس کے ساتھ ہی سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپ کو علم ہونا چاہیے کہ کس قسم کی جلد پر کیسا میک اپ ہونا چاہیے۔

چکنی جلد پر میک اپ

چکنی جلد پر ہمیشہ خشک میک اپ کرنا چاہیے' چہرے پر اسکن ٹانک کی بجائے اسٹریجنٹ استعمال کریں اور میک اپ واٹر بیس میں ہو جس سے اسکن پر چکنائی نہیں نکلے گی' میک اپ سے پہلے چہرے پر برف کی ٹکور ضرور کرلیں۔

خشک جلد پر میک اپ

موسچرائزر لوشن خشک جلد کے لیے استعمال ہوتا ہے' یہ جلد کو نمی اور روغن فراہم کرتا ہے۔ چکنی جلد کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ خشک جلد پر آپ میک اپ اسٹک استعمال کرسکتی ہیں۔ جس سے خشکی ظاہر نہیں ہوگی' آئل بیس اس کے لیے بہتر ہے۔

نارمل جلد یا ملی جلی جلد پر میک اپ

یہ جلد سب سے بہتر ہوتی ہے' اس جلد کی حامل خواتین چکنی اور پانی کی آمیزش والی دونوں میک اپ بیس استعمال کرسکتی ہیں۔

زرد رنگت پر میک اپ

پیلاہٹ مائل یا زرد رنگت رکھنے والی خواتین کو گلابی اور ہلکے اورنج شیڈ کے امتزاج والی فاؤنڈیشن یا اسٹک خریدنی چاہیے کیونکہ اس شیڈ کی فاؤنڈیشن لگانے کے بعد ان کے جسم کی جلد کا رنگ چہرے کے رنگ سے زیادہ متضاد نہ لگے گا۔

اس کے علاوہ دوسرا شیڈ پیلاہٹ مائل براؤن اور گلابی کا بھی لیا جاسکتا ہے۔ ان دونوں رنگوں کی فاؤنڈیشن لگانے سے پہلے انہیں یک جان کرلیا جائے' اس سے چہرے پر قدرتی تازگی اور گلابی پن کا احساس پیدا ہوگا۔

سیاہ رنگت پر میک اپ

سیاہ رنگت والی خواتین کو ہلکے نارنجی یا گلابی شیڈ کی فاؤنڈیشن لینا چاہیے۔ اس سے ان کے چہرے پر صحت مند تازگی کا تاثر ابھرے گا اور گورا کرنے کی بالکل کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ اس سے ان کی رنگت اور بری لگنے لگے گی' اس لیے ایسی رنگت پر ایسی بیس استعمال کریں جو دیکھنے میں اچھی لگے۔

حساس جلد پر میک اپ

حساس جلد بہت نازک ہوتی ہے' ایسی جلد رکھنے والی خواتین ہمیشہ جلد کے مسائل کا شکار رہتی ہیں' کبھی دانے نکل آتے ہیں تو کبھی الرجی ہوجاتی ہے ایسی خواتین کو چاہیے کہ وہ جو فاؤنڈیشن استعمال کریں اس میں چکنائی شامل نہ ہو کیونکہ ان کی جلد کے مسامات ویسے ہی زیادہ چکنائی خارج کرتے رہتے ہیں اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ ادویات پر مشتمل فاؤنڈیشن استعمال کریں۔

کیل اور مہاسوں پر میک اپ

ایسی جلد پر میک اپ کرنا بہت مشکل ہوتا ہے' کیوں کہ کیل مہاسے چکنائی کی وجہ سے نکلتے ہیں۔ اس لیے ایسا میک اپ بالکل استعمال نہ کریں جس میں چکنائی ہو' واٹر بیس ہی بہتر رہے گی۔

نزہت جبین ضیاء

غزل

جنگل، پہاڑ، ارض و سماں سوچتے رہے
کیا حکم تھا، کہ شاہ و گدا سوچتے رہے
تھی مختصر حیات جو سوچ میں کٹ گئی
جانے تمام عمر ہم کیا سوچتے رہے
انسانیت کی تذلیل کے لیے
تھے آدمی جو بن کے خدا سوچتے رہے
ہم سے ہماری ذات کا عقدہ نہ کھل سکا
ہم کون ہیں یہ بات سدا سوچتے رہے
جب ہم کو اپنے ہاتھ سے تخلیق خود کیا
پھر کس کے لیے جزا و سزا سوچتے رہے
جب بھی ملے وہ دے گئے زخم اک نیا
ہم زندگی میں جن کا بھلا سوچتے رہے
جس حرف سے ہماری خطائیں معاف ہوں
سجدے میں ایسا حرف دعا سوچتے رہے

شاعر: مظفر بخاری

انتخاب: ریما نور رضوان

اب صرف تم

تم سے بات کرنے کی عادتیں نہیں تھیں جب
یعنی درمیان اپنے چاہتیں نہیں تھیں جب
خوب سوچ لیتا تھا خوب بول لیتا تھا
لیکن اب یہ حالت ہے
تم سے بات گر نہ ہو
سوچ روٹھ جاتی ہے
لفظ جو شناسا ہیں
آشنا نہیں رہتے

شاعر: اعتصام الحق

انتخاب: عائشہ پرویز...... کراچی

غزل

وفا کے نام اک داستان لکھ رہی تھی
مشکل لفظوں کو آسان لکھ رہی تھی
وفا کی تلاش میں سارا جہان لکھ رہی تھی
نہ ملی وفا تو لفظ ناکام لکھ رہی تھی
نہیں ملتے ڈھونڈنے سے بھی وفا کرنے والے
اس لیے سارے جہاں کو بے وفا لکھ رہی تھی
نہ کرنا پیار زندگی میں کبھی میرے دوست
ملتی ہے پیار میں رسوائی یہ بار بار لکھ رہی تھی
کیوں کرتے ہیں پیار میں اتنے وعدے لوگ پروین
پیار میں ٹوٹے ہوئے وعدے ہزار لکھ رہی تھی

شاعرہ: پروین شاکر

انتخاب: رملہ مشتاق...... حاصل پور

غزل

وہ آجائے تو میرا شہر دل آباد ہوجائے
پھر اس کے بعد وہ میرے لیے صیاد ہوجائے
کسی سے عشق کا اظہار خاموشی بھی ہوتی ہے
ضروری ہے کہ کوئی آدمی فرہاد ہوجائے
عجب ہوتی ہے حالت جب کبھی دل مچلتا ہے
کبھی یہ شاد ہوتا ہے کبھی ناشاد ہوجائے
سنہرے خواب تو دیکھے مگر تعبیر کب نکلی
کوئی تو آئے دن ایسا کہ یہ دل شاد ہوجائے
ستم کا دن بھی لمبا اور الم کی رات بھی لمبی
بھلا پھر کیوں نہ کوئی خانماں برباد ہوجائے
وہ کیا دن تھے ذرا احوال اے شہزاد ہوجائے

شاعر: ضیا شہزاد

انتخاب: جویریہ ضیاء...... کراچی

غزل

اک چاند پرانا صدیوں کا جس چاند کے پیٹ میں تارا ہے
اک چاند کے لوگوں نے افلاک پہ آج ابھارا ہے
اس چاند کا چہرہ اجلا ہے اس چاند کا رتبہ عالی ہے
اس چاند میں بھی گن لاکھوں ہیں اس چاند کی پرتپ نرالی ہے
اس چاند کے لو بھی دیوانے، اس چاند کے آلھے گاتے ہیں

اس چاند چراغ کے پروانے، اس چاند کی عید مناتے ہیں
تم چاند نگر کے انشا جی کسی چاند کے عاشق ہوتے ہو؟
کس چاند پہ جی کو کھوتے ہو کس چاند کو شب کو روتے ہو؟

شاعر: ابن انشاء

انتخاب: نادیہ احمد...... دبئی

عیدالفطر کا چاند

دیر تک عید کا چاند بھی رویا ہوگا
جب شہیدوں کے گھروں پر سے وہ گزرا ہوگا
منتظر باپ کے ہیں عید منانے کے لیے
در پہ کچھ بچوں کو روتے ہوئے دیکھا ہوگا
قبر میں سو گئیں کچھ مائیں، اب ان کے پیارے
شیر خواروں کو بلکتے ہوئے پایا ہوگا
چوڑیاں ٹوٹی ہوئی صحن میں دیکھی ہوں گی
کتنی بیواؤں کا بے آسرا پایا ہوگا
ماؤں کی، بہنوں کی اور بھائیوں کی ہے یہ دعا
صدقے میں خون شہیداں کے اجالا ہوگا

شاعر: راؤ تہذیب حسین تہذیب

انتخاب: سباس گل...... رحیم یار خان

آنسو

میرے پہلو میں جو بہہ نکلے ہیں تمہارے آنسو
بن گئے شام محبت کے ستارے آنسو
دیکھ سکتا ہے بھلا کون یہ پیارے آنسو
میری آنکھوں میں نہ آ جائیں تمہارے آنسو
اپنا چہرہ گریباں میں چھپاتی کیوں ہو
دل کی دھڑکن کہیں سن نہ لیں تمہارے آنسو
شمع کا عکس جھلکتا ہے جو ہر آنسو میں
بن گئے بھیگی ہوئی رات کے تارے آنسو
مینہ کی بوندوں کی طرح ہو گئے سستے کیوں آج
موتیوں سے کہیں مہنگے تھے تمہارے آنسو
صاف اقرار محبت ہو زباں سے کیوں کر
آنکھ میں آ گئے یوں شرم کے مارے آنسو
ہجر ابھی دور ہے میں پاس اے جان وفا
کیوں ہوئے جاتے ہیں بے چین تمہارے آنسو

شاعر: اختر شیرانی

انتخاب: پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

کچھ عشق کیا کچھ کام کیا

وہ لوگ بہت خوش قسمت تھے
جو عشق کو کام سمجھتے تھے
یا کام سے عاشقی کرتے تھے
ہم جیتے جی مصروف رہے
کچھ عشق کیا کچھ کام کیا
کام عشق کے آڑے آتا رہا
اور عشق سے کام الجھتا رہا
پھر آخر تنگ آ کر ہم نے
دونوں کو ادھورا چھوڑ دیا

شاعر: فیض احمد فیض

انتخاب: ندا حسنین...... کراچی

غزل

یہ آنکھ بھی، یہ خواب بھی، یہ رات اسی کی
ہر بات پہ یاد آتی ہے ہر بات اسی کی
جگنو سے چمکتے ہیں اسی یاد کے دم سے
آنکھوں میں لیے پھرتے ہیں سوغات اسی کی
ہر شعلے کے پیچھے ہے اسی آگ کی صورت
ہر بات کے پردے میں حکایات اسی کی
لفظوں میں سجاتے ہیں اسی حسن کی خوشبو
آنکھوں میں چھپاتے ہیں شکایات اسی کی
کیا کیجیے اچھی ہمیں لگتی ہے ہمیشہ
دیوانگیٔ دل میں ہر بات اسی کی
جس شخص نے منظر کو نئے پھول دیئے تھے
ہیں دور خزاں پر بھی عنایات اسی کی
آتا ہے نظر مجمع احباب میں عادل
لاکھوں میں اکیلی ہے مگر ذات اسی کی

تاجدار عادل

انتخاب: سحرش فاطمہ...... کراچی

غزل

رات آنکھوں میں ڈھلی پلکوں پہ جگنو آئے

ہم ہواؤں کی طرح جا کے اسے چھو آئے
اس کا دل دل نہیں پتھر کا کلیجہ ہوگا
جس کو پھولوں کا ہنر آنسو کا جادو آئے
بس گئی ہے میرے احساس میں یہ کیسی مہک
کوئی خوشبو میں لگاؤں تیری خوشبو آئے
اس نے چھو کر مجھے پتھر سے پھر انسان کیا
مدتوں بعد میری آنکھوں میں آنسو آئے

بشیر بدر

انتخاب: نازیہ عباسی...... ٹھٹھہ

غزل

آگ لہرا کے چل بہے اسے آنچل کردو
تم مجھے رات کا جلتا ہوا جنگل کردو
میں تمہیں دل کی سیاست کا ہنر دیتا ہوں
اب اسے دھوپ بنا دو مجھے بادل کردو
اپنے آنگن کی اداسی سے ذرا بات کرو
ہم کے سوکھے ہوئے پیڑ کو صندل کردو
تم مجھے چھوڑ کر جاؤ گے تو مر جاؤں گا
یوں کرو جانے سے پہلے مجھے پاگل کردو

وصی شاہ

انتخاب: حنا اشرف...... کوٹ ادو

غزل

راہِ طلب میں کون کسی کا، اپنے بھی بیگانے ہیں
چاند سے مکھڑے، رشکِ غزالاں، سب جانے پہچانے ہیں
تنہائی سی تنہائی ہے، کیسے کہیں، کیسے سمجھائیں
چشم و لب و رخسار کی تہ میں روحوں کے ویرانے ہیں
اُف یہ تلاشِ حسن و حقیقت، کس جا ٹھہریں، جائیں کہاں
صحنِ چمن میں پھول کھلے ہیں، صحرا میں دیوانے ہیں
ہم کو سہارے کیا راس آئیں، اپنا سہارا ہیں ہم آپ
خود ہی صحرا، خود ہی دِوانے، شمعِ نفس پروانے ہیں
بالآخر تھک ہار کے یارو! ہم نے بھی تسلیم کیا
اپنی ذات سے عشق ہے سچا، باقی سب افسانے ہیں

کلام: ابنِ صفی

انتخاب: رخسانہ اقبال...... خوشاب

غزل

دعا کا ٹوٹا ہوا حرف سرد آہ میں ہے
تری جدائی کا منظر ابھی نگاہ میں ہے
ترے بدلنے کے با وصف تجھ کو چاہا ہے
یہ اعتراف بھی شامل مرے گناہ میں ہے
عذاب دے گا تو پھر مجھ کو خواب بھی دے گا
میں مطمئن ہوں مرا دل تری پناہ میں ہے
بکھر چکا ہے مگر مسکرا کے ملتا ہے
وہ رکھ رکھاؤ ابھی میرے کج کلاہ میں ہے
جسے بہار کے مہمان خالی چھوڑ گئے
وہ اک مکان ابھی تک مکیں کی چاہ میں ہے
میں بچ بھی جاؤں تو تنہائی مار ڈالے گی
مرے قبیلے کا ہر فرد قتل گاہ میں ہے

پروین شاکر

انتخاب: مسکان خان...... سعود آباد، کراچی

غزل

کبھی سوال دل میں لے کر جواب ڈھونڈنے نکلا تھا
میں بے وفاؤں کی بستی سے وفا ڈھونڈنے نکلا تھا
کیا عجیب سلسلہ تھا ان کی مسکراہٹوں کا
میں ان مسکراہٹوں پر جان دینے نکلا تھا
کیا انداز تھا اس کی مہکتی ہوئی چاہتوں کا
جن چاہتوں پر میں سب کچھ قربان کرنے نکلا تھا
جب ٹھوکر لگی تو یہ خیال آیا وصی
میں اپنی ہی زندگی برباد کرنے نکلا تھا

شاعر: وصی شاہ

انتخاب: ارم شہزادی ٹی ایم...... ڈنگہ، گجرات

ڈر

اکثر اکیلے میں
لبوں پہ ابھرنے والی شوخ مسکراہٹ
معصوم حنائی ہاتھوں کی تھرتھراہٹ
لبوں سے نکلنے والے
حسین لفظوں میں تیری بات
میری آنکھوں میں بسی تیری تصویر

گا ہے بگا ہے
شوخ سُروں کی گنگناہٹ
لہو میں عجیب سنسناہٹ
حسین ہاتھوں میں تیرے لمس کی خوشبو
ہر ایک سے وہ راز نہ کہہ دے
جسے میں نے خود سے چھپایا ہے

سمیرا غزل

انتخاب: عبیر فاطمہ...... کراچی

غزل

محبت کی سبھی غزلیں ادھر ترتیب دیتی ہوں
سنو اہل وفا والو ہنر ترتیب دیتی ہوں
کہیں جاتا بھی ہو مجھ کو تو پھر راتوں کی وحشت میں
کسی صحرا نو وردی کا سفر ترتیب دیتی ہوں
میرا اہل سخن میں بھی کہیں تو ذکر ہوتا ہے
میں اپنی شاعری ذوق نظر ترتیب دیتی ہوں
میری نظمیں میری غزلیں کسی احساس کی خوشبو
میری شہرت کا باعث میں اگر ترتیب دیتی ہوں
میرے گھر کے دریچے میں کہیں سایہ نہیں ملتا
میں اپنے صحن میں شجر ترتیب دیتی ہوں
میری آنکھیں سمندر کی کبھی لہروں کی صورت میں
فری میں سمندر کے بھنور ترتیب دیتی ہوں

فریدہ جاوید فری

انتخاب: فائزہ احمد...... حیدرآباد

غزل

دل دکھاتے ہیں مجھے فون کیا کرتے ہیں
آزماتے ہیں مجھے فون کیا کرتے ہیں
وہ مجھے درد کے آنسو بھی رُلا دیتے ہیں
پھر مناتے ہیں مجھے فون کیا کرتے ہیں
وہ میرے نام کی غزلیں بھی لکھا کرتے ہیں
گنگناتے ہیں مجھے فون کیا کرتے ہیں
چھوڑ جاتے ہیں میرا ساتھ مہینوں پھر بھی
لوٹ آتے ہیں، مجھے فون کیا کرتے ہیں
مجھ سے ناراض بھی ہوتے ہیں تو اکثر مجھ کو
یوں ستاتے ہیں، مجھے فون کیا کرتے ہیں
دل دُکھانا میرا مقصد تو نہیں ہے جاناں!
وہ بتاتے ہیں مجھے فون کیا کرتے ہیں
تلخیاں وہ بھی زمانے کی سہا کرتے ہیں
ٹوٹ جاتے ہیں مجھے فون کیا کرتے ہیں
رات بھر مجھ کو جگاتے ہیں وہ اکثر راشد
مسکراتے ہیں، مجھے فون کیا کرتے ہیں

راشد ترین

انتخاب: عثمان عبداللہ...... کراچی

تنہا چاند کی شاعرہ

کہنے والے کہتے ہیں
تم ادب کی دنیا کا روشن ستارہ ہو
درد کی اس نگری میں
تازہ ہوا کا جھونکا ہو
تمہارے لفظ دلوں کو تسخیر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں
تمہیں لوگوں کی سوچ کو
مٹھی میں بند کرنے کا قرینہ آتا ہے
تمہیں ٹوٹے دلوں کی داستان کو
صفحہ قرطاس پر رقم کر کے
لوگوں میں سرور بانٹنے کا فن آتا ہے
میں یہ سب سنتی ہوں تو ہنس پڑتی ہوں
کہنے والوں کو کیا خبر
درد کی نگری میں تازہ ہوا کا جھونکا کہلانے والی یہ لڑکی
اندر سے کتنی خالی ہے

نازیہ کنول نازی

انتخاب: شازیہ نورین...... گرجرہ

alam@aanchal.com.pk

ہما ذوالفقار

رمضان المبارک

ہر سو نور کا عالم ہے چھایا' لے کے برکت ہے رمضان آیا
اب گناہوں کے پتے جھڑیں گے بدل جائے گی ان کی کایا
روزے رکھیں گے نمازیں پڑھیں گے' قرآن بھی یاد کریں گے
سخاوت کریں گے' فدیہ بھی دیں گے' رب کا ذکر بھی کریں گے
مسلمانوں کی یہی ہے مایا' امت کا یہ یہی سرمایہ
اب گناہوں کے پتے جھڑیں گے بدل جائے گی ان کی کایا
تسبیحات بھی زیادہ ہوں گی ورد بھی ہوں گے انوکھے
آخری عشرے میں اعتکاف ہوگا چاہے گا دل جس کا بیٹھے
جس نے رمضان میں دل کو لگایا ذوالجلال کا ہوگا سایہ
اب گناہوں کے پتے جھڑیں گے بدل جائے گی ان کی کایا
لیلتہ القدر بھی آئے گی اس میں' ڈھونڈیں گے ڈھونڈنے والے
نور ملے گا دودھ ملے گا پی لیں گے پینے والے
جس نے رب جہاں کو منایا دیکھے گا نبی ﷺ کی وہ چھایا
اب گناہوں کے پتے جھڑیں گے بدل جائے گی ان کی کایا
لڑائی اور جھگڑے کا خاتمہ ہوگا صلح کے پھول کھلیں گے
روٹھے ہوئے مان جائیں گے سارے آ کر دل سے ملیں گے
سب کو کوثر یہ رمضان بھایا کیونکہ جنت سے سیدھا ہے آیا
اب گناہوں کے پتے جھڑیں گے بدل جائے گی ان کی کایا

کوثر خالد...... جڑانوالہ

نظر کا پردہ

آج کی بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نظریہ کیا ہے' چودہ سو سال پہلے بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نظریہ کیا تھا' کتنا دلنشین جواب دیتی ہے تو سنوں اے بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم!

ایک دفعہ مسجد نبوی میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے سوال پوچھا۔

''اے میرے صحابہ! بتاؤ کہ ایک عورت کے لیے سب سے ضروری امر کیا ہے۔'' آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام صحابہ سے ایک ایک کر کے پوچھ رہے ہیں۔ محفل کے اندر سے حضرت علیؓ چپکے سے اٹھ کر حضرت فاطمہؓ کے پاس گئے اور فرمایا۔

''اے فاطمہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ہے عورت کے لیے سب سے ضروری امر کیا ہے؟'' فاطمہ تعجب سے۔

''کیا آپؐ نے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا نہیں کہ عورت کے لیے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ اس پر کسی غیر محرم کی نظر نہ پڑے اور نہ اس کی کسی غیر محرم پر نظر پڑے۔''

حضرت علیؓ نے محفل میں آ کر آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جواب دیا تو شہنشاہ دو عالم کیا فرماتے ہیں۔

''اے علیؓ! کہاں سے پوچھ کر آئے ہو؟'' حضرت علیؓ نے جواب دیا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فاطمہؓ سے پوچھ کر آیا ہوں۔'' شہنشاہ دو عالم نے تبسم فرمایا اور کہا۔

''اے علیؓ! وہ بھی تو میری ہی لخت جگر ہے' کیا آج ہماری نظر ایسی سوچ کے پیراہن میں ہے۔''

کیا ہم بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں' کیا ہماری سوچ ایسی نہیں ہو سکتی' کیا ہم پر پردہ قوانین لاگو نہیں ہوتے۔ آج ہم اس حدیث کو چھوڑ کر اس نظر کو فیشن سمجھتی ہیں جو نظر آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک ضروری امر اور ہمارے لیے آج کا فیشن اور ٹائم پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی امان میں رکھے' حدیث پاک پر چلتے ہوئے نظر بد سے بچائے آمین۔

نبیلہ ناز...... اللہ آباد

آنسو

آنسو اپنے اندر غم اور خوشی دونوں کو سمیٹے ہوئے ہوتے ہیں' دونوں ہی انسان کا ساتھ دیتے ہیں۔ کسی کے بچھڑنے پر تو کسی کے ملنے پر آنسو انسان کی فریاد ہیں۔ پرانی یادوں کے ترجمان ہیں' دل کی گہرائیوں سے نکلنے والا آب حیات کا چشمہ خواہشات کے صحرا میں نخلستان کا فردہ' یہ آنسو جہاں زیست انسانی اور دوسروں سے پیوستہ جذبات کے ترجمان ہوتے ہیں' وہیں یہ کسی شخص کی بصیرت اور بے ثباتی کے آئینہ دار بھی ہوتے ہیں۔ کسی کی آنکھ سے نکلے ہوئے آنسو موتی کی مانند بے وقعت و بے معنی' بہر حال آنسو چاہے موتی نما ہوں یا برکھا رت کی برسات کے ہم چشم' یہ ہر حال میں موسم دل کی نمائندگی کرتے ہیں۔

مشعل خان...... بھیر کنڈ' مانسہرہ

مہکتی کلیاں

❖ محبت آپ کو ساری دنیا کے سامنے مضبوط کرتی ہے اور

اس کے سامنے کمزور کرتی ہے۔ جس سے آپ بہت محبت کرتے ہیں۔

❖ زندگی میں کبھی خود کو کسی کا عادی مت بناؤ کیونکہ انسان بہت خود غرض ہے جب آپ کو پسند کرتا ہے تو آپ کی برائی بھول جاتا ہے اور جب آپ سے نفرت کرتا ہے تو آپ کی اچھائی بھول جاتا ہے۔

❖ سچی محبت یہ بھی ہے کہ بچھڑ جانے کے بعد بھی اس کی کسک محسوس کرو۔

❖ محبت کا سبق بارش سے سیکھو جو پھولوں کے ساتھ ساتھ کانٹوں پر بھی برستی ہے۔

❖ محبت نہ ملے تو انسان جی لیتا ہے لیکن جسے وہ محبت سمجھتا ہے اگر وہ ہی شخص آپ کا مان نہ رکھے تو پھر ریزے بھی نہیں ملتے۔

زرینہ......دندہ شاہ بلاول

میرا مشاہدہ میرا نظریہ

یہ دنیا مفروضوں اور مشاہدوں پر قائم ہے۔ جس طرح زندگی سے یادوں کو نکال دینا حماقت ہے اس طرح مشاہدے کو نہ ماننا' پتا ہے انسان کو ان درختوں کو' آسمان کو دل کا غبار نکالنے کا حق حاصل ہے' آسمان کو بارش کی صورت میں' انسان کو آنسوؤں کی صورت میں اور درختوں کو شبنم کی صورت ہیں۔ ازل سے ابد تک چلنے والی زندگی کا یہی دستور رہا ہے' میں بھی کبھی خود کو پنجرے میں مقید محسوس کرتی ہوں' مجھے زندگی بھی اسی طرح محسوس ہوتی ہے' خود کو وقت کے ساتھ ساتھ دھکے دے کر آگے چلنا پڑتا ہے۔ زندگی اور وقت ہمیں نہیں ہم انہیں گزار رہے ہیں' میں بائیک پر بیٹھتی ہوں تو ڈر سا لگنے لگ جاتا ہے کیونکہ روڈ اتنی تیزی سے گزرتی جارہی ہوتی ہے جیسے زندگی۔ مجھے ایسے لگتا ہے میری موت اسی ڈر سے ہوجائے گی اور ہونی بھی چاہیے کیونکہ ہر گزرتے پل کے ساتھ میں اپنا آپ اور منزل بھولتی جارہی ہوں۔

عائشہ مسکان......رحیم یار خان

خوشنودیٔ رب ذوالجلال

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا۔ ''اے مالک! جب تُو خوش ہوتا ہے تو کیا کام کرتا ہے؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ''جب میں خوش ہوتا ہوں تو بارش برساتا ہوں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ عرض کیا۔ ''جب تُو اور زیادہ خوش ہو تو؟''

فرمایا۔ ''تو میں بیٹیاں پیدا کرتا ہوں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا۔ ''اے مالک دو جہاں! تُو جب سب سے زیادہ خوش ہو تو کیا کرتا ہے؟''

فرمایا۔ ''پھر میں مہمان بھیجتا ہوں۔''

ایس بتول شاہ......ایم گجرات

عید مبارک

عید کی ہر خوشی مبارک ہو
دوستو! زندگی مبارک ہو
ایک اور عید جو دیکھنے کو ملی
میٹھی میٹھی عید مبارک ہو

سباس گل......رحیم یار خان

عید

اس عید پہ لوٹ کے آجانا
کچھ یادیں تازہ کرنی ہیں
کچھ لمحے موڑ کے لانے ہیں
کچھ چہرے موڑ کے لانے ہیں
وہ مستی اور مدہوشی
وہ بچپن موڑ کے لانا ہے
اس عید پہ لوٹ کے آجانا
اب دل کو دل کی دھڑکن سے
پھر عید مبارک کہنا ہے
اب ساتھ بہت دن رہنا ہے
اس عید پہ لوٹ کے آجانا

سمیہ کنول......بھیر کنڈ

دلچسپ معلومات

1952ء میں پاکستان اور بھارت کے درمیان پاسپورٹ کا سلسلہ شروع ہوا۔

پھولوں کی 792 اقسام ہیں۔

ہر سال دس لاکھ ٹن چاکلیٹ کھائی جاتی ہے۔

روس میں ایک لاکھ پچاس ہزار دریا اور ڈھائی ہزار جھیلیں ہیں۔

ڈنمارک ایک ایسا ملک ہے جس کا ہر آدمی پڑھا لکھا ہے۔

یورپ کے پھولوں کا باغ ''ہالینڈ'' کو کہا جاتا ہے۔

سدرہ کشف...... خیر پور ٹامیوالی

وزیر کی لائبریری

ابن عباد ایران کا مشہور وزیر تھا' اسے مطالعے کا بے حد شوق تھا اس کی ذاتی لائبریری میں ایک لاکھ ستر ہزار قیمتی کتابیں تھیں۔ سلطنت کے کاموں کے سلسلے میں اسے دور دراز کے علاقوں میں سفر کرنا پڑتا تھا' اس کی عظیم لائبریری سفر کے دوران بھی اس کے ساتھ ساتھ رہتی تھی' اس مقصد کے لیے چار سو اونٹ سدھائے گئے۔ وہ اونٹ حروف تہجی کے حساب سے چلتے تھے' ان اونٹوں کے ساتھ کاریگر لائبریرین بھی ہوتے تھے' ابن عباد کو جس کتاب کی ضرورت پڑتی لائبریرین چند منٹوں میں نکال کر اسے پیش کردیتے۔

(حیرت انگیز معلومات صفحہ 329)

لاریب عندلیب...... خیر پور ٹامیوالی

عشق ومحبت

○ محبت کرنے والوں میں باہمی جھگڑے محبت میں اضافہ کرتے ہیں۔

○ محبت کی دو علامتیں ہیں' ایک خارجی دنیا کو بھول جانا اور دوئم اپنے آپ کو بھول جانا۔

○ عشق کے لمس سے ہر شخص شاعر بن جاتا ہے۔

○ محبت کمان کی مانند ہے جو زیادہ تاننے سے ٹوٹ جاتی ہے۔

○ سزا دینے کا حق صرف اسے ہے جو سزا دینے والے سے محبت کرتا ہے۔

○ محبت کے معاملے میں ہم سب یکساں طور پر بے وقوف ہیں۔

لاڈو رانی...... ٹوبہ ٹیک سنگھ

بکھرے موتی

⌘ وہ دوست ہی کیا جو وقت کا خون کرے بلکہ ایسا دوست تلاش کرو جس کی رفاقت سے وقت زندہ ہوجائے۔

⌘ کسی کو اپنا کہنے سے پہلے سوچ لو کہ کیا تم اسے اپنائیت کا بھرپور احساس دلاسکو گے۔

⌘ کھوکھلے قہقہے کے مقابلے میں ایک ہلکی سی مگر پُرخلوص مسکراہٹ بہت زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔

⌘ مسکراہٹ ایک ایسا عطیہ ہے جو دینے والے کو مفلس کیے بغیر لینے والے کو بہت کچھ دے سکتی ہے۔

⌘ کتنا عظیم ہے وہ انسان جو اپنا غم اپنے سینے میں چھپائے رکھتا ہے اور زندگی بھر اس سے مسکرا مسکرا کر کھیلتا ہے۔

کرن شہزادی...... مانسہرہ

دروازہ

ایک آرٹسٹ کو ایک پیارا سا دل کا گھر بنانے کو کہا گیا اس نے دل کا گھر تو بہت خوب صورت بنایا لیکن اس کا دروازہ اندر کی طرف بنایا۔

کسی نے پوچھا۔ "یہ دروازہ اندر کی طرف کیوں ہے؟"

تو آرٹسٹ نے بہت خوب صورت جواب دیا۔

"اگر دل کا دروازہ باہر کی طرف ہوتا تو کسی کے دل میں چاہت پیدا کرنا بہت آسان ہوتا' کسی کی چاہت کو ہم اس وقت تک حاصل نہیں کرسکتے جب تک وہ اپنے دل کا دروازہ نہ کھولے۔

فابیہ مسکان...... گوجرانوالہ

سنولڑکی

سنو لڑکی!
جو قسمت
روٹھ جائے نا
دعائیں دل
دکھاتی ہیں
بہت اندر
تک جلاتی ہیں
وہ شکایتیں
جو کبھی بیان نہیں ہوتی

شگفتہ خان ٹوانی...... بھلوال

انمول موتی

✦ کوشش کرو کہ زندگی میں وہ شخص آپ کو ہمیشہ مسکراتا ہوا ملے جسے آپ روز آئینہ میں دیکھتے ہیں۔

✦ دل میں آنے کا راستہ تو ہوتا ہے لیکن جانے کے راستہ نہیں ہوتا اسی لیے تو جب کوئی دل سے جاتا ہے تو دل توڑ کر ہی جاتا ہے۔

✦ موت اور محبت دونوں ہی بن بلائے مہمان ہوتے ہیں' فرق صرف اتنا ہوتا ہے محبت دل لے جاتی ہے اور موت دھڑکن۔

✦ کوئی پیار کرنے والا اگر دکھ دے اور آپ کی آنکھوں

میں آنسو آجائیں تو اس یقین کے ساتھ آنسو صاف کرلینا کہ اس پل میں وہ تم سے کہیں زیادہ رویا ہوگا۔

حمیرا ملک ایچ ایم...... میانوالی

قطعہ

گھر میں نہیں ہیں دانے' بیگم سے کوئی پوچھے
سب جانتی ہے پھر بھی فرمائشیں ہیں کیا کیا
یہ بھی ہو اور وہ بھی' یوں بھی ہو اور یوں بھی
دو دن کی زندگی ہے اور خواہشیں ہیں کیا کیا

راؤ تہذیب حسین تہذیب...... رحیم یار خان

اے چاند

اے چاند! تُو کتنا خوش نصیب ہے کہ ہر روز اس کے آنگن میں اتر جاتا ہے۔ تیری نرم نرم پاکیزہ کرنوں کا عکس مجھے اس کے چہرے پر دکھائی دیتا ہے۔ اے چاند! میرا ایک کام کرنا' تجھے تیری چاندنی کی قسم! کبھی مجھے بھی لے جانا ساتھ اس کے آنگن میں مجھے صرف یہ فیصلہ کرنا ہے تم خوب صورت ہو یا وہ......

چاند بھی حسن شناس نکلا......
اس کی دیوار پہ حیران کھڑا ہے کب سے

ماروی یاسمین...... ج44

بلب

ڈاکٹر: "تم چھت سے کیوں لٹک رہے ہو؟"
پاگل: "میں ایک بلب ہوں۔"
ڈاکٹر: "تو پھر جل کیوں نہیں رہے؟"
پاگل: "ابے پاگل یہ پاکستان ہے اور لائٹ چلی گئی ہے۔"

(ہاہاہا)

ریما نور رضوان...... کراچی

دعا

اللہ رب العزت نے فرمایا۔
اگر میں نے تمام باتیں قسمت میں لکھنی ہوتیں تو میں اپنے بندے کو دعا مانگنا نہ سکھاتا۔

ناممکن کو ممکن بنانے والی صرف ایک ہی چیز ہے اور وہ ہے دعا۔
مانگو اپنے اس اللہ سے جو تمہیں تمہاری سوچ سے بھی زیادہ دیتا ہے۔

غزل عبدالخالق...... فیصل آباد

انمول باتیں

❁ غریبی میں انسان کے وہ عیب بھی نظر آتے ہیں جو ان میں نہیں ہوتے اور امیری میں انسان کے وہ عیب بھی چھپ جاتے ہیں جو اس میں ہوتے ہیں۔

❁ ایک دن حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور ﷺ کے پاس آئے اور کہا۔
اللہ نے مجھے اتنی طاقت دی ہے کہ میں ساری دنیا کے درختوں کے پتے گن سکتا ہوں اور پانی کے قطرے اور ریت کے ذرے گن سکتا ہوں لیکن اس آدمی پر اللہ کی رحمت کی تعداد نہیں گن سکتا جو ایک بار آپ ﷺ پر درود پڑھتا ہے۔ (سبحان اللہ)

سید جیا عباس کاظمی...... مرالی تلہ گنگ

اقوال زریں

❁ جس گناہ سے عمر کم ہوتی ہے وہ ہے ماں سے بد سلوکی۔
❁ جس گناہ سے انسان پر لعنت ہوتی ہے وہ ہے جھوٹ۔
❁ جس گناہ سے دنیا ہی میں پکڑ ہوتی ہے وہ ہے ظلم۔
❁ جس گناہ سے رزق تنگ ہوجاتا ہے وہ ہے زنا۔
❁ جس گناہ سے پردہ فاش ہوجاتا ہے وہ ہے نشہ۔
❁ جس گناہ سے انسانیت تباہ ہوجاتی ہے وہ ہے قتل۔
❁ جس گناہ سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں وہ ہے تکبر۔
❁ جس گناہ سے دعائیں قبول نہیں ہوتی وہ ہے حرام کمائی۔
❁ جس گناہ سے رب ناراض ہوتا ہے وہ ہے باپ کی نافرمانی۔

فرح انور مغل...... سیالکوٹ ڈسکہ

shukhi@aanchal.com.pk

جوہی احمد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! رب العزت کے بابرکت نام سے ابتدا ہے، جو مالک ارض وسماں ہے۔ جولائی کا حجاب آپ کے ہاتھ میں ہے رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ اپنے فیض لٹاتا ہوا اختتام کی جانب بڑھ رہا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری عبادات کو اپنی بارگاہ میں قبول ومقبول فرمائے آمین۔ کچھ دن میں ہی شوال کا چاند آسمان پر جلوہ افروز ہوگا اور عید کی خوشیاں ہم سب کے لیے لے کر آئے گا اس لیے اپنی عید کی خوشیوں میں غریب اور نادار رشتہ داروں کو بھی یاد رکھیں۔ آپ کی عید کی خوشیوں کو دوبالا کرنے کے لیے حجاب کو ترتیب دیا ہے' اس لیے اگلے ماہ آپ کے بھرپور تبصروں کا انتظار رہے گا اب چلتے ہیں حسن خیال کی جانب جہاں آپ کے تبصرے جھلملا رہے ہیں۔

صبا عیشل...... فیصل آباد ۔السلام علیکم ابہاروں سی تروتازہ ہوا لئے باد"صبا" وفا خوشبو بادل' اجائے رحمت خواب اور دل کے خوبصورت دریچے سے سجی حسین حجاب کی محفل میں تشریف لایا چاہتی ہیں۔ رمضان المبارک کے لحاظ سے حجاب کی خوبصورت دنیا میں ہمارا استقبال کیا سفید موتیوں اور نگینوں سے مرصع شفون کے دیدہ زیب لباس میں ملبوس دلکش پری پیکر نے' خوبصورت جیولری اور سر پر اوڑھے دوپٹے نے حجاب کو چار چاند لگائے ہوئے ہیں۔ بات چیت سے ہمیں ویلکم کیا مدیرہ قیصر آرا نے بہت اچھا لکھا آپ سے مل کر۔ حمد ونعت سے محفل کا آغاز ہوا تو دل نے بے اختیار ہر ہر سطر پر سبحان اللہ کا نعرہ بلند کیا۔ ندا رضوان نے امہات المومنین میں حضرت جویریہ بنت حارث کا تعارف اتنی تفصیل سے بتایا دل باغ باغ ہوگیا۔ ارے واہ یہاں اتنی پیاری پیاری پری وش بھی آئی ہوئی ہیں سب سے ہی مل کر بہت اچھا لگا۔ عائشہ کنول آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ اب ہم تھوڑا آگے چلنے لگے ہیں ارے ارے یہ کیا ہمیں ٹھوکر لگی اور ہم بڑی زور سے کسی سے جا ٹکرائے۔ ہائے ففففف سر ہی گھوم گیا۔ "آپ ٹھیک تو ہیں نا؟" جانی پہچانی آواز سماعتوں سے ٹکرائی تو ہم نے پٹ سے آنکھیں کھول لیں۔ آہاں یہ تو اپنی سباس گل ہیں لیکن ان کے ساتھ یہ دو سوبر سوبر سی خواتین؟" یہ کون ہوسکتی ہیں؟ ابھی ہم سوچ ہی رہے تھے کہ سباس نے تعارف کروا دیا۔ بہت خوشی ہوئی عفت سحر طاہر اور نسیم نیازی سے مل کر۔ لاریب آپ نے تو ہماری آنکھیں ہی نم کردی ہیں۔ "وفا کے دو دانوں کی تسبیح" کے ساتھ بسمہ قریشی کو دیکھا تو ہم جھٹ سے ان کے پاس جا پہنچے۔ ماہ نور ابرار کو کتنا رلایا بسمہ آپ نے۔ اب بس نا۔ شکر ہے ہماری بات مان کر ماہ نور کی حنان سے شادی کروادی آپ نے۔ مگر یہ آگے پھر سے اتنا بڑا امتحان' جائیں ہم نہیں بولتے آپ سے جب تک ہیپی اینڈ نہیں ہوتا اب اگلے کچھ منٹ ہمیں بلایئے گا بھی مت۔ جیسے جیسے تسبیح آگے بڑھتی گئی ہمارے چہرے پر مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔ واہ کیا شاندار اختتام ہوا۔ آہاں اس سحر سے ابھی نکلے نہیں ہیں کہ ہمیں طلعت نظامی صندی بچے کے دل کی ساتھ نظر آگئیں۔ کتنا اہم نقطہ اتنی روانی سے سمجھا گئیں طلعت نظامی۔ اب لڑکی امیر ہو تو اس کا مطلب یہ تھوڑی ہوتا ہے کہ وہ سمجھدار اور باکفایت نہیں ہوسکتی۔ نادیہ جی اپنے زندہ خوابوں کے ساتھ اس بار بھی چھا گئی ہیں۔ رطابہ بے چاری کس چنگل میں پھنس گئی ہے اور یہ ماریہ اب کیا کہوں اسے فراز شاہ کا سحر پوری قسط میں برقرار رہا۔ لاکھ بے چاری کی پریشانی بڑھتی ہی چلی جارہی ہے۔ مجھے لگ رہا ہے آگے سرفراز شاہ ان کی ہیلپ کرے گا۔ سونیا کا اسٹیپ ڈبرا لگا لیکن حد سے زیادہ محبت بھی کبھی بہت شدت پسند بنا دیتی ہے۔ انداز تو ٹھیک ہے برداشت کیا جاسکتا تھا لیکن الفاظ نے بہت ہرٹ کیا۔ نیلم اور باسل دونوں کی اداکاری جاری ہے۔ دیکھتے ہیں یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ عیشہ آپ کی آرزوئے جان سے مل کر اچھا لگا۔ عالیان کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا انتہائی گھٹیا ہوتے ہیں وہ مرد جو عورت کو سیڑھی بنا کر دولت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ عاشق نامراد اچھا لگا۔ واقعی نوجوان لڑکیاں جس طرح سے ان ہیروز کے پیچھے پاگل ہوتی ہیں کسی دماغی مریض کا ہی گمان ہوتا ہے۔ اسٹوری اچھی تھی لیکن تھوڑی سی فلمی ٹائپ محسوس ہوئی کہ حقیقی زندگی میں شوہر کا بیوی کیلئے ہیرو جیسا ہونے کی کوشش کرنا یا باڈی وغیرہ بنوانا تھوڑا عجیب سا لگتا ہے۔ باقی ٹاپک اچھا ہے ہیروئن کا نام پسند آیا۔ ہم زریں قمر کے عاشق نامدار سے مل کر کچھ افسردہ ہوگئے ہیں سو آگے چل کر دیکھتے ہیں شاید کوئی شوخ وچنچل حسینہ ہمارا موڈ بہتر کردے۔ کیا بات یہاں نغیسہ سعید نظر آرہی ہیں مشتاق کو دیکھ کر شدید غصہ آتا رہا بھلا اتنے عام سے مرد کو اتنی خاص عورت سے محبت ہوسکتی ہے اور ہو بھی گئی تو یوں سر عام کیا ضرورت ہے مارے مارے پھرنے کی۔ کہانی کا تسلسل بہت عمدہ اختتام پر یہ کیا غصہ اور حقارت ہمدردی میں بدل گئی واقعی کچھ لوگوں کی اہمیت کا احساس ان کے جانے کے بعد ہوتا ہے۔ دکھی دل مزید دکھی ہوگیا ہے ہم کسی شناسا چہرے کی تلاش میں نظریں گھمار ہے ہیں اور ایک چہرے پر ہماری نظر ٹک گئی یہ ہیں ہماری بہت ہی عزیز صدف آصف جو دل کے دریچے کے ساتھ سب سے نمایاں نظر آرہی ہیں۔ بہت اچھی لگی یہ قسط توسٹ سے بھرپور آغاز میں ہی ریحانہ اور بہزاد کی جھڑپ لیکن پیپروں کا راز بھی کھل گیا۔ نبیل ایک طرف صائمہ سے محبت کا ناٹک تو دوسری طرف شرمیلا کے سحر میں قید اور یہ فائز سفینہ کو علیحدہ کرنے کا کوئی ارادہ ہے تو کینسل کردیں ورنہ پکی ناراضگی ہوگی آپ سے بلکہ بائیکاٹ' شرمیلا اور صائمہ کی ایک دوسرے سے آنکھ مچولی جاری رہی دیکھتے یہ راز کب تک راز رہتا ہے۔ رابعہ پرچھائیں کے ساتھ چھا گئیں بہت عمدہ موضوع پر قلم اٹھایا ہانیہ مصطفیٰ کی ضد انا اور غرور نے اسے وہ دن دکھا ہی دیا جسے مکافات عمل کہتے ہیں۔ ہماراد "آگہی کے بعد" کے ساتھ آئیں بہت عمدہ۔ اچھا لگا۔ نظیر فاطمہ کی "ڈیل" کو دیکھ کر ہم ان کی طرف بڑھے اور ڈیل جان کر فوراً سے ذہن کے الفاظ کی مہر لگائی۔ "تیرے لوٹ آنے تک" نے اس بار بہت متاثر کیا کہانی بہت خوبصورتی سے آگے بڑھ رہی ہے۔ بہت سے رازوں سے اس بار پردہ اٹھا۔ حسن احمد بخاری کی بے گناہی ثابت ہوئی تو باپ بیٹے کی سرد جنگ کا بھی اختتام ہوا۔ شہناز اور حسن کا جہاں ملن ہوا وہیں طلعیہ کو اپنی ماں اور بہن واپس مل گئیں۔ مہناز یوسف کمال ہے آپ تو خوشبو کی مانند ہمارے آس پاس بکھر گئیں۔ مختصر لیکن سبق آموز اور دل کو چھوتی تحریر۔ اعتبار سے بڑھ کر کچھ نہیں محبت بھی نہیں ایک بار اعتبار اٹھ جائے تو عمریں گزر جاتی ہیں فاصلے پاٹنے میں۔ محبت اظہار کی محتاج ضرور ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ ضروری ہے محبت میں شراکت نا ہو۔ اقرا انگزار آپ نے رلا دیا ہماری بے حسی کا ایک اور افسانہ بے ساختہ آنکھیں نم ہوگئیں ایسی ہی جانے کتنی سوہنیاں چند بوند پانی اور غذا کا انتظار کرتے اپنی خشک زبان اور خشک آنکھوں کے ساتھ ہمارے منہ پر طمانچے مار کر ہم سے ناراض ہوکر اس دنیا کو الوداع کہہ کر جا چکی ہیں۔ نرجس نایاب کی تحریر بھی دل کو اداس کرگئی۔ گڑیا کو پالینے کی خواہش اتنی بڑی تو تھی جتنی ہم نے بنادی۔ نرجس اچھا لکھا آپ نے۔ رفاقت جاوید آپ نے بھی ہمیں نم دیدہ کردیا۔ کیا بھئی اس بار سارے حجاب پر ہی اداسی طاری رہی۔ اتنی ٹینشن اور پریشان ماحول میں تلخ تحریریں روح کو اور اداس کرجاتی ہیں۔ اس لئے ادارے سے ریکوسٹ ہے ایک دو تلخ حقیقت پر مبنی کہانیاں ضرور لگائیں کہ حقیقت سے نظریں نہیں چرائی جاسکتی مگر اتنا اداس تو نا کریں نا ہمیں۔ طب نبوی میں معلوماتی مضمون پسند آیا۔ بزم سخن میں ثمرہ بشیر کا انتخاب اچھا لگا۔ ارے واہ اس خوبصورت محفل کے اختتام پر ایک زبردست سی افطاری مجبوراً ہلاذی بڑے چاٹ پکوڑے سموسے شربت رولز اور اتنے سارے جوس مزا آگیا ہر چیز ایک سے بڑھ کر ایک ہے۔ آرائش حسن میں حسین بالوں کو مزید حسین بنانے کے ٹوٹکے واہ گڈ۔ عالم انتخاب میں صدف آصف کا انتخاب ہوا کو لکھنا ہے بہت پسند آیا۔ شوخی تحریر بھی اچھا لگا۔ حسن خیال میں سب ہی بہت اچھے ہیں لیکن صبا عیشل (آہم آہم) سے مل کر بہت اچھا لگا اتنا خوبصورت نام اتنی پیاری سی صبا (سمجھا کریں نا اب کسی نے تو کہنا نہیں تو ہم ہی کہہ دیں) شوبز کی دنیا سے ہمیں کچھ خاص انسیت نہیں۔ خدیجہ آپ کے ٹوٹکے بہت کام کے ہیں۔ لیجئے جناب احوال محفل اختتام کو پہنچا۔ اچھا لگا نا آپ سب کو ہم سے اتنی طویل گفتگو کرنا؟ ہم چلتے ہیں اگلی محفل میں پھر ملیں گے ایسی ہی خوبصورت شخصیات کے ساتھ جب تک کیلئے۔ اللہ حافظ۔

☆ صبا ڈیئر آپ کا تبصرہ مقابلہ میں اول انعام کا حق دار ٹھہرا آپ کو مبارک ہو۔

حرا قریشی...... ملتان ۔ رب ذوالجلال کے بابرکت اسم خاص سے ابتدا کرتے ہیں۔

تیرے گلشن میں احساس رعنائی ہے
یہی میرے قلم کی روشنائی ہے.....!
کہیں گل زیبائی کہیں سج ادائی
حروف سادہ کی یہ کمائی ہے!

سماعت کے لیے میرے دانائی ہے......
آنکھوں کے لیے میسر بینائی ہے......!
شاہراہوں پہ تیری اک آئی ہے......!
حروف کی میرے مہک جلوائی ہے!
جگنو کو روشنی اور مجھے تو......
ضرورت میں کیسی یہ رعنائی ہے
تیرے لفظوں کی جو نقدی ہے......!
جمع کی وہ پائی پائی ہے......!
چاند لے کر "حجاب" میں......
شب پہلو میں اتر آئی ہے......!
گل نچھاور کیے "حجاب" نے حرا
یوں جذبات کی ہوئی رونمائی ہے......!

جناب من محبوب من "حجاب" سے اپنے خیالات جذبات اور احساسات کے متعلق جہاں تک استفسار کرنے کا تعلق ہے تو ہم ملے ہوئے ہیں اس ڈوری کی طرح جو تسبیح کے دانوں کو سہارا دیتی ہے۔اس سریلے گیت کی مانند جو سریلی دھن کی تشکیل کرتے ہیں، مثل اس دھند کے جو ایسے ملاپ کرواتی ہے کہ دن کی ہیبت شب میں بدل جاتی ہے ان سب باتوں کے باوجود میں اس پردہ وقت صرف کرلیتی ہوں جب روزمرہ سرگرمیوں سے بخیر و عافیت فرصت کے لمحات میسر ہوں۔ تذکرہ ہو نفیسہ جی کا اور مہک نہ چھوٹے لفظوں سے ایسا ہو سکتا ہے؟ مشتاق صاحب کی موجودگی نے نہ صرف تحیر و تجسس کو ہوا دی بلکہ ماورائی عنصر بھی جا بجا تحریر میں پیدا کیا۔ قاری تو اچھل ہی پڑا تا جگہ سے جب بصورت ٹرانسفر صلہ ہمدردی کرتا کینسر کا مریض داغ مفارقت دے گیا اور جویریہ کے لئے تاحین حیات نادیدہ احساس کی قربت رہ گئی۔ لغاری صاحب کے تعاون میں مٹھاس محسوس کی۔ "گڑیا" کے حتمی نتائج نے جان قلب کو لہولہو کردیا۔ حق باہو! "خدا کی رحمت" پر ایک صدا بے کراں اٹھی۔ یہ سائیں وڈیرے چوہدری ٹائپ لوگ کب تک...... آخر کب تک...... مغل جیسوں کی عزت نفس کو روند کر سوتی جیسے معصوم بچوں کی قبریں تعمیر کرتے رہیں گے۔ "ڈیل" اس ماہ کا بہترین افسانہ ارشاد ربانی کی شیریں سے کیا خوب اعلیٰ سبق سحرش نے اخذ کیا۔ دوست کی خاطر عرفان کے جذبے کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے سراہا۔ (کیا خیال ہے بی بی سپیل اللہ ہم بھی کرلیں عہد صرف کرنے کا) بے حساب ہوئی خوشی جب دیکھا مہناز کو۔ آپ کی تحریر کو بھی مکمل خوشبو سانسوں میں تحلیل کیا۔ حسن کا پردہ رکھنا شہروز کا یہ عمل داد طلب ٹھہرا صد شکر ماہ نور کو بھی عقل آ گئی۔ "دل ضدی بچہ" تسلسل برجستگی و دلچسپی ان تمام عناصر کا مجموعہ لیے ٹاپ آف والسٹ افسانہ ٹھہرا۔ صنم کی طرح داریوں پر غش آتے آتے رہ گئے اف......! آخر کو جہاں دیدہ اماں نے سیماسا گراں قدر ہیرا ڈھونڈ ہی لیا۔ ہمانے بھی آگہی کے در خوب وا کیے سویرا کی نسائل پسندی ماں کے بڑکیاں دینے پہ دو چند نہیں سہ چند ہوئیں۔ بھینس کے آگے بین بجانا بے فائدہ ہے جیسی ضرب المثل گویا ایسے ہی افراد کے لئے بنی ہے۔ منال کے بے صبر دل پر دانش نے تیقن کی مہر لگائی پر ہر جگہ حالات ساتھ نہیں بھی دیتے ناں۔ دو تو روحی کے اہل خانہ کے مطالبات اور...... دانش کے ایکسیڈنٹ نے فرزانہ بی بی کے ڈھیلے اسکرو بھی اچھی طرح کس ڈالے اور عقل کو بھی دماغ کے نٹ بولٹ میں فٹ کیا۔ کیا خوب کہا ہے کہنے والے نے اب رنگ لائی گلہری، سو وہ بھی سیدھی سرگودھا جا پہنچی جہاں منال کے دل کی کلیاں کھلیں وہیں کو یا دانش کی دلی مراد بھی بر آئی۔ سورج سے چاند ہے بھی حسین تیرا روپ ہے کچھ ایسا ہی حسین جوبن اور رنگ و روپ تھا سمعہ کی تحریر کا۔ آرمی کے شعبے پر بڑے ہی منفرد پیرائے میں قلم کو زحمت دی گئی۔ شہادت حسن عباس پر آنکھیں بے اختیار ہو گئیں پھر رواں آنسو ٹپ ٹپ...... عثمان کی بدگمانی پر از حد رنج ہوا۔ فاطمہ کے غم میں مساوی شراکت داری کی دکھ درد بھرے کے موتیوں کی لاج رکھتی تسبیح کو ٹوٹنے سے بچا لیا گیا۔ آفرین! آرزوئے جاں" عالیان نے جس تعالیٰ میں کھایا اسی میں چھید کیا۔ وہ تو بروقت رائمہ نے ہوش مندی سے کام لے لیا ورنہ...... اس سے آگے کچھ نہیں سب تحریر میں مصنفہ کی قلم پر گرفت گہری رہی۔ "پرچھائیں" تحریر نے قاری کو اپنی سنگت میں بٹھایا بھی توجہ کو بھی ذہن کے مدار سے باہر نہ آنے دیا۔ کرداروں کے عکس بھی منعکس ہوتے رہے جا بجا ہانیہ کی دولت سے لگاوٹ اور ناشکری کے تناظر کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔ اسامہ کے صدق جذبات کی ناقدری اور عزت نفس کے کچلے جانے پر ہانیہ کو چاہ کر بھی نہ کوس سکے۔ محبتوں کی ایسی تحقیر پر محبت خود بھی شرمندہ ہے......! باقی کرداروں نے بھی انصاف کے توازن کو بگڑنے نہ دیا۔ کہانی کا موضوع نہ حسب موافق تھا نہ ہی اچھا تاثر دے پایا (دلی معذرت) "عاشق نامراد" تخیل کے پردے پر اچھی چھب نہ دکھلا سکی۔ سلسلہ وار ناول میں نادیہ نے اب بھی چھکے چھڑانے میں کسر نہ چھوڑی بہر حال تجسس کا پہلو وا ہو چکا۔ آئندہ ہونے والی پیش قدمیوں کے بارے میں پر امید ہیں۔ صدف بھی دل کے تخیلک بخوبی سلجھا رہی ہیں اور اس ریشم میں بصد خوشی حرا بیٹا الجھتا جا رہا ہے دب سوہنا دے ترقیاں اور تیرے لوٹ آنے تک بس تھکے تھکے بڑھا جانے کیوں؟ ذکر اس پری وش کا یہ پریاں آئے دن شوخ و چنچل ہوتی جا رہی ہیں۔ ندا پھر سے علم کے گراں بہا دریا میں ڈبکیاں لگوانے پر مصر ہیں۔ لاریب نے ماں کے ذکر پر اندر...... تک تر بتر کیا۔ عفت سحر اور نسیم نیازی سے ملنے کی جو دید نی خوشی ہوئی اس کے بیان کے لیے کہاں سے ڈھونڈوں لفظ...... آپ ہی بتائیں حسب معمول مدیرہ سے بات چیت کرتے لہجے کی حلاوت کو محسوس کیا اور ان کی دعا پر زیر لب آمین کہا۔ مختلف سلسلوں میں شناسا افراد جیرا الوشین، فضہ، فوزیہ، پروین، ملالہ، ندیہ، صدف، نادیہ، طلعت، فہیم، ندا، دلکش، نزہت آپی، کوثر، عائشہ، حنا اشرف کو دیکھ کر مسرت کی شہزادی نے خوب بھنگڑے ڈالے۔ اب آیا نہ اونٹ پہاڑ کے نیچے...... سحرش آپ کے دست نازک سے بنے سموسے کھانے ہیں حرا نے کب کھلائیں گی؟ "جیسا میں نے دیکھا" دلچسپی مزاح شگفتگی کی دھنک میں ملفوف تھا (سرشار ہوگئی جی) زندگی تھک گئی پر قارئین کی آرا پڑھی تو ذات اپنی یک لخت معتبر لگنے لگی۔ عروج سارہ صبا فریدہ کا بہت شکریہ مدیرہ کے دلکش جوابی سخن پر دل پنکھ لگا کے اڑنے لگا کہ ہے میرا تم سے وہی تعلق جو اپنے سائے سے شجر کا وہی جو خورشید سے قمر کا گلوں سے ہوتا ہے جو مہک کا وہی تعلق ہے میرا تم سے جو دل سے ہوتا ہے دھڑکنوں کا ازل سے جو باغباں سے کسی چمن کا ہے گفتگو سے کسی دہن کا جو بارشوں سے زمین کا ہے عبادتوں سے جبین کا ہے۔ ازل سے اپنے بھی درمیاں ہے جو سچ کہوں تمہی آنکھوں کی روشنی ہو تمہی مری خوشی ہو تمہی اجالا تمہی صبا ہو۔ حسن خیال میں حرا کے تبصرے پر تبصروں کا انتظار رہے گا جاتے جاتے اک استدعا حرا کی تشریف آوری ممکن بنائیے بحیثیت رائٹر کے رب سوہنا رحمتوں کے بھی دائرے آپ کے لیے کشادہ رکھے محبتوں کو ثبات بخشے آمین۔

☆ ڈیئر حرا! آپ کا یہ شیریں و شگفتہ انداز بہت بھایا۔ دوم انعام حاصل کرنے پر مبارک باد۔

ریما نور رضوان...... کراچی۔ السلام علیکم! دل کی تمام تر گہرائیوں اور سچائیوں کے ساتھ منفرد ہوتے ہوئے منفرد لفظوں کے ساتھ۔ حجاب ایڈیٹر، حجاب رائٹرز، حجاب ریڈرز، حجاب اسٹاف ممبرز، حجاب فیس بک ممبرز سبھی کے ذہنی اور قلبی سکون کے لیے دعاگو ہوں۔ جناب طاہر قریشی بھائی کی انتھک محنت، لگن، جستجو کا نتیجہ ہے کہ نئے افق گروپ آف پبلی کیشن کے زیر اہتمام نکلنے والے تینوں پرچے ماہنامہ نئے افق، ماہنامہ آنچل اور ماہنامہ حجاب، مقبول، خاص اور ہر دلعزیز پرچے ہیں۔ سعیدہ نثار آپی بھی احسن وعمدگی سے اپنے فرائض انجام دے رہی ہیں۔ دعا ہے کہ رب باری تعالیٰ اس ادارے کو مزید ترقی، کامیابی، کامرانی سے ہمکنار رکھے آمین ثمہ آمین۔ جون کا حجاب تبصرہ کمپٹیشن میں جیتا ہوا ملا بے حد شکریہ ادارے کا۔ ٹائٹل آنکھوں کو بہت بھایا۔ سوفٹ میک اپ میں ماڈل گرل گریس فل لگی۔ صفحات الٹے بات چیت کی خوبصورت محفل میں آکر بیٹھ گئے یوں لگا قیصر آپا رو برو بات کر رہی ہیں۔ قیصر آپا کا انداز بہت ہی چاہت اور اپنائیت بھرا ہوتا ہے۔ حمد اور نعت بہت، بہت، بہت عمدہ، بہت اعلیٰ، بہت بے مثال ہر ماہ روحانی کیفیت اجاگر کرتی ہے۔ حمد باری تعالیٰ محمد اعظم چشتی صاحب بے شک اللہ رب کریم سب کا مطلوب ہے محبوب ہے مقصود ہے بڑا ہی خوبصورت انداز بیان ہے آپ کا۔ امہات المومنین نمار ضوان صاحبہ معلومات میں اضافہ کرتیں ملیں۔ ماشاء اللہ بہت زبردست سیگمنٹ ہے۔ ذکر اس پری وش کا زینب احمد جی چار پیاری پیاری بہنوں کے ہمراہ خوبصورت سی محفل سجائے ہوئے تھیں۔ صفیہ مزمل کا تعارف بہت، بہت اچھا لگا۔ باقی سب عدیلہ رانی، عائشہ کنول، ملالہ اسلم کا بھی اچھا تھا۔ رخ سخن جس کو ترتیب دیتی ہیں پیاری سی آپی مہاس آپی زبردست زبردست زبردست۔ بہت عمدہ میری موسٹ فیورٹ عفت سحر پاشا طاہر سے ملاقات کروائی اور بہت ہی خوب کروائی۔ فہیم آپی آپ کے سوالات بہت اچھے تھے عفت آپی کے جوابات بہت، بہت، بہت اچھے تھے۔ عفت آپی کا سلسلہ وار ناول محبت دل پہ دستک جو کافی ٹائم تک آنچل ڈائجسٹ میں چلا ہے۔ عفت آپی اس جیسا کوئی ناول نہیں۔ عفت آپی نے بہت بہت لکھا ہے پر اس جیسا نہیں لکھا۔ محبت دل پہ دستک نے دل پر ایسی دستک دی ہے کہ دل میں بسا بیٹھا ہے۔ نسیم نیازی سے ملاقات دلچسپ رہی۔

حجاب ڈائجسٹ کی آن، بان، شان، جان، آغوشِ مادر اللہ عزوجل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ماں کا نام بہت پاکیزہ، ملاوٹ سے پاک خاص الخاص ہے۔ لاریب انشال آنکھیں اشک بار ہوگئیں آپ کا اک اک لفظ دلسوز تھا۔ سمیرا قریشی صاحبہ وفا کے دو دانوں کی تسبیح مکمل ناول میں ماہ نور اور حسن کی کہانی دلچسپی کا باعث بنی رہی آرمی لائف کو بہت اچھے اور جامع انداز میں بیان کیا گیا۔ ماہ نور کی زندگی کے اتار چڑھاؤ خوب صورتی سے قلم بند کیے ویری نائس...... آرزو جان قلم کار رمیشہ بخاری جی قلم کا جادو خوب چلایا اختتام تک تجسس ہی رہا۔ رائمہ اور احمر کی محبت عروج پر رہی اور کافی حد تک سبق آموز بھی۔ پرچھائیں ناول قلم کار پیاری لکھاری، بہن رابعہ نیازی ناول میں حقیقت کی پرچھائیں تھیں۔ دل کے دریچے میری پیاری دوست صدف آصف صاحبہ رومانوی انداز میں جلوہ افروز تھیں۔ سفینہ اور فائز کی محبت آہ ہم زبردست ڈیئر صدف خوش کن احساس نے مسحور کردیا۔ عشق نامراد زرین قمر انتہا معذرت بلاشبہ آپ نے بہت محنت سے کہانی لکھی ہوگی۔ لیکن یہ کہانی کچھ خاص تاثر قائم نہ کرسکی۔ شاید ٹی وی پر آئے ہوئی کہانی کو قلم بند کیا گیا ہے، مماثلت اس حد تک نہیں ہوسکتی۔ جب کہانی ٹی وی پر دیکھ لی تو کہانی پڑھنے میں کیا مزہ اتفاق ہوا ہے تو الگ بات ہے۔ گڑیا افسانہ منی کی گڑیا کی ضد دل گرفتگی طاری کرگئی دل دکھ سے بھر گیا۔ غربت ہمارے معاشرے کی اٹل حقیقت ہے۔ ضد ہارگئی افسانہ نگار صبا الیاس مختصر پیرائے میں عمدہ تخلیق تھی ماہین کی ضدی طبیعت، موضوع زبردست لگا۔ خدا کی رحمت افسانہ نگار اقرا گلزار خوبصورت اور حقیقت پر مبنی تحریر لگی کیپ اٹ اپ۔ میری پیاری دوست مہناز یوسف جی ویل ڈن ویری ویلڈن بہت خوب ماہ نور ہی نہیں ہر لڑکی ہی رومانوی ڈراموں اور کہانیوں کی دلدادہ ہوتی ہے بھئی میں تو ہوں یار...... حجاب آنچل کے ہیروز اناڑی کیوں کہلانے لگے۔ اناڑی بہت یوز ہو رہا ہے ہاہاہا جسٹ کڈنگ...... ڈیل افسانہ سپر سے اوپر اور لو پر ایمان افروز نظیر فاطمہ عمدہ تحریر لائیں اور چھا گئیں۔ ہمارا وادا پنے شوخ و شنگ مزاج سے مزین تحریر کے ہمراہ راہ میں مل گئیں۔ دانش اور منال کی کہانی بہت، بہت، بہت دلکش خوبصورت حسین لگی۔ ہم سفر اچھا ہو تو سفر خود ہی اچھا لگنے لگتا ہے ہماجی قلم کار اچھا ہو تو کہانی خود بخود اچھی لگنے لگتی ہے۔ سلمٰی فہیم گل اپیا آپ کا ناولٹ عمدہ اعلیٰ بہترین طریقے سے آگے بڑھ رہا ہے۔ اس بار کے اپسورٹ میں سرپرائز تھے زبردست۔ شہناز اور قاسم بھائی مل گئے ناز اور حسن کی ملاقات، بہت ہی خوب کہانی نئے موڑ پر ٹرن لے رہی ہے۔ مجھے اس ناولٹ کے کرداروں کے نام بہت پسند ہیں۔ طغینہ 'نورع' تابان' آغا بینا۔ ہر بار کی طرح اس بار بھی طب نبوی مفید و معلوماتی رہا۔ ہر بار کی طرح محفل بزم سخن کے تمام اشعار پسند آئے۔ کچن کارنر بڑی خوبصورتی سے ترتیب دیا گیا، تمام ڈشز یامی یامی آہ...... حدیقہ احمد جی آرائش حسن کی محفل سجائے ملیں بالوں کو درپیش مسائل کے حل کو بہت عمدگی سے بیان کیا۔ عالم میں انتخاب میں بھی کا انتخاب باذوق تھا۔ شوخی تحریر اس سیگمنٹ کا نام ہی منفرد اور خاص ہے۔ پورا کالم ہی زبردست لگتا ہے۔ حسن خیال میں تمام قارئین سے ملاقات خوب رہی۔ خطوط پیار اور خلوص بھرے اچھے لگے۔ اچھا جی اب اجازت چاہوں گی۔ اس اپنے پن کے ساتھ کہ اپنا اور اپنے سے جڑے لوگوں کا خیال رکھیے گا مجھے ریما نور رضوان کو دعاؤں میں یاد رکھیے گا پھر ملاقات ہوگی حجاب کی باادب و بارونق محفل میں تمام کو والسلام۔

☆ ڈیئر ریما آپ کا کامع تبصرہ سوم انعام کا حق دار ٹھہرا آپ کو مبارک ہو۔

سیدہ رابعہ شاہ...... گجرات ۔السلام علیکم! تمام حجاب و آنچل اور اس کے قارئین کو میرا محبت سے بھرا اسلام رمضان مبارک۔ آپ سب کیسے ہیں؟ میں آنچل اور حجاب کو پورا مہینہ بڑی شدت سے مس کرتی ہوں اللہ تعالیٰ آنچل اور حجاب پر ایسے ہی اپنی رحمتیں نازل کرے آنچل سے رشتہ تو بہت پرانا ہے پر میں نے کبھی لکھا ہی نہیں آج ہمت کرکے لکھ رہی ہوں۔ اس دفعہ ٹائٹل بہت زبردست تھا اس سے زیادہ حمد و نعت زبردست تھی۔ "میرے خواب زندہ ہیں" نادیہ آپی بہت زبردست جارہی ہے۔ میری فیورٹ ہے "دل کے دریچے" میں سفینہ کی شادی فائز سے ہوجائے تایا جان کے اور فائز کے ساتھ بہت برا ہوا اور شرمیلا کس راہ پر چل پڑی اب دیکھتے ہیں کیا بنتا ہے۔ ہر ایک افسانہ زبردست تھا پڑھ کر کچھ سیکھتیں کچھ سبق ملا۔ میں تو سارا ڈائجسٹ پڑھتی تھی پر مجھے شوبز پسند نہیں وہ نہیں پڑھتی آنچل اور حجاب اتنا لمبا انتظار کرواتے ہیں پر مجبوری ہے پھر جب ملتا ہے تو دل خوش ہوتا ہے۔ آنچل میں نے 2007ء سے پڑھنا شروع کیا اب تک کے سارے ڈائجسٹ میرے پاس ہیں مجھے اتنا پیار ہے کہ کوئی مانگے تو بھی نہیں دیتی آنچل اور حجاب کو میں کبھی نہیں چھوڑ سکتی۔ میری دعا ہے کہ آنچل اور حجاب یونہی دن رات ترقی کریں پلیز ایک بار نازیہ کنول آپی کا انٹرویو لیں آئی لو یو ڈیئر آنچل حجاب مس یو اللہ حافظ۔

☆ خوش آمدید پہلی بار شریک محفل ہونے پر۔

تحریم اکرم چوہدری...... ملتان ۔سلام بنام عزیز حجاب و احباب۔ بتاریخ آٹھ آخری پیپر کی تیاری سے دو دو ہاتھ کرنے میں مشغول تھی کہ حجاب کی آمد ہوئی بس پھر تو میں حجاب کے پیچھے چلی اور بہن حجاب تھامے اندر کی جانب (جی ہاں بقول بہن پیپر دے کر آؤ گی تو زیارت حجاب نصیب ہوگی) منتیں کیں تو ٹائٹل دکھانے پر ہی اکتفا کیا بارہ بجے گھر پہنچی اور حجاب تھامے دوسرے کمرے میں پڑاؤ ڈال لیا (اب ذرا کوئی آئے سہی یہاں)۔ دست نازک میں حجاب تھا اور خوب صورت و دلکش ٹائٹل دیکھ کر پلکیں جھپکنا بھول گئی سفید لباس (پاکیزگی کی علامت) میں حسن و خوب صورتی کا پیکر ہنستا مسکراتا چہرہ نازک جیولری کے ہمراہ عقیدت سے آنچل سر پر جمائے نظروں کے رستے دل تک جا پہنچا آغاز تسمیہ سے پھر مدیرہ آپی کی سرگوشیوں کو سماعتوں کی نذر کرنے کے بعد ماہ جون کے چمکتے ستاروں کا دیدار کیا اور حمد و نعت کی مٹھاس سے روح و قلب کو سرور پہنچایا۔ "امہات المومنین" بہترین معلوماتی سلسلہ۔ "ذکر اس پری وش کا" (عدیلہ رانی' ملال اسلم' صفیہ حزل' عائشہ کنول) کے ذکر چل نکلے تو لبوں پر ایک مدھم سی مسکان آن ٹھہری (جیو حجابی پریو)۔ "روح سخن" میں عفت سحر طاہر و نسیم نیازی کی میٹھی و محبتوں بھری باتیں اطراف یاسمن گلوں کی رعنائی کا سبب بنی آغوش مادر کے حوالے سے احساسات و جذبات کو لفظوں کے پیراہن میں پیش کرنا نہایت کٹھن مرحلہ ہے۔ لاریب انشال اللہ آپ کی والدہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔ حسن' ماہ نور اور حشان بالکل ایک بکون کی لکیروں کی مانند آپس میں جکڑے ہوئے ہیں کہ اگر ایک سرا بھی جگہ سے ذرا سا سرکا تو سراب زندگی کے دھندلکوں میں چھپ جائے گا۔ جی ہاں ٹھیک سمجھے بات ہو رہی ہے "وفا کے دو دانوں کی تسبیح" کی (زبردست تحریر)۔ صدف آصف نے جہاں قارئین کو فائز کی نوکری کی صورت آس و یاس کے جگنو تھمائے وہیں نبیل صائمہ اور شرمیلا کے کرداروں کے گنجلک پن میں الجھا کر سوچوں کے سمندر میں غوطہ زنی پر مجبور کردیا۔ خراماں خراماں چلتے سلمٰی فہیم گل کو جا پکڑا آخر زندگانی کے کڑے امتحانات کے بعد ایک گھرانے نے ابدی خوشیاں حاصل کرہی لیں۔ نجانے کتنے دل عارفہ الٰہی جیسی ہستی کے ہاتھوں اجڑتے ہیں اور پھر زندگی کی آزمائشوں کی سولی پر چڑھ کر آخری خواہش کے بھی پورا نہ ہونے کا قلق دل کے نہنے گوشوں میں چھپائے آخری منزل کی جانب رخت سفر باندھتے ہیں خوب صورت انداز بیاں کے ہمراہ منفرد نام کرداروں کے (ویل ڈن) نادیہ فاطمہ رضوی بھی ایک تسلسل کے ساتھ کرداروں کے تانے بانے اور مری کا خوب صورت پلاٹ پیش نظر کرتیں بازی لے گئیں (تسی مہا گریٹ او جی)۔ افسانوں کی کھڑکی میں جھانکا تو طلعت نظامی ماں کی تربیت کو ماتھے کے جھومر کی مانند کامران کی پیشانی پر سجائے نہایت عمدہ انداز میں قلم بند کرتیں دل میں اتر گئیں۔ دانش کی والدہ محترمہ نے آخری "آگہی کے بعد" جان ہی لیا کہ منال بہترین انتخاب ہے۔ "اجالے لوٹ دے گیا" اور "محبت خوشبو کی مانند" بھی خوب لگا کر پڑھیں چھپی محبتوں کے خمیر سے گوندھی مشک پھیلاتی لاجواب تحریریں۔ "پرچھائیں" پڑھ کر تو گویا اس یقین پر مہر ثبت ہوگئی کہ زندگی میں محبت نامی سچے جذبوں کی توہین صرف مادیت پرستی کی بنا پر کرنا عام ہوگیا ہے مگر "عاشق نامراد" پڑھنے کے بعد ایک بار پھر وہ یقین وہم کے نیلے پانیوں میں ہچکولے کھانے لگا۔ زندگی میں دکھ تو گویا ایک ریت کے ڈھیر کی مانند ہیں کہ ذرا سی ہوا چلی اور یہاں سے وہاں جابجا بکھر گئے اور قیامت خیزی کا منظر پیش کرنے لگے ایسے میں "گڑیا" اور "خدا کی رحمت" جیسی تحریریں تحریم کے دماغی کواڑ پر ہوائی تھپیڑوں کی مانند دستک دیتی ہیں کس قدر ظالم و سنگدل سماج کی بھینٹ چڑھ رہی ہے اولاد آدم بیاوری طبقہ یتیم و مسکین کو صرف خوب صورت و چمکدار کشکول ہی پکڑاتا ہے کیوں آخر کیوں سوچا بھی (جی ہاں چمکتے کشکول پر میڈیا کی نظر ہوگی امراء کی اس عنایت (کشکول) کے اندر جھانکنے کا وقت کس کے پاس ہے) کوئی تو ہوا خرا کہ کاش جوابتدا کرے ظلم کے خلاف بولے جھوٹ کو عیاں کرے اور سماج سے برائی کی جڑ نکال پھینکے۔ سراب زندگی کو دھندلکوں کی جانب دھکیلتی ڈیل جیسی تحریریں اللہ پر یقین کامل اور ایمان کی پختگی کا سبق دیتی ہیں۔ ماں ساتھ نہ بھی ہو ان کے دو ہاتھ ہر جگہ ہمارے لیے دعا گو ہیں اور خدا ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہے اپنے بندے سے۔ ہماری روح و دل پر بھی وہی قابض ہے تو کیسے ممکن ہے وہ اپنے بندے کو تنہا چھوڑ دے (نظیر فاطمہ کیپ اٹ اپ) جی ہاں پکچر (تبصرہ) ابھی باقی ہے (ارے تھک گئے ابھی سے......) طب نبوی ﷺ ٹوٹکوں کو ذہن کے خانوں میں مقید کرلی بزم سخن کو انتخاب کے بہترین رنگوں سے بھرتی شاہ و ریاض شازیہ اختر شازی مسکان رائے اور زہرہ حنیف کو خراج تحسین پیش کیا اور عالم میں انتخاب میں پڑاؤ ڈال لیا۔ فہیم انجم ڈکلش مری ثمر احسین بہترین انتخاب کے ساتھ حاضر خدمت رہیں۔ شوخی تحریر ایک سے بڑھ کر ایک پیش خدمت مکمل شمارہ ہی شب و روز کی انتھک محنت کا جیتا جاگتا ثبوت رہا۔ حجاب و آنچل کے اس گلشن میں بھی خزاں کا گزر نہ ہو پورے ادارے کے لیے تحریم دعا گو شرط زندگی آئندہ ماہ تک کے لیے اجازت۔ اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر تحریم حجاب کی پسندیدگی کے لیے شکریہ آپ کا تبصرہ بے حد پسند آیا۔

سارہ خان...... بہاولپور ۔اسلام علیکم۔ ماہ رمضان کا مہینہ مبارک ہو تمام حجاب و آنچل دوستوں کو امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ رمضان کے ساتھ ساتھ عید کی تیاریاں بھی شروع

ہوجاتی ہیں میرے دوستوں کیسی تیاری کی بتانا ضرور۔ حجاب کا انتظار دل بے قرار کہ کوئی ملنے کی امید ہو ہم دیدار کر سکیں حجاب کا شام کے پہر میں حجاب نے دستک دی میرے گھر میں ہم نے دوڑ کر دروا کیا پہلی نگاہ میں ہی ہم نے حجاب کو سراہا پسندکی قبولیت دے دی بہت خوب صورت آنکھوں کے ساتھ دل کو بھی گارڈن گارڈن کردیا۔ سرورق کی خوب صورت چاندنی کی مانند پھر ہماری آنکھوں نے فہرست میں جھانکا کچھ نئے نام اور جانے پہچانے نام جگمگا رہے تھے۔ مدیرہ صاحبہ سے بات چیت ہوئی تو حمد ونعت سے مستفید ہوئے امہات المومنین خلوص دل سے پڑھا اپنی ہم جولیوں کے ساتھ کچھ خاص لمحے گزارے صفیہ، عدیلہ، ملالہ، عائشہ کنول سب کی نٹ کھٹ باتوں نے ملاقات کا مزہ دوبالا کردیا۔ ارے واہ عفت سحر طاہر کا انٹرویو واہ مزہ آگیا خوشی کی انتہا نہیں رہی۔ نسیم نیازی کی باتیں شاعری ساتھ ہمارے فرائی چپس (پڑھتے گئے کھاتے گئے) آغوش مادر میں لاریب انشال کی والدہ کے بارے میں جاننا بہت اچھا لگا آپ کے جذبات محبت نے ہماری بھی آنکھیں نم کردیں۔ ''وفا کے دوراہوں کی تیج'' (سمہ قریشی) بہت خوب صورت ناول زندگی کے دھوپ چھاؤں کی قسمت کی ابھی ڈور میں لپٹی کہانی، یقین ومحبت کی تیج بہت عمدگی کے ساتھ ہر کردار کو نبھایا ہے مزاح بھی کہیں کہیں ورد بھی اللہ پاک زور قلم اور بلند کریں' آمین۔ ''میرے خواب زندہ ہیں'' (نادیہ فاطمہ رضوی) ہمیشہ کی طرح بیسٹ انتظار اگلے ماہ کی قسط کا' بیسٹ ویشز۔ آرزوئے جہاں (سیدہ نبیہ بخاری) دولت وہوس کی لالچ میں انسانوں کا مسخ شدہ چہرہ سامنے لائیں رشتوں کی بے اعتباری نے جہاں دل کا خون کیا وہاں رائمہ کی پلاننگ نے علیان کو جیل کی سلاخوں میں بھیج دیا ویل ڈن۔ ''عاشق نامراد'' (زرین قمر) جہاں کہانی نے ہنسی کے پھول کھلائے لبوں پہ بعدازاں دل کو اداس کردیا ہماری نوجوان نسل کے گریز کی پاگل پن کی کیفیات کو بہت عمدگی کے ساتھ اپنے قلم سے لکھا منفی ومثبت اثرات لیے یہ اچھوتی کہانی سوچنے دیکھنے پہ مجبور کرگئی بہت ویل ڈن آپ کی تحریریں مجھے بہت پسند ہیں۔ ''اجالے لوٹ دے گیا'' (نفیسہ سعید) ہم جو بعض اوقات سوچتے ہیں ویسا ہوتا نہیں کسی انسان کے بارے میں جانے بنا کوئی حتمی رائے دینے سے گریز کیا جائے مختصر مگر جامع سبق آموز افسانہ۔ ''دل کے دریچے'' (صدف آصف) کہانی کارگر ہیں عمل رہی ہیں جس سے برا حال ہے ایک طرف رشتے میں پیش رفت ہوگی دوسری جانب نوکری کا ملنا حق ادا کیا ہوگا ابھی تو ہم خود سوچ رہے ہیں بیسٹ وشز کہوں کی بہت اچھا لکھیں ہمیں ہر ماہ انتظار رہتا ہے۔ پرچھائیں (رابعہ نیازی) ماں باپ کی تربیت کو دوش دیں یا ماڈرن ازم کے تقاضوں کو۔ رابعہ نے جہاں بہت حقیقت بیان کی وہاں اپنے دین سے لاعلمی پہ بہت شرمندہ ہوئے۔ ہم انسانوں نے دنیاوی چیزوں میں انسانوں کو جانچنا شروع کردیا ہے بہت عمدہ تحریر ویل ڈن رابعہ۔ ''آ گہی کے بعد'' (ہماری) زندگی کی دوڑ میں ایک اور انسان کی کہانی خواہشوں کی اندھا دھند تقلید محبت وخلوص کی قدر نہیں مگر بھلا ہو حمی دانش نے اپنا وعدہ ایفا کیا ویل ڈن۔ ''ڈیل'' (نظیر فاطمہ) خوب صورت افسانہ انسان کا اللہ سے تعلق یقین وتوکل کی مضبوط لڑی جب خدا نے نوازہ بے انتہا خوشی وسرشاری اللہ پاک کی ذات ہر لحہ نوازتی ہے ہم انسان ہی بے صبر اور ناشکرے ثابت ہوتے ہیں ویل ڈن۔ ''تیرے لوٹ آنے تک'' (سلمیٰ فہم گل) کہانی بہت عمدگی کے ساتھ جاری وساری ہے لطف برقرار ہے بیسٹ وشز۔ ''محبت خوشبو کی مانند'' (مہناز یوسف) ہلکی پھلکی تحریر (نمک کے بسکٹ کی مانند) مگر سوچ وحقیقت کے پیراہن میں لپٹی ہوئی کہ آج یہ ہی ہو رہا ہے اپنی قسمت اور خدا سے شکایتیں دوسروں کی زندگی پہ رشک کرتے ہیں حقیقت جانیں بنا مختصر افسانے میں نتیجہ خیز سبق ویل ڈن۔ ''خدا کی رحمت'' (اقرا انگزار) تلخ حقیقت صحرا میں بسنے والوں کی تکالیف واذیت پانی کی طلب بھوک پیاس کی شدت ایک اور کلی مرجھا گئی ہماری آنکھیں نمناک رہیں۔ ''گڑیا'' (سیدہ ہما جبیں رباب) بچوں کی خواہشوں ماں کی ممتا امیری کا زعم غربت و افلاس میں پستی زندگی ایک موت کی سسکی بہت خوب لکھا۔ ''جیسا میں نے دیکھا'' بزم سخن' کچن کارنر'' بہت عمدہ اپنی دوستوں کی آمد نے چار چاند لگا دیے محفل میں آپ کی شرکت' بہیں خوشی سے دوچار کرتی ہے آتی رہیں دلوں پہ چھاتی رہیں۔ ''آرائش حسن' عالم میں انتخاب'' سحرش فاطمہ، نازیہ عباسی، فہیم انجم، ثنا حسنین، حنا اشرف، نادیہ احمد، صدف آصف سب کے انتخاب نے دل ومحفل کی خوب صورتی کو بڑھا دیا ہم تو واہ واہ کرنے پہ مجبور ہوگئے۔ ''شوخی تحریر' حسن خیال'' لا جواب اپنا خط بھی شامل تھا واہ تمام دوستیں بھی جگمگ کررہی تھیں مبارک ہو۔ ''ہیومیو کارنر' شوبز کی دنیا'' تمام ڈائجسٹ چاٹ ڈالا (فروٹ چاٹ سمجھ کر) ہاہاہا۔ بہت مزہ آیا شدت سے اگلے شمارے کا انتظار ہے جو یقیناً عید نمبر ہوگا اب عید نمبر میں کون کون شامل انتظار کررہے گا اب اجازت دیں پھر آؤں گی۔ ان شاءاللہ۔

کوثر خالد...... جڑانوالہ۔ پیاری جویریہ اور سویٹ قاری، لکھاری، بہنو السلام علیکم وعید مبارک۔ بات چیت بڑے دھیان سے سنی باقی ڈائجسٹوں کے عید سروے سوال حسب حال نہ لگے مگر حجاب کا سروے پڑھ کر دل بلیوں اچھلا اور سروے کے لیے آج وقت نکالا۔ اب دیکھتے ہیں اسے پڑھ کر کوئی بلیوں اچھلتا ہے یا...... ''حمد'' اعظم چشتی' کیا بات ہے ہماری فہم سے بالاترین ہیں۔ ''نعت'' تو مشہور زمانہ زبان زدعام ہے۔ ''امہات المومنین'' حضرت جویریہ سیدھی دل میں اتر گئیں' شکریہ۔ ''ذکر اس پری وش کا'' بھی اچھی ہوتی ہیں مگر ملالہ اسلم کا نام جو پہلی بار سنا تو بھولنا ناممکن ہوگا۔ ''رخ سخن'' عفت سحر طاہر کی بہت سی باتیں اور حالات مجھ جیسے ہیں خاص کر نماز اور شوہر کی محبت۔ نسیم نیازی مجھ سے بالکل مختلف مگر بچی لگیں اچھی لگیں۔ ''آغوش مادر'' سب رلاتی ہیں ہم نے تو زندہ دل سا بھیجا تھا جانے کیا حال ہوا؟ افسانے ایک سے بڑھ کر ایک تھے مگر ''گڑیا'' نمبرون۔ مکمل ناول سمہ قریشی پہلی بار نام سنا مگر تحریر دل پر کچھ زیادہ ہی اثر کرگئی۔ لگتا ہے ایک جملے (ریٹائرڈ) سے ناول تیار کرلیا۔ صدف آصف تو منجھی ہوئی لکھاری ہیں میری حمد ونعت ان کی آنکھیں نم کرگئی اس دن سے یہ اور بھی دل کے قریب لگیں۔ پاکیزہ میں اکثر ان کے مراسلے پڑھتی ہوں۔ رفاقت جی نے پروین شاکر سے طواکر بہت اچھا کام کیا ہے۔ ''شوخی تحریر'' کے تمام ٹکڑے پسندیدہ رہے۔ ''حسن خیال'' تو سب سے پہلے حمد ونعت کے بعد پڑھتی ہوں' اکیلی حرا کا خط پڑھنے اور سمجھنے میں پندرہ منٹ لگ جاتے ہیں' ذرا آسان لکھ لیں تو سر آنکھوں پر' کیا خیال ہے؟ ''عالم میں انتخاب'' یوں تو سارا زبردست ہوتا ہے مگر ہمارے حسب حال جو ہوا۔ حنا اشرف شاعر احمد ندیم قاسمی ''بزم سخن'' میں مشال علی اول کہ شعر نعتیہ تھا اور باقی مجھ سمیت دوم رہے۔ ''آرائش حسن'' ہمیں اس کی ضرورت تو ہے کہ ہاں...... بس برائے نام ہیں اپنے مگر یہ سب ہم سے ہوگا نہیں۔ پڑھنے لکھنے سے فرصت ملے تو ہی اپنا حلیہ درست کریں ہم تو اسم باری تعالیٰ ہی پڑھتے ہیں ہر مسئلے کے لیے آگے مرضی رب کی جتنا حسن دے بندے میرے لیے کافی ہے۔ قادر مجید اور خالق مصور جمیل اور دعائے سیرت ودرود پاک اب اجازت خوش رہیے خوشیاں بانٹیے۔ آخر میں تازہ ترین حمد کے شعر سن لیں خوشی ہوگی۔

جس کو دیتا ہے حسب حال دیتا ہے
میرا رب جس کو چاہے کمال دیتا ہے
خوب رکھے ہمیں یا خوب تر رکھے
جس کو جتنا وہ چاہے جمال دیتا ہے
عطا ہے اس کی ثناؤں کا عطیہ ملا
حرفوں لفظوں کے مجھ کو جال دیتا ہے

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر۔ اس بار جون کا شمارہ چلچلاتی دھوپ میں ماڈل کے سرورق سے سجا حجاب ٹھنڈک کا احساس لیے طلوع ہوا۔ اس رمضان المبارک نمبر میں ''حمد ونعت' امہات المومنین'' پڑھ کر روح کو غسل دیا۔ ''ذکر اس پری وش'' کا میں ملالہ اسلم اور باقی بہنوں سے ملاقات اور ''رخ سخن'' میں عفت سحر طاہر' نسیم نیازی سے مفصل ملاقات مزا دے گئی۔ لاریب انشال نے ''آغوش مادر'' میں خوب صورت الفاظ کو چنا۔ سلسلے وار ناولز اور باقی ناولز بھی اچھے ہوں گے کیونکہ یہ بعد میں پڑھوں گی۔ بزم سخن میں اقراء ماریہ' لاریب انشال' لائبہ میر۔ عالم انتخاب میں ارم کمال' ہری عمران' دلکش مریم۔ ''شوخی تحریر'' میں سز نگہت غفار' فابیہ مسکان' شیاں زر گر چھائی رہیں۔ ''حسن خیال'' میں اس بار آپ نے دو بہنوں کو اول انعام دے دیا کیا آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا؟ اس سے یاد آیا کہ میرا ابھی مارچ کے شمارے میں انعامی خط شائع ہوا تھا مگر وہ انعام مجھے ابھی تک نہیں ملا ہے۔ میری طرف سے سب بہنوں کو عید مبارک ہو دعا ہے ایسی خوشیاں آپ کو ملتی رہیں آمین۔

قرسم آفریدی...... فیصل آباد۔ السلام علیکم سب خواتین کو کیسی ہیں سب یقیناً ٹھیک ٹھاک ہوں گی اور رمضان المبارک کی عبادات میں دل وجان سے مصروف ہوں گی۔ اب آتے ہیں اپنے پیارے حجاب کی طرف تو شروعات ہوتی ہیں۔ آگے بڑھتے تو قیصر آپا ہمارے لیے دیدہ ودل فرش راہ کیے بیٹھی تھیں تو ان سے تھوڑی سی بات چیت کی آپا عید نمبر کے بارے میں بتا رہی تھیں امید ہے اچھا ہوگا آپا کو خدا حافظ کہہ کر حمد باری تعالیٰ اور نعت شریف سے مستفید ہوئے بہت خوب۔ امہات المومنین حضرت جویریہ کے بارے میں جاننا بہت اچھا لگا پیاری ندا رضوان خدا آپ سے ہمیشہ راضی رہے۔ ''ذکر اس پری وش کا'' (کمال نام دیا ہے آپ نے) جہاں صفیہ حزل' عدیلہ رانی' عائشہ کنول' ملالہ اسلم (یار تمہارا نام دیکھ کر ملالہ یوسف ذہن میں آجاتی ہے) اُف...... آگے کیا بتاؤں جی یہاں تو ہماری آپ کی ہم سب کی بہت ہی پیاری عفت سحر آپی (عفت سحر طاہر) تشریف فرما تھیں۔ بہت خوب صورت ملاقات رہی اپیا ہمیشہ خوش رہیں۔ نسیم نیازی سے بھی اچھی گفتگو رہی آغوش مادر میں لاریب انشال نے اپنی خالہ نانی کے بارے میں جو لکھا خوب لکھا بہت کم لوگ ہوتے ہیں شیریں ماں جیسے خالص۔ خدا مغفرت فرمائے ان کی

آمین۔ "وفا کے دو دانوں کی تسبیح" واہ کیا کمال لکھا بسمہ نے مزہ آگیا اور وہ جملہ تو سب سے مزے کا تھا (آخر آل ہے تو ریٹائرڈ آرمی آفیسر کی بیٹی ناں۔ ہر چیز ریٹائرڈ ہو چکی ہے) ہاہاہا۔ "دل ضدی بچہ" طلعت نظامی نے بھی اچھا لکھا لیکن کیا اب بھی دو ڈھائی سو کا سوٹ آجاتا ہے کیا کچھ کچھ عجیب تھا مگر اچھا تھا۔ نادیہ فاطمہ کے ناول پہ تبصرہ مکمل ہونے پہ "آرزوئے جاں" نمیرہ بخاری پیاری کہانی مگر جنید چوہدری نے بھی دانیال فاروقی والا کام ہی کیا۔ عاشق نامراد بس گزارہ ہو گیا۔ "اجالے لوٹ دے گیا" نفیسہ آپی کی اچھی کاوش تھی۔ "دل کے دریچے" ختم ہونے پہ تبصرہ "پرچھائیں" رابعہ جی زی کو پہلی دفعہ پڑھا اچھا ناول تھا پیسہ ضروری ہے مگر اتنا نہیں کہ اس کے لئے رشتوں اور محبتوں کو ٹھکرا دیا جائے۔ آگہی کے بعد ہمارا ڈو نے بھی اچھا لکھا۔ "ڈیل" نظیر فاطمہ اعلیٰ افسانہ بازی لے گیا ہم سب کو ایسی ڈیلز کرتے رہنا چاہیے۔ "تیرے لوٹ آنے تک" لاجواب ناول۔ "محبت خوشبو کی مانند" ممتاز یوسف نے بھی خوب لکھا۔ خدا کی رحمت اقراء نے تو رُلا ہی دیا خدا ہماری سزائیں ختم کرے اور ہم پر اور ہمارے غریب بہن بھائیوں پر اپنا خاص رحم و کرم کرے آمین۔ "گڑیا" بر جیس نے ایک تلخ حقیقت کو بیان کیا ان امیروں کے چھوٹے بچوں میں بھی یہ فرعونیت بھری خصوصیات پائی جاتی ہیں حیرت ہے۔ "ضد ہار گئی" صبا الیاس اس افسانے کے بارے میں کیا کہوں چپ ہی بہتر ہے۔ "جیسا میں نے دیکھا" پروین شاکر کے بارے میں بہت بہت عمدہ کام کر رہی ہیں رفاقت جی۔ طب نبوی ﷺ سمیرا کی محنت بھی قابل تحسین ہے مزید آگے بڑھے تو سمیہ بزم سخن سجائے بیٹھی تھیں جس میں مشا شاہ، پروین عائشہ اور سمیرا کے اشعار پسند آئے۔ آگے کچن کارنر نظر آیا تو ادھر آ نکلے جہاں زہرہ جبیں افطار دستر خوان بچھائے ہماری منتظر تھیں اور ان کی مدد کے لئے نادیہ طلعت، نزہت آپا، نازیہ سحرش، حنا، فہیم، ندا، سمیعہ، رخسانہ، صدف اور جوریہ موجود تھیں حنا تو چلو میری طرح سگھڑ ہے مگر فہیم بھی اتنی سگھڑ ہوگی کہ آلو بخارے کا شربت بنالے واہ واہ حیرت ہی ختم نہیں ہو رہی میری۔ فہیم گارنٹی دو کہ تمہارا بنایا شربت پی کے ہم زندہ رہیں گے تو پیوں گی۔ آرائش حسن صدیقہ جی لمبے بالوں کے لئے نسخے بتانے کا شکریہ۔ عالم انتخاب نزہت آپا کی جاگیر جس کا انتظام وہ بخوبی چلا رہی ہیں۔ فہیم انجم کا انتخاب چھا گیا واہ بہت خوب۔ اس کے علاوہ نازیہ سدرہ کا انتخاب بھی زبردست تھا خوشی تحریر کی بزم جو ہما جی خوش اسلوبی سے سجاتی ہیں۔ حنا حاجرہ، کوثر آصف، اقصیٰ فائزہ، فابیہ پروین، منزہ، اریبہ، نادیہ، ملالہ، ثمرہ وشیان، حافظہ صائمہ، نورین کی تحریروں نے ڈھیروں چاند لگا دیئے (بھئی تمہیں جو آتی ساری تو چاند بھی تو اسی حساب سے ہوئے نا ہاہاہا) حسن خیال کی محفل جو ہی احمد بہت عمدگی سے سجاتی ہیں۔ طلعت نظامی ہومیو کارنر بہت اچھا جا رہا ہے۔ شوبز کی دنیا دعا بھی اچھا کام کر رہی ہے۔ ٹوٹکے فریحہ کی جتنی تعریف ہو کم ہے۔ اجازت دیجئے خدا حافظ۔

صبا خان...... ڈی جی خان ۔السلام علیکم ایڈیٹر صاحبہ! حجاب کی تمام بہنوں کو عید مبارک اور کیا حال چال ہیں تمام مقدر دانوں مہربانوں سلام۔ سرورق کی دلکشی ناقابل بیان ہے۔ ویل ڈن حجاب اس کے بعد ہمیشہ کی طرح فہرست پر نگاہ دوڑائی تمام نام اپنے اپنے سے لگے۔ مدیرہ کی "بات چیت" ہمیشہ کی طرح پر اثر رہی "امہات المومنین" پڑھا عقیدت کا احساس آنکھوں میں پانی بھر لایا ملاقاتوں سے دل کو بہلایا یہ بھی ایک خاص انداز کی ملاقات ہوتی ہیں۔ اس کے بعد پیاری عفت سحر طاہر کا انٹرویو پڑھا تصویروں نے چار چاند لگا دیئے۔ "آغوش مادر" ہمیشہ کی طرح زبردست یہ ایک بہت اچھا سلسلہ ہے۔ نادیہ جی کا "میرے خواب زندہ ہیں" پڑھا مزہ آیا آگے کی قسط کا انتظار ہے۔ صدف آصف "دل کے دریچے" دل میں سما گیا ہے، فائزہ اور سفینہ کی محبت اور بیچ میں آفاق شاہ کی آمد خدا خیر کرے ویل ڈن۔ "وفا کے دو دانوں کی تسبیح" بسمہ قریشی بہترین ناول "آرزوئے جاں" سیدہ نمیرہ بخاری کا سبق آموز لکھا۔ "عاشق نامراد" زرین قمر جی کے مجھے ہوئے قلم سے نکلی ایک بہترین تحریر۔ "آگہی کے بعد" ہما ادو خواہشوں کی بھیڑ میں محبت کی متلاشی گڈ۔ "ڈیل" میں نظیر فاطمہ نے ہمیشہ کی طرح خوب صورتی سے قلم اٹھایا اور ایک پیارا سبق دیا۔ "اجالے لوٹ دے گیا" نفیسہ سعید نے منفرد موضوع پر قلم اٹھایا سبق آموز کہانی تھی۔ "پرچھائیں" میں رابعہ نیازی نے تلخ حقائق بیان کر ڈالے۔ "تیرے لوٹ آنے تک" سلمیٰ فہیم گل کا ناولٹ عمدگی سے جاری ہے۔ "محبت خوشبو کی مانند" ممتاز یوسف نے بہت عمدگی سے ہلکے پھلکے انداز میں لکھا۔ "خدا کی رحمت" اقراء افگزار کی تلخ حقائق سے لبریز ایک دل گداز تحریر۔ "گڑیا" سیدہ برجیس رباب نے جذبات کی بہت اچھے انداز میں عکاسی کی۔ "بزم سخن، کچن کارنر، آرائش حسن سارے سلسلے ہی اے ون جا رہے ہیں حجاب اور آنچل میں شاعری کا معیار بہت اعلیٰ ہوتا ہے باقی آئندہ کے لیے دعا گو۔

سیدہ عروج فاطمہ...... ملتان ۔السلام علیکم! امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ بے شک ہم سب کے ساتھ خوشی اور غم کے معاملات ہوتے ہیں۔ ادارہ کے تمام اسٹاف ممبران بھی ہماری طرح گھر کے کاموں میں بھی مصروف ہوتے ہیں لیکن پھر بھی بہترین کہانیوں کا چناؤ ان کی تصحیح و اصلاح اور پھر ڈھیروں خطوط اور ہر خط کو ایک جیسی توجہ اور محبت سے پڑھنا ہمارے دل میں ادارے کی محبت کو اور بڑھا جاتا ہے۔ اس ماہ سرورق بہت دیدہ زیب تھا جس نے ہم ملتان والوں کو جون کے مہینے میں ٹھنڈک کا احساس دلایا۔ فہرست پر نظر ڈالی تو خوب صورت نام ستاروں کی طرح جھلملا رہے تھے۔ مدیرہ صاحبہ سے بات چیت کے بعد حمد اور نعت سے دل کو منور کیا اس کے بعد "امہات المومنین" کو نہایت ادب سے پڑھا۔ اپنی پیاری بہنوں صفیہ، عدیلہ، ملالہ، عائشہ کے تبصروں کو لبوں پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے پڑھا۔ صفحہ نمبر 19 نے تو کمال ہی کر دیا وہاں پر انٹری دی تو کیا دیکھتے ہیں عفت سحر طاہر کا انٹرویو ڈائجسٹ کو چار چاند لگا رہا تھا پھر نسیم نیازی کی شاعری سے زندگی میں رونق کا احساس ہوا۔ سب سے پہلے جو ناول پڑھا وہ تھا "وفا کے دو دانوں کی تسبیح" از قلم بسمہ قریشی ذخیرہ الفاظ اور طرز اسلوب منفرد اور بہت عمدہ تھے۔ مجھے ایسا لگا جیسے یہ مناظر میری آنکھوں کے سامنے زندہ ہو گئے ہیں آرمی لائف کی کہانی کو نہایت عمدگی سے لکھا گیا ہے۔ ماہ نور کی زندگی کے نشیب و فراز ہم نے پڑھنے کے ساتھ ساتھ محسوس بھی کیے اس کے بعد "آرزوئے جاں" از قلم سیدہ نمیرہ بخاری اخلاقی سبق سے بھرپور تھا جس سے بھرپور ناول جس نے آخری وقت تک ہمیں حیرت میں جکڑا رکھا۔ یہ کہانی بھی ہمارے دل میں جگہ بنانے میں کامیاب ٹھہری پھر اگلی باری "پرچھائیں" کی آئی از قلم رابعہ نیازی لکھنے کا انداز بلند پایہ حقیقی زندگی میں تو جذبے ہوتے ہی ہیں لیکن ان کے اظہار کے لیے خوب صورت الفاظ نہیں ہوتے ہیں۔ حجاب ڈائجسٹ میری زندگی کے تمام پہلوؤں پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔ صدف آصف کی تحریر "دل کے دریچے" نے دل ہی جیت لیا۔ سفینہ اور فائزہ کی محبت کو اس قدر خوب صورتی سے بیان کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا تو بس پڑھتا ہی رہ جائے۔ "گڑیا" افسانے نے تو رلا دیا ایسا ہی تو ہوتا ہے ہمارے معاشرے میں غربت ہار جاتی ہے ایک تلخ حقیقت ہے یہ سوچنے والوں کے لیے۔ اقراء افگزار کا افسانہ "خدا کی رحمت" ایک خوب صورت تحریر ہے جو حقیقت کے بہت قریب لگی مجھے۔ اقراء میری طرف سے داد و تحسین حاصل کیجیے۔ محبت خوشبو کی مانند" از قلم ممتاز یوسف میں تو مینی کی سبزی برتری لے گئی مجھے پسند تو بہت ہے مینی لیکن جتنی اس افسانے میں پکی میرا تو پیٹ بھر گیا ان عورتوں کے لیے اچھا سبق ہے جو ہر وقت اپنے شوہروں کی برائی کرتی رہتی ہیں۔ نظیر فاطمہ کا افسانہ "ڈیل" اللہ سے قریب کرتا ہے انسان کو انسان سوچنے پر مجبور ہو جائے پڑھ کر اللہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔ افسانہ "آگہی کے بعد" از قلم ہما ادو ایک مسکراتی تحریر کافی اچھی لگی مجھے دانش اور منال کی ہیپی اینڈنگ پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ اس بار کچن کارنر میں نزہت جبیں ضیاء نے تو کمال ہی کر دیا جو بھی ڈش پڑھتی وہ کھانے کا دل کرتا (ہاہاہا) شکریہ آپی خوش کر دیا آپ نے مجھے۔ عالم میں انتخاب نے اس بار بھی میری توجہ حاصل کی اب اجازت چاہوں گی ملتان کی گرمی کا تو آپ لوگوں کو اندازہ ہوگا ہی اس بار کچھ زیادہ ہی مہربان ہو رہی ہے یہ ہم سب پر۔ حجاب ڈائجسٹ کو اس وقت اردو ادب کی حیات کی وجہ قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ آپ کی کاوشیں داد و تحسین کے لائق ہیں ڈائجسٹ دلچسپی کا ایک اچھوتا عنصر لیے ہوئے ہے بلاشبہ نسلوں تک سفر کر رہا ہے اور ہر گھر کا پسندیدہ پرچہ ہے۔

عائشہ پرویز...... کراچی ۔حجاب اپنے نام کی طرح منفرد ہے اس کے تمام ہی سلسلے بہت اچھے ہیں۔ جس طرح دن کے اجالے کے بعد سورج کی پہلی کرن افق پر ضروری ہے۔ بالکل اسی طرح آنچل کے بغیر حجاب نامکمل ہے۔ "حمد و نعت" کے کیا ہی کہنے دل معطر ہو جاتے ہیں اور ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور پھر جا پہنچے "امہات المومنین" کی باتیں نہ ہوتو اک خلا سا رہ جاتا ہے انٹرویوز میں سب لوگوں کے خیالات جاننے کو ملتے ہیں تب بھی بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ "آغوش مادر" لاریب نے بہت عمدہ لکھا جو ہمیں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں وہ بھی اس دیس جہاں سے واپسی ممکن نہیں پھر ان کی یادیں صفحہ قرطاس میں بکھیرنا بھی مشکل ترین امر ہوتا ہے۔ "وفا کے دو دانوں کی تسبیح" بسمہ نے ایک محبتوں سے بھری محبتوں سی لکھی کہانی بکھیرتی محبتوں کے سبق سکھاتی سہانے دل کو بھانے والی اور دل کو چھو جانے والی انوکھی داستان خاص کر لائنز (آخر آل ہے تو ریٹائرڈ آرمی آفیسر کی بیٹی ہر چیز ریٹائرڈ ہو چکی ہے) نے مزہ دے دیا۔ طلعت نظامی "دل ضدی بچہ" بہت اچھی لکھی آج کل کی معاشرتی کہانی ویل ڈن۔ "میرے خواب زندہ ہیں" فاطمہ جی اسٹوری کا نام ہی اتنا اچھا لگا ہے تو سوچیں اسٹوری کتنی اچھی لگی ہوگی۔ "عاشق نامراد" زرین قمر اتنا زبردست مشاہدہ اور انداز بیاں کیا کہنا۔ "آرزوئے جاں" "وقت کتنا ظالم ہے یہ جو دکھاتا وہ دیکھنا پڑتا ہے چاہے آپ کتنی تکلیف میں کیوں نہ ہوں اور اپنوں کی بے اعتباری سے بڑا دکھ شاید کوئی نہیں۔ "اجالے لوٹ دے گیا" نفیسہ آپی عمدہ ترین کاوش ہے موضوع اور انداز تحریر دونوں کے لحاظ سے اپنی مثال آپ۔ "دل کے دریچے" صدف آپی سی چھا گئیں۔ "تیرے لوٹ آنے تک" سلمیٰ جی کہانی بہت عمدگی سے جاری و ساری ہے۔ "خدا کی رحمت" اقراء اتنی پیاری اسٹوری تخلیق کرنے پر آپ کو ڈھیر ساری داد۔ "گڑیا" تلخ حقیقت پہ مبنی ایک کہانی ویری گڈ۔ "میرے خواب زندہ ہیں" زرتاشہ اور زرمینہ سے ہی اصل رونق ہے اس کہانی میں دونوں کی مستی کو کھلاتیں بیوقوفیاں عقل مندیوں نے بالکل بھی اپنا دھیان ادھر ادھر بھٹکنے نہ دیا۔ "جیسا میں نے دیکھا، طب نبوی ﷺ بزم سخن سے لطف اندوز ہوئے۔ کچن کارنر میں فہیم شربت بانٹتی ہوئی نظر آئیں ارے سحرش میں آپ ہی کے شہر میں سانس لے رہی ہوں بندہ افطار پارٹی میں سموسے بھی کھلا سکتا ہے آرائش حسن

بہت دھیان سے پڑھا آخر اپنے حسن کا بھی تو خیال رکھنا ہے نا۔ عالم انتخاب سب نے اپنی پرسنالٹی کے حساب سے بہترین انتخاب کیا۔ حسن خیال میں میرا خیال کسی کو نہیں آیا ہمم...... اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی اللہ پاک حجاب اور ہمارا ساتھ چلتی سانسوں تک رکھے آمین۔

ثمن آفندی...... حجاب اس دفعہ لیٹ ملا خیر کوئی نہیں۔ ناول کو تانا بانے کرتے اندر جھانکا تو معلوم ہوا کہ عشنا آپی نئے افق میں آ رہی ہیں ناول کم جی۔ مکمل ناول بہت ہی اچھا لگا۔ ماہ نور کی رشتوں کے لیے سوچ اچھی لگی اور پرے عثمان کا کردار واہ جی واہ (ویسے یہ رائٹر نئی تھی کیا؟) بہت اچھی لگی۔ افسانے سب ہی اچھے تھے کسی ایک کا نام لینا زیادتی ہوگی۔ ناولٹ بس ٹھیک تھے لو جی جناب میں تو بھول گئی اپنے فیورٹ ناول کو جی ہاں جی "تیرے لوٹ آنے تک" اس ناول کو لے کر جتنے گمان تھے اب وہ یقین میں بدلتے جا رہے ہیں۔ آغا مینا کو بھائی اور بہن مل گئی اچھا بس تو رخ کی وائف سیٹ ہو جائے اور آغا مینا زادیا کے ساتھ اُس زرینہ میڈم ارقم کے ساتھ...... "دل کے دریچے" پہ تبصرہ محفوظ ہے جی۔ "میرے خواب زندہ ہیں" اُف سونیا کو تو بندہ شوٹ کر دے فراز اور حیا کا کپل اچھا ہے اور زرینہ تم بھی اچھی ہو۔ مستقل سلسلے کی تو کیا ہی بات ہے کچن کارنر میں سحرش آپی کے سموسے فہیم آپی کا شربت مزہ دے گیا۔ یوں سمجھوں جیسے افطاری بن گئی میری۔ پہلی دفعہ تبصرہ کیا ہے کوئی بات بری لگی تو سوری اینڈ عید مبارک۔

کنول خان...... **ہری پور ہزارہ**۔ السلام علیکم! حجاب فیملی اینڈ دوستو اس بار حجاب ملا تو جلدی گیا بٹ جلدی پڑھ نہیں پائی لیکن جب میں (ماہ بدولت ہاہاہا) نے پڑھنا شروع کیا تو اک وری ہی سارا کام مکا کے اٹھے۔ (گھر کا کام نہیں) پڑھنے کا کام...... ہی ہی ہی چلیں اب سیدھی آتی ہوں سروق کی جناب تو کیا خوب لگتی ہو...... تم سندر سندر دکھتی ہو...... بہت ہی خوبصورت کور لائٹ سا دل کو بہت پسند آیا (یعنی مو کھمبو خوش ہوا) ہاہاہا...... اس کے بعد میں گری گاتی ہوئی شاعری کارنرز (الم اور انتخاب) چل پڑھی آئی لا یہ کیا ساری جانے پہچانے لوگ...... خوشی خوشی سب کے نام دیکھے اور وقعی سب کے انتخاب بہت زبردست تھے۔ مجھے کب جگہ ملے گی نزہت آپی...... آخر کب مائی لاوڈ ہاہاہا۔ مکمل ناول میں ایک ایسا نام اگر وہ واقعی وہی بسمہ قریشی ہیں جو ہری پور سے تعلق رکھتی ہیں اور میری کلاس فیلو بھی تو سچ جانیے مجھے بہت زیادہ خوشی ہوئی اس کو حجاب میں دیکھ کے (کاش ہماری بسمہ ہی ہو) اگر نہیں تمہیں بھی ہوئی تو کوئی گل نہیں دوسری بسمہ آپ بھی ہماری ہی ہو (ہاہاہا) اب آتی ہوں اپنی بسمہ (پہلی دوسری دونوں) کی کہانی کی طرف وفا کے دو دانوں کی تسبیح جو کہ تدبیر سے ہوتی ہوئی تقدیر تک آتی ہے ایسی محبت کی کہانی جو عثمان اور نور سے شجاع اور پھر شجاع نور سے ہوتی ہوئی دو بارا نور اور عثمان کی محبت کی کہانی بنتی ہے۔ بہت سے اتار چڑھ ہو کے ساتھ ایک بہترین کہانی۔ آرزوئے جاں کیا ایسا بھی ہوتا ہے؟ آہ عالیان ایسا نکلے گا اندازہ نہیں تھا رائمہ نے کتنی چالاکی سے عالیان کا سچ سامنے لایا محبت کیا ہے اس کی اصل پہچان پیسہ نہیں اعتبار ہوتا ہے بھروسہ چاہت۔ بہت خوبصورت کہانی۔ سیدہ حینہ بخاری کی پرچھائیں یہ کیسا ناول تھا ایسا بھی کوئی کرتا ہے ہدابعہ جی کہتے ہیں نا انسان ہمیشہ ٹھوکر کھا کے ہی سبق سیکھتا ہے بلکل اسی طرح ہانیہ جی کو بھی بعد میں ہی احساس ہوا کے اس نے کتنا بڑا نقصان کر دیا اپنا ناول اچھا رہا میں نے زندگی میں پہلی بار اس بار کے حجاب کے سارے افسانے پڑھے اس سے پہلے میں افسانے زیادہ نہیں پڑھتی۔ ہاں جی تو بات ہو رہی ہے افسانوں کی تو بات کر ہی لیتی ہوں میں بھی فر اس بار ہر افسانہ ایک سے بڑھ کر ایک تھا۔ اجالے لوٹا دے گیا۔ اچھا افسانہ۔ دل ضدی بچہ ہاہاہا کمال کا افسانہ تھا بہت مزہ آیا۔ ہمارا ڈا آگہی کے بعد ہمارے ساتھ بھٹی باتیں کر رہی تھیں بہت خوب تھا۔ ڈیل ماشاءاللہ نظیر فاطمہ سس کیا خوبصورت ڈیل کروائی آپ نے خدا سے۔ مہناز یوسف (سس) محبت خوشبو کی مانند کے ساتھ جلوہ گر تھیں مہناز سس کمال افسانہ تھا۔ خدا کی رحمت روٹھ گئی۔ کاش ایسے کوئی اصل زندگی میں شواف نا کرے کبھی کسی مجبور باپ کی بیٹی اسے روٹھے اللہ پاک سب کو نیک دل بنائے آمین۔ اقرا رولا دیا یار۔ سیدہ برجیس رباب آپ کا نام بہت پسند آیا آپ کے افسانے ثریا کے طرح ضد ہار گئی۔ ضد گھر پہ ہی چلتی باہر کوئی وہ نہیں کرتا جو ہم چاہتے ہیں۔ صبا سس افسانہ سد شکر افسانے ختم ہوئی اس کے بعد باری تھی۔ ناولٹ کی عاشق نامراد بس اچھا ہا زیادہ پسند نہیں آیا۔ تیرے لوٹ آنے تک سلمیٰ سس ہم تو ہر مہینے آتے ہیں پھر آپ کو پتہ کیوں نہیں چلتا ہمارا ہاہاہا...... ہمیشہ سلسلے وار سب سے پڑھنے والی میں اس بار سب سے لاسٹ میں سلسلے وار پڑھے ہمیشہ کی طرح دلکش شاندار کمال ناول دونوں۔ بات کرتی ہوں رخ سخن کی سماس سس عفت سحر اور یم سس کے بارے میں پڑھ کی جان کے بہت اچھا لگا آغوش مادر لاریب انشال بہت زبردست۔ ذکر اس پری وش کا سب کو جان کے اچھا لگا۔ بشریٰ افضال آپ کے بارے میں جان کے بھی خوشی ہوئی۔ ندا رضوان امہات المومنین بہت اچھا سلسلہ۔ کچن کارنر بہت مزہ آتا ہے نیا سیکھ کے۔ اس کے علاوہ تمام سلسلے ایک سے بڑھ کے ایک۔ آخر میں تمام حجاب فیملی ممبرز کو میری فیس بک دوستو کو اور تمام پڑھنے والی بہنوں کو بھائیوں کو دلی عید مبارک۔ اللہ حافظ۔

مونا شاہ قریشی...... **کبیر والہ**۔ سلام الفت و راحت پیش خدمت ہے عزیز بجو ابر ستار حجاب تشریف فرما ہیں۔ نقارہ آمد لازم ہے یارم ایسا دلفریب و جاذب نظر ٹائٹل قابل ستائش بعد از گردانی ورق مدیرہ کے اسلوب بیان سے سبکدوش ہوئی تو خراماں خراماں انگلیوں کی جنبش صفحات سے کھیلتی رہی لیکن دل عفت سحر کو براجمان محفل دیکھ کے لبوں کی تراش میں فی البدیہہ مسکراہٹ عود آئی "وفا کے دو دانوں کی تسبیح" نے میری سبک روی پہ ایسی چوٹ ماری کہ دست نازک بے ساختہ ٹھہر گئے۔ لفظ لفظ معطر کر گیا ہائے رے میرا دل گیا۔ عثمان کا ٹھہراؤ حسن کی محبت و پاکیزگی نے متاثر کیا بعض سین ایسے خطرناک تھے کہ یکبارگی دل دھک دھک گویا آخری گیند پہ درکار چار رنز۔ ماری جانے والی شارٹ اور گیند کے تعاقب میں معروف شائقین کی بے چینی نگاہیں آیا کہ چوکا ہوگا یا کیچ کے ہارنے کا عندیہ ملے گا۔ "ریٹائرڈ کرنل کی بیٹی ہے آخرکار ہر چیز ہی ریٹائرڈ ہو گی" اس جملے کی گردان آغاز سحر سے لے کر طلوع شام تک میرے ذہن و قلب میں شور برپا کرتی رہی۔ بسمہ قریشی سدا سلامت رہیں آپ کے الفاظ اور آپ کا سحر سے لبریز قلم۔ "آرزوئے جاں" سیدہ حمیہ واہ واہ ایک وہ جو کہن روایت تھی اسے آپ کے قلم نے پاش پاش کر دیا کیا سمجھے۔ (اب بھانجے بھتیجے ہمیشہ بھی سعادت مند نہیں ہوتے) نفس انسان اور شیطان بہت زور آور ہے اور اس جنگ میں انسان کے اعصاب کا قوی ہونا ضروری ہے ورنہ وار بڑا جاندار ہوتا ہے کہ انسان کو حیوان بننے میں تاخیر کا عمل دخل رک جاتا ہے "اجالے لوٹا دے گیا" نفیسہ سیم کے قلم کی مہک اور مشتاق کا خبطی پن نہ تہذیب نہ تخفیف و غضب نہ تمنائے چاہت بس ایک سیدھا سا پیغام نکاح اور بعد از انکار خاموش عجز و انکسار سے پرسائیاں سی بے لوث محبت کی آنچ لاجواب لاجواب۔ "پرچھائیں" کا آخر درست و مطلوب مگر ایک کھٹکا سوال اسامہ کی تنہائی ہانیہ کی بدتمیزی اور تحقیر محبت پہ کوئی تو فتویٰ کوئی تو ٹھوکر کوئی تو سزا حق بجانب تھی۔ ہاہ لکھاری کبھی اپنے قلم کو ناانصافی سے روشناس نہیں کرواتا تو مثل معصوم و مودب بچی ہم تعظیم میں سر تسلیم خم کرتے کشادہ دلی سے اینڈ قبول کرتے ہیں (آہم) "عاشق نامراد" زریں قمر جنابہ بہت کے انتخاب موضوع پوری کہانی پڑھ کے انگلی منہ میں دابے مارے تحیر کے دیدے سوا کیے میں ہونق بنی بیٹھی رہی از ارتش کی دماغی حالت اور اس پہ مستزاد جان تک لینے کی سعی اور بایں ہمہ ایان کی مستقل مزاجی آفرین آفرین۔ "دل ضدی بچہ" طلعت آپا آہاں افسانوں کی ملکہ...... (میں تو یہی کہوں گی) قلم کی طاقت کو رب العزت اور شہہ عطا کرے۔ "ڈیل" نظیر فاطمہ بہترین مصحف کے اسرار و رموز گر بندہ نافرماں کی فہم فراست میں در آئیں تو کیا خوب حق مسلمانیت ادا ہو۔ "آگہی کے بعد" ہمارا ڈا عمدہ۔ باقی افسانے بھی سبق آموز تھے بہت اچھی کاوش۔ ذرا رخ سخن ہو سلسلے وار کی جانب "میرے خواب زندہ ہیں" نادیہ آپی کیا قلم کا انداز بیاں ہے نیلم جیسی چلتی سرگرمیوں پہ تو بس ہاتھ اٹھے اور چہرہ رنگین ہو جائے والے جذبات اللہ اللہ کر کے آتے عورت ذات کی توہین ہاسل کی شوقین فطرت ایسے مرد بھی معاشرے کا المیہ ہیں زرتاشہ معصوم زرینہ نکھری لالہ رخ سویٹ سونیا شر فشاں لیڈی شرجیل سربراہ وہ انسانیت میں مقید ابلیس مکمل کہانی زبردست۔ "دل کے دریچے" صدف آصف اے سعدیہ جبیں تیرے قلم کی دل نشین سازش میں ہم گم گشتہ سے ہو جاتے ہیں شرمیلا کا آفت سراپا نبیل کی بے ایمانیاں سفینہ کی بے قراریاں فائز کی بے بسی کون گوہر افشانی کرے کہ قلمی سفر کا پہلا سلسلہ وار ناول ہے...... واللہ یہ جسارت کوئی نہیں کر سکتا لاجواب۔ "تیرے لوٹ آنے تک" سلمیٰ فہیم گل سدا گل و گلزار رہیں آغا مینا میرا پسندیدہ کردار قلم پہ مہارت تامہ رکھتی ہیں آپ بقایہ سلسلے ویل ویل ڈن از حسن خیال آہاں یارو سب کالی گھٹاؤں سے چھائے ہوئے تھے از شوخی تحریر کمال انتخابات میسر تھے غرض یہ کہ حسب دستور حجاب تخلیقی جواہرات سے بھرا تھا وحدت واحد اس جریدے کو خوب سے خوب تر کامیابیوں سے نوازے اور اپنے کرم کا منہ بجانب ارکان ادارہ کھول دے کہ بہ جان کی ہمیں ایسا ادب میسر ہے۔ جزاک اللہ بالخیر!

☆ اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ پروردگار عالم ہمیں اور ہمارے وطن پاکستان کو اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین۔

husan@aanchal.com.pk

طلعت نظامی

بریسٹ فیڈنگ (ماں کا دودھ)

یہ وہ خوراک ہے جو قدرتی طور پر ماں کا جسم اپنے بچے کے لیے تخلیق کرتا ہے جس میں تمام ضروری اجزاء موجود ہوتے ہیں اس پر کسی بھی قسم کے جغرافیائی اور موسمی اثرات اثر انداز نہیں ہوتے یہی وجہ ہے کہ اس کو یونیورسل غذا بھی کہا جاتا ہے اور اسی لیے اسے انٹرنیشنل اہمیت اور یکسانیت حاصل ہے۔

بچوں کی ابتدائی پرورش کے لیے پہلی غذا دودھ ہی ہے' یہ ایک حقیقت ہے کہ بچے کے پیدا ہونے سے پہلے ہی پستانوں میں دودھ کی پیدائش شروع ہوجاتی ہے اور جب بچہ دنیا میں آتا ہے تب تک اس کی پرورش کے لیے اس کی تغذیہ میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ ماں کا دودھ ایک قدرتی اور معاشی طور پر سستا راستہ ہے' بچوں کی غذا کا۔ دودھ پلانا ایک قدرتی فعل ہے اور خاص خاص طاقتوں کے زیر اثر ہے۔ اس کارکردگی سے خواتین کی صحت بھی برقرار رہتی ہے بعض خواتین صرف دودھ پلانے کے زمانے میں کلی طور پر صحت مند رہتی ہیں اس کے زیر اثر آلات ہضم میں چستی آجاتی ہے جس کی وجہ سے بھوک میں تیزی اور ہاضمہ کی قوت بھی طاقتور ہوجاتی ہے' غذا کی تبدیلی کا اثر تیز ہوتا ہے۔

ایک ماں کا قدرتی اور اخلاقی فرض ہے کہ اپنے بچے کو اپنا دودھ پلائے' وضع حمل کے بعد ہر دفعہ دودھ پلانے سے رحم میں سکڑن پیدا ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ رحم اپنی جگہ پر پہنچ جاتا ہے۔ جس سے ماں کی صحت بتدریج بہتر ہوتی چلی جاتی ہے لیکن وہ مائیں جو صحت کے خراب ہونے کی وجہ سے اپنے بچے کو دودھ نہیں پلاسکتیں یا دودھ پلانے کے قابل نہیں وہ اوپر کے دودھ سے بچے کی پرورش کرسکتی ہیں۔

دودھ کے طبعی اوصاف

ڈلیوری کے پہلے چند دن ماں کے دودھ میں کلاسٹرم (Colostrum) موجود ہوتا ہے۔ یہ ایک پتلا اور ہلکا پیلا سیرم ہوتا ہے جو پروٹین اور مدافعتی نظام سے بھرپور ہوتا ہے۔ کلاسٹرم بچوں کے ہاضمہ میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

کلاسٹرم آہستہ آہستہ قدرتی دودھ میں تبدیل ہوجاتا ہے۔

یہ دودھ سفید' بھورا' غیر شفاف' قدرے شیریں اور معتدل القوام ہوا کرتا ہے جس کے قوام کا اندازہ اس طرح لگایا جاتا ہے کہ دودھ کا ایک قطرہ ناخن پر ڈال کر دیکھتے ہیں اگر وہ قطرہ کسی قدر پھیل کر ٹھہر جائے تب اسے معتدل القوام تصور کرتے ہیں اور اگر پھیل کر ٹھہر جانے کے بجائے بہہ کر گر جائے تب اسے رقیق سمجھتے ہیں اور اگر وہ قطرہ ناخن پر گر کر بغیر پھیلے وہیں کا وہیں قائم رہے تب اسے غلیظ سمجھا جاتا ہے۔

اوقات:۔

یہاں کوئی مشروط اوقات نہیں' نومولود کو پیدا ہوتے ہی ماں کے دودھ سے لگا دینا چاہیے اس وقت جب کہ ماں جسمانی طور پر فٹ ہے اور بچہ دودھ چوسنے کے لیے تیار ہے عموماً پیدائش کے آٹھ سے بارہ گھنٹوں کے بعد بچہ ماں کا دودھ پینے کے لیے تیار ہوجاتا ہے۔ پہلی بار چوبیس گھنٹوں میں ہر چھ گھنٹوں بعد دودھ دیا جاتا ہے کیونکہ نومولود کا پیٹ ایک بار بھر جائے تو وہ کئی گھنٹوں تک سوسکتا ہے۔ دوسرے اور تیسرے دن ہر تین سے چار گھنٹوں میں دودھ دیا جاتا ہے یا بچے کے مطالبہ کے مطابق شیڈول ترتیب دیا جاتا ہے۔

دورانیہ

بچہ پہلے دن ہر خوراک جو وہ ماں کے دودھ سے حاصل کرتا ہے اس کا دورانیہ ایک منٹ کا ہوتا ہے تاہم ہر دوسرے اور تیسرے دن یہ دو سے تین منٹ تک محیط ہوجاتا ہے۔ وقت گزرنے پر ہر چھاتی سے سات سے دس منٹ تک اس کا دورانیہ پہنچ جاتا ہے حتیٰ کہ کل پندرہ سے بیس منٹ تک یہ پیریڈ پہنچ جاتا ہے۔

احتیاط

دودھ پلانے کے فوراً بعد بچے کو کندھے سے لگا کر کمر سہلانا چاہیے تاکہ دوران خوراک جو ہوا معدے میں منہ کے ذریعے گئی ہو وہ خارج ہوجائے۔

سینے کی صفائی اور نپل کی صفائی دودھ پلانے سے پہلے اور بعد میں ضرور کرنی چاہیے تاکہ بچہ معدے کی کسی بیماری یا جراثیم کا شکار نہ ہو۔

دودھ پلانے والی ماؤں کو زود ہضم اور پروٹین' لحمیات کیلشیم' آئرن سے بھرپور غذائیں لینی چاہئیں کیونکہ خوراک

کی تبدیلی کا اثر بچے کی صحت پر اثر انداز ہوتا ہے۔

بچے کی پیدائش سے دودھ کی مقدار بتدریج بڑھتی چلی جاتی ہے حتیٰ کہ چھ ہفتے میں یہ مقدار پیدائش سے تقریباً دوگنی ہو جاتی ہے۔ عام طور پر زیادہ سے زیادہ مقدار تین ماہ میں حاصل ہوتی ہے اس لیے اگر کسی ماں کو بچے کی پیدائش کے تین ماہ تک دودھ نہ اترے تو بچے کو دوسرا دودھ لگانے سے پہلے اپنی مکمل کوشش کریں اس کے لیے اس کو محنت کرنی ہوگی اور اپنے آرام کو قربان کرنا ہوگا پھر بھی کوئی مسئلہ ہو تو ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہیے۔

ابتدائی چند دنوں میں فراہم ہونے والا دودھ اس لحاظ سے بھی منفرد اور فائدہ مند ہوتا ہے کہ اس میں مدافعتی سفید خلیات (W.B Ces) کثیر تعداد میں تقریباً (سو فیصد) سے زیادہ موجود ہوتے ہیں پھر اس دودھ میں پروٹین کی مقدار معمول سے دس گنا زیادہ ہوتی ہے تاکہ بچے کی بڑھتی ہوئی جسمانی ضروریات کو پورا کیا جاسکے۔

بچے کی نشوونما کے لیے جو ضروری امائنو ایسڈ (Amino Acid) درکار ہیں وہ سب ٹھیک مقدار میں اس دودھ میں شامل ہوتے ہیں۔ چکنائی بھی غیر سیر شدہ فیٹی ایسڈ پر مشتمل ہوتی ہے جو آسانی سے ہضم ہو کر جزو بدن بن جاتی ہے۔

ماں کے دودھ میں موجود Vitamin A آنکھوں کی اور Vitamin D ہڈیوں کی نشوونما کے لیے ضروری ہے۔ نمکیات کی مقدار ماں کے دودھ میں بہت کم ہوتی ہے جس کے باعث نازک گردے غیر ضروری دباؤ سے محفوظ رہتے ہیں۔

اگر ماں کی اپنی غذائی صورتحال غیر تسلی بخش ہو یعنی اس کے خوراک میں کیلشیم، فولاد کم ہو تو دودھ کم بنتا ہے۔ بچہ جس قوت سے دودھ پیے گا اور جتنا زیادہ پیے گا اتنی ہی مقدار میں دودھ میں اضافہ ہوگا اس طرح دودھ اترنے کے عمل میں اضافہ ہوتا ہے۔

یہ بات مشاہدے میں ہے کہ کسی ناخوشگوار صدمے میں دودھ اترنے کا عمل کم ہو جاتا ہے یا مکمل طور پر ختم ہو جاتا ہے۔ درحقیقت، فکر، پریشانی، بے چینی دودھ اترنے کے عمل کو کم کردیتی ہے۔

ماں ذہنی طور پر جتنی پرسکون، پُراعتماد اور دودھ پلانے کے لیے تیار ہوگی مقدار زیادہ ہوگی۔

دودھ کے اجزا:۔

دودھ اگرچہ دیکھنے میں متشابہ الاجزاء معلوم ہوتا ہے لیکن کیمیاوی تجزیہ کے بعد اس کے اجزاء مختلف حیثیت میں نمایاں نظر آیا کرتے ہیں۔ دودھ میں سب سے بڑی مقدار پانی کی ہوتی ہے اس کے علاوہ اس میں شکر، پنیر، مکھن اور کچھ نمکیات بھی پائے جاتے ہیں جو پرورش کے سلسلہ میں خاصی اہمیت رکھتے ہیں۔ مندرجہ بالا اجزاء عورت نیز گائے بکری کے دودھ میں جس نسبت سے پائے جاتے ہیں وہ مندرجہ ذیل نقشہ سے ظاہر ہیں۔

فی صدی

نام	پانی	شکر	پنیر	مکھن	نمکیات
عورت کے دودھ میں	88	5.87	3.07	2.9	.16
گائے کے دودھ میں	85.88	4.5	4.92	3.5	.7
بکری کے دودھ میں	87.54	4	3.7	4.20	.56

عورت میں دودھ کی پیدائش مزاج، عمر، خاندانی خصوصیات، قد و قامت، ڈیل ڈول، غذا، ہاضمہ، عشرت و عسرت وغیرہ حالات کے اختلاف کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے تاہم اگر مذکورہ بالا حالات میں اعتدال اور اوسط کو پیش نظر رکھا جائے تب یہ کہا جاسکتا ہے کہ دودھ پلانے کے ایام میں دن رات میں کم و بیش ڈھائی لیٹر دودھ پیدا ہوتا ہے۔ پستانوں میں کسی قسم کی شکایت رونما ہونے پر اکثر اوقات رنگ، قوام، ذائقہ کے اعتبار سے دودھ میں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں جن سے بچے کی پرورش میں نقص پیدا ہو جاتا ہے اس لیے بہتر ہے کہ ایسی صورت کے رونما ہونے پر جلد اس کے اصلاح کی طرف توجہ کی جائے تاکہ بچہ اچھی طرح تغذیہ حاصل کر کے جلد اپنی بڑھوتری کے مدارج طے کرنے پر قادر نظر آئے۔

فوائد

ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (WHO) چھ ماہ تک صرف ماں کے دودھ پر بچوں کو انحصار کرنے کو کہتا ہے کیونکہ ماں کا دودھ ماں اور بچے کے ماتا بھرے تعلق کو مضبوط کرنے کا ایک قدرتی طریقہ ہے کیونکہ ماں کی آغوش میں صرف بچے کو

ہی ذہنی آسودگی نہیں ملتی بلکہ دودھ پلانے والی ماؤں کے ہارمونز مضبوط ہوتے ہیں اور اس کی صحت پر بہت خوشگوار اثرات مرتب کرتے ہیں۔

(۲) ماں کا دودھ مکمل طور پر جراثیم سے پاک ہوتا ہے۔

(۳) ماں کا دودھ بالکل تازہ اور خالص حالت میں بچے تک پہنچتا ہے اس میں کسی قسم کی کوئی ملاوٹ نہیں ہوتی' یہی وجہ ہے بچہ دیگر خوراک اور دودھ کی نسبت ماں کا دودھ جلد ہضم کرلیتا ہے۔

(۴) ماں کے دودھ میں الرجی کی مخصوص اینٹی بائیوٹک E.1g بہت زیادہ ہوتی ہے۔ دودھ کا ایک مخصوص جز آنتوں میں کیلفک ایسڈ پیدا کرتا ہے جو جراثیم کش ہوتا ہے جس کی وجہ سے مقعد کے اردگرد جلد کی خارش (نیپی ریش) سے محفوظ رکھتا ہے' دانتوں کی بیماریاں بھی بہت کم ہوتی ہیں۔

(۵) دودھ پینے کے دوران چوسنے اور دودھ کے اخراج کا عمل اس قدر یکسانیت سے چلتا ہے کہ بچے میں سانس رکنے یا اچھو لگنے کے امکانات بھی کم ہوتے ہیں اس لیے ایسے بچوں کے حلق میں پھندا لگ جانے سے اموات شاذ و نادر دیکھنے میں آتی ہے۔

(۶) دودھ پلانے والی ماؤں میں بریسٹ کینسر (چھاتی کا سرطان) کے امکانات 25 فیصد کم ہوجاتے ہیں۔

(۷) ایک دودھ پلانے والی ماں صحت مند ہوتی ہے اور اس کا دودھ پینے والے بچے کو پوری زندگی صحت مند رہنے کی ضمانت مل جاتی ہے اس کے علاوہ دودھ پلانے کے بعد ماں کو اپنے اندر راحت' اطمینان اور تسکین کا احساس ہوتا ہے اور وہ اپنے دودھ کو ہلکا پھلکا محسوس کرتی ہے' ذہنی اور جذباتی دباؤ سے بھی نجات مل جاتی ہے۔

(۸) بچے کو دودھ پلانے سے ماں کا جگر پوری استعداد سے کام کرتا ہے اور دوران حمل جسم پر جو چربی جمع ہوجاتی ہے اور پیٹ کے عضلات ڈھیلے پڑ جاتے ہیں وہ دودھ پلانے سے واپس آجاتے ہیں۔

(۹) مصنوعی طریقوں سے دودھ پلانے کے جھنجھٹوں سے آزاد ہوتی ہے جس میں فیڈر کی ضرورت نہیں پڑتی نہ اسے ابالنے اور بار بار صفائی کی زحمت اٹھانی پڑتی ہے۔

(۱۰) بچوں کے لیے بہترین غذا ہے اس میں وہ تمام اجزاء مثلاً پروٹین' لحمیات' چکنائی اور نمکیات اس ترتیب سے رکھے جاتے ہیں جو بچوں کی ذہنی' جسمانی نشوونما میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

ابھی تک کوئی ایسی دوا ایجاد نہیں ہوئی ہے جس سے دودھ کی مقدار میں خاطر خواہ اضافہ کیا جائے تاہم چند دیسی نسخوں سے اس کی مقدار بہتر بنائی جاسکتی ہے۔ ماؤں کو انجیر' شہد اور کلونجی کا استعمال رکھنا چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ گوشت کھانا چاہیے' ہر قسم کا ساگ' میتھی' اروی' کچالو سے پروٹین کی کمی پوری ہوتی ہے۔ ساگودانہ کا جوشاندہ پینے سے' فروٹ اور خربوزہ کھانے سے اس کے علاوہ دودھ' مکھن کا استعمال بھی کرنا چاہیے۔

دودھ چھڑانے کے متعلق ہدایات

اگر ماں مکمل طور پر صحت یاب ہے تو بچے کا دودھ اس وقت تک نہیں چھڑانا چاہیے جب تک کہ بچہ دوسری غذائیں کھانا شروع نہ کردے یا ان کا عادی نہ ہوجائے اگر ماں کی صحت دودھ پلانے کے قابل نہیں رہی تو بچہ کو چھ مہینے کی عمر سے مختلف غذاؤں پر رکھنا سکھانا چاہیے اس طرح بچہ دوسری چیزوں کا عادی ہوتا جائے گا اور اس طرح کس قدر ماں کا دودھ بھی ملتا رہے گا۔

مندرجہ ذیل وقفوں میں حتی الامکان بچہ کا دودھ نہیں چھڑانا چاہیے۔

ا۔ جب بچے کے نچلے دو دانت نکل رہے ہوں یہ دانت عموماً چھٹے یا ساتویں مہینے نکلتے ہیں اور ان کا وقفہ عموماً پندرہ دن ہوتا ہے اس کے بعد چار سے چھ ہفتہ تک بچے کا اور کوئی دانت نہیں نکلتا۔

۲۔ اوپر کے اگلے دو دانت۔

یہ دانت عموماً چھٹے سے دسویں مہینے تک نکلتے ہیں اور اس کے بعد کچھ وقفہ پھر ملتا ہے۔

۳۔ بارہویں سے چودھویں مہینے میں۔

ان وقفوں کے دوران بچے کا دودھ نہیں چھڑانا چاہیے کیونکہ بچے کی جسمانی اور دماغی صحت پر بہت بڑا فرق پڑتا ہے جس زمانہ میں بچے کے دانت نہ نکل رہے ہوں اس زمانے میں بچے کا دودھ چھڑانا ٹھیک رہتا ہے اس سے بچے کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

شوبز کی دنیا

دعا فاطمہ

ہدایتکار......کامران خان

متعدد ٹی وی ڈراموں اور فلم ہلہ گلہ کے شہرت یافتہ ہدایتکار کامران اکبر خان نے اپنی دوسری فلم بنانے کی تیاری شروع کردی ہے۔ پوری فلم ممبئی میں بنائی جائے گی اور اس میں بھارتی اداکاروں سمیت پاکستانی اداکار بھی کاسٹ کیے جائیں گے۔ معلوم ہوا ہے کہ ہدایتکار کامران اکبر خان نے فلم کے گانوں کے لئے بھارتی گلوکاروں سے بھی رابطے کیے ہیں۔ ان دنوں فلم کی کہانی کو آخری شکل دی جارہی ہے توقع ہے کہ فلم کا یونٹ عید کے بعد ممبئی جائے گا۔

بلائنڈ لو

لاہور میں فلم انڈسٹری کی بہتری اور بحالی کے لیے فلمسازوں نے مل کر فلمیں بنانی شروع کردیں۔ (کاش یہ کام پہلے کرتے) اس سلسلے میں پہلی فلم "بلائنڈ لو" مکمل کرلی گئی ہے جو عیدالفطر پر نمائش کے لیے پیش کی جائے گی۔ "بلائنڈ لو" کے ہدایت کار و کیمرہ مین فیصل بخاری ہیں۔ فلمسازوں میں میاں امجد، فرزند علی، چوہدری اعجاز کامران اور ذوالفقار مانا شامل ہیں۔ فلمی حلقوں نے مشترکہ فلمسازی اور فلمسازوں کی کاوشوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے اس پہلی فلم کی کامیابی کے لئے نیک تمناؤں کا اظہار کیا ہے۔

ڈرامہ سیریل......دھند

اداکار نعمان مسعود ان دنوں کراچی سے لاہور گئے ہوئے ہیں۔ وہ پی ٹی وی لاہور کی زیر تکمیل ڈرامہ سیریل "دھند" میں ایک افسر کا کردار ادا کررہے ہیں۔ نعمان مسعود نے بتایا کہ بڑے عرصے کے بعد لاہور آیا ہوں یہاں کی ترقی اور خوشحالی دیکھ کر خوشی ہورہی ہے۔ یہاں پنجابی بولنے کا بھی مزا آرہا ہے اور ایک تبدیلی محسوس ہورہی ہے۔

سپر اسٹار ندیم

اداکار ندیم کی فلم انڈسٹری میں پچاس سالہ اعلیٰ فنی خدمات پر ندیم سے منسلک تنظیموں نے انہیں مبارک باد دی ہے۔ تنظیم "آل کراچی سپر اسٹار ندیم فیڈریشن" کے ایم اقبال بلوچ، راشد اکرام، فضیلت مہدی، وقار رضی، عرفان ندیم، نعیم خان، علی مہدی، سرفراز، شہریار، تاجدار اور محبوب نے اداکار ندیم کی فنی صلاحیتوں کو زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔ ندیم نے 219 فلموں میں اپنی اداکاری کے جوہر دکھائے اور 47 ٹی وی ڈراموں میں کام کیا۔ انہیں 132 ایوارڈز ملے جن میں تمغہ حسن کارکردگی، نیشنل ایوارڈ اور لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ شامل ہیں۔ اداکار ندیم کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ ان کی 10 فلموں نے ڈائمنڈ جوبلی، 46 نے گولڈن جوبلی اور 87 فلموں نے سلور جوبلیاں منائیں۔

تیری میری لو اسٹوری

ٹی وی فنکار محب مرزا اور اوشنا شاہ پہلی بار ایک ساتھ بڑی اسکرین پر نمودار ہورہے ہیں، وہ ہدایتکار جواد بشیر کی پہلی فلم "تیری میری لو اسٹوری" میں مرکزی کردار نبھا رہے ہیں۔ (محب کی پہلی فلم شاید نہیں دیکھی ہوگی) ان دنوں فلم کی شوٹنگ ناران اور دیگر مقامات پر جاری ہے۔ دیگر کاسٹ میں محسن عباس حیدر، احمد عبدالرحمان، عظمیٰ خان، سلمان شاہد اور لیلیٰ زبیری شامل ہیں۔

گلوکارہ سمرہ خان

معروف گلوکارہ سمرہ خان دبئی میں عدنان سمیع کے کنسرٹ کی میزبانی کریں گی۔ دبئی ورلڈ ٹریڈ سینٹر میں ہونے والے لائیو کنسرٹ میں عدنان سمیع خان پرفارم کریں گے۔ سمرہ خان نے حال ہی میں کوک اسٹوڈیو سیزن ۸ میں عاصم اظہر کے ساتھ مشترکہ گانا ریکارڈ کرایا ہے جبکہ وہ متعدد گانے، ٹی وی کمرشلز اور پی ٹی وی ایوارڈز کیلئے پس پردہ گانے بھی ریکارڈ کراچکی ہیں۔ سمرہ خان کا کہنا ہے کہ میرے لیے یہ کسی اعزاز

سے کم نہیں کہ میں عدنان سمیع خان کے کنسرٹ میں اپنی پرفارمنس دینے جارہی ہوں۔(کاش عدنان کے لیے بھی یہ اعزاز ہوتا) کوک اسٹوڈیو کے بعد یہ ان کی پہلی لائیو پرفارمنس ہوگی۔

اداکارہ آمنہ شیخ کی خواہش

ٹی وی اداکارہ آمنہ شیخ مارول کی مسلم سپر ویمن بننا چاہتی ہیں۔ ہالی وڈ میں کام کے خواب کے ساتھ بیرون ملک سے ویڈیو پروڈکشن میں ماسٹر کرنے والی آمنہ شیخ نے اپنے دورہ لاہور کے دوران گفتگو میں اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ مارول کی مسلمان سپر ہیروئن بننے کی خواہش رکھتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اداکاری میں ڈگری کوئی اہمیت نہیں رکھتی ہے یہ ایک فطری صلاحیت ہوتی ہے جس کو آپ جتنے بہتر طریقے سے اجاگر کریں گے اتنے بہتر اداکار ثابت ہوں گے۔ انہوں نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ وہ فیشن کی دنیا سے الگ نہیں ہوسکتیں وہ فلم میں ہوں یا ٹی وی پر ان کا ایک پاؤں فیشن میں ہوتا ہے کیونکہ اس سے ان کو سکون ملتا ہے۔ (دونوں پاؤں استعمال کرتی تو ماڈلنگ بہتر کرتی)

اداکارہ حیا سہگل فلم سکندر میں

اداکارہ حیا سہگل گزشتہ دس سالوں سے جدوجہد کے باوجود نمایاں مقام حاصل کرنے میں ناکام ہوگئیں۔ ذرائع کے مطابق اداکارہ حیا سہگل پچھلے دس سالوں سے ٹی وی اور فلموں میں اداکاری کررہی ہیں مگر اس کے باوجود ان کے کریڈٹ پر کوئی ایسا کردار نہیں جس کی وجہ سے ان کی کوئی شناخت بن سکتی۔ (اپنے کام پر توجہ دیتی تو نام بن جاتا) ذرائع کے مطابق حیا سہگل اب اپنا نام بنانے اور شہرت حاصل کرنے کے لئے معمر رانا کی فلم "سکندر" میں مرکزی کردار میں نظر آئیں گی اور اس فلم کی نمائش کے بعد ہی حیا سہگل کے فنی کیریئر کے بارے میں علم ہوگا کہ مستقبل میں وہ فلموں میں کام کریں گی یا نہیں۔ اس حوالے سے ان کا کہنا تھا کہ اصل میں ڈائریکٹر مجھ سے صحیح طریقے سے کام نہیں لے سکے (ہر ناکام آدمی یہی کہتا ہے) مگر فلم کی نسبت ٹی وی ڈرامہ کے ڈائریکٹر قدرے بہتر ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میرا عزم ہے کہ ایک دن میں شہرت کی بلندیوں کو چھو کر رہوں گی۔

سینئر اداکار مصطفیٰ قریشی

سینئر اداکار مصطفیٰ قریشی ۸ جون کو لاہور سے ناروے روانہ ہوگئے۔ مصطفیٰ قریشی نے بتایا کہ وہ ناروے کی ایک مقامی فلم میں کام کررہے ہیں، اس کے علاوہ ناروے کی کلچرل سوسائٹی کے زیر اہتمام ایک کتاب کی رونمائی کے مہمان خصوصی بھی ہوں گے۔ ناروے کے بعد لندن جائیں گے اور عیدالفطر کے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

قریب لاہور واپس آئیں گے۔

ریما خان شو

پاکستان ٹیلی ویژن لاہور سینٹر میں چیئر مین پی ٹی وی عطا الحق قاسمی کے کیمپ آفس میں پی ٹی وی پر رمضان المبارک کے بعد شروع ہونے والے پروگرام "ریما شو" کی میزبان ریما خان اور فلمسٹار شان نے ایم ڈی، پی ٹی وی سید عمران گردیزی اور چیئر مین پی ٹی وی عطا الحق قاسمی سے ملاقات کی۔ اس موقع پر ڈائریکٹر پروگرام آغا ذوالفقار احمد خان اور کنسلٹنٹ پروگرام امجد بخاری بھی موجود تھے۔ دونوں اسٹارز نے پاکستان ٹیلی ویژن کے ویران اسٹوڈیوز میں دوبارہ رونقیں بحال ہونے پر خوشی کا اظہار کیا۔ دونوں فنکاروں نے کہا کہ پاکستان ٹیلی ویژن ہمارا قومی چینل ہے اور اس پر کام کرنا ہمارے لیے فخر کا باعث ہے۔ اداکارہ ریما خان نے کہا انہیں توی امکان ہے کہ پی ٹی وی پر عنقریب شروع ہونے والا ان کا

وہا علی ابڑو

اداکارہ وماڈل سوہائے علی ابڑو نے کہا ہے کہ میں نے اپنے فنی سفر کا آغاز تھیٹر سے کیا اور کئی برس تک اس سے وابستہ رہی، اس کے بعد میں نے ٹی وی ڈراموں میں قدم رکھا، ور پھر اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کے مطابق مختلف اور منفرد کردار نبھائے۔ انھوں نے کہا کہ منفرد کام کی شوقین ہوں، بہت جلد اپنا نیا روپ دکھاؤں گی۔ (شادی کر رہی ہیں؟) جہاں تک بات فلم میں کام کرنے کی ہے تو میں سمجھتی ہوں کہ ہر کوئی فلم میں ہی کام کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ ڈراموں کی شوٹنگ اور فلم کی عکسبندی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ دونوں شعبوں میں کام کا انداز بہت الگ ہے۔ ان خیالات کا اظہار انھوں نے اپنے ایک انٹرویو کے دوران کیا۔ سوہائے علی نے کہا کہ مجھے کسی بھی نئے پروجیکٹ میں کام کرنے کی پیشکش ہو تو میرے لیے سب سے زیادہ ضروری میرا کردار اور اسکرپٹ ہوتا ہے۔ میرے نزدیک ہالی وڈ یا بالی وڈ کے نام زیادہ اہمیت نہیں رکھتے بلکہ وہ پروجیکٹ زیادہ اہم ہوتا ہے، جس کو کرتے ہوئے مجھے خود بھی مزہ آئے

اداکارہ صائمہ قریشی

سابق اداکارہ روزینہ کی صاحبزادی اور ماڈل فنکارہ صائمہ قریشی نے کہا ہے کہ آج کئی برس بعد میری پی ٹی وی کراچی پر ایک ڈرامے میں انٹری ہوئی تھی اور اداکاری کے رموز اور واقفیت میں والدہ سے تربیت لی صائمہ قریشی ان دنوں ایک ٹی وی سیریل کی ریکارڈنگ کرا رہی ہیں اور اس بارے میں ان کا کہنا ہے کہ ایک طویل عرصے بعد ناظرین مجھے ایک اچھے اور مثبت کردار میں دیکھیں گے انہوں نے کہا کہ مجھے فلموں میں کام کرنے کی پیشکش ہوئی ہے لیکن ابھی میں ٹی وی ڈراموں میں مصروف ہوں (کام حاصل کرنے کا اچھا بہانا ہے) اس لیے بڑی اسکرین پر آنے کا فیصلہ نہیں کیا۔

اداکارہ لیلیٰ کا سچ

فلم انڈسٹری کا اچھا دور واپس آ رہا ہے، ٹی وی پر کام کرنے سے کبھی انکار نہیں کیا، دل میں بات نہیں رکھتی، منہ پر کہہ دیتی ہوں چاہے کسی کو اچھا لگے یا برا۔ ان خیالات کا اظہار اداکارہ لیلیٰ نے اپنے ایک انٹرویو میں کیا۔ لیلیٰ نے کہا کہ شوبز انڈسٹری کانٹوں کی سیج ہے جہاں ہر قدم سوچ سمجھ کر رکھنا پڑتا ہے، کیونکہ اگر آپ کے چند خیر خواہ ہیں تو اس میں مخالفین بھی ہیں جن کا مقصد ہی آپ کو پریشان کرنا ہوتا ہے۔ مجھے بھی ایسے ہی

حالات سے کچھ زیادہ ہی دوچار ہونا پڑا، اب بھی ایسی ہی صورتحال کا سامنا ہے مگر میں گھبرانے کی بجائے مقابلہ کرنا جانتی ہوں۔ فلم انڈسٹری کی بربادی کے ذمے دار ہم خود ہیں کیونکہ پروڈیوسر اور ڈائریکٹرز سمیت سبھی نے وقت کے تقاضوں کو مدنظر رکھنے کی بجائے صرف اپنے بارے ہی میں سوچا۔ (اتنا سچ بولتی ہیں جب ہی تو منظر سے غائب رہتی ہیں) اگر ہم وقت سے پہلے ہی نئی آنے والی تبدیلیوں، ثقافتی یلغار اور سیٹلائٹس چینلز کا ادراک کرتے ہوئے جدید فلم میکنگ اور اچھوتے موضوعات کو لے کر چلتے تو شاید آج اسٹوڈیوز کو تالے اور سینما ہالز نہ گرتے۔

دھڑکن

ماضی قریب کی مقبول ترین فلم "دھڑکن" کا سیکوئل بنایا جارہا ہے اور خبریں گرم تھیں فلم میں پاکستانی اداکار فواد خان بھی اداکاری کے جوہر دکھائیں گے تاہم فلم کے ہدایت کار نے اس کی تردید کردی ہے۔ بھارتی میڈیا کے مطابق اپنے ایک انٹرویو میں دھرمیش دھرشن نے کہا ہے کہ وہ "دھڑکن" کا سیکوئل بنارہے ہیں لیکن فلم کے حوالے سے انہوں نے کسی بھی اداکار کو کسی بھی کردار کے لیے کوئی پیشکش ہی نہیں کی۔ پھر نجانے کیوں فلم میں فواد خان کی شمولیت کے حوالے سے خبریں آرہی ہیں۔ وہ اس قسم کی تمام خبروں کی تردید کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ فواد خان رواں برس ۳ بھارتی فلموں "اے دل ہے مشکل"، "مولا جٹ ٹو" اور "ایم ایس دھونی دی ان ٹولڈ اسٹوری" کے ذریعے بڑی اسکرین پر جلوہ گر ہوں گے۔

اب میری باری

اپنی بہنوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے، عروا اور ماورا حسین کے بھائی انس یزداں بھی چھوٹی اسکرین پر اپنا ڈیبیو پیش کرنے جارہے ہیں۔ (اف، اب انہیں بھی برداشت کریں) عروا نے اپنے انسٹا گرام اکاؤنٹ اپنے بھائی کی تصویر پوسٹ کی جس میں وہ شوٹنگ پر نظر آرہے ہیں۔ انس یزدان کے لیے ایکٹنگ کا میدان نیا نہیں ہے۔ اس سے قبل بھی جب ماورا اور عروا تھیٹر کے لیے اداکاری کیا کرتی تھیں تب ان کا بھائی بھی ان کے ساتھ شامل تھا۔ عروا ان دنوں متنازعہ ڈرامہ 'اڈاری' میں اداکاری کے جوہر دکھا رہی ہیں۔ (اداکاری کے یا رونے کے) اس ڈرامے کو پیمرا کی جناب سے نوٹس بھی مل چکا ہے۔ ماورا حسین بھی بالی وڈ میں اپنا ڈیبیو کرچکی ہیں اور ان کی بالی وڈ "صنم تیری قسم" کچھ خاص پذیرائی حاصل نہیں کرسکی۔

موسیقی پر اچھا وقت

ملک کی نامور گلوکارہ حمیرا ارشد نے کہا ہے کہ رواں سال میوزک انڈسٹری ترقی کرے گی آئی این پی سے گفتگو میں حمیرا ارشد نے کہا کہ پچھلے چند سالوں سے ہماری میوزک انڈسٹری جمود کا شکار ہے اور بڑے بڑے گلوکار اپنا مکمل البم نکالنے میں ناکام رہے ہیں لیکن اب موجودہ ملکی حالات دیکھتے ہوئے پوری امید ہے کہ رواں سال میوزک انڈسٹری سے یہ جمود ختم ہوجائے گا اور پاکستانی میوزک انڈسٹری ایک بار پھر سے اپنے عروج پر پہنچے گی اور شائقین موسیقی کو اچھا میوزک سننے کو ملے گا۔ (کاش ایسا ہی ہو)

کام سے عشق

ٹی وی فلم کی نامور اداکارہ و ماڈل ریشم نے کہا ہے کہ میں نے اپنا موجودہ مقام انتھک محنت سے حاصل کیا ہے جس پر میں ہمیشہ فخر محسوس کرتی ہوں، اپنے کام سے عشق کامیابی کا پہلا اصول ہے۔ میں نے نئے ٹیلنٹ اور جونیئرز کی ہمیشہ حوصلہ افزائی کی ہے مگر میری ذاتی رائے ہے کہ شوبز میں سفارشی اور نا اہل لوگوں کی ہرگز جگہ نہیں ہے۔ کوئی شخص سفارش سے کام ضرور حاصل کرلیتا ہے مگر اچھا فنکار نہیں بن سکتا۔ (یہ تو سچ ہے) کیونکہ کامیابی دلانے میں محنت اور لگن بڑی اہم چیز ہوتی ہے۔ ریشم نے کہا کہ ان دنوں ٹی وی ڈراموں کی عکسبندی میں مصروف ہوں تاہم اگر کوئی اچھی اور معیاری فلم کی آفر ہوئی تو اس پر ضرور غور کروں گی۔

بچپن لوٹ آنے کی خواہش

سینئر اداکار علی اعجاز نے کہا ہے کہ میں نے اپنی فنی زندگی میں بے شمار کردار ادا کیے ہیں اب کسی کردار کی خواہش باقی نہیں ۔ایک انٹرویو میں انہوں نے کہا کہ ہمارے ملک میں بوڑھے ہو

جانے والے فنکاروں کو وہ قدر و عزت نہیں دی جاتی جس کے وہ حق دار ہوتے ہیں۔ سینئر فنکار اثاثہ ہیں ان سے استفادہ کیا جائے تاکہ وہ بھی زندگی کے باقی لمحے عزت کے ساتھ گزار سکیں۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ کبھی کبھی دل میں خواہش مچلتی ہے کہ بچپن پھر لوٹ آئے مگر مجھے علم ہے کہ سب تصوراتی باتیں ہیں، میں آج بھی اپنے حسین ماضی کی یادوں میں گم ہوجاتا ہوں۔

ادا کار سعود فلم بنائیں گے

سعود نے بتایا کہ اس سلسلے میں ان کی فلم بنانے کی تیاریاں حتمی مراحل میں داخل ہو چکی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ فلمی صنعت کی بحالی کے لیے اب ہمیں اچھے اور منفرد موضوعات پر مبنی فلموں کی ضرورت ہے۔ میری فلم کی کہانی کا موضوع آج کل کی فلمی کہانیوں سے مختلف ہوگا امید ہے کہ میری یہ کوشش عوام کو پسند آئے گی۔

وجود

عیدالفطر کے بعد جاوید شیخ اپنی نئی اردو فلم "وجود" کی شوٹنگ کا آغاز کریں گے۔ فلم "وجود" کی پروڈکشن اور ڈائریکشن وہ خود کریں گے۔ وہ ایک طویل وقفے کے بعد فلم بنا رہے ہیں۔ (کیا ضرورت تھی) فلم میں زیادہ تر کراچی کے فن کاروں کو کاسٹ کیا گیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ فلم کے میوزک پر کام ہو رہا ہے جبکہ اسکرپٹ مکمل ہوگیا ہے۔

اداکارہ صبا قمر

ممتاز اداکارہ و ماڈل صبا قمر نے کہا ہے کہ نوجوان نسل کے فنکاروں نے ٹی وی ڈراموں کو جدت دی ہے جس کے باعث ہماری ٹی وی انڈسٹری بھارتی و عربی ڈراموں کے سحر کو توڑنے میں کامیاب ہوگی ہے۔ ایک انٹرویو کے دوران گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا ہماری ٹی وی انڈسٹری میں مزید بہتری کی گنجائش موجود ہے جس کے لیے نت نئے موضوعات اور جدید ترین ٹیکنالوجی کا حصول وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اپنے فنی کیریئر کے دوران ہر طرح کے کردار بخوبی ادا کیے ہیں لیکن خواہش ہے کہ کوئی ایسا کردار ادا کروں جس کو لوگ مدتوں یاد رکھیں۔ انہوں نے کہا کہ کسی بھی ٹی وی ڈرامہ کی کامیابی کیلئے اسکرپٹ کا اصلاحی اور معیاری ہونا نہایت ضروری ہے۔

چینلز جلوہ اور 8XM

پاکستانی معروف میوزک چینلز جلوہ اور 8XM جو مقبول انڈین گانے ٹیلی کاسٹ کرنے کے حوالے سے پاکستان میں خاصی مقبولیت رکھتے ہیں نے اعلان کیا ہے کہ پاکستانی میوزک انڈسٹری کو سپورٹ کرنے اور قومی فن کو اجاگر کرنے کے لئے اب یہ دونوں چینلز پاکستانی گانوں کو بھی نشر کریں گے۔ جلوہ اور 8XM کی جانب سے یہ اعلان نہایت ہی خوش آئند ہے کیونکہ یہ دونوں چینلز پائریسی کے خلاف کام کرتے ہوئے تمام قانونی تقاضے پورے کرتے ہیں اور اب نا صرف پاکستانی گلوکار اور موسیقار اس کے ذریعے اپنا فن ناظرین تک پہنچا سکیں گے بلکہ پاکستانی فلموں کے گانوں کو بھی اس کے ذریعے فروغ دیا جاسکے گا۔

اداکاری سے گلوکاری

اداکارہ مہوش حیات اداکاری کے میدان میں خود کو منوانے کے بعد اب گانا بھی گائیں گی۔ ذرائع کے مطابق مہوش کوک اسٹوڈیو میں گلوکار شیراز اپل کے ساتھ گاتی نظر آئیں گی، مہوش اس گانے کے پروڈیوسرز میں بھی شامل ہوں گی۔ مہوش اس سے قبل ڈرامہ مراۃ العروس کے ٹائٹل گانے میں فریحہ پرویز کے ساتھ گا چکی ہیں۔

ٹوٹکے

خدیجہ احمد

پیٹھا

پیٹھا دو کلو سے دس کلو تک وزن میں ہوتا ہے اس کا چھلکا سبز اور سطح صاف ہوتی ہے یعنی ڈلیوں کے نشان اس پر نہیں ہوتے اور اوپر سفید سا بھی لگا ہوتا ہے۔

پیٹھا سرد تر اور بہت طاقت بخش چیز ہے۔ خون اور گوشت کو بڑھاتا ہے' دل دماغ' جگر اور پھیپھڑوں کو طاقت دیتا ہے۔ اعصاب (نروس سسٹم) اور گرمی کے جملہ امراض میں بہت مفید ہے۔ مٹھائیوں میں پیٹھے کی مٹھائی بہترین اور مفید ترین ہے۔

پودینہ

گرم خشک ہے' ہاضم ہے بھوک لگاتا ہے۔ گردہ' معدہ اور جگر کو طاقت دیتا ہے' انار دانہ کے ساتھ اس کی چٹنی بہت لذیز ہوتی ہے اور کھانے کو جلدی ہضم کرتی ہے۔ پودینہ پیٹ کے درد' ہچکی' بلغم' اپھارہ کے لیے مفید ہے' پیشاب آور ہے' بلغم کو چھانٹتا ہے۔

پیاز

گرم ہے' قے' متلی اور سردی کی بیماریوں میں مفید ہے۔ مقام تبدیل کرنے سے جو آب و ہوا کی تبدیلی کی وجہ سے صحت پر مضر اثر پڑتا ہے وہ پیاز کے استعمال سے دور ہوجاتا ہے' گلٹی پر باندھنے سے اسے بٹھا دیتا ہے۔ پھوڑے پر باندھنے سے اس کی میل صاف کرتا ہے' درد کو ہٹاتا ہے' ہیضہ کے دوران میں اس کا کھانا اور پاس رکھنا مفید ہے۔ ہیضہ کے مریض کو دو دو تولے پیاز کا نچوڑا ہوا پانی گھنٹہ گھنٹہ بعد پلائیں' نفع ہوگا۔

تر (ککڑی)

سرد' پیاس اور خون کے جوش کو ٹھیک کرتی ہے' گرمی کو ہٹاتی ہے۔ بہت پیشاب آور ہے' اپھارہ کرتی ہے' دیر میں ہضم ہوتی ہے اس کی سبزی گرمی کو ہٹاتی ہے۔ تر کو نمک اور مرچ لگا کر کھانا چاہیے۔ تر کھانے سے ایک گھنٹہ پہلے اور دو گھنٹے پیچھے پانی' لسی اور شربت نہیں پینا چاہیے۔ نہیں تو ایسی بدہضمی ہوتی ہے جو کہ ہیضہ کی حد تک پہنچ جاتی ہے حتی الوسع اس سے پرہیز کریں۔

تربوز

سرد تر ہے' خون اور گرمی کے جوش کو روکتا ہے۔ بلغم پیدا کرتا ہے' پیشاب آور ہے۔ زیادہ کھانے سے یا سردی کے وقت کھانے سے جوڑوں میں درد کرتا ہے' اپھارہ کرتا ہے۔ گرم مزاج والوں کے لیے بہت مفید ہے۔

کچے تربوز کی سبزی بہت اعلیٰ بنتی ہے اور بھنا ہوا بھی بہت لذیذ ہوتا ہے' اس کی تاثیر پکے تربوز جتنی سرد نہیں ہے۔

تل

گرم تر ہے' دیر میں ہضم ہوتے ہیں انہیں تھوڑا سینک لیا جائے تو بہتر ہے۔ چھلکا اترے ہوئے اور دھلے ہوئے تل بادی بواسیر میں مفید ہے' پیشاب کی زیادتی میں تل شکر ملا کر پیس کر تھوڑا گرم کرکے گجک بنا کر کھانا بہت مفید ہے۔ تل گلے کی خارش کے لیے بھی بہت مفید ہے' جسم کو موٹا کرتے ہیں۔

توری کالی

یہ ہاضمہ کو تیز کرتی ہے' صاف خون پیدا کرتی ہے' ہلکی ہے ہر قسم کے بخار میں کالی مرچ ڈال کر شوربا پی لینے سے طبیعت صاف ہوجاتی ہے' توری بھوک لگاتی ہے' منہ کا ذائقہ درست کرتی ہے ادرک یا گرم مصالحہ ڈالنا چاہیے۔

توری گھیا

سرد تر' یہ گرمی کو درست کرتی ہے۔ بادی بلغم کے بیمار کالا زیرہ موٹی الائچی ڈال کر کھائیں' تو اس کا سرد تر ہونا ان کو نقصان نہیں دے گا۔ توری ایک صحت بخش سبزی ہے ہاضمہ کو تیز کرتی ہے' بخار میں مفید ہے۔

ٹنڈے

سرد تر' پیشاب کی جلن' ہاتھ پیر کی جلن' پیشاب کی کمی' گرمی کا بخار' پیاس اور گرمی کے دوسرے نقائص میں بہت مفید ہے۔ زکام' کھانسی وغیرہ بلغمی شکایتوں میں نہ کھائیں' کالی مرچ' الائچی اور کالا زیرہ ڈالنے سے ٹنڈے کی سبزی سب طبیعتوں کے موافق آتی ہے۔ سوکھی کھانسی میں ٹنڈے گلے کو تر کرتے ہیں۔

ٹماٹر

معتدل خشک' بھوک لگاتا ہے' کھانے کو ہضم کرتا ہے' طاقت اور فرحت بخشتا ہے۔ موٹاپے اور شوگر کے مریض زیادہ استعمال کریں۔ بادی کے جملہ عوارض میں مفید ہے۔ قبض کشا ہے' اپھارہ کو دور کرتا ہے' کچا ابال کر چھلکا اتار کر کھانا بہتر ہے۔ زیادہ گھی پڑی ترکاری بنا کر کھانے سے ٹماٹر کے فائدے بہت کم ہو جاتے ہیں' سب فوائد کچے کے ہی ہیں۔ سنگترے کی نسبت بہت سستا اور زیادہ مفید ہے۔

جامن

سرد خشک' یہ خون اور گرمی کے نقائص کو دور کرتا ہے۔ بھوک لگاتا ہے' قدرے قابض ہے۔ تلی' جگر اور معدہ کو طاقت دیتا ہے خصوصاً گرم طبیعت والوں کے بالوں کو گرنے سے بچاتا ہے۔ پیشاب کی زیادتی کو کم کرتا ہے' پیشاب کے ساتھ شکر آنے کو روکتا ہے۔ دانتوں کو مضبوط کرتا ہے' اس کی گری' طاقت دیتی ہے' ذیابیطس اور مثانہ کی کمزوری میں بے حد مفید ہے۔ جامن کے تنے کی چھال سکھا کر تین تین ماشے لسی (چھاچھ) کے ساتھ دینا سنگرہنی میں اچھا ہے۔

جو

سرد خشک معدہ کو طاقت دیتا ہے' بلغم بادی کو مٹاتا ہے۔ پیشاب آور ہے' کھانسی' دمہ' گرمی کا سر درد' پیاس میں مفید ہے۔ جو کو پانی میں بھگو کر اوپر کا چھلکا اتار لیں اور پھر دودھ میں کھیر کی طرح پکائیں تو بدن خوب موٹا ہوتا ہے' جو کے ستو گرمی کے موسم میں طبیعت کو ٹھنڈک پہنچاتے ہیں اور طاقت دیتے ہیں' جو کی روٹی جسم کو پتلا کرتی ہے۔

جوار

معتدل اور خشک' دیر میں ہضم ہوتی ہے' اپھارہ کرتی ہے۔ گھی اور میٹھے کے ساتھ کھانے سے بہت ہی فائدہ کرتی ہے' طاقت دیتی ہے اور اپھارہ بھی نہیں کرتی۔

زیرہ سیاہ

گرم ہے' بلغم مٹاتا ہے' بادی کو خارج کرتا ہے' کھانے کو ہضم کرتا ہے۔

زیرہ سفید

قدرے گرم ہے' بلغم کو چھانٹتا ہے' بادی کو خارج کرتا ہے' طاقت بخش ہے۔

چاول

سرد خشک' سب قسم کے چاول زود ہضم ہوتے ہیں' قابض ہیں' گرمی کو مٹاتے ہیں' چاول نئے پرانے سب اچھے ہیں' تپ دق اور سنگرہنی میں پرانے چاول بہترین غذا ہیں۔ دست پیچش میں دہی اور چاول مفید ہیں۔ ساتھ ہی بخار کی حرارت ہو تو دہی منع ہے۔ مشین کے چھلکا اترے اور صاف کیے ہوئے چاول اپنی خوبی کا بیشتر حصہ ضائع کر بیٹھتے ہیں۔ اس واسطے ہاتھ سے کوٹے ہوئے اور صاف کیے ہوئے چاول بہترین ہیں چونکہ چاول باقی سب اناجوں سے کم طاقت بخش ہے۔ اس لیے ان کے ساتھ دال یا دوسرے اناج کا استعمال لازمی ہے' دودھ اور چاول کھانا بھی بہت صحت اور طاقت بخش ہے۔

چائے

گرم خشک' تھکان' سردی اور ان سے پیدا شدہ سر درد دور کرتی ہے۔ پسینہ آور ہے' خشکی کی وجہ سے جبکہ پیٹ بھرا ہو اور بار بار پیاس لگتی ہے۔ اس کے لیے چائے مفید ہوتی ہے' پیشاب بہت لاتی ہے (دار چینی ملا دینے سے پیشاب اتنا زیادہ نہیں آتا) نیند کو کم کرتی ہے۔ ملائی اور دودھ ملانے سے یہ نقص دور ہو جاتا ہے اگر کچھ عرصہ متواتر پی جائے تو خون کو خراب کر دیتی ہے' معدہ کو کمزور کرتی ہے۔

چٹنی

پودینہ' دھنیا' پیاز وغیرہ میں نمک انار دانہ' مرچ ڈال کر رگڑنے سے چٹنی بن جاتی ہے۔ املی' اچور میں کشمش' چھوہارے' نمک اور کھانڈ ڈال کر بھی چٹنی تیار کی جاتی ہے۔ اس کا تھوڑا استعمال گاہے بگاہے کر لینا ہاضمہ کو تیز کرتا ہے۔ پودینہ اور دھنیا کی چٹنی کو ترجیح دینی چاہیے اگر کھانسی' زکام' گلے کی خرابی وغیرہ نہ ہو جایا کرے تو تھوڑی مقدار میں استعمال کریں مگر ہفتے میں ایک دو بار سے زیادہ چٹنی کا استعمال صحت کے لیے مضر ہے روزانہ کھانے والوں کو اس کے بغیر نہ تو کھانا ہضم ہوتا ہے اور نہ ہی کھانا ذائقہ دیتا ہے۔

اریبہ منہاج ...... ملیر کراچی

حنا کے رنگ